خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب
ماہنامہ
آنچل
کراچی
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
aanchal.com.pk
www.paksociety.com

اس شمارے میں

ابتدائیہ

دانش کدہ

ہمارا آنچل

سلسلہ وار ناول

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی

سرورق: لبنیٰ ..... آرائش: اسماز بیوٹی پارلر فیڈرل بی ایریا، کراچی ..... عکاسی: جنید خان

نئی کونپلیں

افسانہ

مکمل ناول

ناولٹ

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتا: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون نمبرز 021-35620771/2
فیکس 021-35620773 ایک از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل Info@aanchal.com.pk

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چار خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ جس میں پائی جائیں وہ ہو بہو منافق ہے اور جس شخص کے اندر ان میں سے کوئی (ایک) خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی تاوقت یہ کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے (وہ چار خصلتیں یہ ہیں) ۱۔ جب اس کے پاس کوئی امانت رکھوائی جائے تو وہ خیانت کرے، ۲۔ جب بات کہے تو جھوٹ بولے ۳۔ جب معاہدہ کرے تو بے وفائی کرے، ۴۔ جب جھگڑے تو فاجرانہ حرکتیں (گالی گلوچ) کرے۔" (بخاری و مسلم)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مئی ۲۰۱۳ء کا آنچل حاضر مطالعہ ہے۔

جزاک اللہ ان تمام بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ جنہوں نے سالگرہ نمبر کو پسند کیا اور اپنی گراں قدر آراء سے نوازا خصوصاً ان تمام قارئین بہنوں اور آنچل کی اہل قلم بہنوں کا خصوصی شکریہ جنہوں نے جویریہ احمد کے جویریہ سالک بن جانے اور اپنے بابل کے گھر سے پیا گھر بسانے کے سلسلے میں ڈھیروں ڈھیر مبارک باد ارسال کی بذریعہ ای میل فون اور خطوط کے ذریعے ادارہ آنچل کے تمام ہی کارکن اور خصوصی طور پر طاہر احمد قریشی اور ان کے والد مشتاق احمد قریشی اور یہ آپ کی ناچیز بہن بھی تمام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ اتنے خوب صورت اتنی کثیر تعداد میں پیغامات اور دعائیں دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بچی کو اپنے گھر میں آباد کریں اور تمام جہاں کی خوشیاں، مسرتیں نصیب فرمائیں، آمین۔ میں ذاتی طور پر بہن نازیہ کنول نازی کا اور دیگر بہنوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں جنہوں نے اتنی خوب صورت رخصتی تحریر کی وہ جلد پیش کی جائے گی۔ جیسا کہ اپریل کے سالگرہ نمبر میں آپ کو اطلاع دے دی تھی کہ آنے والا پرچہ سالگرہ نمبر دو ہوگا سو آنچل کا سالگرہ نمبر دو آپ کے ہاتھوں میں ہے دیکھیں، پڑھیں اور رہنمائی کریں کہ آپ کو کیسا لگا تاکہ آنے والے پرچے کو بنانے سنوارنے کے لیے آپ کا تعاون اور روشنی مل سکے۔

وطنِ عزیز میں ہر طرف آنے والے انتخابات کی گہما گہمی چل رہی ہے، ہر امیدوار بڑھ چڑھ کر اپنی اہلیت وصلاحیتوں کے دعوے کررہا ہے۔ ووٹ چونکہ شہادت ہے ایک گواہی ہے آپ کے ووٹ سے ہی آنے والے دنوں میں وطنِ عزیز کی قسمت کا فیصلہ ہونا ہے ہر بہن کو خصوصاً اور تمام بھائیوں کو عموماً بہت سوچ سمجھ کر وطنِ عزیز کی بہتری و بھلائی کے لیے اپنی شہادت (گواہی) کا استعمال کرنا ہے آنے والے حکمران ہی ملک کو تباہی سے بچاسکیں گے۔ ہمیں خود اپنے لیے اپنے بچوں کے لیے ملک وقوم کے لیے فیصلہ کرنا ہے ہمارا درست فیصلہ ہی ہمیں راہ راست پر چلنے والے حکمرانوں سے روشناس کرسکتا ہے۔ ذرا سی بے پروائی نہ صرف ہمارے ملک وقوم کی بلکہ ہماری اپنی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ میں تو بس اتنا ہی کہوں گی کہ ووٹ ایک امانت ہے اگر اس امانت کا ہم نے درست استعمال نہ کیا تو ہماری دنیا تو خراب ہوگی ہی، ہوسکتا ہے کہ آخرت بھی خراب نہ ہوجائے۔ اللہ آپ کی میری اور وطنِ عزیز کی حفاظت فرمائے آمین

اس ماہ کے ستارے
"جھیل کنارہ کنکر" نازیہ کنول نازی "کوئی رنجشیں کوئی ملال نہیں" ہما عامر اور "راہ کے دیپ" ضوباریہ ساحر کے مکمل ناول۔
"خدا کا بھرم" سلمیٰ غزل "مستحق تو تھے ہم مگر" سلمیٰ فہیم گل اور "مجھے ہے حکم اذاں" ام مریم کے بہترین ناولٹ۔
"میری ماں" نادیہ فاطمہ رضوی "رقصِ بہاراں" سمیرا غزل صدیقی اور پہلی بار شریک محفل ہیں عمارہ حامد "کچی کلیاں" کے ساتھ۔
"عاشق آنچل" شمع مسکان سالگرہ نمبر کے لیے خصوصی مضمون کے ساتھ شریکِ محفل ہیں۔

دعا گو قیصر آرا

حمد

کوئی دنیا و آخرت تو کوئی مقدر مانگے
ایک قطرہ ہے مگر تجھ سے سمندر مانگے
یوں تو بھلی ہے خس کی خوشبو بھی مگر
یہ انسان تجھ سے امارات کا عطر مانگے
یوں تو ہر نفس ہے آشنا تجھ سے مگر
کوئی شبیہہ کوئی تخیل تو کوئی پیکر مانگے
تیری اک "کن" ہوئی پل بھر میں "فیکون"
ہم سے تو ایک پتھر بھی خونِ جگر مانگے
نہ تیرے ذکر سے عنایتوں کی طلب ہے
نہ ہی میں نے عبادتوں کے ہنر مانگے
ہوجائے دیدار خانہ خدا کا عمیس کو
بس اک یہی کرم میری چشمِ تر مانگے

عمیس احمد...... جھنگ صدر

نعت

آپ آئے ہوئے دو جہاں ضوفشاں
ہوگئے ہیں زمین آسماں ضوفشاں
ان کی آمد سے دنیا ہوئی مستفید
کیا مکاں اور کیا لامکاں ضوفشاں
آپ کے نور سے یہ مہرومہہ نور بار
آپ کے دم سے ہے کہکشاں ضوفشاں
آپ کا نام لیوا ہوں میں بھی شہا!
ہوں میرے زبان و بیاں ضوفشاں
جو غلامی میں سرکار کی آگئے
ہوگئے سب کے سب بے گماں ضوفشاں
سبز گنبد کے سائے میں طلعت و فراز
بن گئے ہیں دل تیرگاں ضوفشاں
ان کی نسبت کو قائم رکھو گے اگر
قبر بھی ہوگی مثلِ جناں ضوفشاں
چھڑ گیا ذکر آصف جو سرکار کا
ہوگیا سب سماں ضوفشاں ضوفشاں

آصف قادری...... واہ کینٹ

editor_aa@aanchal.com.pk

دَرجوابِ آں

مدیرہ

سویرا فلک...... کراچی

اچھی گڑیا! سدا خوش رہو آپ کے والدین کی ناسازگی طبیعت کا سن کر بے حد افسوس ہوا' اللہ سبحان و تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ آپ کے سر پر سلامت رکھے' آمین۔ تمام بہنوں سے درخواست ہے کہ وہ سویرا کے والدین کے حق میں دعائے صحت کریں۔

سمیرا شریف طور...... گجرانوالہ

پیاری سمیرا! سدا ہنستی مسکراتی رہو آپ کی مصروفیت کا ہمیں بخوبی اندازہ ہے' مصروفیت کی گھڑیوں میں سے کچھ پل چرا کر ہمارے نام کیے بہت مشکور ہیں آنچل کی پوری ٹیم آپ کو اپنی ہمشیرہ اور برادرِ محترم کی شادی پر مبارک باد پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا دامن ایسی بہت سی خوشیوں سے بھر دے' آمین۔

امبر گل...... جھڈو' سندھ

ڈیئر امبر! سدا سکھی رہو' ہم آپ کی حوصلہ شکنی کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ پچھلے ماہ شاملِ محفل نہ ہونے کی وجہ آپ کی ڈاک کا تاخیر سے ملنا تھا' آپ کی تجویز اور رائے ہمارے لیے نہایت قیمتی اور اہم ہے' ان شاء اللہ ضرور عمل کریں گے اور ہاں آپ کو ہم ویلکم بیک نہیں بلکہ ویلکم آلویز کہتے ہیں۔ ہماری طرف سے آپ کو سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد۔

غزالہ عزیز...... کراچی

پیاری غزالہ! سدا سکھی رہو' یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ادبی دنیا کے ساتھ ساتھ اب ٹیلی ویژن اسکرین پر بھی اپنی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے جوہر اپنی تحریر کے ذریعے دکھا پائیں گی۔ آپ کی تحریر کی پہلی ڈرامائی تشکیل پر ہم آپ کو بہت بہت مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ امید کرتے ہیں کہ آپ کا تحریر کردہ ڈراما بھی بہت پذیرائی حاصل کرے گا۔

شمع مسکان...... جام پور

شمع ڈیئر! سدا خوش رہو' محبت کے رنگ میں رنگا' خوب صورت جذبوں اور عقیدت سے بھرپور آپ کا خط ہمیں خود پر رشک کرنے پر مجبور کرگیا۔ اپنی تعلیم اور قابلیت کے ذریعے نہ صرف آپ اپنے گھر والوں کی توقعات پر پوری اتریں بلکہ دوسروں کے لیے ایسی روشن شمع بن گئی ہیں جس نے اپنے گرد و پیش کے اندھیروں کو بھی جلا بخشی۔ رشتوں کی بے حسی پر دلبرداشتہ ہوکر اپنی سانسوں کے مختصر ہونے کی دعا کرنا گڑیا! یہ تو مایوسی ہے' ربّ کی ذات سے ہم صدقِ دل سے آپ کی خوشیوں سے بھرپور زندگی کے لیے دعا گو ہیں۔

زینب اصغر مغل...... رحیم یار خان

پیاری زینب! سدا مسکراؤ' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماں کے عظیم مرتبے پر فائز کیا اور آپ کو اپنی رحمت سے نوازا۔ اس ننھی پری کے لیے آنچل کی پوری ٹیم کی طرف سے ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تعالیٰ آپ کی گڑیا کو صحت و سلامتی سے بھرپور زندگی عطا فرمائے اور آپ کو اس کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے' آمین۔

صبا جاوید...... بھاولپور

ڈیئر صبا' سدا خوش رہو۔ آپ کا شکایات سے پُر نامہ پڑھ کر آپ کی کوفت کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں' پیاری بہن آپ کا ناول "دل تشنہ لب کیوں" کو طویل انتظار اس لیے کرنا پڑ رہا ہے کہ ایک تو یہ طویل بہت ہے دوسرے اس میں تصحیح کا کام بہت کرنا پڑے گا اس لیے اس میں وقت لگ رہا ہے۔ اگر آپ کوئی دوسرا افسانہ یا ناولٹ لکھ کر بھیج دیں تو اس کو ہم جلد لگا دیں گے۔ ہم سے رابطہ صرف ای میل پر ہی ہوسکتا ہے۔ امید ہے آپ کی تشفی ہوگئی ہو گی۔ فرحت آپا اور آنچل کو دعاؤں میں یاد رکھنے کے لیے جزاک اللہ۔

ام ثمامہ...... جھڈو سندھ

ڈیئر ام ثمامہ! سدا سکھی رہو' اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے۔ "دوستی ایسا ناطہ" کے لیے تو ہم مارچ کے شمارے میں بھی معذرت کرچکے ہیں' شاید آپ کی نظر سے نہیں گزرا البتہ "بے خبری کا سکھ" جلد ہی شائع

ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بھائی کی مغفرت فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

مہر گل...... اورنگی ٹاؤن' کراچی

ڈیئر مہر! شاد و آباد رہو۔ نوازش' کرم' شکریہ مہربانی اس کی ضرورت نہیں ہے' آپ کو سالگرہ نمبر پسند آیا ویسے آنا بھی تھا آپ کا نام بھی تو رونق فروز تھا آخر۔ ہماری جانب سے اس کامیابی پر تہہ دل سے مبارک باد۔

اسماء عطاریہ...... کراچی

ڈیئر اسماء! سدا خوش رہو۔ کاغذ و قلم سے آپ نے دوبارہ رشتہ جوڑ لیا اچھا لگا' اتنے طویل عرصے کی غیر حاضری کے بعد آپ کو آنچل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ گڑیا! آپ کا خط بہت جلد نازیہ تک پہنچ جائے گا اور وقتاً فوقتاً آپ کی نگارشات بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔ امید ہے کہ آپ کی تشفی ہو پائے گی۔

مدیحہ' ربیعہ اساور...... فیصل آباد

ڈیئر سسٹرز! شاد رہو۔ سالگرہ نمبر کے لیے آپ کا بنایا گیا کارڈ اور آرائش و زیبائش کے لیے استعمال کیا گیا ہر موتی آپ کی چاہت و محبت کی داستان بیان کررہا تھا۔ اس انداز نے بہت متاثر کیا' پیغام کے حوالے سے گڑیا! یہ کہنا چاہوں گی کہ آپ بذاتِ خود یہ پیغام ان تک پہنچادیں کیونکہ اب تو دیر ہوگئی ہے' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

مدیحہ کنول سرور...... بھاولنگر

پیاری مدیحہ! ہمیشہ پھولوں کی طرح مسکراتی رہو' آپ کی کہانیوں کو بغور پڑھا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے مگر آپ نے روایتی انداز میں کہانیاں لکھی ہیں۔ آپ موضوع کا انتخاب درست کیجیے اور اصلاحی پہلو پر قلم اٹھائیے' آنچل ضرور آپ کی حوصلہ افزائی کرے گا۔ امید ہے اب آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ثناء اولکھ...... نامعلوم

اچھی گڑیا! خوش رہو آپ کی تحریر پڑھ کے اندازہ ہوا آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے' آپ کے افسانہ میں کافی باتیں وضاحت طلب ہیں جس کی وجہ سے کہانی کی خوب صورتی برقرار نہ رہ سکی۔ امید ہے آپ آئندہ خیال رکھیں گی دیگر مصنفین کی تحاریر کو بغور پڑھیں پھر پلاٹ بنائیں اور مطالعہ کرکے لکھیں۔ آنچل کی پسندیدگی کا تہہ دل سے شکریہ۔

حمیرا عروش...... کراچی

پیاری حمیرا! سدا خوش رہو آپ کی کہانی پڑھی اچھی ہے مگر آپ نے کہانی کے انداز کے بجائے شاعرانہ انداز میں لکھ دی جس کی وجہ سے ہم معذرت خواہ ہیں آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے آپ اچھا لکھ سکتی ہیں مگر موضوع کے انتخاب و انداز میں کافی احتیاط سے کام لیجیے' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ثانیہ عبد الغفور...... سرگودھا

اچھی گڑیا! سدا خوش رہو آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کا افسانہ سلیکٹ ہوگیا ہے بہت جلد آنچل کے صفحات کی زینت بنے گا اور کنزہ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں گئی ہیں' باری آنے کا انتظار کریں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

ایمان زہرا...... ڈھڈیال۔ چکوال

پیاری گڑیا! خوش رہو آپ کو لکھنے کا شوق ہے بالکل لکھیں لیکن لکھنے سے پہلے دیگر مصنفین کی کہانیوں کو بغور پڑھیں اس کے بعد افسانہ پر طبع آزمائی کرکے ہمیں بھیج دیجیے۔ تعارف اور شاعری بھی آپ دفتر کے پتے پر کہانی کے ساتھ ارسال کردیجیے۔

لائبہ حفصہ عطاریہ...... راولپنڈی

ڈیئر لائبہ! جگ جگ جیو' یہ آپ نے کیسی بات کردی کہ اب شرکت نہیں کروں گی۔ گڑیا! یہ آپ کا اپنا رسالہ ہے آپ بہنوں کی کاوشوں سے ہی مزین ہوتا ہے اگر آپ کی تحریر کا ہم جواب نہیں دے پاتے تو وجہ صرف صفحات کی کمی ہے ورنہ آپ سب کے جذبات و احساسات ہمارے لیے بہت قیمتی ہیں اور ہم آپ کے پیغامات اور خطوط کو پڑھتے بھی ہیں' امید ہے آپ آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔

آمنہ امداد......سرگودھا

پیاری آمنہ! سدا مسکراؤ' آپ کا تعارف ہم اپنے ریکارڈ میں چیک کریں گے اور ضرور لگا بھی دیں گے

لیکن چونکہ وہ تعارف آپ نے 2011ء میں بھیجا تھا لہٰذا اب وہ آپ کی مکمل پہچان نہ کرا پائے گا' آپ سے گزارش ہے کہ ازسرنو اپنا تعارف موجودہ حالات کے مطابق لکھ کر بھیج دیجیے۔

اقراء تبسم...... اوکاڑہ

اچھی اقراء! خوش رہو آپ کا افسانہ مل چکا ہے پڑھ کر ہی کوئی رائے دے پائیں گے۔ آنچل میں آپ جس قسم کی بھی تبدیلی چاہتی ہیں بلا جھجک بتا سکتی ہیں ہمیں خوشی ہوگی' آپ بہنوں کے مشوروں اور آراء کو سامنے رکھ کر ہی ہم آنچل کو مزین کرتے ہیں۔

عمیرہ رائو...... سمندری

عمیرہ ڈیئر! ہنستی رہو' آنچل میں جن بہنوں کا تعارف شائع ہوتا ہے ان سے ہمارا وہی تعلق ہے جو آپ سے ہے لہٰذا یہ بدگمانی غلط بات ہے۔ آپ کی باتوں سے اندازہ ہوا ہے کہ آپ اچھی سمجھ دار اور میچور ہیں پھر یہ شرط لگانے والی بات یہ تو سراسر حماقت ہے۔ باری آنے پر آپ کا تعارف ضرور شاملِ اشاعت ہوگا لیکن فی الحال دوسری بہنوں کی حق تلفی تو نہیں کرسکتے ناں' امید ہے کہ آپ سمجھ پائیں گی۔

کوثر ناز...... حیدر آباد

پیاری کوثر! مسکراتی رہو' آپ کا یہ پُرعزم انداز ہمیں بہت پسند آیا ویسے بھی مایوسی کفر ہے۔ آپ کی یہ لگن' یہ مستقل مزاجی بہت جلد آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرے گی۔ آپی کی شادی پر ڈھیروں مبارک باد۔ دونوں افسانے پڑھنے کے بعد آپ کو بتادیں گے۔ بیاض دل کے لیے آپ کسی بھی شاعر کا یا اپنا شعر بھیج سکتی ہیں۔ میرے وطن عزیز کے حق میں خدا آپ کی دعاؤں کو قبولیت کی سند بخش دے آمین۔

قرۃ العین...... داربن' کلاں

''ڈیئر عینی! سدا خوش رہو' اتنی افسردگی' اتنی مایوسی اچھی بات نہیں ہوتی' پہلے موصول ہونے والی کہانیوں کے بارے میں یہی کہوں گی کہ آپ موضوع کے انتخاب میں ذرا احتیاط سے کام لیں۔ کہانی کسی سماجی' معاشرتی پہلو پر اصلاح کا رنگ لیے ہو لیکن انداز کہانی کا برقرار رہے۔ لیکچر یا نصیحت آموز سبق نہ بن جائے' امید ہے آپ کا گلہ دور ہو پائے گا۔

نادیہ کامران...... کھوٹہ

اچھی گڑیا نادیہ! آپ کی تمام شکایتیں سرآنکھوں پر اتنی بدگمانی اچھی نہیں آپ کی نگارشات گاہے بگاہے آنچل کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ سالگرہ نمبر کے حوالہ سے آپ کی نگارشات ہمیں کافی تاخیر سے موصول ہوئیں جن کی بناء پر شاملِ اشاعت نہ ہو پائیں۔ امید ہے اب آپ کی تشفی ہوگئی ہوگی۔

آنسہ شبیر عطاریہ...... ڈوگہ

اچھی بہن! ہمیں آپ کی کوئی کہانی موصول نہیں ہوئی' آپ دوبارہ لکھ کر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے دفتر کے پتے پر ارسال کریں۔ نازیہ کنول نازی اور سمیرا شریف کو آپ کا محبتوں بھرا پیغام ان سطور کے ذریعے پہنچایا جارہا ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

نورین شفیع...... ملتان

اچھی گڑیا! خوش رہو' کافی ماہ بعد آنچل میں آپ کی آمد کافی بھلی لگی' آپ بالکل سمیرا شریف اور نازیہ کنول نازی کو خط لکھ کر دفتر کے پتے پر بھجوا سکتی ہیں' ہم ان تک پہنچادیں گے آپ افسانہ اور تعارف بھی لکھ کر بھیج سکتی ہیں' اجازت کی ضرورت نہیں' آنچل کی پسندیدگی کا شکریہ۔

زرقا زیب...... سیری' آزاد کشمیر

ڈیئر زیب! سدا مسکراتی رہو' آپ کی تحریر ''محبت کی تاثیر'' موصول ہوگئی ہے۔ سالگرہ نمبر 2 سے فراغت پاتے ہی اس کو پڑھ کر آپ کو اس کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کریں گے۔ امید کا دامن تھامے رکھیے۔

سائرہ ناز محمد شفیق...... نامعلوم

اچھی گڑیا! آنچل کی سالگرہ آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ پیاری بہن! مایوسی کفر ہے آپ کوشش جاری رکھیے' آپ کی کہانی ابھی پڑھی نہیں گئی ہے اس لیے ابھی رائے دینے سے قاصر ہیں' تھوڑا انتظار کرلیجیے۔ مئی کے شمارے سے فراغت پاتے ہی آپ کو آگاہ کردیں گے اور شاعری معیاری ہو تو ضرور شائع ہوتی ہے اس کا فیصلہ شعبے والے ہی کرتے ہیں بس انتظار کی عادت ڈال لیجیے۔

اقراء ملک...... کوٹ مومن

پیاری اقراء! سدا شاد رہو' آپ کا پہلا خط موصول ہوا' پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ ''ہم سے پوچھیے'' کی جگہ آپ جو سلسلہ آنچل میں دیکھنا چاہتی ہیں اس کے بارے میں لکھ بھیجیے' ان شاء اللہ ضرور عمل کریں گے۔

سائرہ رضی...... تلہ گنگ

ڈیئر سائرہ! خوش رہو آپ کا شکایت نامہ موصول ہوا۔ اچھی گڑیا! اتنی بدگمانی اچھی نہیں ہوتی آپ کی نگارشات ہمیں تاخیر سے موصول ہوئیں جس کی بناء پر شاملِ اشاعت نہ ہوسکیں اور جہاں تک بات ہے کہانی کی تو ابھی آپ کو کہانی لکھنے کے لیے بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے' آپ دیگر مصنفین کی تحریریں بغور پڑھیں اور پھر لکھیں' امید ہے آپ ہماری گزارش پر عمل کریں گی۔

مشترکہ جوابات:۔

کومل رباب افضل' لاہور۔ آپ اپنی تحریر ہمیں بھیج سکتی ہیں' اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں بہتر اور خوشیوں سے بھرپور زندگی لکھ دے آمین۔ **سعدیہ کنول سعدی...... تونسہ۔** اس دفعہ اپنے خوف کو مات دے کر پہلی بار خط لکھنے میں کامیاب ہونے پر مبارک باد قبول کریں اور آئندہ بھی اسی طرح شرکت کرتی رہیں۔ ناولٹ پڑھنے کے بعد ہی اس کے بارے میں آپ کو بتا پائیں گے۔ **خدیجہ انور...... ترنڈہ محمد پناہ۔** پہلی بار آمد پر خوش آمدید' آنچل کی پسندیدگی کا تہہ دل سے شکریہ۔ عشنا کوثر اور نازیہ کنول نازی کو آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے' آپ کے امتحانات کے لیے دل سے دعاگو ہیں' خدا آپ کو زندگی کے ہر امتحان میں کامیابی عطا فرمائے' آمین۔ **حسنی گل...... جگہ نامعلوم۔** پہلی بار شریکِ محفل ہونے پر خوش آمدید' آئندہ بھی شرکت کرتی رہیے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام معاملات سنوار دے آمین۔ **آسیہ مقصود...... ملتان۔** آنچل کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ آپ کا افسانہ موصول ہوگیا ہے' باری آنے پر پڑھ کے آپ کو رائے سے آگاہ کردیں گے۔ **امبر بٹ...... حضرو۔** پہلی بار شرکت پر خوش آمدید۔ آپ کی شاعری متعلقہ شعبے تک پہنچادی گئی ہے رد و قبول کا فیصلہ وہیں طے پاتا ہے۔ **شمسہ فیصل...... نامعلوم۔** آپ کی کہانی موصول ہوگئی ہے باری آنے پر پڑھ کر آپ کو رائے سے آگاہ کردیا جائے گا' دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ **سمیرا کوثر...... ککرالی۔** پیاری گڑیا! خوش رہو آنچل کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔

ناقابل اشاعت کہانیاں:۔

نئی صبح کا آغاز۔ صبح بخیر۔ تلخ۔ خیر پور کی حویلی۔ جب سانس تھمنے لگی۔ عظیم ہستی۔ مشکل راہ۔ روشنی تیرے دم سے ہے۔ مقصد حیات۔ عشق اساں نال۔ یادوں کے دریچے۔ تیرے ملنے کے بعد۔ متاع حیات۔ بدلتے رنگ۔ تیرے دکھ بھی پیار لگے سجناں۔ پہلی محبت۔ میرے اجنبی میرے آشنا۔ دورانِ گردش۔ جب تیری چاہ کی۔ خواہش۔ بھنور۔ جو پل گزر گئے۔ میری زیست کا حاصل۔ ہم سفر۔ بددعا۔ شرف قبولیت۔ ہدایت کے جگنو۔ خوشیوں سے وصل۔ ملن کا موسم۔ شہر چاہت۔ اسیر محبت۔

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے ارسال کیجیے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ

مولف: مشتاق احمد قریشی

ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ''کشاف اصلات الفنون'' میں امام ابوحنیفہؒ کی نسبت فقہ کی تعریف اس طرح بیان کی ہے وہ علم جس سے کل علوم دینیہ کی معرفت معلوم ہو۔ شافعی مسالک میں علم الفقہ کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔ ''فقہ شریعت کے ان عملی احکام کا علم ہے جو تفصیل ودلائل سے ثابت ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ انتخاب حدیث میں بہت محتاط تھے۔ وہ صرف وہی احادیث قبول کرتے تھے جو باوثوق اسناد سے ثابت ہوتی تھیں۔

اسلامی علوم مثلاً تفسیر' حدیث' مغازی ان کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہی ہوگئی تھی' لیکن اس وقت ان کو فن کی حیثیت حاصل نہیں ہوسکی تھی' کیونکہ وہ اس وقت تک کسی خاص شخصیت سے منسوب نہیں ہوئے تھے۔ پھر دوسری صدی کے اوائل میں تدوین وترتیب شروع ہوئی اور جن لوگوں نے یہ تدوین' ترتیب کی وہی ان علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب حضرت امام ابوحنیفہؒ کو ملا۔ درحقیقت وہ اس لقب کے حق دار بھی تھے اگر ارسطو کو علم منطق کا موجد مانا جاتا ہے تو بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہؒ علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحبؒ کی زندگی کا بڑا کارنامہ ہی فقہ ہے۔

فقہ کی تاریخ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ بتاتے نہیں تھے کہ یہ رکن ہے' یہ واجب ہے' یہ مستحب ہے' صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرلیا کرتے تھے۔ ایسے ہی نماز میں بھی ہوتا تھا۔ یعنی صحابہ فرض واجب وغیرہ کی تفصیل وتدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے وہ بھی ویسے ہی پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا۔ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن کریم میں موجود ہیں۔ البتہ جو واقعات غیر معمولی پیش آتے ان کے بارے میں لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب دیتے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگ کوئی کام کرلیتے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تحسین فرماتے یا ناراضامندی کا اظہار فرماتے۔ اس قسم کے فتوے عام مجمع میں ہوتے۔ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا پاس کرتے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلامی فتوحات بہت وسعت کے ساتھ ہوئیں اور اسلامی تمدن کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا اور واقعات کثرت سے پیش آنے لگے اس لیے اجتہاد واستنباط کی ضرورت بھی بڑھ گئی اور اجمالی احکام کی تفصیل کی طرف رجوع ہونے لگا۔ مثلاً کسی شخص سے غلطی سے نماز میں کوئی عمل

چھوٹ گیا یا اس نے ترک کردیا تو پھر بحث پیش آتی کہ نماز ہوئی کہ نہیں ہوئی۔ اس بحث سے یہ فائدہ ہوا کہ نماز کے تمام اعمال وارکان پر تفصیل سے بحث ہوئی اور تفریق کرنا پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض وواجب ہیں' کتنے مسنون اور مستحب ہیں۔ تفریق کے لیے جو اصول وضع ہوسکتے تھے' اس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین طویل بحث کے بعد بھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوسکے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو استنباط اور قیاس سے کام لینا پڑا۔ غرض صحابہ ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کے دفتر بن گئے اور جدا جدا طریقے قائم ہوگئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش مبارک میں بچپن سے ہی ہوئی تھی۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال سے وہ جس قدر باخبر اور باعلم تھے اتنا اور ایسا موقع کسی اور کو نہیں مل سکا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دیانت وقوت استنباط بھی خوب عطا فرمائی تھی جس سے انہیں استخراج میں ملکہ حاصل ہوا۔ عموماً صحابہ کرام اس بات کا اعتراف کیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو قول تھا کہ اللہ نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علی رضی اللہ عنہ موجود نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ خود بڑے مجتہد تھے مگر وہ بھی کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ مل جائے تو پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔ صحابہ کرام میں جن لوگوں نے استنباط واجتہاد سے کام لیا اور مجتہد وفقیہہ کہلائے ان میں چار بزرگ صحابی حضرات بہت مشہور ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ' حضرت علی کرم اللہ وجہہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قیام زیادہ تر کوفہ میں رہا۔ وہیں ان کے احکام مسائل نے ترویج پائی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا تعلق حرمین شریفین سے رہا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح حدیث وفقہ میں کامل تھے' کیونکہ ان کی تربیت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمائی تھی وہ جلوت وخلوت میں ہمدم وہم راز رہے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ قرآن کریم میں کوئی آیت ایسی نہیں جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے قیام کوفہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم کے لیے درس گاہ قائم کرلی تھی جس میں بہت سے شاگرد آیا کرتے جن میں سے اسودؒ' عبیدہؒ' حارثؒ اور علقمہؒ نے بہت نام وری پائی۔ علقمہؒ اور اسودؒ کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعیؒ مسند نشین ہوئے۔ انہوں نے مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار کیا تھا جس کا ماخذ حدیث نبوی حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاوی تھے' یہ مجموعہ مرتب طور پر قلم بند نہیں ہوسکا۔ ان کے شاگردوں کو مسائل زبانی حفظ تھے۔ سب سے زیادہ یہ مجموعہ حمادؒ کے پاس جمع تھا جو ابراہیم نخعیؒ کے شاگرد تھے اور نخعیکے مجموعہ فقہ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ استاد حضرت حمادؒ کے انتقال کے بعد ان کے شاگرد رشید حضرت امام ابوحنیفہؒ مسند نشین ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے فقہ کے بہت زیادہ مسائل مدون کئے اور زبانی روایت جن کی فنی حیثیت کچھ نہ تھی کو باقاعدہ تحریری شکل دی اور استنباط کے قواعد اور احکام اور تفریع کے اصول منضبط کئے کیونکہ پہلے نہ تو احادیث میں امتیاز ومراتب تھے نہ قیاس اور شبیہ والنظیر علی النظیر کے قاعدے مقرر تھے۔ انہیں مقرر کیا اور انہیں قانون کے رتبہ تک پہنچایا۔

امام ابوحنیفہؒ نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا کام شروع کیا تھا وہ نہایت وسیع اور پرخطر تھا اس لیے

انہوں نے اس اتنے بڑے کام کے لیے صرف اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر انحصار نہیں کیا اس کام کے لیے انہوں نے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی جس میں تقریباً چالیس قابل وذہین شاگرد شامل تھے جنہوں نے بعد میں بڑا نام کمایا۔ تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص مسئلے پر سب ارکان مجلس متفق الرائے ہوجاتے تو اسے قلم بند کرلیا جاتا اس سے پہلے اس مسئلے پر خوب آزادی سے بحث مباحثہ ہوتا امام صاحبؒ بہت غور وفکر اور تحمل کے ساتھ سب کی تقاریر سنتے اور آخر میں بہت ہی نپا تلا فیصلہ کرتے جو سب کی متفق رائے کے مطابق ہوتا وہ اسی وقت قلم بند کرلیا جاتا۔ امام صاحبؒ کی درس گاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جس کے طلبا کثرت سے ملکی عہدوں پر فائز ہوئے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بڑی تعداد میں مسائل مدون کیے۔ ان کی تعداد تقریباً بارہ لاکھ نوے ہزار کے لگ بھگ ہے ان کی زندگی میں ہی فقہ کے تمام ابواب مرتب ہوگئے تھے۔ یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے۔ اب فقہ کو سمجھ لیا جائے کہ فقہ کیا ہے؟ اس کی فنی ہیت وحیثیت کیا ہے؟

آفرینش سے انسان اپنی فطرت میں تنہائی کی زندگی بسر کرتا تھا' لیکن معاشرہ افراد کے مل جل کر رہنے سے تشکیل پاتا ہے۔ جس سے معاشرتی زندگی جنم لیتی ہے۔ انسان کی فطرت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مل جل کر رہنا مقدر کیا ہے اس لیے اجتماعی زندگی ناگزیر ہے اور اجتماعی زندگی کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ محبت کے ساتھ ساتھ اختلاف بھی جنم لیتا ہے اور ان اختلافات کو دور کرنے کے لیے شرائع معاشرہ انسانی معرض وجود میں آئے تاکہ افراد کے باہمی اختلافات ومخاصمات کا فیصلہ ہوسکے۔ اجتماعی زندگی میں باہمی معاملات لازمی ہوجاتے ہیں۔ جن سے لوگوں کے درمیان مختلف قسم کے تعلقات پیدا ہوجاتے ہیں اور ان تعلقات میں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے ہیں' ان جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے ایسے قوانین کا ہونا ضروری ہوجاتا ہے جن کے ذریعے ہر کسی کے حقوق کا تعین ہوسکے اور باہمی اختلاف ومخالفت ومخاصمت کی روک تھام ہوسکے۔ انسان چونکہ معاشرتی طبع رکھتا ہے' وہ دیگر حیوانات کی مانند تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا' وہ عمرانی زندگی کی ترقی کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون اور شراکت کے لیے بھی مجبور ہوتا ہے۔ اور ہر انسان اپنے لیے سازگار ماحول چاہتا ہے۔ اور اپنے حریف کے مقابلے میں غیظ وغضب کا اظہار کرتا ہے' اس لیے انسانی معاشرے میں وابستگی اور نظم وضبط رکھنے کے لیے عدل وانصاف کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے قوانین کی ضرورت پڑی۔

انسان اپنی زندگی کی تمام ضروریات تنہا اپنے آپ مہیا نہیں کرسکتا۔ نوع انسانی کی بقا اور زندگی کے لیے غذا اور دیگر ضروریات زندگی کے لیے معاشرے کے تعاون باہمی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ مل جل کر ہی زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں اور اسی میل جول میں کوئی ایک کسی دوسرے کے ساتھ ظلم وزیادتی بھی کرگزرتا ہے' جس سے مخاصمت ومخالفت جنم لیتی ہے اور لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے' پھر ضرورت اس بات کی پیدا ہوتی ہے کہ کوئی ایسا بااختیار حاکم ہو جو ان دونوں کے درمیان عدل وانصاف کرسکے' ورنہ تو انسان کی بقا ناممکن ہوجائے۔

ابتدائی دور میں چونکہ انسان کی اجتماعی اور انفرادی زندگی بالکل سادہ تھی ان کی عادات رسم ورواج سب کے سب بہت سادہ وآسان تھے' اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قوم قبیلے کی رائے عامہ اور سردار قوم پر موقوف ہوا کرتا تھا' پھر

انسان نے ترقی کی اور معاشرے کے حالات بدلے اور انسان میں مختلف قسم کے تعلقات وروابط پیدا ہوئے اور ان میں پیچیدگیاں بھی پیدا ہوئیں پھر ان دشواریوں سے نمٹنے اور حقوق انسانی کی حفاظت کے لیے قوانین وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی تو قوانین عادات' رسوم ورواج سے الگ ہوکر قبیلے کے سردار کی جگہ حکومت کے پاس چلے گئے اور حکومت اپنی طاقت کے ذریعے قوانین کو نافذ کرکے عدل وانصاف مہیا کرنے لگی۔

اسلام میں لفظ قانون شریعت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شرائع اسلام' قوانین اسلام کے معنوں میں آتا ہے۔ اس سے علم اصول اور علم فقہ کی تشکیل ہوئی۔ علمِ اصول اور حکم شرعی یہ ایسا علم ہے جس میں دلائل شرع سے استنباطِ احکام (یعنی ایک حکم سے دوسرا حکم نکلنا یا بات سے بات نکلنا) کے طریقوں پر بحث ہوتی ہے' اس لیے اس علم کا موضوع بھی یہی احکام ودلائل ہیں۔

اسلامی قانون سازی کے اصول اور ماخذ بھی دلائل شرع کہلاتے ہیں اور ان میں چار پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ (۱) قرآن کریم (۲) سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع امت (۴) قیاس۔

حکم شرع شارع (اللہ تبارک وتعالیٰ) کا وہ حکم ہے جس میں شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی مصلحت ہو۔ دوسرے لفظوں میں علمائے اصول کے نزدیک حکم شرع وہ حکم ہے جو شارع یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مکلف بندوں کو دیا ہو' خواہ اس حکم میں کسی بات کا مطالبہ ہو یا کسی امر کا اختیار دیا ہو یا آداب انسانی کے طور طریقوں کا حکم دیا ہو۔ ابومعید الخادمیؒ کی کتاب "مجامع الحقائق" میں کہا گیا ہے کہ "حکم کا نصب العین اجتماعی ہوتا ہے نہ کہ انفرادی" یعنی وہ قانون کی طرح عام ہوتا ہے جو کسی خاص فرد یا خاص حالت کے لیے مخصوص نہیں ہوتا۔

حکم شرعی کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے' حاکم' محکوم فیہ' محکوم علیہ' حاکم بہ معنی شارع ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے' کیونکہ شرع اسلامی میں سب سے پہلا حکم صادر کرنے والا وہی ہے اور محکوم فیہ وہ عمل ہے جس کے لیے وہ شرعی حکم دیا گیا ہو اور محکوم علیہ انسان ہے جو حکم شرعی کا مکلف ہے۔ مگر فرضیتِ احکام کے لیے انسان کا عاقل بالغ اور ذی ہوش ہونا لازم ہے۔

حکم شرعی کی دو اقسام ہیں' ایک تکلیفی' دوسری وضعی۔ حکم تکلیفی وہ ہے جو براہ راست ان اعمال سے متعلق ہے جن کی تعمیل انسان سے مطلوب ہے' جس کا اسے اختیار دیا گیا ہے۔ اس طرح سے انسانی اعمال پانچ اقسام کے ہوں گے' پہلا واجب' دوسرا مندوب' تیسرا مباح' چوتھا مکروہ' پانچواں حرام۔ یہ سب حکم تکلیفی ہیں۔ واجب وہ عمل ہے جس کا کرنا ازروئے شرع ضروری ہو اور ترک کرنا قابل مذمت ہو۔

حرام۔ وہ عمل ہے جس کا ترک کرنا ازروئے شرع ضروری ہو اور کرنا مذموم ہو۔

مندوب یا مستحب۔ وہ عمل ہے جس کا کرنا ازروئے شرع مطلوب ہو اور نہ کرنا مذموم نہ ہو۔

مکروہ۔ وہ عمل ہے جس کا چھوڑنا روئے شرع مطلوب ہو اور کرنا گناہ نہ ہو۔

مباح۔ جسے کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار ہو' نہ اس کا کوئی ثواب ہوگا اور نہ کرنے کا کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا۔ (الاحکام فی اصول الاحکام جلد اول۔ آمدی)

(جاری ہے)

وجیہہ خان

ملیحہ احمد

اُف...... آپ نے دروازہ کھولنے میں کتنی دیر کردی' باہر میرا گرمی سے بُرا حال ہو رہا تھا' دیکھیں میری ناک کتنی زیادہ ریڈ ہوگئی ہے بالکل ٹیڈی بیئر کی طرح۔ خیر کوئی بات نہیں اب آنچل میں انٹری دینے کے لیے اتنا تو برداشت ہو ہی سکتا ہے' اوہ شکریہ! آپ کو اپنے متعلق بتاتی چلوں میرا نام وجیہہ خان ہے' میں بہاولپور کی باسی ہوں اور 8 مئی کو اس دنیا میں اپنے والدین کا آنگن قلقاریوں اور خوشیوں سے بھرنے آئی۔ والدین کی شادی کے 15 سال بعد میں پیدا ہوئی' میری دوست کہتی ہے (ثناء) تم اتنے عرصے اوپر بیٹھی کہانیاں اور آنچل پڑھنے میں مصروف تھی نا۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں اور سیکنڈ ایئر کی طلباء ہوں' والدین کے بعد جس ہستی میں میری جان ہے وہ ہیں "صائمہ اعجاز" جو ماشاء اللہ نومبر 2012ء میں پیا دیس سدھاری ہیں۔ وہ میری آئیڈل ہیں ان کو میں ہر چیز میں کاپی کرتی ہوں۔ میری دعائیں ہمیشہ ان کے ساتھ ہیں' میری بیسٹ فرینڈ ماریہ ہے' ہم دونوں 8th کلاس سے ساتھ ہیں' وہ میری بہت پیاری اور معصوم دوست ہے۔ اس کے لیے بھی ڈھیر ساری دعائیں' میری بہنوں جیسی دوست آمنہ' وہ بھی بہت پیاری ہے لیکن نخرے بہت کرتی ہے۔ ہم دونوں بہت جھگڑا کرتے ہیں کئی کئی روز بات نہیں کرتے مگر پھر بھی ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ کالج میں میری سب سے پیاری دوست ہے ثناء جو ان دونوں سے الگ ہے' بہت کیئرنگ اور لونگ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو بے حد تنگ کرتے ہیں' مستی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ٹیچر اور اسٹوڈنٹ بھی ہیں۔ ثناء لو یو آلاٹ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے گرد میری زندگی گھومتی ہے ان سب میں سے کسی ایک کے بغیر بھی رہنا میرے لیے محال ہے' اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے' آمین۔ میرا مشغلہ ڈائجسٹ پڑھنا ہے (میرے پاس آنچل کا فل کلیکشن ہے 2008ء سے 2012ء تک' گانے سننا' دوستوں اور آپی سے گپ شپ کرنا اور ممی کو تنگ کرکے اپنی فرمائشیں پوری کروانا ویسے تو مجھے سارے کام آتے ہیں مگر میں کافی ہڈ حرام ہوں اس لیے کرتی نہیں ہوں۔ سردیوں کا موسم بے حد پسند ہے' کھانے پینے کا شوق نہیں ہے جب حد سے زیادہ بھوک لگتی ہے تب کھانا کھاتی ہوں۔ چائے کی شوقین ہوں' کوشش کرتی ہوں کہ پانچوں وقت کی نماز پڑھوں لیکن کبھی کبھی مس ہو جاتی ہے۔ ہر طرح کے ڈریسز پہننے کا شوق ہے اور پہن بھی چکی ہوں۔ ڈریسز' جیولری' شوز وغیرہ موڈ پر منحصر کرتا ہے' کب' کہاں' کیا پہننا ہے' بہت موڈی ہوں۔ شرارتی بھی ہوں' زیادہ فرینک صرف فرینڈز وغیرہ کے ساتھ ہوتی ہوں۔ نئی جگہ پر جاؤں تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں بڑی کم گو ہوں مگر باتوں میں کوئی جیت کر دکھائے' رائٹر بننے کا بے حد شوق ہے اور کوشش بھی جاری ہے' میں کافی لکی بھی ہوں' زندگی کے ان اٹھارہ سالوں میں جو چاہا حاصل کرلیا' ان شاء اللہ آگے بھی ایسا ہوگا۔ گانے سننے کا بے حد شوق ہے' عاطف اور علی ظفر فیورٹ سنگر ہیں۔ فیورٹ ایکٹرز میں آج کل فواد خان پسند ہیں' ویسے احسن خان' فیصل قریشی' میکال وغیرہ اچھے ایکٹرز ہیں۔ ایکٹریسز میں صباء قمر' فضا علی اور بہت سی ہیں۔ فیورٹ کلر بلیک ہے پھر پنک کافی پسند ہے۔ فیورٹ رسالہ آنچل ہے اس کے علاوہ شعاع اور خواتین بھی پڑھتی ہوں' فیورٹ رائٹرز سب ہیں' سب بہت اچھا لکھتی ہیں۔ سب کا اپنا اسٹائل ہے' اپنا ویو ہے۔ جیسے نازیہ جی ہمارے معاشرے پر تنقیدی انداز میں لکھتی ہیں' سمیرا جی آپ کی معصوم سی گھریلو کہانیاں بے حد پسند ہیں۔ عشناء جی عشق و محبت کا خوب صورت انداز دل کو جیت لیتا ہے۔ سباس گل بھی اچھا لکھتی ہیں۔ آخر میں اپنی تمام قارئین کو یہ پیغام دینا چاہوں گی کہ پلیز کہانیوں کو اپنے اوپر حاوی نہ کریں' ان سے سبق سیکھنے کی کوشش کریں اور لوگوں سے بھی گزارش ہے کہ بلاوجہ آپ ڈائجسٹ پڑھنے والی لڑکیوں کے بارے میں غلط رائے قائم مت کریں' آپ ضرور بتائیے گا مجھ سے مل کر کیسا لگا؟ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا (آنچل اسٹاف کی جانب سے آپ کو اپنی سالگرہ کا دن بہت مبارک ہو' ہماری طرف سے یہ چھوٹا سا تحفہ قبول فرمائیے)۔ والسلام

مریم شاہ

السلام علیکم! ڈیئر قارئین کیا حال ہے آپ کا؟ ویسے حال پوچھنا تو فضول ہے بھئی' بھلا کیوں؟ ارے بھئی ایک تو اتنی گرمی اور اوپر سے بجلی و گیس کی لوڈشیڈنگ...... اف! کیا حال ہوگا۔ میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں خیر پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ' چلیے اب ذرا تعارف بھی ہو جائے' میرا نام مریم شاہ ہے ضلع سرگودھا کے ایک چھوٹے سے پیارے سے گاؤں 103 شمالی سلانوالی روڈ سے تعلق ہے 18 جولائی کو مابدولت اس دنیائے فانی میں تشریف لائیں۔ چھ بہن بھائی ہیں ماشاء اللہ سے چار بھائی اور دو بہنیں ہیں' میرا نمبر پانچواں ہے' آنچل سے رشتہ پرانا تو نہیں ہے لیکن ہے بہت گہرا۔ آنچل بہت اچھا اور معیاری رسالہ ہے اللہ کرے یہ یونہی ترقی کی راہ پہ گامزن رہے' آمین۔ پسندیدہ رائٹرز میں عمیرہ احمد' سمیرا شریف طور' سیما غزل اور زمرہ نعیم شامل ہیں۔ بذاتِ خود ایک چھوٹی سی رائٹر ہوں' طنز و مزاح میں ڈاکٹر یونس بٹ اور اطہر شاہ جیدی پسند ہیں۔ شاعری سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے۔ "وصی شاہ" میرے موسٹ فیورٹ شاعر ہیں' ان کے علاوہ مجھے اپنی چھوٹی سسٹر حافظہ مون شاہ کی شاعری بہت پسند ہے۔ مزے کی بات یہ کہ وہ کہانی بھی لکھتی ہے لیکن یہ خیال بھی رہے کہ ابھی ہم طفلِ مکتب ہیں' لباس میں دوپٹہ' لانگ قمیص اور ٹراؤزر پسند ہے۔ سرخ' سفید اور سیاہ کلرز کا میرے پسندیدہ ترین کلرز میں شمار ہوتا ہے' سرخ گلاب کا پھول اور خوشبو چارلی بہت پسند ہے۔ ہنسی مذاق کرنا اچھا لگتا ہے لیکن ایک حد کے اندر' گھومنے پھرنے کا بہت شوق ہے۔ رشتوں میں تمام رشتے بہت خاص اور پیارے ہوتے ہیں خواہ وہ خونی رشتے ہوں' دوستی کے ہوں' محبت کے ہوں یا پھر انسانیت کے۔ غصے کی بہت تیز ہوں فوراً غصہ آجاتا ہے۔ مجھے منافق' دھوکے باز اور گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں مدینہ منورہ جاؤں اور ایک اچھی لکھاری بنوں' اپنے گاؤں اور اپنے ملک پاکستان سے بہت محبت ہے' آئی لو مائے پاکستان۔ ڈیئر قارئین مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتائیے گا' پہلی بار اپنے متعلق اتنا کچھ لکھا ہے' امید ہے آپ مجھے نظر انداز نہیں کریں گے' اجازت چاہوں گی پھر ملیں گے اگر خدا لایا' والسلام۔

نادیہ یٰسین

السلام علیکم! ڈیئر آنچل قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ جی تو میرا پورا نام نادیہ یٰسین ہے جو میرے ابو جان نے رکھا ہے لیکن کچھ لوگوں نے میرے اصل نام کی ٹانگیں اور بازو توڑ کر یہ

نام دریافت کیے ہوئے ہیں' نادی' ندو اور فرینڈز نے تو
پورا نام ہی ختم کردیا ہے' اب بڑے دلار سے مجھے پنکی
پنکی کہہ کر میرا دل جلاتی ہیں لیکن خیر کیا کریں ہیں بھی تو
اپنے ...... میرا تعلق ساہیوال کے ایک قریبی گاؤں
کے زمیندار گھرانے سے ہے اور ہماری کاسٹ
آرائیں ہے اور مابدولت کو تین بھائیوں کی اکلوتی بہن
ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ جی ہاں صرف اکلوتی
لاڈلی یا چہیتی بالکل بھی نہیں (مذاق کررہی ہوں) دو
بھائی بڑے اور ایک چھوٹا ہے لیکن حرکتوں میں بڑوں
سے بھی بڑا ہے' بڑا بھائی فیصل آباد یونیورسٹی میں
BSC کے لاسٹ سمسٹر کا اسٹوڈنٹ ہے' چھوٹا
I.Com پارٹ ون اور تیسرا 9th میں ہے۔ اب
مابدولت کی طرف رخ کرتے ہیں تو میں پہلے اپنی آمد
کے بارے میں بتاتی چلوں جو 2 جولائی کے گرما گرم
موسم میں ہوئی لیکن موسم کی گرمی نے ہمارے مزاج پر
کوئی اثر نہیں کیا' ہم بڑی ٹھنڈی طبیعت کے ہیں
(آزما کر دیکھ لیں) اس لحاظ سے میرا اسٹار کینسر ہے'
اب بات اگر میری تعلیمی قابلیت کی ہوجائے تو پچھلے
سال میٹرک کی سند بہت اچھے نمبروں سے حاصل
کرنے کے بعد ابھی دو تین ماہ پہلے ترجمہ وتفسیر کی سند
حاصل کرنے کے بھی حق دار ٹھہرے ہیں اور آپ کی
مبارک باد کے بھی (اب دے بھی دیں) اور اب
قرآن پاک حفظ کرنا شروع کیا ہے' اللہ تعالیٰ مجھے یہ
سعادت حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے (بولیں
آمین اور دعا بھی کریں) لیکن دکھ کی بات بتاؤں بقول
میری ماما کہ وہ سگھڑاپے کی سند مجھے تین چار سال تک
نہیں دیں گی اور بقول اپنی فرینڈ کہ میں کوکنگ بھی
اچھی کرتی ہوں تو پھر سوچیے کہ میری تین چار سال
انتظار والی بات پر کیا حالت ہوئی ہوگی۔ خیر چھوڑیں
میں آپ کو اپنی پسند ناپسند کے بارے میں بتاتی ہوں'
نمکین ڈشز زیادہ پسند ہیں مثلاً بریانی' روسٹ چائنیز
رائس اور چپس تو جتنے بھی ہوں کم لگتے ہیں اور گول گپے
(ہائے منہ میں پانی آگیا) ان کے بارے میں میرا
ایک ہی نعرہ ہے مزیدار ہوں اور بہت سارے ہوں
(سوری غالب جی) اور میٹھے میں صرف آئس کریم'
کسٹرڈ اور چاکلیٹ کیک اچھا لگتا ہے۔ سبزیاں سب
ہی کھالیتی ہوں اور جو ناپسند ہو وہ بھی۔ دال مونگ کی
پسند ہے اور کول ڈرنک میں فانٹا یا مرنڈا' مینگو فلیور پسند
ہے۔ بات اگر کلر کی ہوجائے وہ بھی کپڑوں کے کلر کی تو
جو مجھ پر اچھا لگے وہ ہی لیتی ہوں۔ کپڑوں میں لانگ
فراک اور چوڑی والا پاجامہ اور بڑا سا دوپٹہ یا پھر
لانگ قمیص اور پاجامہ اچھا لگتا ہے۔ میک اپ زیادہ
نہیں کرتی لیکن کاجل لگانا اور لپ اسٹک لگانا پسند
ہے۔ جیولری میں بریسلیٹ اور گولڈ کا ہلکا سا نیکلس یا
چین اور چھوٹے چھوٹے ایئر رنگز پسند ہیں۔ سادہ
چوڑیاں اچھی لگتی ہیں' اب بات ہوجائے میرے مقصد
اور خواہشات کی تو مقصد میرا یہ ہی ہے کہ میں بہت
جلد حافظہ بن جاؤں اور خواہشات......؟ ہائے
ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے لیکن ان
سب پہ حاوی میری خواہش جس کے پورا ہونے کی
دعائیں میں کرتی ہوں وہ ہے مدینہ پاک جانے کی'
خانہ کعبہ کے آگے تہجد کی نماز ادا کرنے کی۔ تصور میں'
میں نے بہت دفعہ ادا کی ہے لیکن وہاں کے پرُنور
ماحول کی تو بات ہی کچھ اور ہے اور میرے پاس جو
لاکھوں درود پاک کا تحفہ ہے وہ آقا صلوۃ والسلام کو خود
ان کے روضہ پاک کے سامنے کھڑے ہو کر سونپنے کا
دل چاہتا ہے۔ جانتی ہوں بہت گناہ گار ہوں لیکن یہ
بھی جانتی ہوں کہ تڑپ سچی ہونی چاہیے' ایک نہ ایک
دن دروازہ کھل ہی جائے گا (ہے ناں؟) پسندیدہ
شخصیت آقا ﷺ کی ذات اقدس ہے' کیا خوبیاں اور

خامیاں چلو بھئی جہاں اتنا کچھ بتایا یہ بھی بتادیتی
ہوں۔ خوبیاں یہ ہیں کہ بقول فرینڈز کے نادیہ
کیئرنگ ہے' یہ اپنی کمپنی میں کسی کو بور نہیں ہونے
دیتی۔ غرور نہیں کرتی' غصہ نہیں کرتی۔ عمارہ نے کہا تھا
کہ نادیہ خوش رہتی ہے اور دوسروں کو بھی خوش رکھنے کی
کوشش کرتی ہے۔ میری بیسٹ فرینڈ نے کہا تھا کہ
اس کا بس چلے تو سب کے دکھ ختم کردے۔ خامیوں
میں سب سے بڑی خامی برداشت کی کمی ہے لیکن خیر
جو فرینڈ یہ بات کہتی تھی اب وہ ہی کہتی ہے کہ کافی حد
تک کنٹرول کرچکی ہو۔ بولتی بہت ہوں اور منہ پھٹ
بھی ہوں جو بات ہوتی ہے وہ منہ پر ہی کہہ دیتی
ہوں۔ میرے چھوٹے بھائی نے تو میرے سامنے
میرے خامیوں کی اتنی بڑی چوٹی کھڑی کردی کہ
ماؤنٹ ایورسٹ بھی شاید نہیں بلکہ یقیناً اس کے
سامنے چھوٹی لگے گی۔ خیر میں نے غصہ ضبط کرتے
ہوئے خوبیوں کے بارے میں پوچھا تو بڑے اسٹائل
سے سر کھجانے لگا اور میں غصے میں اسے بدتمیز گدھا اور
اس طرح کے دوسرے لقب دے کر واپس آگئی۔
میرے خیال میں میری خوبی یہ ہے کہ میں کسی کے
بارے میں برا گمان نہیں کرسکتی اور خاص یہ ہے کہ
مستقل مزاج نہیں ہوں' میں کافی خوش اخلاق ہوں
(آہم) اس لیے میری دوستوں کی لسٹ کافی طویل
ہے جیسے کہ سلمیٰ' مہوش' بشریٰ' ثمرہ' رفعت لیکن ٹوپ
آف دی لسٹ شکیلہ اور عمارہ ہیں۔ ہم سب کزنز وغیرہ
میں بھی بہت دوستی ہے' ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں
جب مل کر نانو کے گھر گزارتے ہیں تو مزا آجاتا ہے' ہر
ایک لمحہ یادگار ہوتا ہے۔ کزنز میں میری نفیسہ' افشاں'
مصباح' آمنہ' رابعہ' ماریہ سے بہت دوستی ہے۔
موسموں میں سردیوں کا موسم پسند ہے' دھند' سرد راتیں
اور پورا چاند پسند ہے۔ پرفیوم جو بھی ملے لگالیتی ہوں'
گلاب کا پھول اور کلیاں بہت پسند ہیں' اپنی ہر بات
اللہ تعالیٰ سے شیئر کرلیتی ہوں اور پھر دوستوں سے اور
ماما سے بھی۔ جی وہ ماں کم اور دوست زیادہ ہیں' فلمیں
نہیں دیکھتی ہوں' سونگ بھی پہلے سنتی تھی لائٹ میوزک
اچھا لگتا ہے۔ دوستوں کے ساتھ سیر وتفریح کرنا پسند
ہے۔ سعودی عرب' آسٹریلیا' ملائیشیا پسندیدہ ممالک
ہیں۔ عفت سحر طاہر آپ کی تو کیا بات ہے' پسندیدہ
ناول "شہر چارہ گراں' محبت دل پہ دستک' یہ چاہتیں یہ
شدتیں" اور بھی کئی انمول تحریریں ہیں۔ میری فیملی'
میری فرینڈز یہ سب میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔
بھائی......! آپ تینوں میرا مان' میرا فخر سب کچھ ہو'
ارے جارہی ہوں گھوریں نا' اللہ حافظ خوش رہیں۔

کیفہ سکندر

السلام علیکم! میری سویٹ اینڈ کیوٹ دوستو! کیسی
ہیں آپ سب جناب یقیناً آپ سب ٹھیک ہی ہوں
گی۔ جی میرا نام کیفہ سکندر ہے میں 4 اکتوبر
1991ء کو اس دنیا میں تشریف لائی' میرا اسٹار میزان
ہے اور اسٹارز پر یقین کرتی ہوں' میرا تعلق گجرات
کے ایک گاؤں لنگڑیال سے ہے۔ میرا گاؤں بہت ہی
خوب صورت ہے (ماشاء اللہ) ہم چھ بہن بھائی ہیں'
سب سے بڑی آپی شمائلہ' بھائی عادل' پھر جناب میں'
کیفہ سکندر' سہیل سکندر' جانو فائقہ سکندر سب سے
چھوٹی اقراء سکندر ہے بڑے بھائی عادل سکندر کی
شادی ہوچکی ہے میری پیاری سی بھابی عالیہ عادل
ہیں اور ان کے دو سویٹ اینڈ کیوٹ بچے ہیں۔ اقصیٰ
نور عادل اور محمد صائم عادل۔ اقصیٰ نور اور محمد صائم ہم
سب کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں' آپی
شمائلہ کی اور میری منگنی ہوچکی ہے ہم سب بہن بھائی
آپس میں بہت جھگڑتے ہیں اور سب ایک دوسرے
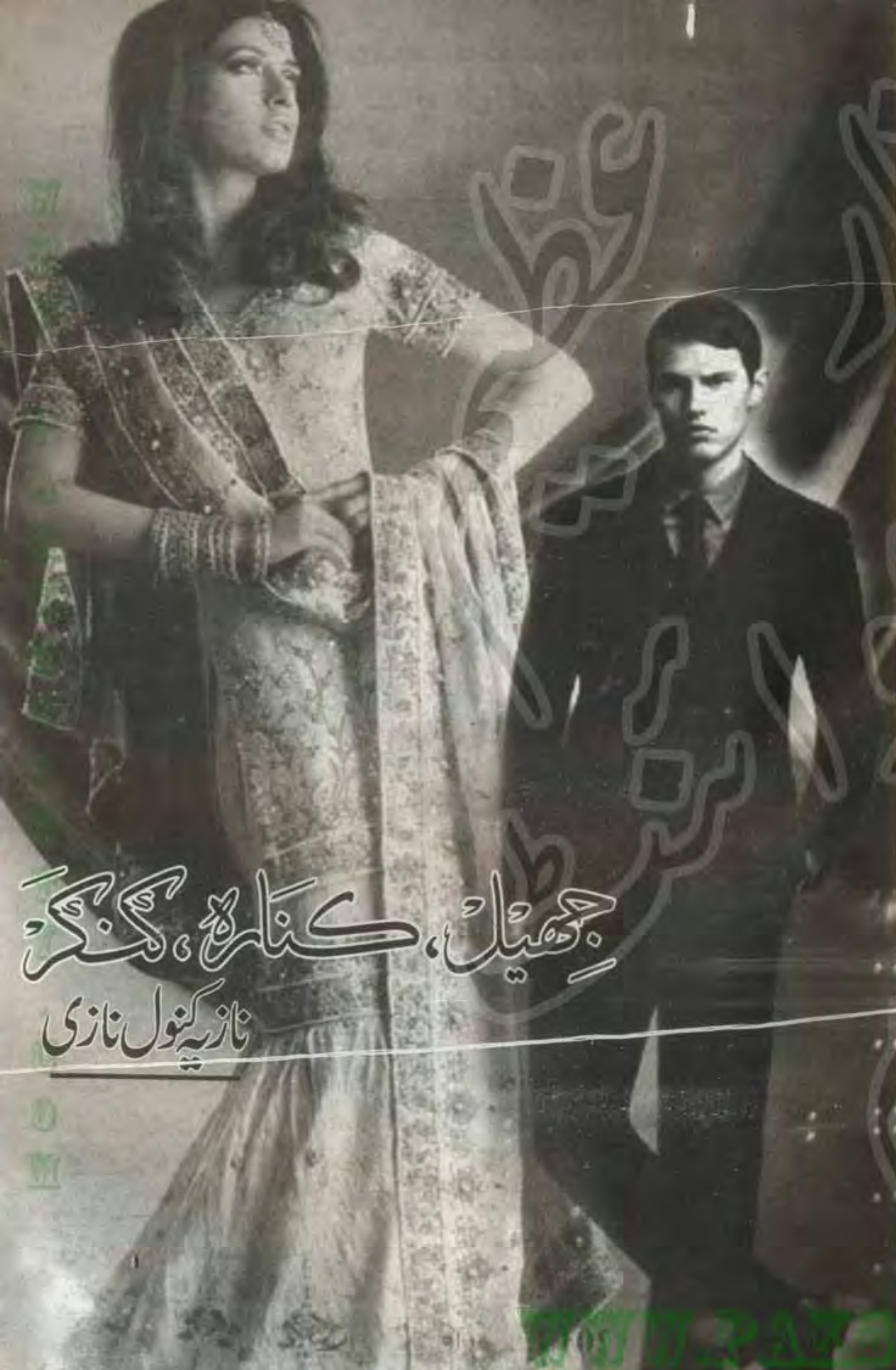
سے پیار بھی بہت کرتے ہیں' ہم سب لوڈو بہت شوق سے کھیلتے ہیں۔ میں نے پہلی دفعہ آنچل اگست 2008ء کو پڑھا سب سے پہلے جو ناول میں نے پڑھا تو میرے دل پر جادو کر گیا۔ سمیرا شریف طور کا "یہ چاہتیں یہ شدتیں" ہے۔ سمیرا آپی آئی لو یُو کیا آپ مجھ سے دوستی کرسکتی ہیں اور نازیہ کنول نازی کا "پتھروں کی پلکوں پر" دل کو چھو گیا۔ نازی آپی آئی لو یُو' کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ عشناء کوثر سردار آپ بھی اچھا لکھتی ہیں۔ میرے آئیڈیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پسندیدہ کتاب قرآن پاک ہے' میں گھر میں ہی ہوتی ہوں' گھر کے کاموں میں دن گزارتی ہوں' اگر فری رہوں تو بور ہو جاتی ہوں۔ ویسے زیادہ تر میں فری ہوں تو پرانے آنچل پڑھتی ہوں' کھانا بنانے کا بہت زیادہ شوق ہے پر کھانے کا نہیں۔ کھانے میں سب کچھ کھالیتی ہوں' اللہ کا شکر ہے۔ میٹھے میں آئس کریم اور چاکلیٹ پرک پسند ہے۔ موسموں کی بات کی جائے تو بہار' برسات' سردی اور گرمیوں کی صبح اور شام کا موسم بے حد پسند ہے۔ سیاہ' سرخ' سفید اور آسمانی رنگ بہت پسند ہیں' کپڑوں میں فراک' چوڑی دار پاجامہ' شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ میوزک شوق سے سنتی ہوں' سنگرز میں سونو نگم اور ہمیش ریشمیا پسند ہیں۔ مووی میں سے "دل" اور "یہ دل" بہت پسند ہیں۔ شاعری سے بے حد لگاؤ ہے' پسندیدہ شاعر وصی شاہ اور احمد فراز ہیں۔ جیولری بہت پسند ہے' کاجل اور لپ اسٹک پسند ہے۔ کھیل مجھے سارے ہی پسند ہیں' جو شوق سے دیکھتی ہوں وہ کرکٹ فٹبال اور ہاکی ہیں۔ کرکٹرز میں سے مجھے شاہد آفریدی پسند ہے (اس لیے سب بہن بھائی اور کزن شاہد آفریدی کی بے عزتی کرتے ہیں) مجھے ایف ایم 93 اور 97 پسند ہے' آر جے آصف شبیرا اور واصف علی خان بہت زیادہ ہیں۔ اچھی عادت یہ ہے کہ جو بھی جو کام کہے کر دیتی ہوں۔ بُری عادت یہ ہے کہ غصہ بہت زیادہ آتا ہے۔ تنہائی پسند ہوں' پر حد سے زیادہ تنہائی برداشت نہیں ہوتی' ہمارے گروپ کا نام سویٹ گروپ ہے' میری دوستیں سویٹ گروپ کی لیڈر فائقہ سکندر کی طرح بہت زیادہ نہیں' ماشاء اللہ سے اس کی بہت زیادہ دوستیں ہیں۔ میں بہت کم دوستیں بناتی ہوں' میری جو بھی دوستیں ہیں بہت سویٹ ہیں' فائقہ سکندر حیات' زنیرہ اصغر نائلہ نذیر' مدیحہ اشرف' ماریہ شریف میری دوستیں ہیں۔ میرا نام میرے چاچو شوکت نے رکھا تھا جو میں اکثر پوچھتی ہوں کہ کیا سوچ کے رکھا تھا تو مسکرا دیتے ہیں' اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمارے امی اور ابو جان کا سایہ ہمیشہ ہم پر رکھے' آمین اور انہیں صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا فرمائے' آمین۔ مجھے فائقہ کی مسکراہٹ بہت پسند ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیشہ مسکراتی رہے' آمین۔ جی تو آپ نے مجھے اتنا برداشت کیا اس کا بہت بہت شکریہ۔ آنچل مجھے سب رسالوں سے پہلے نمبر پر لگتا ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ پہلے نمبر پر ہی رہے گا۔ میں نے آنچل سے بہت کچھ سیکھا ہے' اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنچل کو بہت زیادہ ترقی دے' آمین۔ خدا حافظ۔

دل میں جو بات ہے وہ دل میں دبی رہنے دے
مرے ہونٹوں پہ شکایات رُکی رہنے دے
جانے دے مجھ کو تجھے میری محبت کی قسم
ایک ہلکی سی ملاقات کبھی رہنے دے

کچی بستی کے بام ودر پر
اترتی جاڑے کی زرد شام میں
شفق کی گہری اداس شاموں میں دھیرے دھیرے سمٹتا سورج
میں بالکونی میں زرد ہوتے گلابی پھولوں کو دیکھتی ہوں
تو سوچتی ہوں......
گھروں سے اٹھتے دھوئیں کے بادل فضا میں تحلیل ہورہے ہیں
نجانے ایسے اداس موسم میں تم کہاں ہو؟
چلے بھی آؤ کہ اب اداسی کی شال اوڑھے
سسکتے ماہتاب کی نگاہوں میں
تیرے ہجر وفراق کا دکھ لکھا ہوا ہے
چلے بھی آؤ کہ اب تو راہوں کے نرم جگنو بھی سو گئے ہیں
چلے بھی آؤ کہ روتے روتے' یہ آنسو پتھر کے ہوگئے ہیں

دن ڈھل رہا تھا۔ غروب ہوتے سورج کی نارنجی کرنیں' شہر خاموشاں کی چھوٹی سی دیوار کے اس پار اداسی کے کفن میں لپٹی' سسکتی محسوس ہورہی تھیں۔ تھکے تھکے قدموں کو بمشکل گھسیٹتی آج بہت دنوں کے بعد وہ مٹی کے اس ڈھیر کے قریب آئی تھی جہاں اس کی تمام حسرتیں اور خواب دفن تھے۔

بہت دنوں کے بعد پتھرائی نگاہوں سے آنسوؤں کا ریلا یوں جاری ہوا تھا جیسے کسی خشک جھیل میں صدیوں کے بعد پانی کی آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ بلیک چادر محض کندھوں سے ہی نہیں سر سے بھی ڈھلک گئی تھی مگر اسے خبر ہی کہاں تھی؟ ٹوٹ ٹوٹ کر بہتے آنسوؤں کی دھند میں قبر کی خشک مٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ جیسے ڈھے گئی تھی۔

"کیسے ہو ایاد؟ میں جانتی ہوں آپ مجھ سے ناراض ہو' آپ کو ناراض ہونا بھی چاہیے مگر میں کیا کروں' دنیا بہت تنگ پڑگئی ہے مجھ پر۔ وگرنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں دنیا میں رہوں اور آپ کو بھول جاؤں۔" ٹپ...... ٹپ...... ٹپ گرتے آنسوؤں کے ساتھ قبر کی خشک مٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا گلا جیسے رندھ گیا تھا۔

کون تھا کائنات میں جو اس کے دل کے درد کو جانتا' سوائے اللہ کے۔

حکومتوں کی نااہلی اور آپس کی جنگ میں مکھی مچھروں کی طرح مرتے عوام اور سسکتے دلوں کی کہانی کو کون جان سکتا تھا؟ سوائے اللہ کے۔

ڈھلتی شام کے ساتھ اس کا دل بھی جیسے ڈوبتا جا رہا تھا۔

سرد رویہ' الجھا لہجہ
کھوئی آنکھیں' ٹھنڈے ہاتھ
بے رنگ چہرہ' بداخلاق
دیکھو تم بن کون ہوں میں؟

"ایاد عبدالحدی" کے بغیر ساری دنیا جیسے اس کے لیے بے معنی ہوکر رہ گئی تھی۔ دنیا کے سپرد کرکے گیا تھا وہ شخص اسے؟

اس دنیا کے' کہ جس سے اس کی کبھی بنی ہی نہیں تھی؟

وہ دنیا جو کبھی کسی کی ہوئی ہی نہیں؟

اس کے تو سارے سلسلے اب بھی مٹی کے اسی ایک ڈھیر سے وابستہ تھے۔

دنیا میں ہوتے ہوئے بھی وہ دنیا میں نہیں تھی۔ اس کا وجود عالم برزخ میں لٹک کر رہ گیا تھا۔ روز لمحوں کی برچھیاں اس کا وجود چیرتی تھیں۔

آتی جاتی سانسوں کی مالا میں اٹکی روح' روز کانٹوں کے بستر پر ادھڑتی تھی اور سمٹ جاتی تھی حورعین عبدالسمیع کیا تھی اور کیا ہوکر رہ گئی تھی۔ آسمان گھنگھور بادلوں سے ڈھک چکا تھا۔ تبھی اس کی نظریں اوپر آسمان کی طرف اٹھیں۔

"اللہ......!" بہت دنوں کے بعد بہت اذیت کے عالم میں اس نے اپنے معبودِ حقیقی کو پکارا تھا۔ کیا نہیں تھا اس پکار میں۔

درد......
تڑپ......
کسک......
بے بسی......

انسان جب ساری دنیا سے مایوس ہوکر تھک جاتا ہے تو اسے اللہ یاد آتا ہے اور وہ بھی دنیا سے مایوس ہوگئی تھی۔ اسے بھی اللہ یاد آرہا تھا۔ اسے خبر ہی نہیں رہی تھی کہ وہ کہاں ہے' کیوں ہے؟ تبھی کسی نے اسے پکارا۔

"بیٹی۔" حورعین نے اس پکار پر فوراً گردن پھیر کر دیکھا۔ بے حد رف کپڑوں میں ملبوس قبرستان کا بوڑھا گورکن لوگوں کو ان کی آخری آرام گاہ تک پہنچاتے پہنچاتے خود تھکن سے نڈھال ہورہا تھا۔

"موسم ٹھیک نہیں ہے بیٹی' دن بھی ڈھل رہا ہے' اکیلی عورت کا اس وقت قبرستان میں آنا اچھی بات نہیں ہے۔" اس کے گردن موڑ کر دیکھنے پر اس ادھیڑ عمر گورکن نے اسے تلقین کی تھی۔

حورعین اس کی ہدایت پر آہستہ سے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے سر جھکا گئی۔

کیا ایاد عبدالحدی سے ملنے کے لیے اس کے دل کو موسموں کے مزاج کی پروا تھی؟

گورکن اسے گھر واپسی کی تلقین کرنے کے بعد اپنی راہ پر چل پڑا تھا۔ وہ بے بس سی سر جھکائے بیٹھی ایاد عبدالحدی کی قبر کی خشک مٹی کو اپنے آنسو دان کرتی رہی۔ آج پہلی بار اس نے مٹی کے اس ڈھیر سے باتیں نہیں کی تھیں۔

آج پہلی بار اس کے پاس ایاد عبدالحدی کو دان کرنے کے لیے پھول نہیں تھے۔ قبرستان سے گھر واپسی کے سفر میں صرف تھکن اس کے ہمراہ تھی۔

❁......❁......❁

آسمان گدلے بادلوں سے ڈھک چکا تھا۔

قبرستان سے گھر پہنچنے تک وہ نا صرف ہانپ گئی تھی بلکہ بری طرح بارش میں بھیگ بھی گئی تھی۔ اسے لگا جیسے بارش کی صورت کسی نے اپنے صدیوں سے رکے آنسو بہائے ہوں۔ لاؤنج میں آئی تو سب لوگ جیسے اسی کا انتظار کررہے تھے۔

"حورعین' بیٹی کہاں رہ گئی تھیں؟ دیکھو سب لوگ کتنا پریشان ہورہے ہیں تمہارے لیے۔" بڑی ماں کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی وہ بول اٹھیں۔

حورعین کے لیے اپنی واپسی کی وضاحت کرنا

مشکل ہوگیا۔ وہاں بیٹھے افراد میں کوئی شخص بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں گئی تھی اور کیوں؟؟ ”سوری وہ موسم خراب ہوگیا تھا ٹیکسی نہیں ملی تو پیدل گھر آنا پڑا۔“

”ارے ایسی بات تھی تو فون کردیتیں بیٹے‘ نمیر دو بار مارکیٹ جاکر تمہارا پتا کرکے آیا ہے۔“

”سوری دادو میں سیل فون ساتھ لے کر نہیں گئی تھی۔ اگلی بار خیال رکھوں گی۔“

”اچھی بات ہے چلو اندر جاکر جلدی سے کپڑے تبدیل کرلو‘ یہ نکمے لڑکے تمہارے انتظار میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے ہیں۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ اگلے ہی پل نئے حکم پر سوائے سر جھکانے کے اس کے پاس اور کوئی چارا نہیں تھا۔ حالانکہ اس وقت سوائے بستر میں گر کر ڈھیر سارا رونے کے اس کا اور کسی کام کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کتنے زخم تھے جو رِس رہے تھے مگر اسے ان سب کو خوش رکھنا تھا۔ واقعی دنیا کتنی تنگ پڑگئی تھی اس پر کتنے گھاؤ تھے جو ناسور بن کر روح کو چاٹنے لگے تھے۔

چپ چاپ کچن میں آکر اس نے مٹر پلاؤ کی تیاری شروع کردی۔ اس گھر میں پناہ اور اپنی عزت و جان کی حفاظت کے لیے اسے اس گھر کے مکینوں کی خوشی اور آرام کا خیال تو رکھنا ہی تھا۔ اگلے پینتالیس منٹ میں اس نے کھانا ٹیبل پر لگا دیا۔ سب رغبت سے کھا رہے تھے اور اس کی خوب تعریف بھی ہو رہی تھی۔ مگر حورعین کا دل اس وقت کسی چیز کو تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ اسے ابا دعبدالحدی کی یاد ٹوٹ کر آ رہی تھی۔

کھانے کے بعد جس وقت وہ سب کو چائے سرو کر رہی تھی عمیر نے اس کی بھیگی ہوئی پلکوں کو بغور دیکھا یہی وجہ تھی کہ چھٹکو (زبیر) کو ہوم ورک کروانے کے بعد وہ کچن میں اس کے پاس چلا آیا تھا۔

”السلام علیکم۔“

حورعین جو رونے کے ساتھ ساتھ‘ سر جھکائے برتن دھو رہی تھی اس کے سلام پر جلدی سے آنسو پونچھ گئی۔

”وعلیکم السلام۔“

”میں برتن دھونے میں مدد کرواؤں آپ کی؟“

”نن...... نہیں۔“ وہ آفر کر رہا تھا اس نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔ تبھی وہ کپڑا اٹھا کر دھلے ہوئے برتنوں کو خشک کرنے لگ گیا۔

”عمیر میں کرلوں گی خود تم اپنے کام نبٹالو۔“

”نہیں آپی‘ میں باقی سب لوگوں کی طرح خود غرض اور کمینہ نہیں ہوں۔“

”پاگل‘ ایسا نہیں کہتے۔“

”ٹھیک ہے مگر آپ رو کیوں رہی ہیں کیا عذیر بھائی نے کچھ کہا ہے یا پھر گھر کی یاد آ رہی ہے؟“

”گھر...... گھر تو میرا رہا ہی نہیں۔ کتنے ماہ ہوگئے زمانے کی ٹھوکروں میں پڑے ہوئے۔“

”تو پھر عذیر بھائی نے کچھ کہا ہے؟“

ذرا سا سر جھکاتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ حورعین نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں انہوں نے کیوں کچھ کہنا ہے؟“

”کچھ کہنے کے لیے وجہ کی ضرورت تو نہیں ہوتی میری پیاری بہن‘ بے قصور بھی بہت کچھ ہو جاتا ہے۔ جیسے پرسوں جیل کی تاریک بیرک میں شہزاد کی موت ہوگئی۔ اس شہزاد کی جس نے قطعی بے گناہ ہوتے ہوئے سالوں جیل کاٹی‘ ماریں کھائیں‘ اپنی زمین گنوا کر نمبردار کو راضی کیا‘ انصاف کے حصول کے لیے آہنی سلاخوں سے سر ٹکراتے ٹکراتے پاگل ہوا اور بالآخر مر گیا۔ پتا نہیں روز اندھی تاریک کوٹھریوں میں ایسے کتنے ہی شہزاد جینے کی حسرت دل میں لیے اذیت اور بے بسی کی موت کو گلے لگاتے ہوں گے۔

کتنا ذہین اور باصلاحیت نوجوان تھا۔ اے کاش کسی ترقی یافتہ ملک میں پیدا ہوتا تو ایسی بے بسی کی موت نا مرتا۔“ عمیر کے لہجے میں دکھ کی آمیزش تھی۔

حورعین اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”یہاں صرف ایک شہزاد کی موت کا مسئلہ نہیں ہے عمیر‘ ہمارا المیہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے لوگوں کے ذہن‘ بے حسی میں بہت پختہ ہوگئے ہیں کوئی کتنا ہی مظلوم‘ بے گناہ‘ باصلاحیت اور نامساعد تقدیر و حالات کا مارا ہو یہاں ہم لوگوں کے ذہنوں میں ان بے بس‘ بدنصیب قیدیوں کے لیے سوائے نفرت کے اور کچھ نہیں۔ پکی سوچ بن گئی ہے ہماری کہ جس پر کوئی جرم عائد ہوگیا وہ مجرم ہے‘ خواہ اس نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو ہماری فرض شناس پولیس نے اگر کسی کو حصار میں لے لیا تو مرتے دم تک وہ شخص نہ ہماری نگاہوں میں معتبر ہوتا ہے نہ ہم اسے کسی انسانیت‘ کسی ہمدردی کے قابل سمجھتے ہیں۔“

وہ جذباتی ہوئی تھی اور عمیر ان جذبات کی قدر کرتا تھا۔ تبھی کپڑا اسائیڈ پر رکھتے ہوئے بولا تھا۔

”جی ہاں‘ صحیح کہہ رہی ہیں آپ ہمارے ذہن ایسے بنا دیے گئے ہیں کہ لفظ قیدی سے ہم نے صرف نفرت کرنی ہے۔ ہمیں کوئی دلچسپی نہیں اس چیز میں کوئی کن حالات میں قانون کی بھینٹ چڑھا۔ کسی کو اس کے قصور پر سزا ہوئی یا یونہی بے قصور پھنسا دیا گیا۔ کوئی حوالہ یاد نہیں آتا ہمیں اپنے دین کا کہ ہمارے دین میں ہمارے پیارے نبیؐ اور ان کے بعد جتنی بھی نیک اور برگزیدہ ہستیاں دنیا میں آئیں انہوں نے قید میں آنے والے لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ لوگ اپنے کتوں کا بھی خیال رکھتے ہیں مگر ہمارے ہاں‘ گرمی کے قہر برساتے مہینوں میں بجلی تو ایک طرف پینے کو پانی بھی نہیں دیا جاتا ان بدنصیب مجبوروں کو...... گندے غسل خانوں اور لیٹرینوں میں پانی کے دو گھونٹ پینے کے لیے گھنٹوں سلاخیں پکڑ کر شور مچاتے ہیں۔ آوازیں لگاتے ہیں گرمی اور مچھروں سے پریشان چھوٹے چھوٹے قبر نما سیلوں میں ساری ساری رات گریہ زاری کرتے ہیں کاش میں آپ کو بتا سکتا کہ گرمی ان بدنصیب قیدیوں کے لیے کیسا عذاب لے کر آتی ہے۔“

”مجھے اندازہ ہے عمیر‘ بھلا مجھ سے زیادہ قید کی صعبتوں کو کون جان سکتا ہے؟“ رخ پھیرتے ہوئے بہت مدھم لہجے میں اس نے جیسے سرگوشی کی تھی۔ کیسے کیسے مناظر تھے جو ذہن کی اسکرین پر جھلملائے تھے۔

”تم نہیں جانتے عمیر‘ جیلیں خواہ امریکا کی ہوں‘ بھارت کی یا پاکستان کی دوزخ کا دوسرا روپ ہیں دنیا میں اور وہ لوگ جن کا یہاں اختیار چلتا ہے جہنم کے داروغوں سے کم نہیں ہیں۔ فانی دنیا میں عارضی طاقت اور اختیار کے نشے میں مست لوگ بے بس انسانوں پر قہر ڈھاتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ وقت جیسی ظالم چیز نے تو نمرود‘ فرعون اور قارون جیسے لوگوں کو عبرت بنا کر رکھ دیا یہ کیا چیز ہیں؟“

”بالکل سچ کہا آپ نے‘ اب دیکھیے نا اکثر کیسز میں‘ میں نے دیکھا ہے کہ اگر ایک عدالت نے فیصلہ سنا دیا تو دوسری عدالت اس فیصلے کو چیلنج ہی نہیں کرتی بلکہ اس عدالت کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے بنا نظر ثانی کیے اسے ویسے ہی برقرار رکھتی ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ میں توہین عدالت نہیں کر رہا۔ مگر مجھے دکھ ہے ایک انسان ہوتے ہوئے ہم کسی دوسرے انسان کی زندگی کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے جبکہ میں نے کہیں پڑھا تھا کسی بوڑھی عورت پر ظلم ہوا تھا تو اس نے بادشاہ کی سواری کو راہ میں روک کر اس

سے پوچھا تھا کہ تم میرا انصاف یہیں کرو گے یا روزِ محشر خدا کے سامنے تمہارا گریبان پکڑوں؟ اور وہ بادشاہ بڑھیا کی بات سن کر کانپ اٹھا تھا مگر اب شاید ان باتوں پر توجہ دینے کی فرصت بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔"

"یہی تو ساری بات ہے عمیر مشرکین کو کیا کہیں یہاں قرآن اور کلمہ پڑھنے والوں کو بھی آخرت کا کوئی خوف نہیں' تم دیکھو سعودیہ میں خالص اسلامی قانون نافذ ہے کسی کی مجال نہیں کہ وہاں ذاتی عناد یا دشمنی میں کسی بھی شخص پر جھوٹا الزام لگا کر اسے سزا کروا سکے۔ معمولی سے معمولی کیس کی چھان بین بھی یوں ہوتی ہے کہ کسی کو موردِ الزام ٹھہرا کر پھنسانے والا الٹا خود اپنے جال میں پھنس کر عبرت پا جاتا ہے۔ کاش یہاں بھی ایسا ہی کوئی سسٹم ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا' مگر...... یہاں غیر ملکیوں کے لیے رحم کی گنجائش ہے ان کی اپیلیں قبول بھی ہو جاتی ہیں اور سزائیں بھی معاف ہو جاتی ہیں مگر اپنے شہریوں کے لیے کہیں کسی رحم کی گنجائش نہیں ان کے لیے تو صرف سزا ہے قہر ہے اور بس......!"

"جی یہی تو بات ہے...... کسی بھی ملک میں کسی بھی مذہب میں انسانیت کا درجہ پہلے نمبر پر ہے مگر یہاں دنیا میں سب سے زیادہ امن پسندی اور جمہوریت کا نعرہ لگانے والوں نے بھی سب سے زیادہ انسانیت کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ کتے کے پلوں کے لیے بھی نرم دل رکھنے والوں نے انسانوں کے ساتھ وہ سلوک کیے ہیں کہ خود انسان کو اپنے انسان ہونے پر شرمندگی ہے ذرا سوچیں' آج انسانیت کو سائیڈ پر رکھ کر بے گناہوں پر قہر ڈھانے والے روزِ محشر بادشاہ کائنات کے سب سے بڑے منصف کے سامنے کس منہ سے رحم کی اپیل کر سکیں گے؟" وہ کہہ رہا تھا حور عین کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ اس کے ذہن میں اس وقت مہدی حسن کی سدا بہار آواز گونج رہی تھی۔

"چاند میری زمیں' پھول میرا وطن
میرے کھیتوں کی مٹی میں لعل و یمن
چاند میری زمیں' پھول میرا وطن
میرے ملاح لہروں کے پالے ہوئے
میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے
میرے فوجی جواں' جراتوں کے نشاں
میرے اہل قلم عظمتوں کی زباں
میرے مزدور اس دور کے کوہِ کن
چاند میری زمیں' پھول میرا وطن

"کتنی عجیب بات ہے نا آپی ہمارا ملک اسلامی ہے یہاں اللہ کا قانون سب سے بڑا قانون ہے مگر پھر بھی ہم اپنے معاملاتِ زندگی میں تقلید ان لوگوں کی کر رہے ہیں جو اسلام اور مسلمان دونوں کے دشمن ہیں۔ جن کی آنکھ میں اللہ اور اس کے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے کنکر بن کر چبھ رہے ہیں۔ اب ایک طرف وہ ہمیں مار رہے ہیں اور دوسری طرف ہم خود اپنے آپ کو مار رہے ہیں۔ موت دونوں طرف مسلمان کی ہو رہی ہے اور بدنامی کا طوق پھر بھی ہمارے ہی گلے میں فٹ ہے۔ آپ دیکھیے آپی' صرف ایک ورلڈ ٹریڈ سینٹر تباہ ہوا اس میں بھی ہم ملوث نہیں تھے مگر اس کے باوجود وہاں کے ناخداؤں نے بدلے میں سیکڑوں' ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو چیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دیا کون لے گا اس کا حساب؟"

"اللہ......!" عمیر کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس کے لب پکارا ٹھے۔

"تم کیا سمجھتے ہو عمیر، یہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے اللہ کے نیک اور پرہیز گار بندوں کے ساتھ ہو رہا ہے شیر اور گیڈر کو ایک ہی گھاٹ پر لا کر پانی پلایا جا رہا ہے اللہ اس سے بے خبر ہے؟ نہیں، اس رحمٰن و رحیم کی ایک صفت جبار و قہار بھی ہے اس کا قہر جب برستا ہے تو زمین بھی تھر تھر کانپ اٹھتی ہے۔ سمندر کے بازو پھیلتے ہیں اور چلتے پھرتے لوگ اس کی لا محدود گہرائیوں میں جا چھپتے ہیں۔ وہ پاک ذات بے خبر نہیں ہے عمیر سارے عمل لکھے جا رہے ہیں چھوٹے سے چھوٹا ہر عمل اس کی نگاہ میں ہے ایک ایک جان، ایک ایک خون کے قطرے کا حساب لے گا وہ۔ بہت پیار ہے اسے اپنے بندوں سے اور اختیار سارا صرف اللہ کا ہے وہ اپنے معصوم بندوں کا خون رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ یہ ظلم، یہ فسادات، یہ انسانی درندگی، یہ ہماری شکست یا ہمارا عبرت ناک انجام نہیں ہے عمیر، آزمائش ہے ہماری امتحان ہے۔ وہ واحد و لاشریک! اسی طرح اپنے بندوں کو کڑی آزمائشوں میں ڈال کر ان کا ایمان آزماتا ہے اور پھر جو لوگ راہِ حق سے بھٹک جاتے ہیں اُن منافقین کو علیحدہ کر لیتا ہے۔ ہمیں کوئی ملال نہیں ہے عمیر، اللہ نے مومنوں کی جان جنت کے بدلے خرید لی ہے۔ ہمیں جنت کے بدلے نفس کا سودا مہنگا نہیں ہے ہماری آخرت ابھی باقی ہے۔ بادشاہوں کے بادشاہ کے حضور ہمارا حساب اور انصاف ابھی باقی ہے۔ ہماری شاندار تاریخ ہمارا فخریہ حوالہ ہے۔ کسی میں دم نہیں کہ مسلمانوں کے خون کو پانی کی طرح بہا سکے سوائے خود مسلمانوں کی مدد کے یہ صدی یہود و نصاریٰ کی فتوحات اور عروج کی صدی ہے عمیر، دنیا کا قالین سمٹ رہا ہے اللہ دیکھ رہا ہے کون اس کا ہے اور کون اس کے دشمنوں کا۔ وگرنہ یہی یہود و نصاریٰ تھے جن پر صدیوں مسلمان حکمرانوں نے حکومت کی اور اپنے دورِ حکومت میں بہترین امن اور انصاف کی یادگار مثالیں قائم کیں یہی تھے جو عاجزی سے ہمارے آباؤ اجداد کے شاندار درباروں میں ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ آپس میں بھی لڑ پڑتے تو انصاف کے لیے ہمارے ہی آباؤ اجداد کے در کھٹکھٹاتے تھے مگر آج وقت ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے اسی لیے یہ لوگ ہمارے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کر سکتے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے ماضی میں انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ بیت المقدس کی فتوحات کے موقع پر صلیب کے پرستاروں نے اپنے گھوڑوں کے سم مسلمانوں کے خون سے تربتر کر دیے مگر، اسی بیت المقدس کو جب صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تو وہاں امن و عدل کی وہ مثالیں قائم کیں کہ خود ان کے آباؤ اجداد ان کے مورخ بھی اس کے معترف ہیں آج پھر ان کے عروج کا دور ہے عمیر۔ اسی لیے فلسطین، عراق، برما، افغانستان، شام، فلیطین، لیبیا اور کتنے ہی ایسے کمزور ممالک کا چپہ چپہ چلا چلا کر ان کے مظالم اور انسانی دشمنی کا پول کھول رہے ہیں۔ یہ ہمیں کہتے ہیں کہ ہم دہشت گرد ہیں۔ لیکن میں کہتی ہوں کہ دہشت گرد ہم نہیں یہ ہیں۔ دنیا کے امن کو ہم نے نہیں انہوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ ہمارا مذہب تو امن کا مذہب ہے وہ مذہب ہے جس کا فائدہ اٹھا کر خود انہی نے امن اور سلامتی پائی جگہ جگہ تاریخ کے پنوں میں ہماری عظمتوں اور کامرانیوں کی مثالیں چھپی ہوئی ہیں۔ اندلس کی سرزمین ہو یا فلسطین کی، ہندوستان ہو یا بحیرہ قلزم، تاریخ گواہ ہے ہم نے اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ بھی بہترین سلوک کیا۔ ہمارے مجاہد آج بھی وہی ہیں۔ اگر یہ لوگ ہمارے خون کو پانی کی طرح نہ بہائیں، ہماری عزتوں کو پامال نہ کریں، بے

قصور ہم پر قہر نہ ڈھائیں تو ہم بھی اپنی صلاحیتوں، اپنی ہنرمندی، اپنی تعلیم کو بروئے کار لا کر امن و سکون کی زندگی جئیں۔ ہمیں صحراؤں کی خاک چھاننے اور سنگلاخ پہاڑوں میں رُلنے کا شوق نہیں ہے۔ مگر افسوس ہمارے موجودہ سالاروں نے دنیاوی مفادات کے لیے ہماری جانوں کے سودے کر دیے ہیں، مجبور کر دیا ہے کہ ہم خود پر ہونے والے مظالم کا مقابلہ خود بندوق اٹھا کر کریں۔ وگرنہ امن و سکون کی زندگی کسے اچھی نہیں لگتی؟"

"صحیح کہہ رہی ہیں آپی، چوٹ لگتی ہے تو پتھر بھی صدا دیتے ہیں ہم تو پھر جیتے جاگتے انسان ہیں کتنی دلچسپ حقیقت ہے نا کہ اگر دنیا کے کسی مسلمان کے ہاتھوں کسی امریکی، کسی اسرائیلی، کسی بھارتی کو نقصان پہنچتا ہے تو ساری دنیا میں کھلبلی مچ جاتی ہے ایک فرد کی جان کے بدلے دس مسلمانوں کو مار کر غصے کی آگ ٹھنڈی کی جاتی ہے مگر دوسری طرف اگر کوئی پاکستانی، کوئی عراقی، کوئی کشمیری، کوئی افغانی ان ممالک کے مظالم پر ان سے نفرت کا اظہار بھی کرتا ہے تو اس پر فوراً دہشت گرد کی مہر لگ جاتی ہے۔ ساری دنیا کے سامنے بنا کسی جرم اور قصور کے اس پر جھوٹے مقدمات بنا کر اسے تڑپا تڑپا کر مار دیا جاتا ہے۔ مگر کہیں کوئی کھلبلی نہیں مچتی، 58 قبروں میں گہری میٹھی نیند سوئے ہمارے مسلم ممالک یوں خاموشی اور بے بسی سے تماشہ دیکھتے رہ جاتے ہیں جیسے روز قیامت انہیں اللہ رب العزت کے حضور حاضر ہی نہیں ہونا۔ طاقت کے بل بوتے پر چاہے یہ ساری دنیا کو اُدھیڑ کر رکھ دیں کوئی انہیں پوچھنے والا نہیں۔ ان کی امن پسندی پر کوئی حرف ہی نہیں آتا۔"

"یہی تو دکھ ہے عمیر...... یہ وطن عزیز...... یہ زمین کا پیارا ٹکڑا، اس کی مثال بس ایک زخمی پرندے کی سی ہے، جس کی لاٹھی اس کی بھینس والے جنگلی قانون کے باعث یہاں کے شیر چیتے اور گدھوں کے منہ کو اس زخمی پرندے کا خون لگ چکا ہے۔ اسی لیے اگر انہیں دربدری کے باوجود جان خطرے میں ڈال کر بھی یہاں آنا پڑتا ہے تو وہ آتے ہیں اقتدار کا لالچ انہیں ہزار آسائشات کے باوجود دیارِ غیر میں سکون سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ بس اب قیامت آ جائے، اللہ رب العزت کی عدالت لگے اور سارا دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں آپی جس اخلاقی پسماندگی میں ہم گر چکے ہیں ایک اسلامی ملک میں غیر اسلامی روایات کو پروان چڑھا کر روز اللہ کے قہر کو آواز دے رہے ہیں اس سے تو یہی بہتر ہے کہ بس اب اللہ کا انصاف دیکھیں۔"

"ہوں، زبیر کو ہوم ورک کروایا؟"

"جی کروا دیا ہے لیکن مما کی رحلت کے بعد وہ بہت چپ ہو کر رہ گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ اسے ٹائم دیں اسے ایک نارمل لائف کی طرف لے کر آئیں۔" حورعین کے موضوع بدلنے پر اس نے بھی گفتگو کا رخ پھیر دیا۔ وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

اس روز کے بعد وہ اپنا زیادہ ٹائم زبیر کے ساتھ ہی گزارتی تھی۔ اسے اسکول کے لیے خود تیار کرتی کھانا کھلاتی، ہوم ورک اپنی نگرانی میں کرواتی اور رات میں کہانی سنا کر اسے اپنے ساتھ ہی سلا لیتی کچھ ہی دنوں میں وہ اس سے بہت کلوز ہو گیا۔

سارا گھر اس سے بے حد خوش تھا۔ دادی عذیر کا منہ چومتی نہیں تھکتی تھیں کہ اس نے اتنی اچھی اور قابل لڑکی کا انتخاب کیا اور وہ ہر بار شرمندہ ہو کر رہ جاتا۔ حورعین رفتہ رفتہ جس طرح سے اس گھر کے مکینوں

کے دلوں میں اپنا مقام بنا رہی تھی وہ الجھتا جا رہا تھا سلمٰی سے بھی اس کی لڑائی ہوگئی تھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟

اس روز وہ آفس سے گھر آیا تو حورعین زبیر کے ساتھ اس کے کمرے میں بیٹھی اسے کہانی سنا رہی تھی۔

''ایک وادی تھی بہت خوب صورت سرسبز' وہاں سب بہت خوش رہتے تھے۔ وہاں کا بادشاہ مسلمان تھا اور اپنی ساری رعایا کے ساتھ بہت اچھا اور انصاف کا سلوک کرتا تھا دوسرے مذہبوں کے لوگ بھی اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں پریشان اس کے پاس انصاف کے لیے آتے اور خوش ہو کر جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ بادشاہ کمزور اور بوڑھا ہوتا گیا بادشاہ کے جو بچے تھے وہ لاابالی اور بے نیاز قسم کی طبیعت کے مالک تھے۔ پھر اچانک ایک دن اس کی وادی پر ایک بلا قابض ہوگئی بہت بڑے منہ والی' خوفناک بلا......!'' بہت انہماک سے کہانی سناتے ہوئے وہ جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ جبکہ ننھا زبیر آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہا تھا۔

''دیکھتے ہی دیکھتے اس بلا نے بادشاہ کے بچوں کو نگل لیا۔ وادی کے لوگ اس بلا سے خوف کھانے لگے۔ جس جگہ پر اس بلا کے قدم پڑتے وہاں انسانوں کا صفایا ہو جاتا یوں تو وہ بلا کسی کو بھی نہیں چھوڑتی تھی مگر مسلمانوں کا خون اسے زیادہ پسند تھا۔ جہاں اسے کوئی مسلمان نظر آتا فوراً نگل لیتی۔''

''بھائی کوئی شہزادہ نہیں تھا جو اس بلا کو مار دیتا۔'' جونہی وہ سانس لینے رکی زبیر نے فوراً پوچھ لیا جواب میں اس کے لبوں پر افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''شہزادہ' پتا نہیں کتنے ہی شہزادوں کو اس بلا نے نگل لیا تھا۔''

''اتنی بڑی بلا تھی وہ؟'' اب کے زبیر نے آنکھیں پھیلائی تھیں۔ حورعین نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنی گود میں لٹا لیا۔

''ہوں' بادشاہ جو مر گیا تھا اس وادی کا' اسی لیے بلا طاقت ور ہوتی گئی کوئی اس کا مقابلہ کرنے والا جو نہیں تھا۔ آس پاس کی وادیوں کے لوگ بس تماشہ دیکھتے تھے۔''

''پھر تو اس بلا نے سب کو نگل لیا ہوگا؟''

''ہوں' بڑے ظلم کرتی تھی وہ بلا جس کو ایک پنجہ مار دیتی وہ دوبارہ اٹھ ہی نہیں سکتا تھا۔ ایسے میں وہاں جو بچے کچے مسلمان تھے انہوں نے سوچا کہ اگر وہ بلا سے لڑیں گے تو بلا انہیں کھا جائے گی۔ بہتر یہی ہے کہ وہ بلا کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں وہ جو ظلم بھی کرے کرنے دیں۔ بس اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے رہیں۔ بلا کو ان کے اس فیصلے کا پتا چلا تو بہت ہنسی' اس نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر وہ لوگ اسے اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں تو وہ انہیں نہیں کھائے گی مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔''

''کیا مطلب؟'' زبیر منہ اٹھائے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

حورعین کی نظریں کھڑکی کے اس پار' سڑک کی دوسری سائیڈ پر تنہا کھڑے درخت پر جم گئیں۔ وہ بولی تو اس کا لہجہ بہت کھویا ہوا تھا۔

''اپنی اپنی جان بچانے کے لالچ میں وادی کے ان لوگوں نے بلا کو اور بھی طاقت ور بنا دیا تھا۔ اب وہ ایک ایک کو پکڑ کر اپنے پاس قید کرتی اور کھا لیتی روز بروز لوگ ڈرتے گئے اور کمزور ہوتے گئے۔''

''پھر۔''

''پھر' اس بلا نے اپنے پر پھیلا لیے' اس کے پیر بھی بہت بڑے بڑے تھے جس جگہ مسلمان رہتے تھے وہاں وہ اپنے پیر رکھتی تھی اور سب کو بنا کسی قصور کچل مسل کر رکھ دیتی۔''

''کیوں بھائی...... بلا مسلمانوں کے ساتھ ہی ایسا کیوں کرتی تھی؟'' زبیر سر اٹھائے پھر پوچھ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''نفرت جو کرتی تھی وہ مسلمانوں سے۔ اسے خوف تھا کہیں مسلمان شہزادے اسے ختم نہ کردیں۔''

''لیکن انہیں تو اس نے کمزور کردیا تھا پھر وہ اسے کیسے ختم کرسکتے تھے۔''

''بس' خوف جو تھا اسے وادی میں مشہور تھا کہ صرف مسلمان ہی اس بلا کو مار سکتے ہیں اسے ڈر لگتا تھا کہیں کوئی شہزادہ باہر سے آ کر اسے مار نہ دے۔''

''پھر......؟'' زبیر کا انہماک کہانی میں بڑھ چکا تھا۔

وہ کھڑکی کے اس پار تنہا کھڑے درخت کو یاسیت سے دیکھتی رہی۔

''پھر کل سناؤں گی۔ ابھی آپ سو جائیں' کیونکہ صبح آپ کو اسکول بھی جانا ہے۔''

''نہیں بھائی' پلیز کہانی سنائیں نا' اتنی اچھی کہانی تو کبھی مما نے بھی نہیں سنائی۔'' وہ کہانی جاری رکھنے کے لیے بضد تھا تبھی عمیر وہاں چلا آیا۔

''حور آپی' آپ کو دادو بلا رہی ہیں۔''

''کیوں' خیریت؟''

زبیر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ چونک اٹھی تھی عمیر مسکرا دیا۔

''جی خیریت ہی ہے ابھی نماز سے فارغ ہوئی ہیں۔ میں ان کے کمرے میں گیا تو پوچھنے لگیں۔ حورعین جاگ رہی ہے یا سو گئی؟ میں نے کہا زبیر کے پاس ہے تو کہنے لگیں بلا کر لاؤ ضروری بات کرنی ہے۔''

''ضروری بات؟''

''ہوں ہماری شکایت ہی کرنی ہوگی اور کیا ضروری بات ہوسکتی ہے۔'' ایک مرتبہ پھر وہ مسکرایا تھا۔

حورعین کے لبوں پر بھی دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ٹھیک ہے زبیر' آپ اب آرام کرو' میں دادو کی بات سن کر آتی ہوں۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' منہ بنا کر سر ہلاتے ہوئے اس نے گردن جھکائی تھی۔ وہ نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اگلے دو منٹ میں وہ دادو کے کمرے میں آئی تو وہ تسبیح کرتے ہوئے اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ انہیں ادب سے سلام کرنے کے بعد ان کے قریب ہی بیڈ پر ٹک گئی۔

''جی دادو' آپ نے بلایا؟''

''ہوں' سارے دن موئے گھر کے کاموں میں خود کو مصروف رکھتی ہو' کبھی بوڑھی دادی کے پاس بھی پل دو پل کے لیے بیٹھ جایا کرو۔'' حورعین کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ شکایت کر رہی تھیں۔ وہ شرمندہ ہوگئی۔

''معافی چاہتی ہوں دادو' میرا دل چاہتا ہے آپ سے ڈھیروں باتیں کرنے کو مگر......!''

''میں سب کچھ سمجھتی ہوں بیٹے' نسرین (عذیر کی ماں) کے بعد جس طرح سے تم نے اس بکھرے ہوئے گھر کو سنبھالا ہے۔ میرے پاس تمہاری تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہے ہوسکتا ہے نسرین ہوتی تو خود بھی اتنی اچھی بہو تلاش نہ کرسکتی۔''

''یہ سب آپ کی محبت ہے دادو' ورنہ میں نے تو ایسا کچھ بھی خاص نہیں کیا۔''

''نہیں' میرا دل بہت خوش ہے تجھ سے میری بچی'

دیکھنا اللہ تمہیں اس خدمت کا صلہ دے گا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھے اسے دعا دے رہی تھیں۔

حورعین کا سر مزید جھک گیا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ یہ "خدمت" کس مجبوری کے تحت تھی؟

"عذیر بہت اچھا ہے عورت کی عزت کرنا جانتا ہے مگر پھر بھی میں چاہوں گی کہ تمہیں اس گھر میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ عذیر، سمیر، نمیر، عمیر، زبیر سب شرارتی ضرور ہیں مگر بد نظر یا بد دماغ نہیں ہیں۔ بہت محبت سے پالا ہے نسرین نے اپنے بچوں کو، وہ جان لیوا حادثہ نہ ہوتا تو تم دیکھتیں وہ کتنی محبت کرنے والی ماں تھی۔"

آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر مسکراہٹ سجائے وہ اسے بتا رہی تھیں یوں جیسے تصور ہی تصور میں اپنی مرحومہ بہو کو زندہ دیکھ رہی ہوں۔ وہ چپ چاپ سنتی رہی۔

"عذیر بتا رہا تھا تم ملی ہو اس سے پھر تو دیکھا ہی ہوگا تم نے وہ کتنی اچھی عورت تھی۔"

"جی ایک بار ملی تھی میں ان سے واقعی وہ بہت اچھی خاتون تھیں۔"

"ہوں سارا علاقہ اس کی اچھائی کے گن گاتا ہے، لگتا ہی نہیں کہ وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔" بوڑھی آنکھوں میں اب گہری نمی تھی وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"عذیر کے دادا کی سگی بھانجی تھی نسرین۔ میں اپنی بھانجی لانا چاہتی تھی اسی رنجش میں کبھی اسے وہ پیار نہیں دے سکی جو اس کا حق تھا۔ بہت خواہش تھی اس کی گاؤں میں سب کے ساتھ رہنے کی مگر میں نے اپنی بھانجی کو خوش کرنے کے لیے اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ تب وہ یہاں شہر میں آ بسی، جاوید (عذیر کے پاپا) خیال رکھتا تھا اس کا، مگر پھر بھی وہ روتی رہتی تھی۔ مجھے پتا ہوتا یہاں ان کے لیے جان لیوا حادثہ چھپا بیٹھا ہے تو کبھی یہ ظلم نہ کرتی۔" دوپٹے میں منہ چھپائے وہ اب رونے لگی تھیں جب حورعین نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"صبر کریں دادو، شاید ان کی قسمت میں ایسا ہی لکھا ہوا ہو۔"

"ہوں تو بیٹھ میں نسرین کی امانت دیتی ہوں تجھے، عذیر اور زبیر سے بہت پیار کرتی تھی وہ، عذیر کی دلہن کے لیے بڑے پیار سے اس نے کنگن بنا کر رکھے ہوئے ہیں۔ آج وہ زندہ ہوتی تو اپنے ہاتھوں سے تجھے پہناتی۔"

دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ اٹھیں اور اپنی الماری سے دو خوب صورت کنگن نکال کر لے آئیں۔

"یہ لو آج کے بعد یہ ہمیشہ تمہاری کلائی میں رہیں اور ہاں، ذرا بن سنور کے رہا کرو مرد کو اچھا لگتا ہے۔" کنگن اسے تھماتے ہوئے انہوں نے ساتھ ہی نصیحت بھی کی۔ حورعین بوکھلا کر رہ گئی۔

"مرد جتنا بھی اچھا ہو مگر ایک ہی عورت کا پابند بن کر نہیں رہتا کبھی۔ اسی لیے سمجھا رہی ہوں تمہیں جلدی سے کوئی بچہ وچہ کرلو، اولاد میاں بیوی کے تعلق کو مضبوط کرتی ہے۔" وہی بات جو عذیر نے اس سے کہی تھی دادی نے اس کے سامنے بھی دہرا دی۔

حورعین کو لگا جیسے اس میں سانس لینے کی سکت بھی نہ رہی ہو۔

"السلام علیکم دادی۔"

اگلے ہی پل عذیر نے کمرے میں قدم دھرے تھے۔ حورعین کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں جبکہ اس کا دل اس وقت بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"وعلیکم السلام ماں صدقے جائے بڑی لمبی عمر ہے میرے لعل کی۔" اسے دیکھتے ہی دادی نے اس کی بلائیں لے ڈالی۔ وہ ان کے قریب ہی ٹک گیا۔

"کیوں خیریت؟ یاد کر رہی تھیں مجھے؟"

"ہوں، یاد کر رہی تھی بتا رہی تھی حور کو کہ نسرین کتنا پیار کرتی تھی تجھ سے کتنی خواہش تھی اسے تیرے بچوں کو گود میں کھلانے کی مگر جو میرے سوہنے رب کی رضا، پرسوں تیری تائی آرہی ہے گاؤں سے ثانیہ بیٹی بھی ساتھ ہوگی۔ میں نے طے کرلیا ہے پرسوں ہی تمہاری اور حور بیٹی کا ولیمہ کردیتی ہوں تاکہ سارے خاندان کو پتا لگ جائے۔" نان اسٹاپ بولتی دادی کی خوشی دیدنی تھی۔

حورعین اور عذیر دونوں گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"مگر دادو اس کی کیا ضرورت ہے۔" عذیر بولا تو دادی کو غصہ آ گیا۔

"ارے ضرورت کیوں نہیں، شادی کی ہے تم نے کوئی بھگا کر لڑکی نہیں لائے جو ہم خاندان والوں کو خبر ہی نہ کریں اور یونہی فضول چہ میگوئیاں سنتے رہیں۔"

"مگر دادی، میں ابھی بہت مصروف ہوں۔ پلیز کچھ دنوں کے لیے اسے ملتوی کردیں۔"

"ہرگز نہیں تم مصروف ہو تو رہو، مگر میں اب مزید ایک دن کی رعایت بھی دینے والی نہیں بس۔" دادی پکا پروگرام بنائے بیٹھی تھیں۔

حورعین کے اندر جیسے الاؤ دہک اٹھا۔ وہ بولنا چاہتی تھی مگر لب جیسے آپس میں پیوست ہو کر رہ گئے تھے۔

"اور ہاں، صبح میں خود حورعین بیٹی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہوں۔ تم رہو اپنے کاموں میں مصروف۔ میں چاہتی ہوں ایک ساتھ دو دو خوش خبریاں دوں سب کو دیکھنا سب کیسے منہ میں انگلیاں دابے رہ جائیں گے۔"

کاش میں بادل ہوتی

کاش میں بادل ہوتی
ہواؤں کے سنگ اڑتی پھرتی
نگر نگر گھومتی پھرتی، آسمانوں کو چومتی
صحراؤں میں برستی بنجر دھرتی کو سیراب کرتی
میں محبت بھری اک چھاگل ہوتی
کاش میں بادل ہوتی
زمانے کا نہ مجھ کو کوئی ڈر ہوتا
دکھوں، غموں سے بے خبر ہوتی
کاش فاصلہ میرے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتا
میں چاہتی اُڑ کر تیرے پاس آجاتی
تجھ کو دیکھتی تیرے سنگ ڈولتی
کچھ ایسی میں پاگل ہوتی
کاش میں بادل ہوتی
کاش میں بادل ہوتی

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

دادی کے اپنے ہی خواب تھے حورعین جیسے کرنٹ کھا کر رہ گئی۔ جبکہ عذیر کے چہرے پر شرمندگی تھی۔

"دادی پلیز، آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کہا ہے نا میں لے جاؤں گا، پلیز۔"

"بس، رکھو اپنا پلیز اپنے پاس۔ تیرے تایا کی بیٹی بڑی اچھی ڈاکٹر بن کر آئی ہے میں نے بات کرلی ہے اس سے، میں خود ساتھ جاؤں گی تو بس چھوڑ آنا ہمیں اس کے اسپتال۔"

دادی پکا ارادہ کیے بیٹھی تھیں۔ عذیر بالوں میں انگلیاں پھنسا کر رہ گیا۔ جبکہ حورعین مزید برداشت نہ کرتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ اس گھر میں پناہ اسے بہت مہنگی پڑ رہی تھی۔

۞......۞......۞

مسیحا ہو کے بھی تم سے مسیحائی نہیں ہوتی
ارے کیسے مسیحا ہو؟

کبھی بجھتی ہوئی آنکھیں
رگِ جاں توڑتی سانسیں
یہ سارے جاں بلب چہرے
تیرے دستِ شفا کی ایک جنبش کو
ترستے آخری سرحد پہ آ پہنچے
جہاں بس ایک لمحے میں
وہ جیون ہار جائیں گے
ارے کیسے مسیحا ہو
شفا کی بات کرتے تھے
جفا کا روپ بن بیٹھے
جو تم کو چھاؤں کہتے تھے انہی پر دھوپ بن بیٹھے
بجا کچھ خواہشیں، کچھ خواب تیرے بھی ہیں پر
سن لو
کسی کی جان سے کھیلو گے تو بازی ہار جاؤ گے
ارے کیسے مسیحا ہو؟

ہانیہ خاصی رش ڈرائیونگ کے بعد "میکال ہاؤس" پہنچی تو اس کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ تیزی سے گیٹ عبور کر کے وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو لان میں کام کرتے حفیظ بابا کی نگاہیں اسے دیکھ کر چمک اٹھیں۔

"ہانیہ بیٹے، آپ یہاں؟" انہیں جیسے اپنی بصارتوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ وہ سر جھٹکتی ان کے قریب چلی آئی۔

"جی بابا السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام بیٹے، جیتی رہیں۔"

"شکریہ، وہ سنی کہاں ہے؟"

"جی چھوٹے صاحب تو اپنے کمرے میں ہیں شاید پڑھ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے شکریہ۔" وہ گھبرائی ہوئی سی تھی۔

حفیظ بابا اسے حیرانی سے دیکھتے رہ گئے۔ عین اسی لمحے گیٹ کے اس پار میکال کی گاڑی رکی تھی۔ وہ لان میں حفیظ بابا کو کھڑے دیکھ کر وہیں چلا آیا۔

"صاحب...... وہ ہانیہ بی بی......!"

"معلوم ہے بابا...... اپنے بیٹے سے ملنے آئی ہے وہ، ہمارے لیے نہیں آئی۔" حفیظ بابا کے لب کھولنے پر ایک گہری سانس بھرتے ہوئے اس نے کہا۔ پھر سر جھٹک کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

سنان اپنے کمرے میں بیڈ پر ڈھیر ساری کتابیں بکھیرے گم صم بیٹھا تھا۔ جب آہٹ کی آواز پر ہانیہ کو دروازے میں کھڑے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا۔

"مما...... آپ آ گئیں؟" پھرتی سے کتابیں پھلانگ کر بیڈ سے زمین پر چھلانگ لگاتے ہوئے وہ ہانیہ سے لپٹ گیا۔ جواب میں ہانیہ کا دل جیسے تڑپ اٹھا۔

پہلا سوال ہی کیسا امتحان میں ڈالنے والا تھا۔ وہ خاموشی سے آنسو بہاتی اسے بے تحاشا چومنے لگی۔

"آئی مس یو مما، مجھے روز آپ کی یاد آتی ہے مگر پاپا مجھے آپ کے پاس لے کر نہیں آتے وہ مجھے ہوم ورک بھی نہیں کرواتے اور روز چپس بنا کر بھی نہیں دیتے۔" بہت ساری شکایتیں تھیں جو اس نے جمع کر رکھی تھیں۔ ہانیہ کا دل جیسے کٹنے لگا۔

"مما تو ہوم ورک کرواتی ہیں ناں بیٹے، مما تو چپس بنا کر بھی دیتی ہیں اور رات میں کہانی بھی سناتی ہیں، ہے نا۔"

"جی مما۔" فوراً سے پیشتر اس کے بیٹے نے اس کی تائید میں سر ہلایا۔ جب وہ بولی۔

"تو بس ٹھیک ہے مما اب ہمیشہ کے لیے اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ لے جائے گی۔ چلو گے نا مما کے ساتھ؟"

"جی مما۔"

"شاباش، گڈ بوائے۔"

جھک کر سنان کے گالوں پر پیار کرتے ہوئے وہ مسرور ہوئی۔ جب میکال وہاں چلا آیا۔

"کہاں لے جا رہی ہو میرے بیٹے کو ورغلا کر۔" ہانیہ کی پشت پر اس کی آواز ابھری اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"پاپا مجھے مما کے ساتھ جانا ہے۔" سنان کے مطالبے نے ہانیہ کی مشکل آسان کی تھی۔ جب وہ دو قدم آگے بڑھ آیا۔

"ٹھیک ہے مگر پہلے آپ کھانا کھا لیں پھر مما کے پاس جانا۔" اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا۔

ہانیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئی۔ تاہم اس نے فوری ہاتھ کی پشت سے انہیں رگڑ ڈالا۔

"حفیظ بابا۔" میکال نے وہیں کھڑے کھڑے پلٹ کر حفیظ بابا کو آواز لگائی تھی جب وہ فوراً دوڑ آئے۔

"جی صاحب۔"

"سنی بابا کو کھانا کھلائیں لے جا کر پلیز۔"

"جی ٹھیک ہے۔"

ہاتھ باندھ کر حکم پر فوری عمل درآمد کرتے ہوئے وہ سنان کو کندھوں سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔

انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ محض تھوڑے سے پیسوں کے لیے اپنے دنیاوی مالک کا ہر حکم عاجزی سے پورا کرتا ہے۔ اس کی جرأت نہیں ہوتی کہ حکم پر عمل درآمد کو ذرا سی دیر کے لیے ہی سہی موقوف کر دے مگر اللہ، جو کائنات کا رب ہے انسان کا حقیقی مالک ہے، رزق کے ساتھ ساتھ جس نے آنکھ، ناک، کان، دل، گردے، پھیپھڑے سب کچھ دیا ہے۔ اس کے حکم کی کوئی پروا ہی نہیں۔ اس کے باوجود انسان چاہتا ہے کہ اللہ اس سے راضی رہے۔

وہ مالک جو بڑی سے بڑی خطا اور گناہ کو پل میں اپنے کرم اور رحمت سے معاف کر دیتا ہے مگر انسان جس دنیاوی مالک کو خوش کرنے میں لگا رہتا ہے وہ کبھی معمولی سی بھول بھی معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ کر بھی دے تو انسان ہزار ہزار طریقوں سے اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔ حالانکہ اللہ کو پا کر کبھی کسی نے کچھ نہیں کھویا چاہے فاقے ہی کیوں نہ کرنے پڑیں مگر اللہ کو کھو کر کسی نے کچھ نہیں پایا۔ خواہ محلوں میں ہی کیوں نہ رہتا ہو۔ مگر انسان سمجھتا ہی نہیں اور جب اسے سمجھ آتی ہے تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔

حفیظ بابا کے کمرے سے جانے کے بعد ہانیہ نے بھی قدم آگے بڑھائے تو وہ مقابل آ گیا۔

"تم کہاں جارہی ہو؟"

"اپنے گھر۔" رخ پھیر کر بنا اس کی طرف دیکھے اس نے جواب دیا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"گھر تو تمہارا یہی تھا' مگر......!"

دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس نے ایک نظر ہانیہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ پھر ایک قدم مزید آگے بڑھ آیا۔

"آج کی رات تم کہیں نہیں جاسکتیں' سمجھی؟"

"کیوں؟"

جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھتی وہ برہم ہوئی۔ جبکہ وہ بے نیازی سے بولا۔

"میں کہہ رہا ہوں اس لیے۔"

"تم کون ہو اور میرا کیا واسطہ ہے تم سے؟" ہانیہ کی آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ وہ کٹ کر رہ گیا۔

"واہ' صرف چھ ماہ میں تمہیں یہ بھی بھول گیا کہ میں کون ہوں؟"

"راستا چھوڑو میرا میں کم از کم اس وقت تمہارے منہ لگنا نہیں چاہتی۔" وارننگ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے وہ گھٹے گھٹے سے لہجے میں بولی۔ جب وہ رخ پھیر گیا۔

"نقصان کر رہی ہو تم اپنا ہانیہ صفدر اور شاید میرا بھی۔"

"جسٹ شٹ اپ' میرے نفع و نقصان کی پروا کرنے والے تم کون ہوتے ہو؟"

"سمجھو تو سب کچھ' نہ سمجھو تو کچھ بھی نہیں۔"

"تم اپنا اور میرا وقت ضائع کر رہے ہو میکال حسن' ہٹو سامنے سے۔"

قطعی تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اس نے اسے سائیڈ پر دھکیل دیا۔ وہ لڑکھڑا کر رہ گیا وہ لڑکی جو کبھی اپنی سانسوں سے بھی بڑھ کر اس سے پیار کرتی تھی اب شاید اس لڑکی کے دل میں اس کے لیے کوئی جذبہ نہیں تھا۔ اس نے اسے جتنا کمزور سمجھا تھا وہ اتنی ہی مضبوط اور طاقت ور ثابت ہوئی تھی' مگر...... اب وہ خود کمزور ہوتا جارہا تھا۔ بے شک گزرتے وقت نے اسے بہت گہری مات دی تھی۔

❀......❀......❀
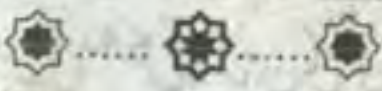
"ایسا کیا ہوا تھا تمہاری اور میکال حسن کی زندگی کے ساتھ کہ تمہارے راستے ہی الگ ہوگئے۔ کیوں ڈائیورس لی تم نے میکال حسن سے' کیوں؟"

فارحہ جو پچھلے کچھ ماہ میں ہانیہ کی بہترین دوست بن گئی تھی اس سے پوچھ رہی تھی تاہم وہ ہمیشہ کی طرح لبوں پر چپ کا قفل لگائے خاموشی بیٹھی سمندر کی شوریدہ سر لہروں کو دیکھتی رہی۔

"تم اس سے پیار کرتی تھیں ہانیہ' اپنی جان' اپنی سانسوں سے بڑھ کر چاہتی تھیں تم اسے پھر کیوں اپنے راستے الگ کیے اس سے' جبکہ وہ تمہارے بچے کا باپ بھی تھا۔"

"تو؟" پہلی بار اس کے لب کھلے تھے فارحہ گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

"تو یہ کہ تمہیں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ سوچنا چاہیے تھا اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے تم نہیں جانتیں دنیا کی ہر نعمت قریب ہوتے ہوئے بھی وہ خوش نہیں ہے۔ سارا سارا دن بند کمرے میں پڑا تمہاری تصویر سے باتیں کرتا رہتا ہے اپنی اور میکال کی جنگ میں تم نے اس معصوم کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی ہے۔"

"بس یا کچھ اور بھی کہنا ہے تمہیں؟" سمندر کی وسعتوں پر نظر جمائے اس بار اس نے خاصی تلخی سے

پوچھا۔ جواب میں وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"میں تمہاری دوست ہوں ہانیہ' بھلا چاہتی ہوں تمہارا۔"
"مگر مجھے بھلا نہیں چاہیے۔" اس بار ارد گرد کے لوگوں کی پروا کیے بغیر وہ چلائی تھی۔
"مت بھلا کیا کرے میرے ساتھ کوئی' پہلے ہی میں اپنے اوپر لدے احسانات کے بوجھ تلے دب کر مر رہی ہوں مسخ ہو کر رہ گیا ہے میرا وجود' میری شخصیت میرا سب کچھ۔"
"حادثے انسانوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں ہانیہ' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود پر زندگی کو حرام کر کے بیٹھ جائے۔"
"کیسی زندگی؟ میری تو زندگی کے ساتھ کبھی بنی ہی نہیں' پھول دان کرنے والے دنوں میں بھی مجھے تو زندگی نے آنسو ہی دیے ہیں۔ یہاں مرد اور اس کے کردار پر انگلی اٹھانے والا کوئی نہیں۔ چھری کے نیچے آ کر بھی عورت سے ہی قربانی اور سمجھداری کی امید رکھی جاتی ہے۔ صرف اسے ہی سمجھایا جاتا ہے۔ مرد کو اس کی زیادتیوں کا کوئی احساس نہیں دلایا جاتا۔"
"میں میکال کی سائیڈ نہیں لے رہی ہوں ہانیہ۔ میں صرف تمہارے نقصان کی پروا کر رہی ہوں۔"
"میرے نقصان کی پروا مت کرو فارحہ پلیز۔" گیلی ریت کو مٹھی سے نیچے پھینکتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
فارحہ بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ایسا کب تک چلے گا ہانیہ' تمہیں اپنے لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ تو کرنا ہی پڑے گا۔"
"فی الحال میں اس ٹاپک پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی فارحہ پلیز۔" قطعی بےزاری سے کہتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئی۔ پیچھے فارحہ بھی گہری سانس بھر کر چل پڑی۔
اس لڑکی کو سمجھنا واقعی بہت مشکل تھا۔

❁......❁......❁

حویلی سے وہ سیدھا گھر چلا آیا۔
سائرہ افضل روٹی پکا رہی تھی۔
وہ اسے نظر انداز کرتا اندر کمرے میں چلا آیا۔ سر درد کی شدت سے پھٹ رہا تھا۔ کرم داد نے اسے فوری حویلی حاضری کا پیغام دیا۔ مگر اس کے لیے اس وقت حویلی جانا ممکن نہیں تھا۔ تبھی وہ گھر چلا آیا۔ اماں شاید پڑوس میں کہیں گئی ہوئی تھیں۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔
کتنا بڑا دغا کیا تھا زندگی نے اس کے ساتھ؟
بقول شاعر

جس شاخ پر ہم نے ہاتھ رکھا
وہ شاخ وہیں سے ٹوٹ گئی

پہلے سائرہ افضل اور پھر ثانیہ عباس...... دونوں کو ہی اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا اور دونوں ہی اسے چھوڑ گئی تھیں۔
وہ ماضی کے سمندر میں بہنا نہیں چاہتا تھا مگر یادوں کی لہریں اسے کھینچ کر گزرے ہوئے وقت کے سمندر میں لے آئی تھیں۔

❁......❁......❁

اس رات بہت دیر تک ثانیہ عباس کے ساتھ بارش میں بھیگنے کے بعد اگلے روز وہ شہر آ گیا تھا۔ بہت عجیب حالت ہو رہی تھی دل کی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کی زندگی سائرہ افضل پر آ کر ختم ہو گئی ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں تھا۔
سائرہ افضل اگر اس کی محبت تھی تو ثانیہ عباس کی ذات سے اسے عشق ہو گیا تھا۔ وہ اس کے بغیر جینے کا تصور کرتا تو سانس الجھنے لگتی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے؟ ابھی وہ اسی الجھن میں تھا کہ کمپنی کے مالک نے اس کی محنت اور ذہانت کو سراہتے ہوئے اپنے چار پسندیدہ ورکرز میں اس کا نام بھی شامل کر کے اسے شارٹ کورس کے لیے ایبروڈ بھجوانے کا بندوبست کر دیا۔
اس کا دل چاہا تھا وہ گھر جا کر سب کو خوش خبری سنائے مگر پھر خود ہی اس نے یہ ارادہ موقوف کر دیا۔ اب وہ کچھ بن کر ہی اس بہاری سی لڑکی کے سامنے آنا چاہتا تھا۔ مگر وقت نے اس کی مہلت نہیں دی۔
ایبروڈ میں شارٹ کورس کے دوران گھر کال کرنے پر اماں نے اسے بتایا تھا کہ ثانیہ کی ماں وہاں گاؤں آئی تھی اور اسے اپنے ساتھ شہر لے گئی۔ اماں کی طرف سے ہمیشہ اسے ایسی ہی شاک پہنچانے والی خبریں سننے کو ملتی تھیں۔ اس وقت بھی وہ جیسے فریز ہو کر رہ گیا تھا۔ دل کی بےچینی اپنی انتہا پر تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیسے رابطہ کرے۔ سمندر پار کے فاصلے سے وہ صرف کڑھ سکتا تھا اور وہ کڑھ رہا تھا۔
اسی دوران ایک روز جب وہ واش روم میں تھا اس کے سیل پر پاکستان سے کال آئی۔ اجنبی نمبر تھا۔ مگر اس کے باوجود اس کا دل زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ بال خشک کرنے سے بھی پہلے اس نے کال بیک کی۔ کئی بار کوشش کے بعد اس کی کال اٹھانے والی عورت ثانیہ کی ماں تھی۔
زائر کا شک درست نکلا تھا۔ پاکستان کا وہ اجنبی نمبر ثانیہ عباس سے ہی منسلک تھا۔
"السلام علیکم۔"
"وعلیکم السلام کون؟"
اس کے سلام کے جواب میں دوسری طرف خاصی مصروفیت سے پوچھا گیا تھا۔ زائر ایک پل

علم و عشق

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن' کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور' علم سراپا حجاب
عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات
علم مقام صفات' عشق تماشائے ذات
عشق سکون و ثبات' عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال' عشق ہے پنہاں جواب
عشق کے ہیں معجزات' سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں' عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتح باب
شرع محبت میں ہے عشرت منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال' لذتِ ساحل حرام
عشق پہ بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب' عشق ہے ام الکتاب

کلام: علامہ اقبال' انتخاب: ریحانہ راجپوت...... خیر پور

غزل

رگوں میں دوڑتا جتنا لہو ضروری ہے
ہمارے واسطے اتنا ہی تو ضروری ہے
کوئی جواز تو ہو اپنے زندہ ہونے کا
سکوت شب سے سہی گفتگو ضروری ہے
کچھ ایسی سرد ہوائیں گزرنے والی ہیں
ترا حصار مرے چار سُو ضروری ہے
ہمارا تذکرہ کرتا پھرے جو غیروں سے
ہجوم دوستاں میں اک عدو ضروری ہے
جو چاہتے ہو وہ عرفان مل ہی جائے گا
تمام عمر مگر جستجو ضروری ہے

عرفان صادق...... لاہور

کے لیے خاموش ہوا پھر گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔
"زائر ملک بات کر رہا ہوں آپ کا داماد۔"
"او......تو داماد صاحب کو یاد آ گئی ہماری؟" توقع کے عین مطابق تعارف سنتے ہی اس کی ساس کے لہجے میں طنز اور حقارت در آئی تھی۔ وہ ضبط کر گیا۔
"جی' مہربانی ہوگی اگر آپ ثانیہ سے میری بات کروا دیں تو پلیز۔"
"اتنی عاجزی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے ثانیہ تمہارے گھر' تمہاری رفاقت' تمہارے تعلق ہر چیز پر دو حرف بھیج کر ہمیشہ کے لیے یہاں آ گئی ہے میرے پاس۔ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ تم اس کی جان چھوڑ دو اور اسے طلاق بھجوا دو۔ نہیں تو تم اچھی طرح سے جان سکتے ہو کہ تمہارے ساتھ کیا کر سکتی ہوں میں۔"
"جو کرنا ہے کرلیں آپ' ذرہ برابر بھی پروا نہیں ہے مجھے مگر ثانیہ میری بیوی ہے۔ اس کی کوکھ میں میرا بچہ ہے میں کسی صورت اسے ڈائیورس نہیں کر سکتا۔"
"چلو یہ تو وقت بتائے گا تم کیا کر سکتے ہو کیا نہیں' مگر ثانیہ کے ساتھ آئندہ زندگی میں کبھی بھی وقت گزارنے کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دو' کیونکہ میرے جیتے جی اب زندگی میں دوبارہ کبھی بھی تم اس کی شکل نہیں دیکھ پاؤ گے۔"
"خوش فہمی ہے آپ کی' دنیا کی کوئی طاقت مجھے ثانیہ سے ملنے سے نہیں روک سکتی۔ کوئی بھی چیز میرے اور اس کے درمیان جدائی کی دیوار کھڑی نہیں کر سکتی۔"
"چلو پھر دیکھ لو پھڑ پھڑا کر مگر سوری ثانیہ اب تمہیں کبھی نہیں مل سکتی۔"
قطعی چیلنجنگ انداز میں کہتے ہوئے مسز عباس نے کال کاٹ دی تھی۔
زائر متفکر سا سیل فون کی روشن اسکرین کو دیکھتا رہ گیا۔ وہ جانتا تھا مسز عباس اپنے کہے کو پورا کرنے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔ اسی لیے اس نے واپسی کے لیے کوششیں شروع کردی تھیں۔ ابھی وہ انہی کوششوں میں مصروف تھا کہ اچانک اس روز وہ روڈ ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گیا اس کے بازو اور ٹانگیں بری طرح متاثر ہوئے تھے۔ شام میں اس کے دوستوں نے اس کی ماں اور باپ کو اس کے ساتھ پیش آئے حادثے کی اطلاع کردی تھی۔
اسے یقین تھا کہ اس کے ساتھ پیش آنے والے اس حادثے کے بعد ثانیہ کا دل ضرور نرم پڑ جائے گا۔ وہ پھر سے اس کی زندگی میں لوٹ آئے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اپنی ماں سے اپنے دو جڑواں بچوں کی پیدائش کا سن کر وہ پاگل ہی تو ہوا اٹھا تھا خوشی سے مگر وہاں اسپتال کے اس بستر پر اس کی خوشی کا خیال بھی کسے تھا۔
اس کا سیل فون ٹوٹ چکا تھا۔ دوست سے موبائل لے کر اس نے بارہا مسز عباس کے نمبر کو ٹرائی کیا مگر ہر بار ان کا نمبر آف ہی ملتا تھا۔ بے بسی ہی بے بسی تھی۔ ایک ایک دن پہاڑ بن کر گزر رہا تھا۔
اڑھائی ماہ کے بعد اسپتال سے فارغ ہو کر پہلی فرصت میں وہ پاکستان آیا تو اسے یہ جاں بلب خبر سننے کو ملی کہ ثانیہ عباس اپنے بچوں کو لے کر اپنی ماں کے ساتھ بیرون ملک شفٹ ہو گئی ہے اور یہیں وہ ٹوٹا تھا۔
وہ لڑکی جسے اس نے زبردستی اپنی زندگی میں شامل کیا تھا ایک روز یوں چپ چاپ اس کی زندگی سے چلی جائے گی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔
(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

میری ماں

نادیہ فاطمہ رضوی

کیسی ہے یہ ماں کی جدائی
نوحہ کناں ہے ساری خدائی
کاش کسی کی ماں نہ بچھڑے
بڑی کٹھن ہے ماں کی جدائی

"امی حد کرتی ہیں آپ' مجھے آلو گوشت سے سخت نفرت ہے اور آج آپ نے یہی سالن پکا لیا۔" کائنات چولھے پر رکھی دیگچی کا ڈھکن تقریباً پٹختے ہوئے انتہائی نخوت سے بولی تو سائرہ نے ایک بے بس سی نگاہ اپنی چودہ سالہ بیٹی پر ڈالی جو اپنے باپ کے بے حد لاڈ پیار سے دن بہ دن خودسر ہوتی جا رہی تھی اور تو اور اس سے دو سال چھوٹی زارا بھی بدتمیزی کی حد تک نافرمان ہوگئی تھی۔
"سائرہ میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ بچیوں کی پسند کا کھانا بنایا کرو' آخر میں کمانا کس کے لیے ہوں' نجانے تم انہیں غصہ دلوا کر اپنی کون سی خوشی پوری کرتی ہو۔" ارباز حسن کمرے سے باہر آتے ہوئے ناگواری سے بولے تو سائرہ محض خاموشی سے سر جھکا گئیں ورنہ اگر وہ کچھ کہتی تو دونوں بچیوں کی زبان درازی اسے دکھ و اذیت کے پاتال میں گرا دیتی۔
"ابو چلیے ہم باہر چل کر کھانا کھاتے ہیں' یہ کھانا امی خود ہی کھائیں۔" زارا بے زاری سے بولی اور پھر کچھ دیر بعد تینوں ڈنر کے لیے باہر چلے گئے۔ جب کہ سائرہ گھر میں تنہا رہ گئی۔

❁......❁......❁

سائرہ اور ارباز حسن کی شادی دونوں گھرانوں کی باہمی رضامندی سے ہوئی تھی' ارباز حسن ایک خشک اور روکھا شوہر ثابت ہوا تھا۔ سائرہ کی ذات سے اس کی دلچسپی برائے نام تھی اس کی کیا وجہ تھی وہ سائرہ بھی نہیں جانتی تھی۔ شادی کے اگلے سال ہی کائنات سائرہ کی گود میں آئی تو سائرہ شوہر کی بے اعتنائی اور عدم توجہ کے احساس کو فراموش کر گئی۔ کائنات اس کی زیست کا حاصل تھی وہ بڑی محبت و توجہ سے کائنات کی پرورش کر رہی تھی اور پھر دو سال بعد زارا اس کی زندگی میں آئی تو گویا سائرہ کو زندگی جنت ہی لگنے لگی۔
ارباز سائرہ کے وجود سے بے پروا ضرور تھا مگر کائنات اور زارا میں گویا اس کی جان تھی وہ دونوں ہی بیٹیوں کو بے تحاشا چاہتا تھا مگر دونوں کی محبتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ سائرہ بچیوں کی پرورش ایک بیٹی کی طرح بہت سلیقے اور قرینے سے کرنا چاہتی تھی' جب کہ ارباز کو یہ قطعی گوارا نہیں تھا کہ وہ بچیوں سے اونچی آواز میں بات کرے۔ سائرہ غلط بات پر بچیوں کو ٹوکتی تو ارباز کو انتہائی ناگوار گزرتا اور بچیوں کے سامنے ہی سائرہ کو بُری طرح جھڑک دیتا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سائرہ کا رعب اور اہمیت بچیوں کے نزدیک بالکل صفر ہو گیا۔ کائنات اور زارا کو ماں سے کوئی خاص رغبت اور لگاؤ نہیں تھا کیوں کہ سائرہ کی روک ٹوک انہیں بے حد بُری لگتی تھی جب کہ ارباز حسن کی وہ بے حد چہیتی اور لاڈلی تھیں' جوان کے منہ

سے نکلی ہر بات کو فرض کی طرح پورا کرتا تھا۔ ارباز کے والدین نے بھی ارباز کو بیٹیوں کے اس قدر نخرے اٹھانے پر تنبیہہ کی تھی مگر وہ تو جیسے کچھ بھی سننے کو تیار نہیں تھا۔

❁......❁......❁

وقت سرعت سے گزرتا رہا کائنات بیس سال کی خوب صورت دوشیزہ کے روپ میں ڈھل چکی تھی جب کہ زارا زندگی کی اٹھارہ بہاریں دیکھ چکی تھی۔ دونوں بہنیں بے حد حسین اور ذہین تھیں مگر زبان کی اتنی ہی تیکھی اور کڑوی تھیں کہ سگی خالائیں اور کزنز بھی پناہ مانگتے تھے۔ سائرہ نے کئی بار ارباز کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ بیٹیوں کا معاملہ ہے آخر کو انہیں پرائے گھر بھی جانا ہے اور اس بات کا جواب ارباز ہمیشہ یونہی رعونت سے دیتا۔

"ارے میری بچیوں پر کوئی زیادتی کرکے تو دیکھے میں اس کا وہ حشر کروں گا کہ قیامت تک یاد رکھے گا۔" سائرہ انتہائی پریشان ہوکر اپنا سر ہاتھوں میں گرالیتی۔

❁......❁......❁

"ارے یار بس کیا بتاؤں آج صبح آنکھ ہی نہیں کھلی، رات کو بہت دیر سے سوئی تھی ڈیئر!" کائنات پچھلے آدھے گھنٹے سے لہک لہک کر لاؤنج میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتے ہوئے موبائل پر کسی سے باتیں کررہی تھی جب کہ کچن میں موجود سائرہ برتن دھوتے ہوئے بڑی بے چینی سے کائنات کی یہ گفتگو سن رہی تھی۔

"کیا بکواس ہے اب رمیز کا تذکرہ میرے سامنے مت کرنا۔ وہ بونگا میرا دوست بننے کے لائق نہیں ہے۔" کائنات کا یہ جملہ سن کر سائرہ خون کے گھونٹ پی کررہ گئی اس سے پہلے بھی سائرہ نے کائنات کے منہ سے اس طرح کی باتیں سنی تھیں۔ اسے کافی ڈانٹا بھی تھا۔ نتیجتاً کائنات نے اپنی ماں سے بے انتہا بدتمیزی کی تھی اور تو اور ارباز سے نجانے کیا ایسا کہا تھا کہ وہ الٹا سائرہ پر ہی برس پڑا تھا۔

"یا اللہ! میں کیا کروں، میری بچیاں تو بالکل ہی ہاتھوں سے نکلتی جارہی ہیں۔" زارا کے رنگ ڈھنگ بھی کائنات سے مختلف نہیں تھے، ماں کی ہر بات پر مخالفت کو دونوں نے اپنی عادت بنالی تھی۔ سائرہ نے انتہائی دکھ سے سوچا تھا۔

❁......❁......❁

"امی میں مہروز سے شادی کرنا چاہتی ہوں، کل اس کے گھر والے رشتہ لے کر آئیں گے آپ اور ابو کل ہی بات طے کرلیجیے گا۔" کائنات نے گویا سائرہ کے سر پر دھماکا کرڈالا اس نے انتہائی حیرت سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو اپنی بات کہہ کر سکون سے چینل سرچنگ میں مصروف ہوگئی تھی، سائرہ کے اندر حیرت کی لہر اب اشتعال میں ڈھل چکی تھی۔

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا کائنات! تم اسی مہروز کی بات کررہی ہونا جو تمہاری سہیلی ماہ نور کا انتہائی بے ڈھنگا بھائی ہے اور تو اور تم یہ بات کیسے فراموش کرگئیں کہ ان کے اور ہمارے خاندان میں دن و رات کی مانند تضاد ہے۔"

"کیا بکواس ہے امی یہ خاندان واندان پرانے زمانے میں دیکھے جاتے تھے آج کل لڑکا لڑکی میں صرف انڈراسٹینڈنگ دیکھی جاتی ہے اور وہ ہم دونوں میں بہت زیادہ ہے۔" کائنات نے سائرہ کی بات کو چٹکیوں میں اڑایا تھا۔ سائرہ اس کی بے باکی پر اندر سے بُری طرح کھول گئی۔

"تم ابھی اور اسی وقت مہروز کو منع کردو، ہمیں اس خاندان میں تمہارا رشتہ نہیں کرنا جس سے ہماری بالکل مطابقت نہیں نہ زبان میں اور نہ تہذیب میں اور نہ......"

"یہ کیا آپ نے خاندان خاندان کی رٹ لگا رکھی ہے۔" کائنات نے ریموٹ کا وَچ پر پٹختے ہوئے انتہائی تنفر سے سائرہ کی بات کاٹی۔ "میں اور مہروز ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں اور یہی بات ہمارے لیے کافی ہے اگر آپ عزت سے رشتہ طے کردیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔" یہ کہہ کر کائنات وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی جب کہ اس پل سائرہ نے اپنے سینے کے بائیں جانب ایک زبردست ٹیس اٹھتی محسوس کی اس نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھا تھا۔ کائنات کے لفظوں کی بازگشت ابھی بھی اس کی سماعتوں میں چکرا رہی تھی۔ اس نے جونہی داخلی دروازے کی جانب دیکھا، ارباز حسن بُت بنے کھڑے تھے اک نظر دھواں دھواں چہرے کو دیکھا، اک ملال و تاسف نے انہیں آگھیرا۔

❁......❁......❁

ارباز حسن اور سائرہ لٹے ہوئے مسافر کی مانند خالی ہاتھ بیٹھے اپنی اپنی سوچوں میں گم تھے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ کائنات کو مہروز کے سنگ رخصت کرکے فارغ ہوئے تھے، نجانے کتنے لوگوں کے کٹیلے جملے اور طنزیہ نگاہیں ان دونوں نے برداشت کی تھیں ارباز اس پل سائرہ سے بے حد شرمندہ تھا، آج اسے ہر وہ منظر یاد آرہا تھا جب اس کی بیوی بچیوں کو کسی غلط حرکت پر ڈانٹنے کی کوشش کرتی اور وہ اپنی بچیوں کے پاس ایسے لپکتا جیسے چیل جھپٹا مارنے والی ہو اور وہ اس سے ان کو بچانے دوڑا ہو، وہ سائرہ سے اس بات کا اقرار کرنا چاہتا تھا کہ یہ سب کرکے اس نے بہت بُرا کیا تھا مگر ایسا کرتے ہوئے اس کی مردانہ انا آڑے آرہی تھی۔

❁......❁......❁

ابھی مشکل سے کائنات کی شادی کو چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ زارا پر بھی شادی کا بھوت سوار ہوگیا اور وہ پڑھائی کو خیرباد کہہ کر اپنے ٹیچر سے شادی کرکے لندن چلی گئی۔

اب گھر میں صرف سائرہ اور ارباز تھے، دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم گویا چلتے پھرتے مُردے ہوں کیونکہ ان کی بیٹیوں کے کرتوتوں کے بعد اب خاندان کا کوئی فرد ان کے گھر جھانکتا تک نہیں تھا نہ اپنی خوشی غمی میں بلاتا تھا۔ آج سائرہ کو بچیوں کی بہت یاد آرہی تھی، دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس نے کائنات کو فون کرہی ڈالا۔

"افوہ امی! یہ ماں بننا کتنا بورنگ اور مشکل کام ہے، مجھے اتنی جلدی ماں نہیں بننا چاہیے تھا، میں اتنی بے ڈھنگی اور بے ڈول ہوگئی ہوں۔" کائنات منہ بسور کر بولی تو سائرہ اس کی بات سن کر بے ساختہ مسکرا اٹھی۔

"ارے پگلی، ماں بننا تو کائنات کا سب سے حسین تحفہ ہے۔ اللہ تمہیں اپنی سب سے پیاری نعمت سے نوازنے والا ہے۔" سائرہ محبت بھرے لہجے میں بولی مگر حسب معمول کائنات نے ماں کی بات نظر انداز کردی۔

اور پھر ایک شام کائنات نے ایک خوب صورت سی بیٹی کو جنم دیا، اور جس پل نرس نے اس کی گود میں گلابی سی

بچی ڈالی کائنات کی گویا پوری کائنات ہی پلک جھپکتے ہی بدل گئی' ممتا و محبت کا نجانے وسیع و بیکراں سمندر اس کے اندر سے امڈ آیا تھا۔ کائنات نے کسی قیمتی متاع کی طرح اسے سینے سے لگایا تو اسی پل مہروز کمرے میں داخل ہوا۔

''ایک تو بیٹی کو جنم دیا ہے اور اب اسے یوں لپٹا رہی ہو جیسے ماں بننے کی تمہیں بڑی چاہت تھی۔'' مہروز انتہائی ناگواری سے بولا تو آج پہلی بار کائنات کا دل چاہا کہ مہروز کو خوب کھری کھری سنائے۔ بیٹا نہیں بیٹی پیدا ہوئی تو کیا ہوا' تھی تو اس کی اولاد نا۔

''مہروز! کومل میری بھی بیٹی ہے' آخر تم اور تمہارے گھر والے ہی کیوں اس پر قبضہ جمائے رکھتے ہیں۔'' کائنات کے اندر کومل کی پیدائش کے بعد بہت بدلاؤ آ گیا تھا' خودسری' بددماغی اور اکڑ نجانے کہاں منہ چھپا کر فنا ہوگئی تھی۔

''کومل ایک لڑکی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس کی پرورش اور تربیت اچھے خطوط پر ہو۔'' مہروز اخبار پڑھنے کے دوران روکھے انداز میں بولا تو کائنات نے انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا مہروز! کومل میری اولاد ہے میں اس کی ماں ہوں آخر مجھ سے زیادہ اچھی تربیت اس کی کون کرسکتا ہے۔''

''تم اور کومل کی تربیت کروگی؟'' کائنات کی بات پر مہروز نے اسے استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کاٹ دار انداز میں کہا۔

''اپنی ماں کے ساتھ خود کا سلوک بھول گئیں کیا؟'' اور اس پل مہروز کے اس ایک جملے نے آئینے میں ابھری اس کی جو شبیہہ بنائی اسے دیکھ کر وہ مٹی کی مانند ڈھیر ہوگئی' اس پل اسے اپنی ماں شدتوں سے یاد آئی۔

❁......❁......❁

گھر میں غیر معمولی سناٹا محسوس کرکے نجانے کیوں کائنات کا دل بے ترتیب انداز میں دھڑکا۔

''امی...... امی......'' وہ بے ساختہ وحشت زدہ سی ہوکر آوازیں لگاتی ہوئی تیزی سے ماں کے کمرے کی جانب لپکی مگر یہ کیا...... دروازے کی چوکھٹ پر بت کی طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ ابو ماں کے قدموں پر بیٹھے نجانے کیا بڑبڑا رہے تھے جب کہ ماں انتہائی سکون سے آنکھیں موندے شاید سو رہی تھی' انتہائی میٹھی اور گہری نیند......

''ا......ا......امی......'' بمشکل کائنات کے حلق سے یہ لفظ خرخراہٹ کی صورت میں نکلے تو ارباز نے جلدی سے اپنی انگشت شہادت ہونٹوں پر رکھ کر ''شش'' کہا۔

''بیٹا تمہاری ماں سو رہی ہے' بہت گہری نیند سو رہی ہے' اسے مت جگاؤ' بہت پریشان اور بے سکون تھی' اب کہیں جاکر سوئی ہے اسے مت جگاؤ اسے سونے دو۔''

ارباز حسن کے الفاظ نے کائنات پر ایک سکتہ سا طاری کردیا تھا' وہ گھٹنوں کے بل چوکھٹ پر ڈھے گئی اور اس پل اس کے ہونٹوں سے انتہائی دھیمی آواز میں یہ لفظ نکلے تھے۔

''میری ماں...........'' اور پھر وہ ان دو لفظوں کو دہراتی چلی گئی۔ آج علی الصبح ہی سائرہ اچانک حرکت قلب بند ہوجانے کے سبب انتقال کرگئی تھی۔ وہ اپنی ماں سے لپٹ کر اپنی کوتاہیوں کی معافیاں مانگتی رہی۔

''ماں اٹھیں نا' ڈانٹیں مجھے...... میں نے بہت غلط کیا نا آپ کے ساتھ' دیکھیں آج میرے ساتھ بھی کیا ہو رہا ہے' اپنی ہی بیٹی کو دیکھنے کے لیے ترس گئی ہوں۔ دیکھیے نا پلیز ایک بار بول دیں کہ آپ نے مجھے معاف کیا۔''

کائنات ہذیانی انداز میں بولے جا رہی تھی مگر اسے جواب دینے والی ہستی اس سے بہت دور جا چکی تھی' شاید یہی اس کی سزا تھی۔ ارباز نے روتی ہوئی کائنات کو اپنے سینے سے لگالیا' آج اس کی انا کا بت بھی مسمار ہوگیا تھا وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

❁

مصیبت کا پہاڑ آخر کسی دن کٹ ہی جائے گا
مجھے سر مار کر تیشے سے مر جانا نہیں آتا
دل بے حوصلہ ہے اک ذرا سی ٹیس کا مہماں
وہ آنسو کیا پئے گا جس کو غم کھانا نہیں آتا

گرلز لاؤنج میں لڑکیوں کے زندگی سے بھرپور کھنکتے قہقہے ماحول کو گرما رہے تھے۔ سیاہ گاؤن میں ملبوس طالبات کے چمکتے دمکتے چہرے خوشیوں سے قریب اور غموں سے ناآشنا لگ رہے تھے' آئینے کے سامنے کھڑی کچھ لڑکیاں خود کو سنوارنے میں مصروف تھیں ان کا لباس اور انداز گفتگو ان کے ماڈرن ہونے کی نشاندہی کر رہا تھا دوسری طرف طالبات کا ایک گروپ دائرے کی شکل میں سینٹر ٹیبل پر براجمان زور و شور سے اخلاقیات' سیاسیات اور مذہب سے لے کر فلموں تک پر بحث کر رہا تھا۔

''فرینہ! تم دیکھ رہی ہو نا لگتا ہے پڑھائی کی نہیں کیٹ واک کی تیاری ہے اور یقیناً مقابلہ بدصورتی میں انہیں پہلا انعام ملے گا۔'' عدینہ نے سرگوشی کی اور فرینہ کو ہنسی آ گئی۔

''حد کرتی ہو اچھی خاصی خوب صورت لڑکیوں کو تم بدصورتی میں ایوارڈ دلوا رہی ہو۔''

''ہاں تو کیا مقابلہ حسن کے لیے یہی علمی درس گاہ رہ گئی ہے۔'' عدینہ جل کر بولی۔ ''جس حساب سے انہوں نے چہرے پر میک اپ تھوپا ہے' پینٹ لگ رہا ہے اگر کاسمیٹکس بنانے والی کمپنیاں دیکھ لیں ناں تو کاسمیٹکس بنانے سے تائب ہوجائیں۔'' پاس بیٹھی لڑکیوں نے برا سا منہ بنایا اور گھور کر انہیں دیکھنے لگیں غالباً انہوں نے سن لیا تھا۔

''خدارا عدینہ! بس بھی کرو' کیا پٹوانے کا ارادہ ہے۔'' فرینہ اسے گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئی۔

''مجھے پروا نہیں ہے' میں کیا کروں میں ایسی لڑکیوں سے سخت الرجک ہوں جو گھریلو تقریبات اور علمی درس گاہوں میں توازن برقرار نہیں رکھتیں' یوں لگتا ہے کسی پنوں' ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال کی روحیں یہیں گردش کر رہی ہیں۔ ساتھ پڑھنے کا مقصد یہ بھی نہیں کہ ہم اس مقدس عمارت کو عشق و عاشقی کا مرکز بنالیں۔

علمی درس گاہیں تو روشنی کا مینار ہوتی ہیں جن سے علم کے خزانے پھوٹتے ہیں علم کی کرنیں غفلت اور جہالت کے اندھیروں کو چھانٹ دیتی ہیں پھر ہم اس روشن درس گاہ کے چہرے پر کالک ملنے پر کیوں تلے ہیں۔" عدینہ یونیورسٹی کے ماحول سے بڑی دل برداشتہ تھی۔

☆☆☆

"یار عالیان! یہ لڑکیاں میتھس جیسا خشک مضمون پڑھ کیسے لیتی ہیں اور غضب خدا کا پوزیشن لے کر ہم لڑکیوں کا حق بھی مارتی ہیں ان کو تو اردو ادب پڑھنا چاہیے غالب میر تقی میر اور داغ کو پڑھ کر خود کو خیام کی رباعی سمجھیں۔ پھر شادی کرکے بچے پالیں چولہا جھونکیں اور شوہر کی خدمت کریں۔ بھلا سوچو ایک لڑکی بچے کی ناک صاف کرتی اور اپنی قمیص کے دامن سے ہاتھ پونچھتی کیسی نظر آئے گی اگرچہ اس نے میتھس میں ایم ایس سی بھی کیا ہو؟" کوریڈور میں ٹہلتے ہوئے فیضان نے میتھس ڈسکس کرتی لڑکیوں پر چوٹ کی۔

"حد ہوگئی رجعت پسندی کی۔" عالیان بھنا کر بولا۔ "جس تیزی سے ہمارے ملک کی خواتین ہر شعبے میں ترقی کے جھنڈے گاڑ رہی ہیں اس لحاظ سے تو ہمیں خیام کی رباعی سے دل بہلانا چاہیے۔ یار! تعصب کی عینک اتار کر دیکھو تو رشک کے ساتھ فخر بھی محسوس ہوگا خواہران قوم پر۔"

"خواہر ہوں گی تمہاری۔" فیضان کا منہ بن گیا۔ "سب کو میری بہنیں بنا کر میرا مستقبل ہی تاریک کردیا۔" اس نے عالیان کی کمر پر ایک دھموکا رسید کیا اور سب لڑکے ہنسنے لگے۔

"بے ہودہ بدتمیز......" عدینہ کا خون کھول رہا تھا کیونکہ ظاہر تھا یہ سب انہی کو سنایا جارہا تھا جو میتھس کی اسٹوڈنٹ تھیں۔

"چھوڑو عدینہ! اتنا غصہ ٹھیک نہیں آخر ہمارے کلاس فیلو ہی تو ہیں۔" فرینہ نے رسان سے سمجھایا پھر دونوں کلاس روم کی طرف بڑھ گئیں۔

❁......❁......❁

کلاس میں سیکنڈ سمسٹر میں عدینہ کے ہائیسٹ نمبر تھے جب سر نے اعلان کیا تو فرینہ خوشی سے لپٹ گئی پوری کلاس نے مبارک باد دی لیکن دو شریر آنکھیں مسلسل اس پر جمی ہوئی تھیں جو اسے ڈسٹرب کررہی تھیں۔

آج کل عدینہ سخت پریشان تھی ابو کا رویہ دن بہ دن سخت ہوتا جارہا تھا ان کی زبان سارا وقت آگ اگلتی رہتی تھی کیونکہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے سخت خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مخلوط اداروں میں پڑھنے سے لڑکیاں بے راہ روی کا شکار ہوجاتی ہیں خودسری اور نافرمانی ان کی عادت بن جاتی ہے۔

فقہ پر انہیں کافی عبور حاصل تھا اور اکثر تقریبات میں انہیں مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا جاتا تھا مگر گھر میں ان کا رویہ ایک سخت اور جابر حاکم کا سا ہوتا ان کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات بقول ان کے قرآن و حدیث تھی اس لیے ہر بات منوانے کے لیے وہ اسلام اور شرع کو بیچ میں لاتے تھے۔ اپنے مطلب کی ہر حدیث اور اسلام کا ہر حوالہ انہیں یاد تھا جنہیں گاہے بگاہے وہ دہراتے رہتے تھے اگر لڑکیاں ایک لمحہ بھی ننگے سر ہوجاتیں تو ان پر کفر کا فتویٰ لاگو ہوجاتا تھا۔ گھر میں ٹی وی ضرور تھا لیکن ان کی اجازت کے بغیر کوئی کھول نہیں سکتا تھا اسپورٹس اور خبروں کے چینل کے علاوہ کوئی اور چینل دیکھنے کی اجازت نہیں تھی کہ سب چینل بے حیائی گمراہی اور فحاشی پھیلا رہے ہیں البتہ فحش قسم کی گالیاں وہ اولاد کو دینے سے کبھی نہیں چوکتے تھے چاروں بہن بھائیوں کو ان کی موجودگی میں سانپ سونگھ جاتا اور سب کونے کھدروں میں چھپنے کی کوشش کرنے لگتے۔ عدینہ کو بی ایس سی کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ دلوانا اماں اور بڑے بھائی کا ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جس کی پاداش میں وہ راندۂ درگاہ تھے۔

چاروں بہن بھائیوں میں بڑا اتفاق اور محبت تھی اور اپنی ماں سے شدید عقیدت و لگاؤ انہیں اپنی ماں کے دکھوں کا احساس تھا اس لیے خوب دل لگا کر پڑھتے تھے۔ ماں کی بے لوث محبت و قربانیاں اور صبر و تحمل رنگ لایا اور بڑے بھائی کا سی اے کرنے کے بعد ایک اچھی پوسٹ اور تنخواہ پر جب تقرر ہوگیا تو ماں کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں رہا اب بہن بھائیوں کو محتاجی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ باپ کے پاس تو محبت کے ساتھ ساتھ ان کی ضروریات کے لیے پیسہ بھی نہیں تھا مگر ابا جان کو ان کی یہ خوشی بھی نہ بھائی اور انہوں نے اٹھتے بیٹھتے خیام کو ٹوکنا شروع کردیا۔

"رات دیر سے گھر آتا ہے یقیناً آوارگی کے لیے نکل جاتا ہوگا۔ سوٹ پہن کر گھر سے نکلتا ہے اسلام میں جائز نہیں کافروں کی وضع قطع اختیار کرنا یہ ملعون کافر ہوگیا ہے۔" عدینہ کو خیام اور ماں کی کوششوں سے یونیورسٹی جانے کی اجازت تو مل گئی تھی مگر صبح گھر سے نکلتے وقت ابا ٹھیک ٹھاک ناشتہ کرا کر بھیجتے تھے۔

"غیر مردوں کے ساتھ پڑھ رہی ہے جہنم میں جائے گی پڑھانے والے نامحرم ہیں دوزخ کی آگ میں جلے گی۔ اللہ

تعالیٰ نے نامحرموں سے بات چیت سے منع کیا ہے آواز کا بھی پردہ ہوتا ہے مگر میری کون سنتا ہے یہ سب ماں کی شہ پر ہورہا ہے ماں اور بیٹی دونوں ناہنجار گستاخ نہ خود کبھی پردہ کیا نہ بیٹیوں سے کروایا۔ مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا۔" حالانکہ عدینہ عبایا پہن کر اور اسکارف باندھ کر یونیورسٹی جاتی تھی مگر باپ کے خوف سے لیے دیئے رہتی تھی اور باپ کا شک اسے سہمائے رکھتا تھا۔ یونیورسٹی کا ماحول بڑا دوستانہ تھا چند ایک کو چھوڑ کر زیادہ تر لڑکے شریف مہذب کھلے ذہن اور صاف دل کے تھے اور آپس میں لڑکے لڑکی کی تخصیص کیے بغیر بات چیت بھی ہوتی رہتی تھی مگر عدینہ بہت کم کسی سے بات کرتی تھی ایک خلش اور چبھن اسے بے چین رکھتی کیونکہ ماں بچوں کی خاطر اتنی سختی کے باوجود آنسوؤں کو پی کر مسکراتی رہتی مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان آنسوؤں کے پیچھے ان دیکھے طوفان چھپے ہوئے ہیں۔

❁......❁......❁

وہ پرچہ دے کر 4 بجے گھر آئی تو اماں کھانا گرم کررہی تھیں۔ کوئی جتنی بھی دیر سے آئے سب ساتھ کھانا کھاتے تھے سوائے باپ کے جن کا ایک بجے کا ٹائم مقرر تھا اور ٹائم سے آگے پیچھے ہونے کا مطلب ان کے غیظ و غضب کو آواز دینا تھا۔ عدینہ عبایا اتار کر بستر پر لڑھک گئی۔

"اماں خدارا رحم کریں کھانا لگادیں اب تو آپی بھی آگئی ہیں۔" چھوٹے بھائی سعود نے ہانک لگائی جو میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا وہ لیٹے لیٹے سنتی رہی۔

"آپی آپ جب تک یونیورسٹی سے نہ آجائیں امی کھانا نہیں نکالتیں اور ہمارا بھوک سے برا حال ہوجاتا ہے۔" چھوٹی بہن سحرش نے منہ بسورا جو میڈیکل کے سال اول میں تھی۔

"اچھا بس کرو تھوڑا صبر کرنا سیکھو دیکھو تو بہن پرچہ دے کر آئی ہے کتنا سا منہ نکل آیا ہے صبح بھی ناشتہ کیے بغیر چلی گئی تھی۔" امی نے دونوں بہن بھائیوں کو جھڑکا پھر پیار سے بولیں۔ "بیٹا عدینہ! پرچہ کیسا ہوا؟"

"فنٹاسٹک امی!" وہ خوشی سے اچھل کر بولی۔

"تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے خدایا۔" ان کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے اور عدینہ سوچنے لگی۔

"یااللہ مائیں بھی کیسی ہوتی ہیں ہر خوشی اور غم میں ان کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں جیسے آنکھوں میں سمندر بند ہو۔"

❁......❁......❁

وہ یونیورسٹی پہنچی تو ہر طرف وہی گہما گہمی اور چہل پہل تھی لیکن اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ آج ابا نے صبح ہی صبح ہنگامہ کھڑا کردیا تھا۔

"میں عدینہ کی شادی کا سوچ رہا ہوں بس بہت پڑھ لیا۔"

امی ابا کی جھڑپ شروع ہوچکی تھی وہ خاموشی سے نکل آئی کیونکہ جانتی تھی امی نے اپنے لیے تو سمجھوتا کرلیا لیکن اولاد کے معاملے میں وہ کمزور نہیں پڑیں گی اور سینہ سپر ہوجائیں گی پھر بھائی جان بھی تو ہیں اس نے خود کو تسلی دی۔ عدینہ کو دیکھتے ہی فرینہ چیل کی طرح جھپٹی۔

"حد ہوگئی ہے کہاں چلی گئی تھیں؟ پتا ہے کل فیس جمع کرانے کی آخری تاریخ ہے اور بینک میں یہ لمبی لمبی لائنیں۔ موبائل تمہارے پاس ہے نہیں میں نے دو تین مرتبہ گھر فون کیا تھا مگر ہر بار انکل نے اٹھایا اور میں نے ڈر کر فون ہی رکھ دیا اُفوہ......" وہ کانپنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولی۔ "جان نکال لیتی ہے تمہارے ابا کی آواز۔ لگتا ہے فون پر ہی کچا چبا جائیں گے۔"

"بدتمیز......" عدینہ کو ہنسی آگئی اور اس نے ایک زوردار دھپ فرینہ کے رسید کیا۔ "شرم کرو وہ میرے باپ ہیں اور تمہارے لیے بھی قابل احترام ہیں۔"

"شرم تو بعد میں کروں گی چلو پہلے فیس جمع کرائیں۔" دونوں بینک سے واپس پلٹیں تو عالیان اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا اس نے کترا کر نکل جانا چاہا تو فیضان نے جملہ چست کیا۔

"یار کیا ہم لوگ اتنے خوفناک ہیں کہ لوگ بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔"

"ڈر لگتا ہے ان بڑی بڑی آنکھوں سے جن میں شعلے دہک رہے ہیں۔" عالیان کھوئے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔

"ایں...... یہ تمہیں کیا ہوا؟" فیضان نے حیرت سے عالیان کی طرف دیکھا جس کی کھوئی کھوئی نگاہیں عدینہ پر جمی تھیں۔ "اسے کہتے ہیں کہو کھیت کی سنو کھلیان کی تمہیں اچانک ہو کیا گیا؟" فیضا کی نگاہوں میں حیرت تھی۔ عدینہ جلدی سے باہر نکل آئی عالیان کی نگاہیں اسے ڈسٹرب کررہی تھیں۔

"بدتمیز جاہل پتا نہیں ان لوفروں کو کس نے داخلہ دے دیا۔" اس نے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے ریمارکس پاس کیا۔

"کون عالیان...... نہیں بھئی وہ تو بڑا باوقار اور ڈیسنٹ بندہ ہے۔" فرینہ نے تردید کی۔

"اونہہ ڈیسنٹ...... مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔"

"جب کہ اس کی نگاہیں ہمہ وقت تم پر لگی رہتی ہیں، تم اگر اپنے خول سے باہر نکل کر دیکھو تو تمہیں پتا چلے کون کیا ہے، جیسے عالیان لائق فائق، صفِ اول کا کھلاڑی، بہترین ڈبیٹر، پوری یونیورسٹی کی جان ہے سارے اساتذہ اس کی قابلیت اور لیاقت سے متاثر ہیں پھر سب سے بڑی اس کی خوبی یہ ہے کہ عام لڑکوں کی طرح چھچھورا نہیں ایک وقار اور تمکنت ہے اس میں لڑکیاں تو مرتی ہیں اس پر مگر وہ ایک حدِ فاصل میں رہ کر ہی بات کرتا ہے ان سے۔" فرینہ عالیان سے کچھ زیادہ ہی متاثر تھی۔

"لگتا ہے ان چھٹیوں میں تم نے عالیان پر اچھی خاصی ریسرچ کی ہے اگر تمہارا منگیتر سن لے تو......؟" فرینہ نے فوراً عدنیہ کی بات کاٹی۔

"معاف کرنا دنیا کے سارے مرد تمہارے ابا کی طرح شکی اور بدگمان نہیں ہوتے، میری تقریباً روز ہی کاشان سے امریکہ بات ہوتی ہے اور میں ہر بات اس سے شیئر کرتی ہوں اور عالیان کی تعریف بھی کرتی ہوں مگر وہ خوش ہوتا ہے کہ اتنا سمجھ دار بندہ میرا کلاس فیلو ہے لیکن اس میں تمہارا قصور بھی نہیں، انکل کی باتوں کا کچھ نہ کچھ تو اثر تم پر بھی ہونا ہے۔"

"اچھا بابا معاف کردو اور چلنے کی تیاری کرو۔" عدنیہ نے فوراً موضوع بدلا کیونکہ چاہنے کے باوجود ابا کے رویے کو کسی کے بھی سامنے ڈسکس کرنا اس کے لیے تکلیف دہ امر تھا جیسے بھی سہی، وہ اس کے باپ تھے۔

❀......❀......❀

شام کے سرمئی سایوں میں ڈوبتے سورج کی نارنجی کرنوں سے کمرے میں مدھم سی روشنی پھیل گئی تھی اتنے خوابناک ماحول میں بھی اس کی طبیعت بڑی کسلمند تھی اس نے لیمپ جلایا لیکن دل پر چھائی اداسیاں اجالوں میں نہ بدل سکیں اور نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا دو دن پہلے فرینہ کی غیر موجودی میں اسے تنہا کھڑا دیکھ کر عالیان نزدیک آ گیا، آس پاس کوئی نہیں تھا عدنیہ کے چھکے چھوٹ گئے تھے۔

"آج آپ اکیلی ہیں؟" اپنے بے تکے سوال پر وہ خود ہی جھینپ گیا پھر عدنیہ کو قدم بڑھاتے دیکھ کر جلدی سے بولا۔

"رکیے مس عدنیہ! میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" عدنیہ کے قدم من من بھر کے ہو گئے، ایسا کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"دیکھیے میں نہ کوئی مجنوں ہوں نہ فرہاد! بس سیدھے سادے طریقے سے آپ کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں کہ شاید زندگی کی تمام خوشیاں آپ پر آ کر ختم ہو جاتی ہیں آپ صرف اتنا بتا دیں کہ آپ کے گھر اپنے والدین کو کب بھیجوں؟" عدنیہ جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ اب تک فرینہ بھی نہیں آئی تھی کس سے کہتی کہ کیا ہوا؟ رات کو جب بستر پر لیٹی تو خیالوں میں یونیورسٹی پہنچ گئی اور دو شریر آنکھیں اس کے خیالوں میں در آئیں، عدنیہ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

"عالیان...... تم کیا جانو میں کس قدر بے بس اور مجبور ہوں، اپنے باپ کے شک کو یقین میں نہیں بدل سکتی کہ لڑکیاں درس گاہوں میں پڑھنے نہیں "بر" تلاش کرنے جاتی ہیں۔ تم نے تو سیدھا اور صاف راستہ اختیار کیا لیکن یہ راستہ میری منزل نہیں تم مجھے ان راستوں پر نہ چلاؤ جن پر میرے لیے کانٹے بچھے ہیں میں مر تو سکتی ہوں مگر تمہاری پذیرائی نہیں کر سکتی۔" وہ ساری رات گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔

❀......❀......❀

"کیا بات ہے تم کیا ساری رات روتی رہی ہو؟" فرینہ اس کی دوست ہی نہیں مزاج آشنا بھی تھی۔

"نہیں کچھ خاص نہیں۔" عدنیہ نے نظریں چرا لیں پھر بات ٹالنے کو پوچھنے لگی۔ "تمہاری کاشان بھائی سے بات ہوئی وہ عالیان کے ذکر پر برا تو نہیں مانتے؟" جانے وہ کیا جاننا چاہتی تھی۔

"عدنیہ وہ جانتے ہیں عالیان میرا دوست ہی نہیں میرے لیے بھائیوں جیسا ہے تم یقین کرو۔"

"میرے یقین کرنے نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" عدنیہ نے حسرت سے ٹھنڈی سانس بھری۔

"تم انہیں اپنا بھائی سمجھتی ہو مگر اس رشتے کے تقدس اور پاکیزگی کا کس کس کو یقین دلاؤ گی یہاں تو دنیا ہر رشتے کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔" عدنیہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"مجھے یقین دلانے کی ضرورت بھی نہیں۔" فرینہ زور دے کر بولی۔ "اپنا دل اور ضمیر صاف ہو تو ماحول کو ان روایتی فضول رسموں سے پاک کیا جا سکتا ہے۔"

"فضول روایتیں......؟" عدنیہ کے ہونٹوں پر استہزائیہ ہنسی تھی۔ "صدیوں میں بنتی ہیں یہ روایتیں اور ہر روز حوا کی بیٹیاں بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں ان روایتوں پر، کبھی مذہب کے نام

پر...... کبھی تہذیب و ثقافت کے نام پر تو کبھی خاندانی عزت و وقار کے نام پر مذہب کو تو ہم نے مذاق بنا لیا ہے۔ قرآن سے شادیاں کر کے لڑکیوں سے ان کے جینے کا فطری حق چھین لیا جاتا ہے یہ کیا جائز ہے؟ یہ معصوم لڑکیاں ونی ہو جاتی ہیں اس کا کہیں مذہب میں ذکر ہے۔"

"دیکھو میں مانتی ہوں بہت کچھ غلط ہو رہا ہے مگر ہم اس غلطی کا حصہ کیوں بنیں؟ آنکھ ہمیں وہی کچھ دکھاتی ہے جو ہم دیکھنا چاہتے ہیں تمہارا فیصلہ یہ ہے کہ تمہارے ابا جان نے گھر کا ماحول تمہارے لیے ایک قید خانہ بنا دیا ہے ہر روز تمہاری عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے ہر روز تمہیں لڑکی ہونے کا تاوان دینا پڑتا ہے، جس نے تمہیں کافی حد تک ایبنارمل بنا دیا ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ شرارتی ہو گیا وہ ایسی ہی تھی ہر سنجیدہ بات کو چٹکیوں میں اڑا دینے والی۔

"میں ابنارمل ہوں۔" عدنیہ نے آنکھیں دکھائیں۔

"حقیقت سے آنکھیں چرانا ایک نارمل انسان کا کام تو نہیں، دیکھو عدنیہ! عالیان ایک حقیقت ہے جس سے تم جان بوجھ کر روگردانی کر رہی ہو۔" فرینہ پیار سے بولی اسے عالیان کے جذبات کا اندازہ تھا۔

"تم میرے گھر کے حالات جانتی ہو۔" عدنیہ تلخی سے بولی، اس کے ظاہری اور فطری خول میں جذباتی ہلچل مچ رہی تھی وہ بہت زیادہ پژمردہ اور تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔

"میں ابا کی بات کو سند دینا نہیں چاہتی کہ لڑکیاں عاشقی کے لیے یونیورسٹی جاتی ہیں، وہ میرا یقین نہیں کریں گے بلکہ عالیان کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھنا میرا جرم بن جائے گا۔ جس کی سزا جو میری امی کو ملے گی وہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ میری تو خیر ہے لیکن امی کو ناکردہ گناہوں کی سزا کیوں ملے۔ تم عالیان کو سمجھا دینا وہ گھر پر والدین کو بھیجنے کی غلطی ہرگز نہ کرے ورنہ شاید میں مزید پڑھ بھی نہ سکوں۔" عدنیہ نے عالیان کو تو منع کر دیا تھا لیکن اس کی حالت ماں سے چھپی نہ رہ سکی آخر وہ ماں تھیں اپنے بچوں کی رگ رگ سے واقف، انہوں نے جب پیار سے پوچھا تو عدنیہ ان سے کچھ بھی نہ چھپا سکی۔

"امی خدا گواہ ہے اس میں میرا کوئی بھی قصور نہیں، میں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی کیونکہ ہمیں اپنی حدود اور آپ کی بے بسی کا احساس ہے، ہم تو سانس بھی ابا کی مرضی سے لیتے ہیں مگر وہ ماں باپ کو بھیجنے پر بضد ہے۔" عدنیہ کہتے کہتے رو پڑی اور ماں نے بڑھ کر اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"ہاں تو اس میں برائی کیا ہے، تم کیوں منع کر رہی ہو بھیجنے دو اسے ماں باپ کو......"

"امی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" عدنیہ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ "آپ ابا کو نہیں جانتیں؟"

"تمہارے ابا مجھے نہیں جانتے کہ میں بیوی ہونے کے علاوہ ایک ماں بھی ہوں۔"

"مگر امی مجھ میں ابا کی طنزیہ نگاہوں اور ان طعنوں کو سننے کی ہمت نہیں جو وہ عالیان کے حوالے سے مجھ سے منسوب کریں گے۔" عدنیہ کا ڈر بدستور قائم تھا۔

"میری جھلی بیٹی! یہ تو تم بچپن سے سنتی آ رہی ہو، کوئی نئی بات تو نہیں اس لیے بے فکر ہو جاؤ جونہی تمہارا بھائی لاہور سے آئے عالیان کے والدین کو مدعو کر لینا۔" امی تو کہہ کر اٹھ گئیں لیکن اس کے لیے لامتناہی سوچوں کا در وا کر گئیں قسمت اسے کس موڑ پر لے آئی تھی، امی تو خوشیوں کی نوید دے گئی تھیں مگر اس کی چھٹی حس کچھ انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔

❀......❀......❀
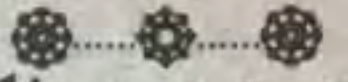
اس دن ابا گھر آئے تو ان کا موڈ بڑا خوشگوار تھا کسی مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر انہوں نے دھماکہ کیا۔

"جو لڑکا ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہے اس کو ہم نے عدنیہ کے لیے چنا ہے، چاہو تو تم بھی جھانک کر دیکھ لو۔"

"میں دیکھ کر کیا کروں گی جس کے لیے پسند کیا ہے اس کو دکھایئے۔" امی کا اطمینان قابل دید تھا۔

"جاہل عورت! یہ بے غیرتی اس گھر میں نہیں چلے گی، اس گھر میں وہی ہوگا جو ہم چاہیں گے آخر عدنیہ کے ولی ہیں۔"

"آپ ولی ضرور ہیں لیکن یہ اس کا شرعی حق ہے جو اسے اس کے مذہب نے دیا ہے آپ اسے اس حق سے محروم نہیں کر سکتے۔"

"بس! مجھے شرع پڑھانے کی ضرورت نہیں، میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔" وہ ہاتھ اٹھا کر گرجے۔ "عدنیہ کو سمجھا دینا کل سے یونیورسٹی جانا بند کر دے، لڑکا صوم و صلوٰۃ کا پابند پکا مسلمان ہے اس کو یہ آزادی شاید پسند نہ ہو۔" جونہی ابا واش روم کی طرف بڑھے امی لپک کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئیں وہ آدمی جس کو ابا نے لڑکا بتایا تھا گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ شرعی داڑھی، اونچی شلوار، سر پر ٹوپی، شرافت اس کے چہرے سے نمایاں تھی اور نظریں جھکی ہوئی عمر

رسیدہ مگر شریف۔

"دیکھیے آپ جو بھی ہیں میں آپ کو صاف بتادوں کہ میری بیٹی آپ کے لائق نہیں وہ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے' عبایا پہنتی اور اسکارف لیتی ہے لیکن شرعی پردہ نہیں کرتی' بے شک اللہ کے حکم سے روگردانی گناہ ہے لیکن میاں بیوی کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے ذہنی ہم آہنگی ضروری ہے مذہب انسان کا ذاتی مسئلہ ہے میں آپ کو غلط نہیں کہہ رہی لیکن شاید میری بیٹی آپ کے معیار کی نہیں۔ میں نہیں چاہتی وہ ساری زندگی سمجھوتے کی زندگی گزارے۔"

"لیکن محترمہ! مجھے تو عنایت اللہ صاحب نے اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ اور ہی بتایا تھا کہ وہ شرعی پردہ کرتی ہے' دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہے اور اس کی عمر تقریباً 30 سال ہے۔ دیکھیے میں حافظ قرآن ہوں اور میں نے علم فقہ کی تعلیم حاصل کی ہے اور میں خود بھی کسی ایسی ہی خاتون سے شادی کا خواہش مند ہوں جو میرے راستے کی مسافر ہو' ہر قدم مجھ سے ملا کر چلے۔ ہمارے مذہب میں جبر نہیں' ہم کسی کو بھی ڈنڈے کے زور پر یا سختی سے شرع کا پابند نہیں بنا سکتے' یہ تو اللہ ہی ہے جو کسی کو توفیق دے۔ جیسا کہ آپ بتا رہی ہیں یقیناً آپ کی صاحب زادی میرے ساتھ مس فٹ رہیں گی' میں شرمندہ ہوں آپ کے شوہر نے غلط بیانی سے کام لیا۔"

"آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔" امی نے خلوص سے کہا۔ "خوش نصیب ہوگی وہ لڑکی جس کا ساتھ آپ کو ملے گا مگر مجھے امید ہے آپ اس کا ذکر میرے شوہر سے نہیں کریں گے۔"

"آپ اطمینان رکھیں میں فاسق یا خائن نہیں میں نے اپنے دین کو مکمل اور صحیح طریقے سے سمجھا ہے' اللہ آپ کی بیٹی کو دین پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔" امی نے یہ معرکہ تو سر کرلیا مگر اندر سے ڈری ہوئی تھیں مگر ابا اپنی جگہ سوچوں میں گم اور کھسیائے ہوئے تھے۔

❀......❀......❀

امتحان قریب آ گئے تھے وہ ساری باتیں بھول کر پڑھنے میں لگ گئی' امتحان ختم ہوئے تو عالیان کے والدین رشتہ لے کر آ گئے' بے حد شائستہ' پڑھے لکھے اور سلجھے ہوئے سب کو بے حد پسند آئے لیکن ابا نے ان کے جاتے ہی زمین آسمان ایک کردیا۔

"منع کیا تھا مت پڑھاؤ یونیورسٹی میں یہ تو ہونا ہی تھا' تم لوگوں کی تو غیرتیں سو گئیں مگر میرے جیتے جی یہ سب نہیں ہوگا کہ لڑکی اپنے لیے خود لڑکا پسند کرے ہم مر گئے ہیں کیا؟" پھر امی اور بھائی کے لاکھ اصرار کے باوجود ان کی ناں "ہاں" میں نہیں بدلی۔

❀......❀......❀
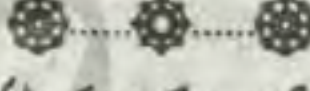
فرینہ سے ملتے ہی عدینہ اس پر برس پڑی۔

"منع کیا تھا نا تمہیں مت الجھاؤ مجھے اس سارے چکر میں اور عالیان کو بھی سمجھاؤ مگر تم نے میری ایک نہیں سنی اب دیکھ لیا انجام..... نظروں سے گر گئی میں باپ کی انہوں نے بے حیائی اور بے شرمی کا لیبل لگا دیا میرے ماتھے پر۔ عالیان کے ساتھ پڑھنا میرا جرم بن گیا' لاکھ میں نے خود کو بچایا لیکن چنگاری میرے دامن تک پہنچ ہی گئی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اچھا بس رونا بند کرو یہ سب تو ہونا ہی تھا۔ انکل کو چھوڑو آنٹی اور بھائی تو راضی ہیں؟"

"نہیں....." وہ سختی سے بولی۔ "دنیا ہو مگر میں راضی نہیں' میں مشرقی لڑکی ہوں جو ہمیشہ اپنے باپ کا مان رکھتی ہے' میں وہیں شادی کروں گی جہاں ابا چاہیں گے اور جو انہوں نے میرے کردار اور میری ذات پر کیچڑ اچھالی ہے وہ میں لگنے نہیں دوں گی' خواہ اس کے لیے مجھے ساری زندگی کانٹوں پر چلنا پڑے۔" وہ زور دے کر بولی۔

گھر کی فضا بہت اداس ہوگئی تھی' ایک تعلیم کا سہارا تھا اب تو وہ بھی ٹوٹ گیا تھا' کبھی کبھی فرینہ آجاتی تو لگتا سوکھے دھانوں میں جان پڑ گئی۔ اس کے سامنے تنہائی کا ایک لق ودق صحرا تھا اور وہ تنہا اس صحرا کی مسافر نہ کوئی منزل نہ کوئی ٹھکانہ۔ اس نے اپنی خوشیوں اور تمناؤں کو الوداع کہہ دیا تھا وہ بہت کم باہر نکلتی بس گھٹنوں پر سر رکھے جانے کہاں کھوئی رہتی ابا نظر اٹھا کر نہ دیکھتے اور نظر اٹھتی تو اس کے دل کو چھید ڈالتی' ان کی نظروں کے تیر اس کا کلیجہ چھلنی کردیتے' باپ کی نظر التفات کو وہ ترس کر رہ جاتی۔

اچانک دوپہر کو فرینہ آئی تو وہ اور امی سو رہے تھے۔ خیام نے امی اور عدینہ کو اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ جلدی سے بولی۔

"بھائی مجھے آپ ہی سے بات کرنی ہے؟" خیام حیران ہوا۔

"دیکھئے بھائی! عدینہ آپ کی بات بھی مانتی ہے اور عزت بھی کرتی ہے' میری تو ایک نہیں سنتی' عالیان میرے لیے بھائی کی طرح ہے وہ اور اس کے والدین بڑے مان اور چاہت سے عدینہ کو اپنانا چاہتے ہیں' مجھے دونوں ہی بے حد عزیز ہیں' انکل کا کوئی بھی فیصلہ دونوں کی زندگی تباہ کردے گا' آپ عدینہ کو سمجھا سکتے ہیں۔"

"عالیان نے کتنی رشوت دی ہے اپنا کیس لڑنے کے لیے۔" خیام کے لہجے میں شرارت تھی۔

"جناب! یہ جائز کیس ہے اس کے لیے رشوت نہیں فیس لی جاتی ہے اور میں تو وہ بھی نہیں لے رہی۔"

"چلو بھئی تم نے اپنے بھائی کا کیس بغیر فیس کے ہی جیت لیا ہے' عالیان مجھے بھی بہت پسند ہے میں کچھ کرتا ہوں۔" دونوں ہنس رہے تھے اسی دوران ابا اندر آ گئے اور غصے سے لال پیلے ہوکر گرجنے لگے۔

"یہ کیا ڈرامہ بازی ہو رہی ہے میں تو پہلے ہی جانتا تھا بیٹی نے کچھ تم گل کھلایا تھا جو اب بیٹا چاند چڑھانے چلا ہے۔ شرم نہیں آتی اپنے ہی گھر میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے۔" خیام کو لگا اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا ہو فرینہ اسے عدینہ کی طرح عزیز تھی اس کا خون کھول اٹھا' فرینہ بھی شرم سے زمین میں گڑ گئی' شور سن کر امی بھی آ گئیں اور بگڑ کر بولیں۔

"خیام میں نے تم سے کہا تھا فرینہ کو بٹھاؤ میں اور عدینہ آرہے ہیں' پھر یہ شور کیسا ہے؟" انہوں نے محبت سے فرینہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پیار سے کہا۔ "چلو فرینہ! عدینہ کے کمرے ہی میں چل کر بات کرتے ہیں اور بیٹا خیام! کمرے میں آجاؤ۔" ابا کھسیانے ہو گئے اور خیام نے ایک نفرت بھری نگاہ باپ پر ڈالتے ہوئے باہر کی راہ لی۔

❀......❀......❀

اچانک خیام نے دھماکہ کردیا۔

"امی میں نے عدینہ کی شادی کی تاریخ عالیان کے ساتھ پکی کردی ہے' ٹھیک ایک مہینے بعد بارات آئے گی آپ چھوٹی موٹی تیاری کرلیں' باقی میں نقد دے دوں گا۔"

"بھائی....." عدینہ نے احتجاج کیا۔ "آپ یہ کیا کرنے جا رہے ہیں' میں ابا کو ناراض کر کے اپنی عاقبت خراب نہیں کرنا چاہتی۔"

"عدینہ کچھ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا بڑا بھائی ہوں کوئی غلط فیصلہ نہیں کروں گا' تمہاری زندگی پر کچھ حق تمہارا بھی ہے۔"

"بھائی..... ابا کو کون سمجھائے گا۔" وہ بولی۔

"وہ میرا مسئلہ ہے تم ٹینشن مت لو اور امی آپ ابو کو انفارم کردیجیے گا' اجازت لینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔" خیام کا فیصلہ قطعی اور مکمل تھا۔

آج کل ابا بڑے چڑچڑے ہو رہے تھے' مولوی صداقت نے رشتے سے انکار کردیا تھا اور امی کو ان کی شرافت اور بلند کرداری کا قائل ہونا پڑا۔ ابا سارا دن کچھ نا کچھ سناتے رہتے خاص طور پر ان کا نشانہ عدینہ ہوتی جو خاموشی سے سر جھکا کر ان کی لعن طعن سنتی رہتی' بہن بھائی اس کی بے بسی پر چھپ چھپ کر روتے مگر ابا کے سامنے کسی کی بولنے کی مجال نہیں تھی۔

❀......❀......❀

مشکل مرحلہ بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا تھا' دن پر لگا کر اڑ رہے تھے اور امی ابا کو بتانے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھیں آخر ایک دن جب سب بچے گھر سے باہر تھے اور ابا گھر میں اکیلے تھے تو انہوں نے ہمت کر ہی لی۔

"سنیے! خیام نے عدینہ کا رشتہ طے کردیا ہے۔"

"کیا بکواس کررہی ہو اس کی ہمت کیسے ہوئی' ابھی میں زندہ ہوں وہ کیا اس کا باپ ہے؟" وہ غصے سے چلائے پھر بولے۔ "کون ہے مجھے بھی تو پتا چلے۔"

"عالیان....." وہ ڈرتے ڈرتے بولیں اور انہیں لگا آسمان سر پر آ پڑا ہو۔

"تیری یہ مجال ذلیل عورت....." امی کے منہ پر دو تین تمانچے پڑے۔ "تو کیا سمجھتی ہے میں تیری مرضی چلنے دوں گا اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔ تجھے آج اور ابھی ایک فیصلہ کرنا ہوگا' بیٹے کا ساتھ دینا ہے یا میرا؟" امی سوچ میں پڑ گئیں ایک طرف کھائی تھی' دوسری طرف کنواں۔ بیٹے کا ساتھ دیتیں تو شوہر کا عتاب نازل ہو جاتا اور شوہر کی ہمنوا ہوتیں تو بیٹی کی خوشیوں کو داؤ پر لگ جاتا تھا۔ وہ ساری زندگی ننگے پاؤں جن انگاروں پر چلتی رہی تھیں وہ اپنی بیٹی کو اس راستے کا مسافر نہیں بنا سکتی تھیں' شوہر نے انہیں دیا ہی کیا تھا شک' بدگمانی' تہمت' بے عزتی۔ قدم قدم پر جوان اولاد کے سامنے تضحیک اور شرمناک الزامات' میاں بیوی کا رشتہ تو قائم ہی باہمی اعتماد محبت اور یگانگت پر ہوتا ہے پھر یہ کیسا رشتہ تھا جس میں جبر وخوف اور غلامانہ بے بس زندگی تھی۔ وہ ماں تھیں جو اولاد کو نو مہینے پیٹ میں اپنے خون سے پروان چڑھاتی ہے اس کی پرورش کرتی ہے' یہ قدرتی اور فطری محبت ہوتی ہے جو ماں اپنی اولاد سے کرتی ہے اور انہیں اپنے شوہر سے کچھ بھی نہیں ملا' نہ احترام' نہ عزت نہ رفاقت اور

فیصلہ ایک دم ہی ہوگیا۔

"میں اپنے بیٹے کا ساتھ دوں گی۔" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو پھر جا آج سے تو میری طرف سے آزاد ہے۔"

"بس کریں عدینہ کے ابا۔" وہ بُری طرح گڑگڑائیں۔

"مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیں، میں خیام کو بھی سمجھاؤں گی اس وقت آپ غصے میں ہیں اور غصہ عقل و خرد کو کھا جاتا ہے۔" وہ عنایت اللہ کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئیں۔

"نہیں اب سوچنے سمجھنے کو کچھ نہیں رہا، میں نے تجھے طلاق دی...... طلاق دی...... طلاق دی......" وہ غصے میں راستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر نکل گئے اور امی کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا جیسے وہ گہرے پاتال میں دھنستی جارہی ہوں۔

"عمر کے اس حصے میں طلاق کا طوق گلے میں لٹکا کر کہاں جاؤں، مالک تُو نے عورت کو اتنا بے بس اور مجبور کیوں بنایا...... کیا خودکشی کرلوں......؟ نہیں نہیں......" انہوں نے جھرجھری لی۔

"زندگی تو ہمیشہ آبلہ پائی میں بسر ہوگئی، گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہی اب حرام موت مر کر دوزخ کا ایندھن کیوں بنوں اور جب خودکشی کی خبر اخبار میں چھپے گی تو کیسے کیسے سوال نہ اٹھیں گے میرے بچے تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ساری زندگی میں مسکراہٹوں میں اپنے غم چھپاتی رہی ہر ایک کے سامنے شوہر کو ایک دیوتا بنا کر پیش کیا یہ حقیقت دنیا کے سامنے تشت ازبام ہوجائے گی، کون میری پارسائی اور نیک نیتی کی گواہی دے گا۔ عنایت اللہ تو مجھے جھنڈے پر چڑھا دے گا، میں کیا کروں مولا؟" وہ بے اختیار سجدے میں گرگئیں۔

"میرے مالک میری عزت رکھ لے اس عمر میں مجھے اس ذلت سے بچالے۔ لوگ کہتے ہیں شریف عورتیں شوہروں کے دھتکارنے پر زندہ نہیں رہتیں۔ اے غفور الرحیم مجھے اس دنیا سے اٹھالے میرا پردہ رکھ لے۔" روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی اور ان پر غفلت سی طاری ہوگئی۔ شور سے ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا چاروں بچے ان کے پاس کھڑے رو رہے تھے۔

تو بالآخر ان کو بھی میری بربادی کی خبر ہوگئی، میری ذلت اور رسوائی سرعام پھیل گئی ان کا دل چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سماجائیں۔

"امی......" عدینہ بے ساختہ انہیں گلے لگا کر رو پڑی۔

"آپ کو سکتہ کیوں طاری ہوگیا، خدارا امی رولیں اس طرح ابا کے ایکسیڈنٹ کی خبر کو دل پر نہ لیں۔ امی اللہ نے ان کی زندگی بس اتنی ہی رکھی تھی۔"

"خدا کے لیے امی خود کو سنبھالیں ابا ہمیں چھوڑ گئے یہ صدمہ ہمارے لیے بھی کم نہیں۔" خیام نے ان سے لپٹتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

بچے کیا کہہ رہے تھے، محلے والے کس طرح افسوس کا اظہار کررہے تھے انہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا وہ دھیرے دھیرے آنکھیں بند کیے بڑبڑا رہی تھیں۔

"اللہ تُو نے میرا بھرم رکھ لیا...... مالک تُو رحیم ہے تُو کریم ہے...... تیری ذات سب سے عظیم ہے۔" ان کے ہونٹ کچھ بدبدا رہے تھے اور سب کو ان کی ذہنی حالت مشکوک لگ رہی تھی۔

❀

قسط نمبر 23

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

عائزہ کے اچانک بے ہوش ہو جانے پر فاخر سمیت سب گھر والے متفکر ہوتے ہیں اس موقع پر صباحت بیگم دادی کے سوالوں پر گھبرا جاتی ہیں اور انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے پاتیں۔ نیم بے ہوشی کے دوران وہ راحیل کا نام دہراتی ہے‘ جس پر عادلہ اور اس کی ماں مزید حواس باختہ ہو جاتی ہیں۔ فیاض صاحب صباحت بیگم کی باتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خود سارے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ماہ رخ زندگی کے اس بھیانک روپ کو مکافاتِ عمل سمجھتے ہوئے سمجھوتہ کر لیتی ہے اور وہاں کی پرانی ملازمہ سے تعلقات بڑھا کر حارث کو قابو میں کرنا چاہتی ہے لیکن اس کی الجھن میں مزید اضافہ داؤد مرتضٰی کی صورت میں ہوتا ہے‘ اس کی حریص نظریں اسے آنے والے خطرات سے بخوبی آگاہ کر دیتی ہیں۔

پری عائزہ پر گزرنے والی تمام کیفیت سے آگاہ ہے لیکن صباحت بیگم کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے وہ اپنی زبان دادی کے سامنے بھی نہیں کھولتی۔ وہ اپنی ماں (مثنیٰ) کے لیے دادی کے منہ سے تعریفی کلمات سن کر عجیب سی خوشی محسوس کرتی ہے۔ سعود کی بے رخی صفدر صاحب کو اضطراب میں مبتلا کر دیتی ہے‘ وہ مثنیٰ سے اپنے تلخ رویوں اور پری کی جدائی پر معذرت طلب کرتے ہیں۔ انہیں سعود کو باہر نہ بھیجنے پر مثنیٰ کا فیصلہ درست لگتا ہے لیکن اب صرف پچھتاوے ان کا مقدر بن جاتے ہیں۔

گزرتے دن کے ساتھ عائزہ کی حالت میں کچھ بہتری آتی ہے اور وہ راحیل سے بدلہ لینے کی خاطر ایک مرتبہ اس سے ملنا چاہتی ہے لیکن صباحت بیگم شدید غصے میں اسے صاف انکار کر دیتی ہیں۔

پری دادی کے کہنے پر واپس اپنے کمرے میں آ جاتی ہے لیکن ایک مرتبہ پھر سے کمرا بدر ہونے کا خیال بھی اسے ستاتا رہتا ہے‘ اس کا یہ خیال اس وقت سچ ثابت ہوتا ہے جب وہ صبح واک کے دوران اچانک طغرل کو اپنے سامنے دیکھتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

❀......❀......❀
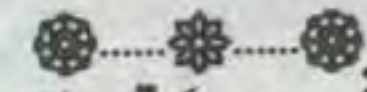
اس کی بے حد روشن آنکھوں میں بلا کی شوخی تھی۔ وہ اس کے قریب آیا اور دونوں بازوؤں کو سینے پر لپیٹے ہوئے بے حد آسودہ مسکراہٹ لیے ہوئے تھا‘ وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا گویا اس چہرے کی کشش ہی اسے یہاں کھینچ لائی ہو۔ بے حد لگاؤ‘ محبت و اپنائیت کے ان گنت دیپ ان نگاہوں میں روشن تھے‘ کوئی عامیانہ پن اس کے مزاج و انداز میں موجود نہ تھا۔ اس کی نگاہوں کی حدت سے پری کے رخسار دھک اٹھے‘ شفاف و شفاف رنگت میں شفق سی پھوٹ پڑی تھی وہ اس کی محویت پر نروس ہو رہی تھی۔ اس کی غیر متوقع آمد اور اس کی وارفتگی پری کو پہلی بار یہ باور کرانے میں کامیاب ہوئی کہ اس کے سامنے موجود شخص کی پرسنلٹی اٹریکٹو ہے‘ وجاہت کے لحاظ سے وہ ایک آئیڈیل شخص ہے‘ اگر عادلہ اس کے

حصول کے لیے اپنی انا‘ نسوانیت و ذاتی افتخار کی بھی قربانی دینے کو تیار تھی تو...... حق بجانب تھی۔

"اوہ! یہ کیا سوچ رہی ہوں میں؟ کیا دماغ خراب ہو گیا ہے میرا؟" جھری جھری لے کر اس نے خود کو سرزنش کی اور اس سے مخاطب ہوئی۔

"طغرل بھائی! اندر چلیں‘ دادی جان نماز کی ادائیگی کے بعد تسبیحات کا ورد کر رہی ہوں گی۔ آپ مل لیں ان سے اشراق کی نماز کے بعد وہ اپنے وظائف میں مشغول ہو جائیں گی تو آپ کو انتظار کرنا پڑے گا‘ وظائف کے دوران وہ گفتگو نہیں کرتی ہیں۔"

"اوہ!" اس نے طویل سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر اور اسی طرح خاموش کھڑی نہیں رہ سکتی تھیں یار!"

"کس لیے کھڑی رہتی بھلا؟" وہ حیرت سے گویا ہوئی۔

"رئیلی! تم پر جب میری پہلی نظر پڑی تو میں یہی سمجھا کہ سچ مچ کوئی پری راستہ بھٹک کر یہاں لان میں آ گئی ہے۔"

"اُف...... مائی گاڈ! آپ کی باتیں بنانے کی عادت جائے گی نہیں۔" اس کے انداز میں وہ ہی مخصوص زچ کرنے والی شرارت محسوس کر کے وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"دیکھا نا منہ کھولتے ہی تم نے بتا دیا تم پری نہیں‘ پری کی متبادل ہو میرا مطلب ہے...... چڑیل!" لائٹ بلیو جینز وہائٹ شرٹ میں ملبوس اس کے چہرے کی سرخیاں نمایاں تھیں جس میں طمانیت کا گہرا رنگ اور آسودگی موجزن تھی اور کیوں نہ ہوتی جس چہرے کو سب سے پہلے دیکھنے کی آرزو لیے وہ جہاز سے اترا تھا وہ گھڑی قبولیت کی گھڑی بن گئی تھی۔ اس کی محبت...... اس کی آرزو...... نگاہوں کے سامنے تھی‘ پنک سوٹ میں چہرے کو پنک آنچل سے ڈھانپے سحر نو کے خواب ناک دھندلکے میں سبز گھاس پر اس کے سفید و نازک پاؤں دھیرے دھیرے بڑھ رہے تھے۔

اس کی نگاہ بے ساختہ اٹھی تھی اور جھکنا بھول گئی۔ لان میں بے شمار کھلے گلاب کے پھولوں کی طرح وہ بھی ایک ادھ کھلی گلاب کی کلی لگ رہی تھی...... ہوشربا مدہوش کر دینے والا حسن تھا‘ اس کے چہرے پر کو مبہوت سا دیکھتا رہا اور نا معلوم کب تک وہ اسی طرح دیکھتا رہتا‘ مبادا پری کی نگاہیں اس پر پڑ جاتیں اور اپنی جھینپ مٹانے کے لیے وہ اس سے مخصوص شرارتی لہجے میں گویا ہوا۔

"دادی جان بالکل ٹھیک کہتی ہیں آپ کے بارے میں۔" پری کا موڈ بگڑنے میں کیا دیر لگتی تھی وہ غصے سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

"اچھا...... کیا کہتی ہیں دادی جان میرے بارے میں؟" وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"یہی کہ طغرل کو سو ہزار سال بھی کسی نلکی میں رکھو اور نکالو تو پھر بھی ٹیڑھا کا ٹیڑھا ہی نکلے گا۔ ہاہاہا......" وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

"لیکن مجھے یقین نہیں ہے دادی جان میرے بارے میں ایسا کچھ کہہ سکتی ہیں‘ یہ ہوائی تو کسی دشمن نے اڑائی ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بے یقینی سے گویا ہوا۔

"آپ ابھی یہیں رکیں‘ میں پہلے دادی جان کو آپ کے آنے کا بتا دوں‘ کہیں ایسا نہ ہو خدانخواستہ آپ کو اچانک سامنے دیکھ کر وہ خوشی نہ برداشت کر سکیں اور ان کی طبیعت خراب ہو جائے۔" اس کی چھیڑ چھاڑ نظر انداز کر کے اور اس کا جواب سنے بنا دادی جان کے کمرے میں آ گئی وہ اپنی نماز کی چوکی پر بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ پری کی مسکراہٹ سے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر ان کے پُر نور چہرے پر شفیق مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پری ان کے قریب آ کر بیٹھی تو تسبیح چوم کر اس کے چہرے پر انہوں نے پھونک ماری اور رحل پر تسبیح رکھتے ہوئے استفسار کرنے لگیں۔

"ماشاء اللہ! آج تو صبح صبح ہی خوش نظر آ رہی ہو‘ کیا بات ہے؟"

"آپ بات سنیں گی تو مجھ سے بہت زیادہ خوش ہو جائیں گی دادی جان!"

"ایسی کیا بات ہے‘ جو مجھے خوش کر دے؟"

''آپ بتایئے! ایسی کیا بات ہوسکتی ہے جس سے آپ خوش ہو جائیں؟'' وہ جان کر باہر کھڑے طغرل کو ستا رہی تھی۔

''ایسی بات جو مجھے خوش کردے...... ممکن کہاں ہے پری! تو بتا کیا بات ہے؟ خوامخواہ صبح کے وقت کسوٹی مت کھیل مجھ سے۔'' ان کے نرم لہجے میں آزردگی بھر آئی تھی۔

''اچھی دادی جان! آپ بتائیں تو سہی آپ کس سے خوش ہوں گی؟ کسی کو دیکھنا چاہتی ہیں آپ؟ کسی سے ملنا چاہتی ہیں آپ؟''

''ارے ایک وہ ہی تو ہے جس سے ملنے کے لیے میں بے قرار ہوں جو کئی دنوں سے فون تک نہیں کر رہا طغرل...... میرا بچہ! جس کی یاد ہر لحہ میرے دل سے لگی رہتی ہے۔'' وہ بولتے بولتے یک دم آبدیدہ ہوگئیں تو پری نے کہا۔

''دادی جان! آپ کی دلی مراد بر آئی ہے طغرل بھائی آگئے ہیں۔''

''ارے پری! تم باؤلی تو نہیں ہوگئی' لو بھلا وہ اتنی جلدی کس طرح آسکتا ہے؟ ابھی اسے گئے دن ہی......''

''السلام علیکم دادی جان!'' ان کی بات ادھوری ہی رہ گئی اور طغرل پردہ ہٹا کر اندر چلا آیا اور سلام کرتا محبت سے لپٹ گیا۔

❁......❁......❁
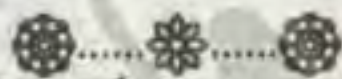
گرگٹ اور مرد میں کچھ عادات یکساں ہوتی ہیں جس طرح گرگٹ جگہ اور موقع دیکھ کر رنگ بدل لیتا ہے اسی طرح کچھ مردوں کی خصلتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ جس طرح عورتوں کی فطرت بدل نہیں سکتی ہے اسی طرح مردوں کی اصلیت بھی تبدیل نہیں ہوسکتی' دونوں ایک دوسرے کے مخالف بھی ہیں تو لازم وملزوم بھی مرد وعورت......! اس دنیا کو خوب صورت رنگوں سے سجانے والے' جن کی محبت اور جائز رشتوں کی چاندنی ہر سو بکھرتی ہے اور...... جب ان رشتوں میں حارث کرمانی جیسے بدکردار وعیاش مرد غلیظ رشتوں کی غلاظتیں بکھیرتے ہیں تو عورت اور مرد کا وہ مقدس اور محبت بھرا رشتہ داغ دار ہو جاتا ہے۔ جس کی اساس آدم اور حوا نے رکھی تھی' جو اُن رشتوں کی حرمت کو پامال کرتا ہے وہ انسان نما گدھ ہوتا ہے اور...... حارث کرمانی بھی ایک ایسا ہی گدھ تھا یا ایک ایسا گرگٹ جس نے اپنی خواہش کے لیے رنگ بدل لیا تھا۔ وہ جو سمجھ رہی تھی وہ حارث کرمانی کی التفات پانے میں کامیاب ہوگئی ہے' وہ اس کی نظر نگاہ بن گئی ہے۔ وہ حارث کرمانی جو صبح اس کا چہرہ دیکھ کر شروع کرتا ہے' جس کی زبان پر ہر وقت اس کی تعریف وتوصیف رہتی ہے وہ اسے فقط ایک گھوڑے کی خاطر داؤد کو گفٹ کردے گا۔

حسین وجمیل نو عمر ماہ رخ...... اعلیٰ نسل کا عربی گھوڑا...... دو مردوں کی اولین پسند...... ایک انسان...... ایک جانور!

انسان کے مقابل جانور کی کوئی وقعت نہیں ہوتی کہ جانور...... جانور ہی ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی نسل سے تعلق رکھتا ہو لیکن یہاں فیصلہ وہ لوگ کر رہے تھے جو سرمستیوں میں اس حد تک غرق ہو چکے تھے کہ وہ یہ تمام تفریق بھول چکے تھے سو فیصلہ ہوگیا تھا۔ داؤد مرتضٰی کا چہیتا لاڈلا گھوڑا حارث کرمانی کی ملکیت بن چکا تھا' ماہ رخ داؤد مرتضٰی کے پہلو میں بیٹھی عازم سفر تھی' سیاہ ستاروں سے جھلملاتے سیاہ لباس میں وہ خاموش بیٹھی ہوئی کسی حسین گڑیا کی مانند لگ رہی تھی۔ ریشمی بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے لبوں پر خاموشی سجائے وہ دل میں ہزاروں طوفانوں سے نبرد آزما تھی۔

''بہت خاموش ہو میری جان!'' داؤد نے انگلی سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

''حارث کرمانی کو چھوڑ کر آنے کا دکھ ہو رہا ہے تم کو؟'' حارث کرمانی کے نام پر جو نفرت آمیز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی اس مسکان نے داؤد مرتضٰی کو اس کی دلی حالت کا اندازہ لگانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور وہ مطمئن ہو کر گویا ہوا۔

''میں جانتا ہوں حارث کرمانی جیسے گھٹیا آدمی کے ساتھ تم جیسی نائس گرل کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتی۔'' اس کو قریب کرتا ہوا استحقاق بھرے لہجے میں بولا۔

"تم صرف میرے لیے بنی ہو تم پر پڑی پہلی نگاہ نے ہی میرے دل کو بتا دیا تھا کہ تم میری ہو مارہ رخ! برسوں سے مجھے تمہاری تلاش تھی میرے پارس پر حارث کی کب سے نظر تھی وہ پارس اسے ایک دن پسند آ گیا تھا اور اس نے بے تحاشا دولت کی پیش کش کی مگر میں اس کی ہر آفر کو رد کرتا چلا گیا کہ میرے پارس سے زیادہ عزیز مجھے کچھ نہ تھا اور میرے انکار کو جواز بنا کر حارث نے جنگ یعنی خاموش جنگ کا آغاز کر دیا اور ریس کورس کلب اور دوسری جگہوں پر وہ مجھے ہراتا چلا گیا مگر میں نے پارس اس کے حوالے نہیں کیا اس سے بے حد نقصان اٹھانے کے باوجود بھی اور تم کو دیکھا تو فیل ہوا تم میری سب سے بڑی پراپرٹی ہو تمہیں کھو کر میں جی نہیں پاؤں گا۔"

"حارث کرمانی نے میری قیمت پارس کے بدلے لگائی تھی؟"

"قیمت نہیں گفٹ میری جان! میں نے اسے پارس گفٹ کیا اور اس نے مجھے گفٹ میں میری زندگی دی ہے۔"

❁......❁......❁
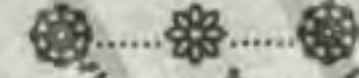
طغرل کی آمد نے گھر کے وحشت زدہ ماحول کی خاموشی توڑ دی تھی۔ دادی جان کی خوشی تو دیدنی تھی اس بار صباحت کے چہرے پر بھی مسرت و اطمینان تھا وہ بڑھ چڑھ کر اس کی خاطر و مدارت میں لگی ہوئی تھیں' پچھلے دنوں سے عائزہ کی وجہ سے جو ان پر جھنجلاہٹ غصہ اور تفکر چھایا رہتا تھا اس میں قدرے کمی واقع ہوئی تھی۔ فیاض صاحب پر جو گہری سنجیدگی و دبیز خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ وہ طغرل کو سامنے دیکھ کر گویا برف کی مانند پگھل گئی تھی۔

"آنے کی اطلاع تو دیتے بیٹا! میں آپ کو ریسو کر لیتا' گھر کی گاڑی ہوتے ہوئے بھی ائرپورٹ سے گاڑی ہائیر کی۔" ناشتے کے بعد وہ ان کے ساتھ اسٹڈی روم میں آ گیا تھا وہ دونوں چیئرز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"چچا جان! میں وہاں بے حد بوریت محسوس کر رہا تھا اور مجھے فکر تھی' آپ پر کام کا برڈن بہت زیادہ ہو چکا ہے آپ کا اپنا بزنس اور پھر یہاں کوٹھی اور فیکٹری کی کنسٹرکشنز نے آپ کو بے حد بزی کر دیا ہے یہ احساس تھا مجھے اسی لیے پاپا سے میں نے ان کی صحت بحال ہوتے ہی ساری کنڈیشن بتا کر یہاں آنے کی اجازت لی ان کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا' انہوں نے فوراً ہی مجھے یہاں آنے کے لیے اجازت دے دی۔" وہ باتوں کے دوران ان کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اس کو یہاں سے گئے ڈیڑھ ماہ کا قلیل عرصہ ہوا تھا اور اس عرصے میں وہ بہت کمزور ہو گئے تھے' سنجیدہ وہ پہلے بھی تھے مگر اب ان کی سنجیدگی میں گمبھیر خاموشی بھی شامل ہو گئی تھی' وہ خاموشی کوئی عام خاموشی نہ تھی۔ یہ وہ خاموشی تھی جس کے پیچھے بھیانک طوفان چھپا کروٹیں لے رہا ہوتا ہے۔ صباحت نے کال کر کے اسے اس طوفان کی خبر تو دے دی تھی جو عائزہ کی صورت میں اس گھر کے در و دیوار سے ٹکرا کر گزر چکا تھا۔ ان کی التجاؤں پر ہی وہ یہاں آیا تھا وہ فیاض صاحب کی پراسرار خاموشی سے خائف تھیں اور اس کا ادراک طغرل کو یہاں آ کر ہوا تھا وہ سوچ رہا تھا ایک طوفان گزر چکا ہے اور دوسرا طوفان تباہی پھیلانے کو تیار ہے۔ فیاض صاحب کو اس نے اتنا رنجیدہ و چپ کبھی نہ دیکھا تھا۔

"اللہ صحت دے ان کو ہمیشہ خوش رکھے ایمان کی سلامتی کے ساتھ (آمین) طغرل بیٹا! بھائی جان کب تک پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟" وہ اس کی سوچوں سے بے خبر گویا ہوئے۔

"پاپا ابھی ریکوری پر ہیں جیسے ہی وہ مکمل صحت مند ہوتے ہیں ویسے ہی وہ یہاں آ جائیں گے۔"

"اوہ! میں تو یہ سب بالکل ہی بھول گیا تھا' بھائی جان ابھی سفر نہیں کر سکیں گے۔" ان کے لہجے میں فکر کے ساتھ پشیمانی بھی ابھر آئی تھی۔

"چچا جان! ایک بات پوچھوں آپ سے؟" طغرل نے ان کا اضطرابی انداز دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔ فیاض نے اس کی طرف دیکھا پھر دھیمے سے مسکرا کر بولے۔

"ایک ہی بات کیوں؟ آپ کو جو پوچھنا ہے وہ پوچھ سکتے ہیں مجھ سے۔ میں آپ کو اپنا بیٹا سمجھتا ہوں اور بیٹے کو کوئی بات پوچھنے کے لیے باپ سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔" وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے محبت سے گویا ہوئے۔

"بہت شکریہ چچا جان!" اس نے فرطِ مسرت سے ان کا ہاتھ چوم کر کہا تو ان کے چہرے پر بھی ایک آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں یہ پوچھنا چاہ رہا تھا آپ سے آپ بے حد اپ سیٹ لگ رہے ہیں' کوئی پرابلم ہے آپ کے ساتھ؟"

"پرابلم ہے۔" وہ گہری سانس لے کر گویا ہوئے۔

"جب آپ نے مجھے بیٹا کہا ہے چچا جان! پھر بتائیے مجھے وہ کیا پرابلم ہے جو آپ کی ڈپریشن کا باعث ہے...... کیا ہوا ہے؟" ان کے لہجے میں بے بسی محسوس کر کے وہ تڑپ ہی اٹھا۔

"میں عائزہ کی شادی اسی ہفتے میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"اسی ہفتے میں...... لیکن یہ کس طرح ممکن ہے؟ اتنے شارٹ ٹائم میں میرج ارینجمنٹ بے حد مشکل ہو جائے گی چچا جان!" ان کے لہجے کی قطعیت نے طغرل کو الجھن میں ڈال دیا۔

"کوئی تیاری نہیں ہو گی شادی کی' سادگی سے ایک دن میں رخصت کر دیں گے اس کو۔ کوئی دھوم دھڑکا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ان کا لہجہ نرم و سپاٹ تھا۔ طغرل نے رسانیت سے سمجھایا۔

"کیوں چچا جان! کسی دھوم دھام کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟" اس نے مہذب انداز میں استفسار کیا۔

"عائزہ نے میرے مان کو توڑا ہے' میرے اس فخر کو پاش پاش کیا ہے جو ایک باپ کو اپنی بیٹی پر ہوتا ہے اس نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔ میں اب کبھی بھی آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے کے قابل نہیں رہا' میں اب کبھی اپنا چہرہ نہیں دیکھ پاؤں گا۔" ان کے پُروقار چہرے پر آنسو بہہ نکلے وہ کسی شکستہ دیوار کی طرح گر گئے' باہمت اور بہادر' ہنسنے ہنسانے والا طغرل بے حس و حرکت ہو گیا۔ باوقار' باہمت و مضبوط اعصاب رکھنے والے فیاض صاحب کو اس طرح بکھرا ہوا اور ناتواں دیکھ کر اس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی' وہ سوچ رہا تھا کیا کرے...... کس طرح اس شخص کو دلاسہ دے؟ جس نے ہر قدم پر اس کی مدد کی' ایک نہایت شفیق اور مہربان مسکراہٹ جس کے چہرے کا احاطہ کیے رکھتی تھی' وہ اپنی ہی دنیا میں مگن رہنے والا شخص' دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہا تھا۔

"بیٹیوں کی خاطر میں نے وہ سب کیا جو ایک باپ کرتا ہے اور بدلے میں مجھے کیا ملا ذلت' بے اعتباری' ریزہ ریزہ ہوا بھروسہ۔"

"چچا جان! پلیز سنبھالیں خود کو کیا ہوا ہے؟ عائزہ سے کیا غلطی ہوئی ہے آپ مجھے بتائیں تو سہی؟" بمشکل وہ ان کو چپ کرانے میں کامیاب ہوا' آنکھیں اس کی بھی نم تھیں' اضطرابی کیفیت اس کی رگ و پے میں دوڑنے لگی۔

"جوان بیٹی گھر سے جائے چھپ کر' پھر آ کر بے ہوش ہو جائے اور بے ہوشی میں اول فول بکے اور جواباً ماں اس کی لغزش پر جھوٹ کا پردہ ڈالے تو ہر راز عیاں ہو جاتا ہے بیٹا! سب گرہیں کھل جاتی ہیں' میں بھی سب سمجھ گیا ہوں۔ میری بیٹی نے ہی میری عزت پر نقب لگائی ہے' اگر میں کوئی جذباتی مرد ہوتا تو اسی دن عائزہ کو قتل کر دیتا اور خود کو بھی مار لیتا مگر مجھے معلوم تھا میری جذباتیت میری ان تین بیٹیوں کو بھی رسوا کر دے گی۔ جو معصوم اور بے قصور ہیں رسوائی اور بدنامی نے اس گھر کا راستہ دیکھ لیا تو تینوں بچیوں کا مستقبل ہمیشہ کے لیے تاریک ہو جائے گا اور میں نہیں چاہتا عائزہ کے کیے کی سزا سب کو ملے۔" وہ بولتے بولتے بُری طرح پسینے میں شرابور ہو گئے۔

"ریلیکس چچا جان! آپ اتنے ڈپریسڈ مت ہوں' مجھے عائزہ سے بات کرنے دیں' مجھے یقین ہے ایسا کچھ نہیں ہوا ہو گا۔" وہ رومال سے ان کا چہرہ صاف کرتے ہوئے تسلیاں دے رہا تھا۔

"اس سے بات کرنے کی کوئی ضرورت ہے' میں اس کا وجود اب اس گھر میں بالکل برداشت نہیں کروں گا' میرے دل سے وہ نکل گئی ہے اس گھر سے بھی اس کو جانا ہو گا یہ میرا فیصلہ ہے۔"

❁......❁......❁

صباحت بڑی بے چینی سے طغرل کے اسٹڈی روم سے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھیں اور انتظار تھا کہ طویل سے

طویل تر ہوتا جارہا تھا۔ فیاض نے جو عائزہ کی طبیعت کی خرابی کے بعد ان سے پوچھ گچھ کی تھی اور انہوں نے حقیقت سے آگاہ کرنے کے بجائے ان کو کسی کم فہم کی طرح جھوٹ بول کر ٹالا تھا اور یہی ان کی بڑی غلطی ثابت ہوئی تھی۔ فیاض صاحب ازحد ذی شعور اور دانش مند شخص۔ مکمل طور پر حقیقی اور اک پا چکے تھے مگر ان کے دل میں بیٹی اور بیوی کی طرف سے سخت بدگمانی و تنفر بھر گیا تھا۔ وہ ان کی شدید ترین ناراضی و بداعتمادی کا ہی اظہار تھا کہ وہ ان سے بات تک کرنے کے روادار نہ تھے۔

صباحت کو اس سے قبل کبھی ان کے اس مزاج کا اندازہ ہی نہ ہوا تھا' اب یک دم کسی آتش فشاں کی مانند ان کو شعلے اگلتے دیکھا تو وہ اتنی خوف زدہ ہوئیں کہ پہلی فرصت میں انہوں نے طغرل سے خاموشی سے رابطہ کیا اور اس کو ڈھکے چھپے انداز میں نازک صورت حال سمجھائی اور فوراً یہاں آ کر معاملہ سنبھالنے کی التجا کی اور وہ کسی سعادت مند بیٹے کی مانند دوسرے دن ہی یہاں موجود تھا۔ اب وہ اندر بیٹھا ان کے صبر و حوصلے کا امتحان لے رہا تھا' جتنی دیر گزر رہی تھی صباحت کے اندر کھلبلی بڑھتی جارہی تھی۔

اندر کیا باتیں ہورہی ہیں...... فیاض اس سے کن راز و نیاز میں مصروف ہیں...... وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ تمام خیالات ان کی بے سکونی کو مزید بڑھا رہے تھے۔ اسٹڈی روم سے آواز باہر نہیں آسکتی تھی۔ وہ اس وقت تک بے کل چکر لگاتی رہیں جب تک طغرل کو باہر آتے دیکھ نہ لیا' وہ بھی ان کو دیکھ چکا تھا۔

''مجھے یقین تھا بیٹا! میرے بلانے پر آپ فوراً چلے آئیں گے۔'' وہ اسے لے کر اپنے روم میں آ گئیں اور مان بھرے لہجے میں بولیں۔

''چچا جان کو عائزہ کے راحیل سے رشتہ کا علم نہیں ہے پھر بھی وہ بُری طرح ہرٹ ہیں اور ان کو ہرٹ ہونا بھی چاہیے آنٹی! عائزہ نے جو اپنی من مانی کی ہے اس نے ہماری گردنیں جھکا دی ہیں۔'' اس کا لہجہ مہذب مگر کسی حد تک ترش و کبیدہ تھا۔

''ارے طغرل بیٹا! ایسا کچھ نہیں ہوا ہے' عائزہ نے راحیل کو خون میں لت پت دیکھا تو وہ ڈر گئی تھی اور خوف سے بے ہوش ہوگئی تھی۔ اس نے اسی بات کا اتنا اثر لیا کہ بیمار پڑ گئی۔'' صباحت نے اپنے مخصوص انداز میں عائزہ کا دفاع کیا۔

''یہ پروف نہیں ہے اس کی بے گناہی کا آنٹی! آپ نے اس سے یہ نہیں معلوم کیا وہ وہاں کیوں گئی تھی؟''

''غلطی ہوگئی اس سے' بہت شرمندہ ہے وہ۔''

''غلطی...... ہونہہ! جو لوگ کسی کے سمجھانے سے نہیں سمجھتے پھر ایسے لوگوں کو وقت ہی سمجھاتا ہے اور جب وقت سمجھاتا ہے وہ کوئی بھول نہیں سکتا' عائزہ کو بھی اب سمجھ آجائے گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کچھ اس انداز میں کہا کہ صباحت گھبرا کر بولیں۔

''ناسمجھ ہے وہ ابھی بیٹا! اس عمر میں نادانیاں تو ہوجاتی ہیں پھر وہ شرمندہ ہے اپنی غلطی پر' ہمیں عائزہ کی غلطی معاف کرنی چاہیے۔''

''لیکن آنٹی! چچا جان اس کو معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں' نہ جانتے ہوئے بھی وہ سب کچھ جان گئے ہیں' اس وقت سے ہی مجھے خوف تھا اور یہی بات ہوکر رہی۔''

''کیا جان گئے ہیں وہ؟ انہیں سب معلوم ہوگیا ہے' اس کا مطلب ہے...... پری نے میرے منع کرنے کے باوجود فیاض کو سب بتادیا ہے اوہ......؟'' شدید اشتعال اور تفکر سے ان کے اعصاب تن گئے۔

''پری نے انہیں کچھ نہیں بتایا ہے آنٹی!'' اس نے قطعیت بھرے لہجے میں ان سے کہا۔

''پھر اور کون بتا سکتا ہے ان کو؟ فیاض کو الہام ہونے سے تو رہا' میں جانتی ہوں اس نے مجھے ماں تسلیم کیا ہی نہیں نا میری بیٹیوں کو بہنیں' پری اپنی ماں کے اس گھر سے جانے کا انتقام لے رہی ہے آگ لگا رہی ہے ہمارے رشتوں کو......''

''پلیز...... پلیز کول ڈاؤن آنٹی! پری نے چچا جان کو کچھ نہیں بتایا اگر وہ بتاتی تو سب سے پہلے دادی جان کو بتاتی' یہ

آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں کہ پری کبھی بھی چچا جان سے کلوز ڈ نہیں رہی۔ ان کے درمیان آج تک ایک گیپ رہا ہے۔" صباحت کی پری کے خلاف بدگمانی کو حد سے سوا دیکھ کر طغرل کو بے حد دکھ ہوا' اس نے مناسب طریقے سے اس کا بچاؤ کیا۔

"ٹھیک ہے میں آپ کی بات پر یقین کر لیتی ہوں' یہ بتائیں فیاض کے کیا ارادے ہیں اب؟" پری کی جانب سے ان کا دل صاف نہیں ہوا تھا لیکن طغرل سے بھی وہ بات بگاڑنا نہیں چاہتی تھیں سو وہ تحمل سے گویا ہوئیں۔

"وہ عائزہ کی شادی اس ہفتے میں ہی کرنا چاہتے ہیں اور اپنے اس ارادے سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

"عائزہ کی شادی اور وہ بھی اس ہفتے میں؟" وہ بری طرح چکرا گئیں۔

❁.......❁.......❁
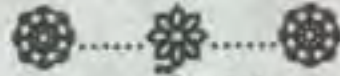
داؤد مرتضٰی کی تمام چکنی چپڑی باتیں اس کے حصول تک تھیں اس کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد وہ اس کے لیے ایک عام سی عورت بن گئی وہ جتنی شدت سے اس کے حصول کا طالب ہوا تھا پھر اتنی ہی شدت سے اس کی رفاقت سے دستبردار ہو چکا تھا۔ حارث کرمانی نے ماہ رخ کو کئی ماہ تک اپنے دل کے سنگھاسن پر بٹھا رکھا تھا' جھوٹا ہی سہی اس سے چاہت و لگاؤ کا اظہار تو کرتا رہا تھا خواہ پھر ایک جانور کے بدلے میں اس کا سودا کر ڈالا۔ اس کو داؤد مرتضٰی کے ساتھ رہتے ہوئے ایک ماہ ہی ہوا تھا کہ ایک پارٹی میں اس کو اپنے دوست غفران احمر کی دوست بھا گئی اور غفران احمر کو ماہ رخ ایسی پسند آئی کہ وہ اپنی چہیتی دوست طوبیٰ کو داؤد مرتضٰی کو گفٹ کر بیٹھا اور جواباً داؤد مرتضٰی نے اسے غفران احمر کو تحفے میں دے دیا۔ عجیب دستور تھا زندہ لوگوں کو بے جان شے کی مانند گفٹ کر دیا جاتا تھا۔ وہ بھی سر جھکائے کسی پالتو جانور کی مانند اس کے ساتھ چل پڑی۔ اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا یہ سب اس کی کرنی کا پھل تھا اس نے جو بویا وہ ہی کاٹ رہی تھی۔ اس نے ایک جست میں آسمان کو چھونے کی جسارت کی تھی' جاگتے ہوئے سونے کے شیش محل میں حکمرانی کے خواب دیکھے تھے اور دھوکے وسازشوں کے الاؤ میں وہ اپنا سب کچھ خود ہی پھونک بیٹھی تھی۔ اب اس کے پاس بچا ہی کیا تھا جس کی وہ حفاظت کرتی؟ عزت' انا' وقار اور اپنا نام تک وہ گنوا بیٹھی تھی۔

غفران احمر داؤد مرتضٰی سے بھی زیادہ ادھیڑ عمر تھا اس کے انڈے کی طرح چکنے سر پر بالوں کی صرف ایک جھالر رہ گئی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی' ناک کسی طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی' رنگت صاف اور چہرے پر سخت جھریاں نمودار تھیں۔ وہ کم گو آدمی تھا مگر اس کی نظریں بولتی تھیں وہ ایک عیار اور مشکل پسند شخص تھا' اس وقت وہ جیپ میں ایک صحرا سے گزر رہے تھے۔ رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ آسمان ستاروں سے جھلملا رہا تھا اور اس کے وسط میں چمکتا ہوا آخری راتوں کا پورا چاند اپنی شفاف چاندنی ہر سو پھیلا رہا تھا' ہوا ٹھنڈی اور خوش گوار تھی۔ ان کی گاڑی کے سوا وہاں کوئی دوسری گاڑی نہ تھی' ماحول میں ایک سکون چھایا ہوا تھا' غفران احمر نے اس سے رسمی گفتگو کی تھی۔ ماہ رخ نے بھی اس سے زیادہ کوئی بات نہ کی تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ ایک کے بعد ایک مرد کی دسترس میں جا رہی تھی' گناہوں کے بوجھ سے اس کی روح بے کل بے کل تھی۔ عجیب زندگی ہوگئی تھی جو موت سے زیادہ تکلیف دے تھی وہ روز مرنے کی دعائیں مانگتی اور زندگی طویل تر ہونے لگتی۔

سفر جاری تھا دھیرے دھیرے رات گزر رہی تھی گزرتی رات کے ساتھ چاندنی کا غبار بڑھ رہا تھا۔ غفران احمر کی خاموشی ٹوٹی اور وہ اس سے عام سی باتیں کرنے لگا۔ اپنی بے حساب دولت امارات اور محلوں کی باتیں ایک وقت تھا جب اس کو ان دولت و آسائشات کی باتوں میں بڑی کشش محسوس ہوتی تھی اور وہ کسی بھی دولت مند کو دیکھ کر اس کی طرح دولت مند بننے کی خواہش کرتی تھیں' تدبیریں لڑاتی تھیں اور آج وہ ایک محل سے دوسرے اور تیسرے محل کی جانب بڑھ رہی تھی' اس کے جسم پر قیمتی ملبوس تھا' جیولری ڈائمنڈ کی تھی' امپورٹڈ میک اپ سے حسن دو آتشہ بنا ہوا تھا۔ اعلیٰ ترین پرفیوم کی دلآویز مہک غفران احمر کے حواسوں کو چھیڑ رہی تھی۔ اس نے قناعت کا دامن چھوڑا' قدرت کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے فرار حاصل کیا ماں باپ کے پیار بھروسے اور گلفام کی محبت کو ٹھکرا کر وہ خواہشوں کے راستوں پر چلی آئی۔

کچھ خواہشیں ہاتھ ضرور لگیں اور بدلے میں عزت' انا' خودداری کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی اور مرتے دم تک اسے ادا کرنی تھی۔ وہ رو رہی تھی بے آواز آنسو خاموشی سے بہہ رہے تھے اور دل کر رہا تھا کاش یہ سب ایک بھیانک خواب کی مانند ہو آنکھ کھلے تو وہ اپنے اس کچے پکے گھر میں ہو۔

❁......❁......❁

شیری کی آج کل عادلہ سے دوستی عروج پر تھی۔ وہ عادلہ سے ملنے اکثر گھر بھی آجاتا اور صباحت کی اجازت لے کر وہ دونوں عموماً گھر سے باہر چلے جاتے ڈنر اور لانگ ڈرائیونگ پر بھی نکل جاتے تھے۔ دونوں ہی ایک دوسرے میں گم ہوگئے تھے یا وہ اپنے دکھوں کا مداوا کر رہے تھے' محبت کی بازی میں دونوں کو ہی مات ہوئی تھی' دونوں ٹھکرائے ہوئے تھے۔ پری نے شیری کی محبت کو قبول نہیں کیا تو طغرل نے عادلہ کی چاہت کو رد کیا اور یوں دو دل ٹھکرائے ہوئے ایک راہ پر چل پڑے تھے۔

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟" شیری نے ڈرائیو کرتے ہوئے عادلہ سے پوچھا۔

"میں نوٹ کر رہا ہوں تم اس طرح مجھے دیکھتی ہو گویا تم کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے ایسا کیوں کرتی ہو تم؟"

"ایسا نہیں ہے شیری! مجھے آپ پورا بھروسہ ہے مکمل یقین بھی ہے۔ اعتماد تو بس مجھے اپنے مقدر پر نہیں ہے۔" وہ آہستگی سے گویا ہوئی۔

"کیوں؟" اس نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر اس کے ہاتھ پر رکھا۔

"جب میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا تھا تو اسی وقت مجھے فیل ہوا آپ جیسے شخص کی مجھے تلاش ہے' آپ میرا آئیڈیل ہیں شیری!" عادلہ نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔

"آئی لو یو سو مچ شیری! میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی' آپ آنٹی انکل کو کب بھیجیں گے پرپوزل لے کر۔"

"اتنی جلدی کیا ہے عادلہ! ابھی میں ان میرڈ لائف انجوائے کرنا چاہتا ہوں' ابھی تو میرا بزنس بھی اسٹیبلش نہیں ہوا۔" اس نے عادلہ کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ کو بلاوجہ کی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ عابدی انکل کا تمام بزنس آپ کا ہی تو ہے پھر کیوں خوامخواہ محنت کرکے خود کو تھکا رہے ہیں' ٹائم ویسٹ کر رہے ہیں۔" وہ منہ بنا کر گویا ہوئی پر شیری خاموش ہی رہا۔

"میں آپ سے ملنے کے لیے روز روز نہیں آسکتی' یہ ممی کی مہربانی ہے جو وہ آپ کے ساتھ آنے دیتی ہیں اور گھر جانے تک معاملہ سنبھالے رکھتی ہیں اگر گھر میں کسی کو معلوم ہوجائے تو میں شاید زندہ ہی نہ بچوں اور آج تو میرا کزن بھی آسٹریلیا سے واپس آگیا ہے' اب اس کی موجودگی میں گھر سے نکلنا بے حد مشکل ہوجائے گا۔"

"تمہارے کزن کو تم پر چیک رکھنے کا کوئی رائٹ نہیں ہے' تم کیوں خوف زدہ ہو رہی ہو اس سے؟" وہ اطمینان سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ شام کا اجالا رات کی تاریکی میں ڈھل چکا تھا سڑکوں پر گاڑیاں رواں دواں تھیں۔

"دادی جان اور پاپا طغرل بھائی کو از حد اہمیت دیتے ہیں وہ بھی کسی بڑے بھائی کی طرح ہم بہنوں پر رعب رکھتے ہیں' ماسوائے پری کے۔"

"اچھا! پری پر اس کا رعب نہیں ہے وہ کیوں؟" اس کی پیشانی پر شکنیں ابھریں اور پل بھر میں غائب ہوگئیں۔

"پری نے دیوانہ بنا رکھا ہے ان کو' پری کے ان کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔" بہت سفاکی سے اس نے اپنی حرص و جھوٹ نفرت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی تھی لمحے بھر کو شیری کی نظروں کے آگے اندھیرا سا چھایا' اسٹیئرنگ بے قابو ہو کر کار لہرائی تھی۔

"اوہ......!" مارے خوف کے عادلہ کے حلق سے چیخ برآمد ہوئی۔ خوش قسمتی سے کار کے آگے کوئی گاڑی نہ تھی' حادثہ ٹل گیا تھا وہ بھی خود پر قابو پانے میں کامیاب ہوا پھر استفسار کرنے لگا۔

"آپ کو بھی جھٹکا لگا نا' پری کی حقیقت جان کر؟ یہی حالت میری اس وقت ہوئی تھی جب میں نے پہلی بار ان کو

ساتھ دیکھا تھا۔" اس موقع کی اس کو بہت عرصے سے تلاش تھی جب وہ شیری کا دل پری کی طرف سے اس حد تک بدگمان کردے کہ وہ اس کی پرچھائیں تک سے نفرت کرنے لگے۔ آج قدرت کی طرف سے اس کو یہ موقع مل گیا تھا وہ کچھ دنوں سے شیری کو طغرل کی طرف سے بدگمان و بے اعتناء دیکھ رہی تھی اب تو دل ہی دل میں وہ بے حد مسرور تھی کہ اپنی دلی مراد و مقصد میں کامیاب ہوگئی تھی۔

❁......❁......❁

صباحت بڑی بے چینی سے وال کلاک کی جانب بار بار دیکھ رہی تھیں جہاں ٹائم تیزی سے گزر رہا تھا اور ساتھ ساتھ ان کا اضطراب و بے کلی بھی بار بار وہ سیل فون پر عادلہ کا سیل نمبر پش کر رہی تھی۔ عادلہ نے سیل آف کر رکھا تھا اور وہ عادلہ کی اس غیر ذمہ داری پر بُری طرح کھول رہی تھیں' سارا دن وہ ذہنی دباؤ کا شکار رہی تھیں جب سے طغرل نے ان کو بتایا تھا فیاض صاحب اسی ہفتے عائزہ کی شادی کرنا چاہتے ہیں یہ خبر ان کے اوسان خطا کرچکی تھی۔ انہیں لگ رہا تھا وہ امتحان کے گرداب میں پھنس چکی ہیں' ایک کے بعد ایک مصیبت' ایک کے بعد ایک مسئلہ ان کو درپیش آرہا تھا۔ فیاض ان سے لاتعلق ہوچکے تھے۔

اماں جان سے تعلقات کبھی بھی انہوں نے اتنے اچھے نہ رکھے تھے کہ ان کو تمام حالات بتا کر مشورہ لیا جاتا۔ مدد کی کوئی سبیل بنتی' ہمیشہ اپنی بیٹیوں کو فوقیت دی تھی حد سے بڑھ کر آزادی بھی دی' جس کی سزا اب وہ خود بھی بھگت رہیں تھیں۔ وہ ناعاقبت پسند عورت تھیں' وہ اپنی غلطیوں سے نہیں سیکھتی تھیں بلکہ خود ترسی کا شکار بن کر غلطیوں پر غلطیاں کرنا ہی ان کی سرشت تھی وہ عائزہ کے کمرے میں آئی۔

"عائزہ! تم تو ہر وقت روم میں بند ہو کر بیٹھی رہتی ہو' باہر نکل کر بھی دیکھ لیا کرو۔" وہ ان کے غصے کا ہدف بنی۔

"کیا ہوگیا ہے ممی؟" وہ جو سوچوں میں گم تھی گھبرا کر گویا ہوئی۔

"ابھی کچھ نہیں ہوا' مگر لگتا ہے تمہارا باپ کچھ نہ کچھ کرکے ہی دم لے گا۔" وہ غصے سے بولتیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"پاپا کو معلوم ہوگیا ہے کیا راحیل کے بارے میں؟" اس نے کارپٹ پر بیٹھ کر ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"راحیل......؟ نام مت لو اس منحوس کا' خود تو مر گیا ہمارے لیے بے شمار پریشانیاں چھوڑ گیا۔ فیاض نے اسی ہفتے تمہاری شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور سب ہی جانتے ہیں وہ جو کہتے ہیں وہ کرکے بھی دکھاتے ہیں ان کے فیصلے ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں۔" عائزہ کا چہرہ زرد پڑ گیا وہ حیرت زدہ انداز میں انہیں دیکھتی رہی جو غم و غصے کی زیادتی سے نان اسٹاپ بول رہی تھیں۔

"فیاض نے مجھے کبھی سکھ و خوشی نہ دینے کی قسم کھا رکھی ہے' اب اچانک شادی کا فیصلہ کرکے بیٹھ گئے اور میں کس طرح بھائی اور بھابی کو راضی کروں گی؟ پہلے ہی ان کے دماغ آسمان پر پہنچے ہوئے ہیں' میری کال کرنے پر تمہاری عیادت کو آئے تھے اور اماں جان کے سامنے جس طرح کرید کرید کر تمہاری طبیعت کا پوچھ رہے تھے وہ تو اماں جان کا موڈ اچھا تھا جو بھابی کے تیکھے سوالوں کا جواب مطمئن انداز میں دیتی رہیں۔ میں تو شاید ان کو ایک بھی ایسا جواب نہ دے پاتی جو بھابی اور بھائی کو مطمئن کرتا۔"

"ممی! ماموں جان ممانی سے بہت ڈیفرنٹ ہیں۔"

"ارے بس رہنے دو ماموں جان! ہونہہ کاٹھ کے الو بنے ہوئے ہیں بھابی صاحبہ کے ہاتھوں وہ دیکھتے اپنی آنکھوں سے ہیں مگر فیصلے ان کی مرضی سے کرتے ہیں' میری طرح بدنصیب نہیں ہیں بھابی صاحبہ! جو میاں بیٹی کی شادی کی پلاننگ کر رہا ہے اس کل کے بچے طغرل کو سب معلوم ہے' اگر کوئی اس قابل نہیں تو وہ میں ہوں' جس سے مشورہ تو درکنار بتانا بھی گوارا نہ کیا۔" وہ کہہ رہی تھیں معاً دروازہ کھول کر مسکراتی عائزہ اندر آئی۔

"ایک فنٹاسٹک نیوز ہے مما! آپ سنیں گی تو خوش ہوجائیں گی۔" وہ قریب بیٹھ کر ان سے لپٹتی ہوئی بولی۔

''اچھا......! کیا شیری تم سے شادی پر راضی ہوگیا ہے؟'' ایک لمحے میں ان کا غصہ غائب ہوا۔
''ایسا ہی سمجھ لیں' وہ جلد ہی پرپوز کرنے والا ہے مجھے۔ پری کی وجہ سے وہ مجھے نظر انداز کرتا تھا' آہستہ آہستہ میں اس کا دل پری کی طرف سے بدظن کرنے لگی تھی اور آج تو میں نے شیری کے دل میں پری کی طرف سے ایسی آگ لگائی ہے کہ وہ کبھی اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔''
''یہ تو بہت اچھی خبر ہے' کیا کہا تم نے پری کے متعلق شیری سے؟''

❀......❀......❀

دادی کا لاڈلا آچکا تھا ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ ابھی بھی وہ ان کی گود میں سر رکھے لیٹا تھا دادی' بہو' بیٹے' پوتے اور پوتی کی خیریت دریافت کررہی تھیں وہ بھی فرداً فرداً بڑی تفصیل سے بتارہا تھا' گاہے بگاہے اس کی نگاہیں الماری صاف کرتی پری کے چہرے پر اٹھ رہی تھیں۔ کاٹن کے سرخ و سیاہ فراک سوٹ میں اس کی شفاف رنگت دمک رہی تھی' سیاہ بارڈر والے سرخ پرنٹڈ دوپٹے میں اس کا چہرہ نمایاں ہورہا تھا۔ ستواں ناک' براؤن خوب صورت آنکھوں پر گرتی اٹھتی سیاہ پلکوں کی ریشمی جھالریں' گلاب کی پتیوں کی مانند تراشیدہ گلابی ہونٹ'
وہ خوب صورت تھی یا اس کے بدلے جذبات نے اس کے چہرے کو خوب صورت بنادیا تھا۔ یہ سوال وہ بار ہا خود سے کرتا تھا۔
''ایک مزے کی بات بتاؤں تمہیں طغرل!'' دادی نے پاندان کھول کر پان کا ٹکڑا توڑتے ہوئے کہا۔
''جی ضرور دادی جان! آپ بتارہی ہیں تو یقیناً وہ بات مزے کی ہوگی' جلدی بتایئے؟'' وہ پرتجسس انداز میں گویا ہوا۔
''تم جب سے گئے تھے وہ کمرا صرف جھاڑ پونچھ کے لیے ہی کھولا جاتا تھا' کل ہی میں نے پری سے کہا کہ جاکر اپنے کمرے میں رہو' یہ بے چاری بچی! منع کرنے لگی اور میں نے زبردستی کمرے میں بھیجا۔ رات سوئی اور صبح ہی صبح تم واپس آگئے۔'' وہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہہ رہی تھیں۔
''اوہ پور گرل! تمہارے روم نے ہی تم کو ریجیکٹ کردیا' تم وہاں گئیں تو روم نے مجھ سے کہا کہ میں فوراً واپس آجاؤں' اس کو میرے علاوہ تمہاری موجودگی ذرا بھی پسند نہیں آئی۔'' وہ اسے چڑانے والے انداز میں بولا۔
''اور دیکھو روم کی پکار سنتے ہی میں چلا آیا۔''
''خوش فہمی دل سے نکال دیجیے طغرل بھائی! اچھی نہیں لگتی۔''
''اچھا اچھا...... اب بچوں کی طرح لڑنے مت بیٹھ جانا' یہ سب اتفاق کی بات ہے' جاکر طغرل تم آرام کرو۔ سارا دن ہوگیا ہے تمہیں' سفر کی تھکان بھی تم نے نہیں اتاری کھانے کے ٹائم پر جگادوں گی۔'' قبل اس کے ان کے درمیان ازلی جنگ چھڑتی انہوں نے مفاہمتی انداز اپناتے ہوئے طغرل کو آرام کرنے کا حکم دیا وہ فوراً کھڑا ہوگیا۔
''میں ڈنر نہیں کروں گا دادی جان! لنچ میں نے ٹھیک ٹھاک کرلیا ہے۔''
''پری تم کو دودھ کا گلاس دے دے گی' گرمیوں کی راتیں تو ویسے بھی چھوٹی ہوتی ہیں جلدی گزر جاتی ہیں اگر بھوک لگے تو اٹھا دینا۔'' دادی کی تلقین پر وہ سر ہلاتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔
''پری! کیا بات ہے بیٹی! میں دیکھ رہی ہوں تم پریشان ہو' الماری کے تمام کپڑے تم نے بار بار تہہ کیے ہیں' ہر کپڑے اور بیڈ شیٹ کو بار بار جھاڑا ہے گویا کسی شے کی تم کو تلاش ہے۔ کیا ڈھونڈ رہی ہو؟'' وہ طغرل کے جانے کے بعد پری سے گویا ہوئیں جو الماری میں کپڑے ترتیب سے رکھ رہی تھی اس کے چہرے پر بے حد پریشانی و تفکر پھیلا ہوا تھا۔
''دادی جان! میرے فوٹو گراف نہیں ہیں۔''
''اچھی طرح سے دیکھو کہاں جائیں گے؟ پریشان کیوں ہوتی ہو؟''
''آپ کے سامنے ہر کپڑے کو اچھی طرح جھاڑ کر دیکھا ہے میں نے' پھر مجھے یاد ہے بیڈ شیٹ کے نیچے رکھی تھیں وہ تمام فوٹو گراف لفافے سمیت مگر یہاں وہ موجود ہی نہیں ہیں۔'' دادی خود اٹھ کر الماری کے پاس آئیں اور دیکھنے لگیں مگر

وہاں پر لفافہ ہوتا تو وہ ملتا وہ بھی تھک ہار کر بیٹھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"یہ کیسی اچنبھے کی بات ہے نہ کوئی آیا نہ گیا اور لفافہ ہی غائب ہوگیا۔ مجھے بھی یاد ہے تصویریں میرے سامنے تم نے الماری میں رکھی تھیں۔"

"میری غیر موجودگی میں شیری یہاں اس روم میں آتا رہا ہے آپ کے پاس، کہیں یہ حرکت اس کی ہی تو نہیں ہے دادی؟" وہ الماری بند کرکے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"نہیں نہیں پری! اتنی بدگمانی بھی اچھی نہیں ہے وہ بچہ ایسا نہیں کرسکتا پھر بھلا اس کو کیا معلوم تصویریں وہاں رکھیں ہیں؟" دادی نے سختی سے اس کی بات رد کی، پری نے مزید کچھ کہا بھی نہیں کہ اپنی بات میں وزن اسے خود بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"پھر وہ تصویریں کون لے سکتا ہے؟ کوئی کیا کرے گا تصویریں لے کر؟"

"معاملہ اللہ پر چھوڑ دو، خود کو ہلکان کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"جی دادی جان! میں تو ہر معاملہ اللہ پر چھوڑ دیتی ہوں، یہ بھی اللہ کے سپرد کیا...... آپ کے لیے چائے لاؤں؟" وہ گہری سانس لے کر کھڑی ہوئی اور ان سے دریافت کیا۔

"السلام علیکم اماں جان!" فیاض صاحب نے اندر آتے ہوئے سلام کیا اور سنجیدہ لہجے میں پری سے مخاطب ہوئیں۔

"ایک کپ چائے میرے لیے بھی لے آنا۔"

"جی پاپا!" وہ کہہ کر کمرے سے نکل آئی، کچن میں ملازمہ برتن دھو رہی تھی پری کو دیکھ کر مسکرائی۔

"خیرون! تم ابھی تک گھر نہیں گئیں؟" وہ فریج سے دودھ کا پیکٹ نکالتے ہوئے گویا ہوئی۔

"بیگم صاحبہ نے میری ڈیوٹی بڑھادی ہے وہ کہہ رہی تھیں میں رات تک کام کروں وہ پیسے زیادہ دیں گی۔ طغرل صاحب بھی آ گئے ہیں، کام بھی بڑھ گیا ہے اس لیے جی۔"

"اوہ...... یہ بات دادی جان کے سامنے کرنا، وہ طغرل بھائی کا نام سن کر تمہاری ملازمت ختم کریں گی اور ممی کو الگ سنائیں گی۔" اس نے ساس پین میں دودھ ڈالنے کے بعد برنر جلایا اور ۔ ن سے چینی اور پتی کے جار نکال کر رکھ رہی تھی۔

"او...... ہاں بی بی جی! ٹھیک کہہ رہی ہو آپ اماں جان نے تو مجھے چٹیا پکڑ کر باہر نکال دینا ہے پھر سچی بات تو یہ ہے طغرل صاحب کا کام زیادہ تر آپ خود ہی کرتی ہیں۔" ملازمہ روانی میں جو کہہ گئی تھی اس پر سخت بدحواسی کا شکار ہوئی۔

"تم اتنا ڈرو مت اماں کو پتا نہیں چلے گا، میں ایسی باتیں نہیں کرتی۔"

"ہاں بی بی جی! یہ ایک آپ ہی تو ہیں جن کی وجہ سے ہم جیسے غریبوں کو آسانی مل جاتی ہے آپ بے حد خیال رکھتی ہیں، بی بی جی! میں کئی دنوں سے آپ کو ایک بات بتانا چاہ رہی تھی۔" وہ ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی رازدارانہ انداز میں گویا ہوئی۔ دودھ میں پتی ڈالتی پری نے حیرانی سے اس کو دیکھا۔

"ایسی کیا بات ہے جو اتنی احتیاط برت رہی ہو؟"

"بات ہی ایسی ہے بی بی جی! میں ابھی آتی ہوں۔" وہ کچن سے چلی گئی۔ چند لمحوں بعد آئی تو اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم...... کیا ہوا ہے؟" وہ جھنجلائی۔

"میں دیکھنے گئی تھی بیگم صاحبہ، عادلہ اور عائزہ بی بی اردگرد کہیں موجود تو نہیں ہیں، باہر کوئی نہیں ہے۔ بی بی جی کچھ دن پہلے میں نے عادلہ بی بی کو دیکھا تھا، وہ یہاں کھڑی چولہے پر رکھ کر کچھ جلا رہی تھیں، جلانے سے پہلے انہوں نے مجھے کچن سے نکال دیا تھا۔ میں نے باہر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا ان کی میری طرف پشت تھی۔"

"بلاوجہ کیوں سسپنس پیدا کر رہی ہو، جلا رہی ہوگی وہ کچھ اور تم کو معلوم ہے مجھے اس قسم کی باتیں پسند نہیں ہیں اپنے کام سے کام رکھا کرو۔" وہ چائے نکالتے ہوئے غصے سے بولی۔

"میری ایسی عادت نہیں ہے یہ آپ جانتی ہیں مگر جو عادلہ بی بی جلا رہی تھیں وہ آپ کی تصویریں تھیں، میں نے خود کھڑکی سے دیکھا تھا۔"

❀......❀......❀
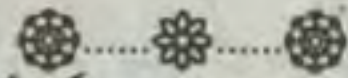
"فیاض! یہ فیصلے بہت سوچ سمجھ کر کیے جاتے ہیں بیٹا! شادی بیاہ گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے یہ عمر بھر کا بندھن ہوتے ہیں۔" اماں جان نے ان کی بات سننے کے بعد تحمل سے سمجھایا۔

"میں نے ہر طرح سے سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے اماں جان! عائزہ کو میں اس ہفتے ہی شادی کرکے رخصت کردینا چاہتا ہوں اب مجھے صرف آپ کی رائے کی ضرورت ہے۔"

"جب تم نے فیصلہ کرلیا ہے تو میری رائے کی بھلا کیا اہمیت رہ جاتی ہے، جو تم کو کرنا ہے وہ تم کرو مت پروا کرو میری۔" ان کے سرد مہر انداز پر فیاض نے ان کی طرف دیکھا اماں کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی جو ان کی خفگی ظاہر کر رہی تھی۔

"اماں جان! آپ ناراض ہوگئی ہیں مجھ سے؟" ان کے لہجے میں صدیوں کی تھکن اتر آئی وہ ازحد دلگرفتہ ہوئے۔

"خوش ہونے والی بات بھی تم نے نہیں کی ہے فیاض! بھلا بتاؤ گھر کی پہلی شادی، پہلی خوشی ہے۔ جس کی محض تیاریوں میں ہی ہفتوں کی مدت چاہیے اور تم کہہ رہے ہو اس ہفتے میں ہی شادی کردو بچی کی گویا شادی نہ ہوئی کوئی جرم ہے جو سب سے چھپ کر کیا جائے۔" وہ حسب عادت ان کو کھری کھری سنا رہی تھیں۔

"ہم خاندانی لوگ ہیں کوئی اٹھائی گیرے نہیں ہیں، جو اس طرح اپنی بیٹی کسی کو پکڑا دیں جیسے کوئی بوجھ اتار پھینکا ہو۔"

"آپ کا غصہ حق بجانب ہے اماں جان! میں ان تمام تقاضوں کو سمجھتا ہوں خاندان کی رسوائی مجھے بھی منظور نہیں ہے اگر عام حالات ہوتے میں عائزہ کو اسی شان و شوکت سے رخصت کرتا، جو ہمارے خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے...... آہ! لیکن عائزہ نے خاندان کو رسوا کرنے میں کوئی کسر کہاں چھوڑی۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں، میرا اعتماد صباحت کی بیٹیوں پر سے اٹھ گیا ہے۔" بیٹے کی آنکھوں میں اترتی نمی دیکھ کر اماں جان کا چہرہ بھی دھواں دھواں ہوا، کانپتے ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر رسانیت سے گویا ہوئیں۔

"اس طرح بدگمان مت ہو بیٹا، جو ہوا سو ہوا، ہمیں کچھ معلوم ہی نہیں ہے اور اب بہتری اسی میں ہے کہ ہم کچھ معلوم نہ کریں، تم نے یہ کیا کہا صباحت کی بیٹیاں؟ وہ تمہاری بھی بیٹیاں ہیں۔ صباحت اپنے جہیز میں ان بیٹیوں کو نہیں لائی تھی۔"

"آپ بالکل بھی میرے سامنے اس عورت کی طرفداری نہ کریں، یہ سب اس عورت کی ہی بے پروائی و آزادی کا نتیجہ ہے، مجھے اگر اپنی بیٹیوں کا خیال نہیں ہوتا میں ایک دن بھی صباحت کو یہاں رکھنے والا نہ تھا۔ وہ اچھی بیوی، ماں اور عورت کہلانے کے لائق ہے ہی نہیں، وہ ہر مقام پر ناکام عورت ہے۔" وہ سخت بدظن و کبیدہ تھے۔

"بات دراصل یہ ہے فیاض! جب کسی مرد کے دل کو کوئی عورت بھا جائے پھر وہ عورت کبھی بھی اس مرد کے دل سے نکل نہیں پاتی۔ تم کو مثنیٰ سے ایسی محبت ہوئی کہ اس کے گھر سے جانے کے باوجود وہ تمہارے دل سے نہ جاسکی، ڈھیروں سال گزرنے کے بعد وہ آج بھی تمہارے دل میں پہلے دن کی طرح موجود ہے۔" اماں جان نے اپنے محسوسات ان پر ظاہر کردیئے۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں اماں جان آپ! یہ کوئی موقع ہے ایسی باتیں کرنے کا؟ شاید آپ درست کہتی ہیں میں نے مثنیٰ سے محبت دل کی گہرائیوں سے کی ہے اور اس محبت کی قدر نہ کرسکا، اسی زیادتی کی سزا مل رہی ہے مجھ کو!" وہ ذہنی طور پر اس قدر پریشان تھے کہ پل بھر میں اپنی بات کی نفی کر رہے تھے۔ اماں نے دزدیدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"تم پریشان مت ہو جو بھی معاملہ ہے ہوشمندی سے سنبھالنا ہوگا۔ غصہ و جلد بازی بچی کے مستقبل کو بگاڑ دے گی، کس کس کو بتاؤ گے آناً فاناً شادی کرنے کا جواز؟ پھر اپنے سب سے پہلے انگشت نمائی کرتے ہیں غیر تو بعد میں ہی باتیں بنایا کرتے ہیں۔ یہ اپنی صباحت کی ماں کو کم مت سمجھنا، وہ سب سے پہلے طوفان مچائیں گی کہ جتنی زمین کے اوپر ہیں اس

سے کہیں زیادہ زمین کے نیچے وجود رکھتی ہیں۔"

❀......❀......❀

صبح کے دھندلکے میں ان کی گاڑی ایک شاندار محل کے مضبوط گیٹ کے سامنے رکی تھی۔ وہ محل نما عمارت وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی یہ ایک پوش علاقہ تھا۔ جہاں بلند بالا عمارتیں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر گیٹ باوردی چوکیدار نے کھولا' گاڑی اندر پورچ میں رکی۔ کار سے باہر نکلتے ہوئے اس نے دیکھا ایک جانب لائن سے سرونٹ کوارٹرز بنے ہوئے تھے سارا لان سرسبز تھا' پھولوں کی کیاریاں مہک رہی تھیں' کھجور کے درختوں کی بہتات تھی۔ جیسے ہی وہ اور غفران احمر گاڑی سے باہر آئے' کئی خادمائیں وہاں سلام کرتی ہوئی آ گئی تھیں ان میں سے ایک گندمی رنگت والی خادمہ نے غفران احمر کو سلام کیا اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا تھا۔

"سرکار! اس بار آپ نے بہت ٹائم لگایا' ہم پریشان ہو گئے تھے۔ سب خیریت تو رہی نا؟" اس خادمہ نے بڑے لگاوٹ بھرے انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔

"سب خیریت رہی دلربا! ایک ہیرے کی تلاش میں ہم نکلے تھے' وہ ہیرا ہمیں مل گیا بس اس کو حاصل کرنے کی تگ و دو میں ٹائم گزرنے کا معلوم ہی نہیں ہوا۔" غفران احمر نے بے تکلفی سے خاموش کھڑی ماہ رخ کا بازو پکڑ کر دلربا کی طرف کرتے ہوئے پھر حکمیہ انداز میں کہا۔

"آج سے اس ہیرے کی حفاظت تم کرو گی دلربا!"

"جو آپ کا حکم سرکار! بے فکر رہیے شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

"ہم آرام کرنے جا رہے ہیں جب تک تم اس کو بھی یہاں رہنے کے طور طریقے سمجھاؤ' شام میں ملاقات ہوگی۔" غفران احمر حکم دے کر چلا گیا اس نے مڑ کر ماہ رخ کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا کہ وہ اس کی نگاہ میں کوئی معزز ہستی نہ تھی۔

"ہوں...... نام کیا ہے تمہارا؟" دلربا خاصی دیر تک اس کا ناپسندیدہ نظروں سے جائزہ لینے کے بعد سخت لہجے میں پوچھنے لگی اس نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموش کھڑی رہی۔

"میں تم سے پوچھ رہی ہوں' تمہارا کیا نام ہے؟"

"کوئی نام نہیں ہے میرا۔" وہ سپاٹ لہجے میں گویا ہوئی تو دلربا نے زوردار طمانچہ اس کے چہرے پر مارتے ہوئے غصے سے کہا۔

"بدبخت! مجھے دماغ دکھانے کی ضرورت نہیں ہے' تیرے یہ ناز و ادائیں اس بڈھے کو ہی دیوانہ بنا سکتی ہیں۔ میرے سامنے زیادہ اپنے حسن پر اترانے کی کوشش بھی کی تو وہ حال کروں گی تیرا...... وہ بڈھا تجھ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرے گا ہونہہ!" وہ فربہ مائل عورت تھی' پچاس کے لگ بھگ اس کی عمر تھی بھرے بھرے جسم پر اس نے تربوزی رنگ کی ساڑھی باندھی ہوئی تھی جس میں سے اس کا آدھا جسم عریاں ہو رہا تھا۔ کانوں میں اس نے طلائی آویزے پہنے تھے' گلے میں کئی طرح کی چین جھول رہی تھیں' بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹ رکھا تھا اور چہرے پر تیز میک اپ تھا۔ وہ غفران کی چہیتی ملازمہ تھی جو اس پر اپنا ہی حق سمجھتی تھی اور اس کی حکمرانی تھی' اب ماہ رخ کی خوب صورتی و کم عمری اس کے لیے خطرہ تھی۔

❀......❀......❀

وہ کمرے میں آیا' چمکتا دمکتا خوشبوؤں سے مہکتا کمرا اس کے استقبال کے لیے موجود تھا بے شکن بستر دیکھ کر اس کو یاد آنے لگا وہ گزشتہ کئی دنوں سے پوری نیند نہیں لے پا رہا تھا۔ صباحت کی کال اور چھوٹی جان کر اس کی نیند از خود ہی اڑ گئی تھی اور یہاں آ کر بھی اس کا سارا دن پریشانی میں ہی گزرا تھا' کبھی چچا کو سمجھاتے ہوئے تو کبھی صباحت کو تسلیاں دیتے ہوئے اور باقی وقت دادی جان کی سنگت میں گزرا تھا۔ وہ بستر پر لیٹا حسب عادت ایک تکیے پر سر رکھنے کے بعد دوسرا تکیہ اس نے منہ پر رکھ لیا پھر دفعتاً کئی لمبی لمبی سانسیں لیں۔ تکیے میں سے بہت دلفریب مہک آ رہی تھی۔ اس مہک نے اس

کے روم روم میں ایک سرشاری دوڑا دی۔ بڑی مانوس، بے حد سحر انگیز مہک تھی۔

"ایک مزے کی بات تمہیں بتاؤں طغرل!" دادی کی شوخی بھری آواز اس کی سماعت میں گونجی تو اسے یاد آیا، کل رات یہاں پری سوئی تھی اور یہ مہک اس کے بالوں کی ہے۔

"اوہ......! میں اس طرح نہیں سو پاؤں گا، یہ مہک مجھے ایموشنل کررہی ہے۔" وہ بیڈ سے اٹھ گیا، نیند ہوا بن کر اڑ گئی تھی وہ کئی لمحوں تک سر تھام کر بیٹھا رہا، اپنے جذبات پر حیران ہوتا رہا۔ اس کے اعصاب کس طرح سے کمزور پڑ گئے تھے۔

وہ بھی ایک کمزور سی لڑکی کی خاطر، جس لڑکی کو کل تک اس نے کوئی اہمیت نہ دی تھی۔ بات بے بات اس کا مضحکہ اڑاتا رہا تھا۔ نامعلوم کس لمحے وہ لڑکی اس کے دل میں براجمان ہوگئی تھی اور اس طرح ہوئی کہ اس کو بالکل ہی بے دم کردیا۔ وہ کمرے سے نکلا تو ملازمہ کوریڈور سے گزر رہی تھی اس کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگی۔

"صاحب! کچھ چاہیے تو مجھے بتائیں؟"

"نہیں شکریہ! ہاں وہ پری کو کہہ دیں میں دوسرے روم میں سو رہا ہوں، وہ اپنے روم میں سو جائیں۔" وہ کہہ کر چلا گیا۔

❁......❁......❁
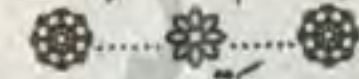
"توبہ توبہ...... کیا وقت آ گیا ہے وہ پنکی چہرے سے کتنی معصوم اور بے زبان دکھائی دیتی تھی، مجھے تو بالکل یقین نہیں آرہا ہے۔ پنکی اس طرح کی لڑکی ہوگی اندر سے؟" وہ بوجھل قدموں سے اندر داخل ہوا تب ہی اسے مما کی آواز سنائی دی، وہ سیل فون پر اپنی بیٹی شازمہ سے بات کررہی تھیں۔ لاؤنج میں ان کی حیرت آمیز آواز پوری طرح سے گونج رہی تھی۔

"ہاں بھئی! پرابلمز تو کری ایٹ ہوں گی، وہ شادی شدہ نہیں ہے اور ماں بننے والی ہے۔ مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں آرہا وہ بہت خوب صورت اور معصوم ہے لیکن حرکتیں دیکھو ذرا...... کس دلیری سے خاندان کا نام رسوا کرتی رہی اور ہوش اب آیا ہے جب پانی سر سے گزر گیا۔ سچ بات ہے آج کل چہرے دھوکہ دیتے ہیں کسی پر اعتبار کا وقت ہی نہیں رہا اور تمہارے میاں اور سسر کا کیا حال ہے، بیٹی کے بارے میں ایسے وقت میں جب وہ گھر بیٹھے ماں بننے جارہی ہے؟" وہ فکر مندی سے بیٹی سے اس کی نند کے متعلق معلومات لے رہی تھیں۔ شیری نے ان کے پاس جانے کا ارادہ ملتوی کرکے اپنے روم کی راہ لی اس کے دل کی دنیا میں طوفان برپا تھا۔

عادلہ نے پری کے بارے میں جو انکشافات کیے تھے وہ بڑے اذیت ناک تھے۔ پری ایسی لڑکی تھی جس کو اس نے دل سے چاہا تھا اور عمر بھر کے لیے اس کو اپنا بنانے کی تمنا کی تھی گوکہ پری نے پہلے دن سے ہی اس کی بے عزتی کی تھی اس کی چاہت کو تذلیل کا نشانہ بنایا تھا۔ شہریار کو اس کی یہی ادا، یہی سادگی دیوانہ بنا گئی تھی ویسٹرن سوسائٹی میں وہ بہت ٹائم گزار کر آیا تھا اور وہاں رہ کر وہ ان لوگوں کے طور طریقوں پر چلتا رہا تھا اس کے لیے صنف مخالف کی ذات پُرکشش نہ رہی تھی اور نہ ہی قابل احترام و عزت اور یہاں آ کر پہلی ملاقات میں اسے احساس ہوا عورت ایک تقدس و پاکیزگی کا نام ہے۔ عورت کی حیا، کردار کی پختگی و بے لچک مزاج اس کے گرد ایسی پاکیزگی کا حصار قائم کردیتا ہے کہ کسی مرد کی خراب نگاہیں اس کی سمت اٹھنے کی جرأت ہی نہیں رکھتی۔ وہ بھی پری کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے میں جھجک محسوس کرتا، ایک بے حد اونچا مقام وہ پری کو دے چکا تھا اور سوچا تھا کہ عادلہ سے دوستی کرکے رفتہ رفتہ اس کی پسند ناپسند معلوم کرکے اس کی پسند کے سانچے میں خود کو ڈھال لے گا پھر اس کے لیے پری کو حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں رہے گی لیکن عادلہ نے جو کچھ بتایا وہ سن کر اس کے اندر آگ بھڑک اٹھی تھی۔

"پری کے افیئرز کی خبر سننے پر تم کیوں اس قدر مضطرب ہوگئے ہو؟ تمہارے لیے یہ سب نیا تو نہیں ہے پھر تم خود کہاں کے پارسا ہو؟ تم بھی تو اپنی گرلز فرینڈز کے ساتھ وقت ضائع کرتے رہے ہو۔ تمہاری تیس سالہ لائف میں کتنی گرلز آئیں اور گئیں اگر کاؤنٹ کرنے بیٹھو گے تو ان گرلز کی تعداد بھی یاد نہ ہوگی پھر پری کے اس کے کزن کے ساتھ تعلقات کا سن کر اتنے حساس ہوگئے ہو؟" وہ اپنے آپ سے الجھتا ہی جارہا تھا۔

"مردوں کو ایسی اونچ نیچ سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے مگر عورت اپنی شرم و حیا کو پسِ پشت ڈال کر نفس کی گمراہ راہوں پر

چلے تو اپنے منصب سے گر جاتی ہے لیکن میں یقین اور بے یقینی کے دوراہے پر موجود...... میرا دل کہتا ہے پری ایسی نہیں ہے پر عادلہ کی بات کو بھی رد کرنا ممکن نہیں۔ مما بھی کال پر پنکی کے مطابق بات کررہی ہیں، پنکی کو دیکھا ہے میں نے بہت معصوم اور کیوٹ لڑکی ہے وہ، کم گو اور شرمیلی۔ وہ کہیں انگیج بھی نہیں ہے اور حاملہ ہے۔ ایسی بھولی و معصوم صورت لڑکی۔ مما ٹھیک کہتی ہیں چہرے دھوکہ دیتے ہیں کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔" وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا اس کے انداز میں عجیب وحشت و جنون تھا۔

"میں نہیں جانتا میں پری سے محبت کرتا ہوں یا نہیں؟" سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لیتا ہوا وہ مسلسل پری کے متعلق سوچے جارہا تھا۔ عادلہ کے جملے سماعتوں میں گونج رہے تھے، وہ گھائل ہوتا رہا۔

"میں اسے پانا چاہتا ہوں یا نہیں؟ میں نہیں جانتا مگر میں اس کو کسی اور کے ساتھ دیکھنا بھی گوارا نہیں کرسکتا۔" اس نے سگریٹ جنونی انداز میں ایش ٹرے میں مسل دی۔

❁......❁......❁
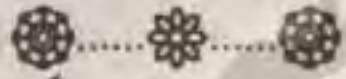
فیاض کی سادگی سے شادی کرنے پر صباحت کے ارمان برف ہوگئے تھے، کوئی اور موقع ہوتا تو وہ کسی صورت یہ ہونے نہیں دیتیں، وہ ایک نمائش پسند عورت تھیں خود نمائی و خود پسندی اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ فیاض صاحب کے فیصلے پر انہوں نے واویلا بہت کیا جس میں عادلہ نے بھی ان کا ساتھ دیا وہ بھی ماں کی طرح اس کی شادی دھوم دھام سے کرنے کی خواہش مند تھی۔ فیاض صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے خلافِ عادت ان ماں بیٹیوں کی زبردست کلاس لی۔ عائزہ تو مارے شرمندگی و خوف سے ان کے سامنے بھی نہیں آئی مگر کمرے کے کھلے دروازے سے باپ کی لعن طعن کرتی آوازیں اس کو صاف سنائی دے رہی تھیں اور وہ کانپتی ہوئی اپنی لغزشوں پر خاموش آنسو بہا رہی تھی۔ صباحت اور عادلہ بھی اپنی ساری اکڑ و سرکشی بھول کر فیاض کے غصے اور جلال کو دیکھ کر بھیگی بلی بن گئی تھیں۔

فیاض نے شادی کی تیاری پری اور اماں کے ذمہ ڈال دی تھی اور ان تینوں ماں بیٹیوں کو ان تیاریوں سے دور رہنے کو کہا تھا، اماں نے بھی ان کے خونخوار موڈ کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرلی تھی کہ وہ دیکھ رہی تھیں اپنی غلطی ہونے کے باوجود بھی صباحت ذرا لچک دکھانے کو تیار نہ تھیں اور عادلہ بھی ماں کا ساتھ دے رہی ہے۔ فیاض کے منع کرنے پر وہ پیچھے ہی رہی تھیں کسی کام سے سروکار نہ رکھا، اماں نے اس کو سامان کی لسٹ بنا کردی اور ساتھ ہی طغرل کو حکم دیا کہ وہ پری کو شاپنگ سینٹر لے جائے، طغرل نے فوراً ہی حامی بھرلی۔

"شاپنگ کرنا آتی ہے تمہیں؟" اس نے گیٹ سے نکلتے ہی سوال کیا۔

"جی ہاں! تب ہی دادی جان نے بھیجا ہے مجھے۔"

"ہوں! ڈریسنگ تمہاری ہمیشہ بہترین ہوتی ہے، عائزہ کے لیے گارمنٹس سلیکشن لاجواب کروگی۔" وہ اس کی وہائٹ اینڈ پنک فراک سوٹ پر ستائشی نظریں ڈال کر گویا ہوا۔

"ڈریسز اینڈ جیولری، سینڈلز وغیرہ میں عائزہ کی پسند کے خریدوں گی ابھی تو کراکری، بیڈ شیٹس، بلینکٹس وغیرہ کی خریداری کرنی ہے۔" اس کے لہجے میں بڑی بہنوں جیسی ذمہ داری و احساس تھا، جو طغرل نے گہرائی سے محسوس کیا اس کو مسرت ہوئی اس کی فراخدلی پر۔

"ایک بات پوچھوں تم سے، برا تو نہیں مانو گی؟" وہ ایک دم ہی سنجیدہ ہو کر گویا ہوا۔

"جی! ضرور پوچھیں۔" پری نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پُر اعتماد انداز میں کہا۔

"عائزہ کی اس طرح شادی ہونا تم کو کیسا لگ رہا ہے؟"

"پاپا جو کررہے ہیں اس میں عائزہ کی بہتری ہوگی۔"

"تم کو فیل نہیں ہوتا چچا جان اس کے ساتھ ساتھ خود کو بھی سزا دے رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے وہ سوچتے ہوں گے کہ میں نے ان پر اتنا بھروسہ کیوں کیا؟ ان کی ذمہ داری تھی بچیوں پر نظر رکھنا اور وہ ایسا نہ کرسکے؟"

"نہیں! آپ کی سوچ بالکل فضول ہے یہ ڈیوٹی ممی کی ہے پاپا اپنی ذمہ داریوں کو ایک بہترین اور محبت کرنے والے فادر کی طرح انجام دے رہے ہیں۔ ممی نے سب کچھ جانتے بوجھتے ان کو من مانی کی اجازت دی اور اب بھی اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی پاپا سے سب کچھ چھپایا انہوں نے جو انہیں نہیں چھپانا چاہیے تھا۔"

"ویری نائس! میں تم میں بہت پھرتی دیکھ رہا ہوں بے حد پُراعتماد لگ رہی ہو اور بہت خوش بھی کیا وجہ ہے خوشی کی؟" وہ پری کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا کر بولا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا؟" اس کا موڈ ایک دم ہی بدلا۔

"آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں عائزہ پر جو گزری اس پر میں خوش ہوں۔ پاپا ممی دادی کو اداس دیکھ کر میں خوش ہو رہی ہوں؟"

"اوہ! میرا یہ مطلب نہیں تھا پری!" وہ پریشان ہوگیا۔

"یہی مطلب تھا آپ کا میں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"میرا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا تم بلاوجہ بات کو بڑھا رہی ہو۔"

"ہونہہ! میں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ پلیز گاڑی روکیں۔" طغرل کی بات اس کے جذبات بُری طرح مجروح کر چکی تھی وہ غصے سے اس کا بازو جھنجوڑتی ہوئی گویا ہوئی۔ اس کی اس بے وقوفی سے کار بُری طرح لہرا گئی تھی اردگرد سے گزرنے والے لوگوں کی نگاہیں ان کے اوپر اٹھی تھیں۔

"کول ڈاؤن پری! یہ کیا حماقت ہے؟ ابھی گاڑی کسی بھی سے بھی ٹکرا جاتی کیوں پرابلمز کری ایٹ کرنا چاہتی ہو۔"

"میں نے کہا کار روکیں میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی تم خوامخواہ بات بڑھا رہی ہو۔ میرا یہ مقصد بالکل بھی نہیں تھا جو تم سمجھ رہی ہو میں تمہارے اندر تبدیلیاں دیکھ کر بے حد خوش ہوں لاسٹ ٹائم میں یہاں سے گیا تھا تم ڈسٹرب تھیں تمہاری پرسنالٹی میں کمپلیکس نظر آتا تھا۔" وہ نرمی سے اس کو سمجھانے لگا اور وہ بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ "میں جانتا ہوں تم ان لوگوں سے کتنی محبت کرتی ہو تم ان کے لیے بُرا چاہو گی میں یہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"سوری طغرل بھائی! میں سمجھی آپ مجھے عائزہ......"

"پلیز کچھ مت کہو میں جانتا ہوں تم کو بہت اچھی طرح سے۔" اس کے وجیہہ چہرے پر محبت تھی۔ نگاہوں میں دیپ روشن ہونے لگے تھے عجیب سی لو تھی ان آنکھوں میں پری نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لی۔ دل تھا کہ بے ہنگم انداز میں دھڑکے جا رہا تھا وہ غیر ارادی طور پر کچھ اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"ارے کیا گیٹ توڑ کر باہر نکلنے کا ارادہ ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھے بنا شوخی سے بولا۔

"ایزی ہو کر بیٹھ جاؤ آدم خور ہرگز نہیں ہوں۔" جواباً وہ کچھ نہیں بولی کچھ توقف کے بعد طغرل کی بھاری آواز اس خاموشی کے آئینے کو توڑتی ہوئی ابھری۔

"پری......! میں نے ڈیڈی سے بات کی ہے۔"

"کیسی بات؟" وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

"تم کو ان کی بہو بنانے کی۔"

"دماغ درست ہے آپ کا طغرل بھائی؟"

(ان شاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

دلوں میں دوریاں اتنی نہیں تھیں
بظاہر ہم میں جتنے فاصلے تھے
اسے معلوم کیا ہم اس کی خاطر
چراغوں کی طرح شب بھر جلے تھے

"حرم پلیز! فوراً گھر آجائیے۔" عبیر کی آواز سن کر حرم علی شاہ کی بھنویں تن گئیں۔

"خیریت تو ہے عبیر! تم رو رہی ہو؟" اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال تن گیا۔

"مما کو کچھ ہو گیا ہے، وہ ہوش میں نہیں آرہی ہیں۔" عبیر اعظم علی شاہ نے روتے ہوئے بتایا۔

"تم نے ڈاکٹر کو بلایا کیا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں! مجھ سے ان کا نمبر نہیں ملایا جارہا، آپ کو بھی ری کال کیا ہے۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، میں پہنچ رہا ہوں۔" حرم ریسیور کریڈل پر ڈال کر اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا پھر کچھ سوچ کر اس نے ڈاکٹر افتخار کا نمبر ملایا اور انہیں "الجنت" پہنچنے کا کہا۔ پھر خود آفس سے باہر نکل آگیا۔ صبح ہی تو وہ "الجنت" گیا تھا۔ شاہ چاچی کو ہشاش بشاش دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ مالی سے پودوں کی کاٹ چھانٹ کروا رہی تھیں۔ اس وقت عبیر کی زبانی شاہ چاچی کی بے ہوشی کا سن کر اسے دھچکا لگا تھا۔ ذہنی رو خود بخود اعظم علی شاہ اور الوینہ کی سمت مڑ گئی تھی۔ اسے دوپہر میں ہی خبر مل چکی تھی۔ اعظم علی شاہ اور الوینہ صبح ہی اسلام آباد سے کراچی پہنچ چکے ہیں۔ کیا خبر وہ "الجنت" بھی گئے ہوں۔ اسے جلد از جلد "الجنت" پہنچنا ہوگا۔ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ عبیر اضطرابی کیفیت میں رابعہ شاہ کے بیڈ روم میں موجود تھی۔ جب کہ رابعہ شاہ بیڈ پر بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھیں۔ عبیر اسے دیکھتے ہی سرعت سے اس کی جانب بڑھی اور اس کا بازو تھام کر رونے لگی۔

"ریلیکس عبیر! یہ بتاؤ اچانک کیا ہوا شاہ چاچی کو؟ صبح تو میں ان سے مل کر گیا ہوں۔ اس وقت تو بالکل ٹھیک تھیں۔" اس نے عبیر کا سر تھپکتے ہوئے پوچھا۔

"میں گھر پر نہیں تھی۔ ثانیہ کی طرف گئی ہوئی تھی۔ جب واپس آئی تو مما اپنے روم میں بے ہوش پڑی ملیں۔ میں نے اور زینت بی نے بمشکل انہیں بیڈ پر لٹایا ہے۔" اس نے سرخ ہوتی آنکھوں سے اپنی ماں کے بے حس و حرکت وجود کو دیکھا۔ جن کے سینے میں سانس کا ارتعاش جسم میں زندگی کو ظاہر کر رہا تھا۔

"زینب بی بتا رہی تھیں کہ پاپا آئے تھے اور کسی بات پر برہم ہو رہے تھے۔" وہ شرمندہ سے لہجے میں بتانے لگی۔ اسے اپنے والدین سے بے حد پیار تھا۔

"مجھے بھی یہی شک تھا کیونکہ چاچو اور الوینہ آج صبح کراچی پہنچے ہیں۔" حرم نے مڑ کر کمرے کے دروازے کی جانب دیکھا جہاں زینب بی کی ہمراہی میں ڈاکٹر افتخار کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ حرم انہیں لے کر شاہ چاچی کے بیڈ کی جانب بڑھا۔ جب کہ عبیر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

چھ ماہ پہلے تک وہ بہت باہمت لڑکی ہوا کرتی تھی۔ چھوٹی موٹی پریشانیوں کو تو وہ چٹکیوں میں اڑاتی تھی۔ مگر چھ ماہ پہلے رابعہ شاہ کو ہونے والے مائنر اٹیک نے اس کے سارے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ ایک خوف سا اس کے دل میں پنجے گاڑ کر بیٹھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آج رابعہ شاہ کی حالت دیکھ کر وہ خود پر اختیار کھو بیٹھی تھی۔ "ڈاکٹر چیک اپ کرنے کے بعد اب حرم کو رابعہ شاہ کے بارے میں بتا رہے تھے۔ ان کا شوگر لیول لو ہو گیا تھا۔ حرم کے وجیہہ چہرے پر گمبھیر سنجیدگی طاری تھی۔ رابعہ شاہ کو انجکشن لگانے کے کچھ دیر بعد ڈاکٹر افتخار رخصت ہو گئے۔ حرم اور عبیر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ جب کہ رابعہ شاہ کی دیکھ بھال کے لیے زینب بی ان کے کمرے میں موجود تھیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد زینب بی نے لاؤنج میں آ کر رابعہ شاہ کے ہوش میں آنے کی اطلاع

دی تو وہ دونوں رابعہ شاہ کے کمرے میں آ گئے۔ جہاں وہ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھیں۔ عبیر اور حرم کو ساتھ دیکھ کر ان کے خوب صورت چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ منظر ان کی زندگی کا حاصل تھا۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ یہ منظر کبھی بکھرنے نہ پائے۔ عبیر نے ان کے دائیں جانب جگہ سنبھال کر ان کا ہاتھ لبوں سے لگا لیا جب کہ حرم ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گیا۔ پانچ سال کی عمر میں وہ ماں کی گود سے محروم ہو گیا تھا اور تب سے شاہ چاچی کی آغوش میں اسے ممتا کی گرمی ملتی رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شاہ چاچی کی صحت کے لیے ہمہ وقت پریشان رہتا تھا۔

"اعظم علی شاہ آئے تھے۔" رابعہ شاہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"جی! میں جانتا ہوں۔" حرم نے جواب دیا۔ عبیر خاموشی سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔

"مگر تم ان کی آمد کے مقصد سے ناواقف ہو۔" انہوں نے ایک نظر خاموش بیٹھی عبیر پر ڈالی پھر مزید گویا ہوئیں۔

"ان کا خیال ہے کہ عبیر تمہارے ساتھ خوش نہیں رہے گی۔ اس لیے وہ عبیر کی جانب سے خلع کے کاغذات بنوانے والے ہیں۔" رابعہ شاہ کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ عبیر بھی ہراساں نظر آرہی تھی جب کہ حرم علی شاہ پُرسکون انداز میں بیٹھا تھا۔ یہ بات اس کے لیے غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ الوینہ کوئی نہ کوئی گل کھلا کے رہے گی۔ گزشتہ کچھ عرصے سے الوینہ نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی، جسے وہ نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ آخری ملاقات میں وہ اسے دھمکی دے کر گئی تھی کہ اگر وہ اس کا نہ ہوا تو کسی اور کا بھی نہیں ہو سکے گا۔

"آپ نے کیا کہا چاچو سے؟" حرم نے پُرسکون انداز میں پوچھا۔

"میں نے ان سے کہا کہ کوئی بھی انتہائی فیصلہ کرنے سے پہلے وہ سید صاحب سے اجازت لے لیں، کیونکہ تم دونوں کا نکاح سیدانی جی کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کی خوشی کی خاطر کیا گیا تھا۔ میری بات سن کر وہ برہم ہو گئے اور کہا کہ میں فی الحال سید صاحب کو اس بات کی خبر نہ کروں۔" انہوں نے سرد سانس لے کر بات کا اختتام کیا۔

"آپ فکر نہ کریں شاہ چاچی! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔" حرم انہیں تسلی دینے کی خاطر بولا، وگرنہ اندر ہی اندر اس کا خون کھول رہا تھا۔

"عبیر! تم بھی دھیان سے سن لو خوامخواہ چاچو کی فرماں بردار بننے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ عبیر نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ مگر وہ اندر ہی اندر الجھ رہی تھی۔ یکایک پاپا کو کیا سوجھی تھی کہ وہ اپنے لاڈلے بھتیجے سے اس درجہ بدگمان ہو گئے تھے۔

"آپ آرام کیجئے، میں اب چلتا ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد اٹھ کھڑا ہوا۔

"حرم! تم سید صاحب سے اس موضوع پر بات کرو گے؟" رابعہ شاہ نے پوچھا۔

"جی ہاں! ضرور۔ انہوں نے آپ کو روکا ہے، مجھے نہیں۔" وہ جانے کے لیے مڑ گیا۔ عبیر اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

شام کا دھندلکا پوری طرح پھیلنے کو بے قرار تھا۔ جب حرم علی شاہ کی گاڑی شاہوں کی حویلی کے احاطے میں جا رکی۔ چاچا خمیسو جو کہ حویلی کا پرانا ملازم تھا۔ چھوٹے شاہ کی گاڑی کو دیکھ کر دوڑ آیا۔

"سلام سائیں! اللہ لمبی حیاتی دے۔ بہت دن بعد شاہ پوتا آئے ہیں۔"

"ہاں چاچا! سید صاحب سے ضروری ملنا ہے مجھے۔" وہ اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگا۔ چاچا خمیسو اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جتنی دیر میں وہ بیٹھک تک پہنچا۔ پوری حویلی میں اس کی آمد کی اطلاع پھیل چکی تھی۔ وہ سید مکرم علی شاہ کا لاڈلا پوتا تھا اور سید معظم علی شاہ کا اکلوتا بیٹا۔ سید معظم علی شاہ کی مستقل رہائش شہر میں تھی اور ان کا کاروبار اندرون اور بیرون ملک تک پھیلا ہوا تھا۔

"سید صاحب اس وقت کہاں ہیں؟" حرم نے نوری کے ہاتھ سے لسی کا گلاس لیتے ہوئے خمیسو سے پوچھا۔

"شاہ جی تو سیہون شریف گئے ہیں۔ عرس ہے نا جی اُدھر۔" خمیسو نے مؤدب ہو کر جواب دیا۔

"اور منظم چاچا؟" حرم نے چھوٹے چچا کی بابت دریافت کیا۔

"سائیں! منظم شاہ جی تو پاس والے گاؤں گئے ہیں، بی بی بھی ساتھ گئی ہیں۔ شاہ جی کے دوست کے بیٹے کی شادی

ہے۔" خیسو نے اطلاع دی۔

"گویا میرا آنا بے کار ہی رہا۔" اس نے لسی کا گلاس خالی کر کے تپائی پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"سید صاحب آئیں تو میری آمد کا بتا دینا۔" اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا کہ صبح ہونے سے پہلے وہ شہر پہنچ جائے گا۔

"سائیں! کچھ روٹی پانی کھا لیتے۔" خیسو نے فرض ادا کیا۔ "تھوڑا آرام کر لیتے۔"

"نہیں! اس وقت کسی چیز کی طلب نہیں ہے، پھر آؤں گا۔" اس نے قدم آگے بڑھا دیئے۔

❁

بمشکل مما کی طبیعت سنبھلی تھی۔ اس وقت بھی حرم علی شاہ انہیں ڈاکٹر افتخار کے کلینک چیک اپ کے لیے لے کر آیا ہوا تھا۔ ایسے میں اعظم علی شاہ کی "الجنت" میں آمد کا سن کر وہ ہراساں ہوگئی۔ اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکا۔ نیچے پورچ میں اعظم علی شاہ اپنی گاڑی کے نزدیک کھڑے گل محمد کو گرین ایریا کے متعلق کچھ ہدایات دے رہے تھے جب کہ کچھ فاصلے پر ان کا مسلح باڈی گارڈ معصوم شاہ چوکنا کھڑا تھا۔ اعظم علی شاہ اب "الجنت" کی عمارت کی جانب بڑھ رہے تھے۔

معصوم علی شاہ نے پجارو کی باڈی سے ٹیک لگا لیا۔ عبیر کھڑکی بند کر کے بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی کرسی پر براجمان ہوگئی۔ موجودہ حالات میں چند روز کے وقفے سے اعظم علی شاہ کی آمد اسے کسی انہونی کا سگنل دے رہی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملازمہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اعظم علی شاہ کی خواب گاہ میں عبیر کی طلبی کی اطلاع لے کر آئی تھی۔ عبیر اپنا حلیہ درست کرتی ہوئی اعظم علی شاہ کی خواب گاہ میں داخل ہوئی۔

"السلام علیکم پاپا!" اس نے اعظم علی شاہ کو دیکھا۔ جو جہازی سائز کے بیڈ پر نیم دراز تھے۔ آنکھوں پر سنہری فریم کی عینک لگائے وہ کسی فائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ سرخ و سفید چہرہ صحت و تندرستی کی چمک لیے ہوئے تھا۔ وہ اپنی اصل عمر سے کم ہی دکھائی دیتے تھے۔ عبیر کے سلام کا جواب انہوں نے سر کی خفیف سی جنبش سے دیا تھا۔

"ادھر آ کر بیٹھو......" انہوں نے اسے اپنے پاس بیڈ پر بلایا۔ عام حالات میں اعظم علی شاہ کی "الجنت" میں آمد اسے بہت پُر جوش کر دیتی تھی مگر اب صورت حال مختلف تھی۔ وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی بیڈ پر ان کے دائیں جانب آ بیٹھی۔ وہ فائل کو سائیڈ پر رکھ کر سنجیدگی سے عبیر علی شاہ کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ خوش ہونے کے بجائے پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے آج کل؟" انہوں نے اسے اپنے بازو کے گھیرے میں لیا۔ کچھ شک نہیں کہ عبیر میں ان کی جان تھی۔

"آپ کو بتایا تھا نا ثانیہ کے پاپا کے اخبار کے لیے آرٹیکلز لکھ رہی ہوں۔" اس نے اپنے ناخنوں کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھی مصروفیت ہے۔ رات تک تیاری کر لو تم میرے ساتھ دبئی چل رہی ہو۔" انہوں نے وہ بات کی، جس کے لیے وہ "الجنت" آئے تھے۔

"کس لیے پاپا؟" عبیر نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

"میں نے سوچا کہ تمہیں کچھ شاپنگ کروا دوں۔ کچھ عرصے سے تو تم اس شہر کی ہی ہو کر رہ گئی ہو۔ رات کی فلائٹ سے ہم دبئی چل رہے ہیں۔" اعظم علی شاہ کا انداز قطعی تھا۔

"پاپا میرا جانا ضروری ہے کیا؟ دراصل مما کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس وقت بھی وہ حرم کے ساتھ چیک اپ کے لیے گئی ہیں۔" عبیر نے خود ہی بتایا، وگرنہ ان کے نزدیک رابعہ شاہ کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

"عبیر بیٹا! عمر کا بھی کچھ تقاضا ہوتا ہے۔ تمہاری مما اب اس عمر میں میری طرح فٹ تو نہیں رہ سکتیں۔" اعظم علی شاہ کے لہجے میں رابعہ کے لیے تمسخر تھا۔ عبیر نے ان کی بات سُن کر ہونٹ بھینچ لیے۔ "تمہیں اپنی ماں کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس گھر میں، میں نے کسی چیز کی کمی نہیں رہنے دی ہے۔ ملازمین ہیں ان کا خیال رکھنے کے لیے۔ پھر زینب بی پر تمہیں پورا بھروسا ہے ہی۔" انہوں نے پیار سے اس کا سر تھپتھپایا۔

"واپسی کب تک ہوگی؟" اس نے ہتھیار ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"تین دن کے لیے جا رہے ہیں کیونکہ اگلے ہفتے جاپان میں ایک کمپنی کے ساتھ میری میٹنگ ہے۔ مجھے وہاں بھی

جانا ہے۔"

"اوکے پاپا! میں ضروری سامان پیک کر لوں۔" وہ بیڈ سے نیچے اتر آئی۔

پاپا کی بات سے روگردانی کرنا اسے ہمیشہ مشکل لگتا تھا۔ اس بات سے وہ ڈرتی تھی کہ کہیں وہ مجبور ہو کر کچھ ایسا نہ کر بیٹھیں کہ اسے عمر بھر پچھتانا پڑے۔ حرم کی محبت تو اس کی نس نس میں لہو بن کر دوڑ رہی تھی، اس وقت سے جب شاید اسے محبت کا مفہوم بھی ٹھیک سے معلوم نہیں تھا۔ اسے پتا نہیں چل سکا کہ پاپا اور حرم کی ملاقات ہوئی تھی تو ان کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔ کب حرم واپس گیا۔ ایک خوف نے اسے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ البتہ جب وہ ایئرپورٹ جانے کے لیے نکل رہی تھی۔ اس وقت مما کی افسردگی محسوس کر کے اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ ایئرپورٹ پر الوینہ کو دیکھ کر اور یہ جان کر کہ وہ بھی ان کے ساتھ دبئی جا رہی ہے۔ دل کی بے کلی سوا ہوگئی۔

الوینہ ہی کیوں، مما بھی تو ہمارے ساتھ جا سکتی تھیں؟ انجانے میں ہی الوینہ کے ساتھ اس کا رویہ روکھا ہوگیا تھا۔ فلائٹ کے دوران بھی وہ زیادہ تر پاپا سے باتیں کرتی رہی۔ الوینہ کو نظر انداز کر کے شاید وہ دل کی بے کلی کو کم کرنا چاہتی تھی۔ اپنی ماں کا دکھ اس نے اپنے دل میں محسوس کیا تھا مگر آج اس دکھ نے اس کی آنکھوں میں دُھند بھر دی تھی۔ اعظم علی شاہ بھی اس کی کیفیت سمجھ گئے تھے۔ جب ہی ہلکی پھلکی باتیں کر کے اس کا ذہن بٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ جب کہ الوینہ ایک میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔ دبئی میں پہلا پورا دن اعظم علی شاہ اسے اور الوینہ کو شاپنگ کرواتے رہے، الوینہ کی موجودگی اسے خوش نہیں ہونے دے رہی تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ حرم کے حوالے سے اس کا وجود بھی الوینہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ یہ خیال ہی اس کے اندر آگ بھر دیتا تھا کہ حرم کی آئندہ زندگی کی ساتھی ہے یہ لڑکی، جسے وہ عبیر علی شاہ کے نام سے جانتی ہے۔ حرم علی شاہ کو عبیر سے الگ کرنے کے لیے ہی تو اس نے اعظم علی شاہ سے شادی کا جوا کھیلا تھا۔ دوسرے دن لنچ پر اعظم علی شاہ کہیں مدعو تھے۔ سو وہ دونوں اس وقت ڈائننگ ہال میں ایک ہی ٹیبل پر لنچ کر رہی تھیں۔ عبیر محسوس کر رہی تھی کہ الوینہ اسے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس وقت اس کا فون بجنے لگا۔ مخصوص بیل بتا رہی تھی کہ کال کرنے والا حرم علی شاہ ہے۔ عبیر نے ہاتھ بڑھا کر فون ٹیبل پر سے اٹھا لیا۔ الوینہ ہاتھ روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ عبیر کے چہرے کی مسکراہٹ نے اسے بتا دیا تھا کہ کال کرنے والا حرم کے سوا کوئی نہیں ہے۔

"یس آئی ایم عبیر! آپ ٹھیک ہیں؟" اس نے رسمی جملہ کہا۔

"ہاں ٹھیک ہوں۔ واپس کب آ رہی ہو؟" عبیر کو اس کا انداز خفا خفا لگا۔

"حرم! میں کل شام کی فلائٹ سے واپس آ رہی ہوں۔ میں نے یہاں آنے سے پہلے بہت کوشش کی آپ سے رابطہ کرنے کی مگر آپ کا نمبر بزی تھا۔" اس نے حرم کی خفگی دور کرنا چاہی۔

"تمہارے ساتھ کون ہے، اس وقت؟" حرم نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"پاپا اپنے فرینڈ سے ملنے گئے ہیں۔ میں اور الوینہ جی لنچ کر رہے ہیں۔" اس نے ایک نظر الوینہ کو دیکھا، جس کے چہرے پر ناقابلِ فہم تاثرات درج تھے۔

"ٹھیک ہے! کل رات کو ملتے ہیں۔ اپنا خیال رکھنا۔" اس نے رابطہ منقطع کر دیا جب کہ عبیر نے کچھ لمحوں تک فون کو دیکھنے کے بعد اسے میز پر رکھ دیا۔

"حرم علی شاہ سے بات کر رہی تھیں؟" الوینہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں!" اس نے مختصراً جواب دیا اور اپنی پلیٹ کی جانب متوجہ ہوگئی۔

"کچھ روز پہلے میں نے بھی اسے کال کرنے کی بہت کوشش کی تھی مگر اس کا نمبر مصروف تھا۔ دراصل ہماری ایک مشترکہ دوست کا نمبر مجھ سے مِس ہوگیا تھا۔ میں نے سوچا کہ حرم سے اس کا نمبر لے لوں۔ تم نے نام تو سنا ہوگا الویرا زیب کا۔ ٹاپ ماڈل ہے وہ۔ اس نے ہمارے ساتھ ہی آئی بی اے سے ایم بی اے کیا ہے۔ پچھلے دنوں جب وہ کراچی آئی تھی تو حرم کے گھر ٹھہری تھی۔ حرم نے اس کی آمد کی وجہ سے سب دوستوں کو کھانے پہ بلایا تھا۔ میں چونکہ ان دنوں تمہارے پاپا کے ساتھ اسلام آباد میں تھی۔ اس لیے جا نہ سکی، جس کا مجھے اب بھی افسوس ہے۔" الوینہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی۔ جب کہ عبیر حیرت سے اسے سن رہی تھی۔ حرم

نے تو اسے کبھی نہیں بتایا تھا کہ وہ الویرا زیب کو جانتا ہے۔

الوینہ اس کے چہرے پر محسوس کی جانے والی الجھن کو دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔ یہی تو چاہتی تھی وہ کہ عبیر کو حرم سے بدگمان کردے۔ اعظم علی شاہ پر تو وہ اپنا جادو چلا چکی تھی۔

"الویرا زیب! "شاہ ولا" میں ٹھہری تھی؟" اس نے سرگوشی کے انداز میں الوینہ سے پوچھا۔

"ہاں، اسی وجہ سے تمہارے پاپا بھی اس سے ناراض ہیں۔ الویرا کا امیج کچھ اچھا نہیں ہے۔ پچھلے دنوں وہ منشیات کی وجہ سے بھی کافی بدنام ہوچکی ہے۔ ایسے میں حرم کے گھر اس کا قیام شاہ فیملی کے لیے بدنامی کا باعث ہوسکتا ہے۔ الویرا کے علاوہ بھی اس کا رابیل نامی لڑکی کے ساتھ بہت ملنا جلنا ہے۔" الوینہ آنکھوں میں شاطرانہ چمک لیے اس معصوم سی لڑکی کو اپنی سازش کے گھیرے میں لے رہی تھی۔ جس نے حرم کو اپنے دل میں بہت اونچے مقام پر بٹھا رکھا تھا۔ اسے یہ سب بہت ڈراؤنا خواب لگ رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ حرم ایسا نہیں ہے۔" بالآخر اس نے کہا۔

"تم بہت معصوم ہو عبیر! اب دیکھو نا۔ اگر حرم کے دل میں کوئی چور نہیں تھا تو اس نے تمہیں الویرا کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟ جہاں اس نے تمام دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ تمہیں بھی مدعو کرلیتا، تمہارا تو حق بنتا ہے۔ تم اس کی منکوحہ ہو۔" الوینہ کو اپنی کامیابی کا یقین ہوچلا تھا۔ جب عبیر ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں۔"

"ارے، یہ کیا...... کھانا تو ٹھیک سے کھالو۔ سب یونہی رکھا ہے۔" اس نے مکاری سے کہا۔ عبیر کوئی جواب دیے بنا تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہاں سے نکلتی چلی گئی۔ جب کہ الوینہ پُرسکون انداز میں کھانے کی جانب متوجہ ہوگئی۔ عبیر کو بدگمانی کا پہلا سبق آج اسے پڑھا دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ بہت جلد عبیر کا دل حرم علی شاہ سے نفرت پر آمادہ ہوجائے گا۔

عبیر بدگمانی کے الاؤ میں جلتی رہی۔ الوینہ کی باتوں پر یقین کرنے کو اس کا دل آمادہ نہیں ہورہا تھا، مگر الوینہ کو کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔ اس کے دل میں کسی احساس نے سر اٹھایا۔ رات کا کھانا اس نے کمرے میں ہی منگوالیا تھا۔ شاید وہ الوینہ کا سامنے کرنے سے گریزاں تھی۔ وہ کھانے سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ اعظم علی شاہ اس کے کمرے میں آگئے۔

"کیا بات ہے ہنی! طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تم ڈنر کرنے کے لیے کمرے سے باہر کیوں نہیں آئیں؟" انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بس یونہی، دل نہیں چاہ رہا تھا۔" اس کا انداز الجھا ہوا تھا۔

"چلو اٹھو واک کرتے ہیں۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو چاروناچار اسے ان کی پیروی کرنا پڑی۔ کچھ دیر موسم پر بات کرنے کے بعد اعظم علی شاہ موضوع پر آگئے۔

"میں نے وکیل سے خلع کے کاغذات بنانے کو کہا ہے۔ مجھے حرم پر اب بھروسا نہیں ہے۔ وہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا۔ وہ تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہے ہنی۔"

"پاپا پلیز! کچھ وقت دیں مجھے۔ مجھے یقین آجائے کہ وہ میرے ساتھ بے وفائی کررہا ہے۔" اس کا انداز ملتجیانہ تھا۔ اعظم علی شاہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

وہ دونوں ہوٹل کے لان میں چہل قدمی کررہے تھے۔ اچانک ہی عبیر کا سانس پھولنے لگا۔ وہ نزدیکی بنچ پر بیٹھ گئی۔

"عبیر تم ٹھیک ہو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا وہ ایک دم پریشان نظر آنے لگے تھے۔ "تم چاہو تو حرم سے بات کرکے دیکھ لو۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"نہیں پاپا! میں اسے خود چیک کروں گی۔" اس کی آواز بھیگنے لگی۔ اعظم علی شاہ نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

تین شادیاں کی تھیں انہوں نے۔ نصیب میں اولاد ایک ہی لکھی تھی۔ عبیر! جسے وہ پلکوں پر بٹھاتے تھے۔ جب سے الوینہ کی زبانی انہیں حرم کی تفریحات کا علم ہوا تھا۔ وہ اس سے بدگمان ہوگئے تھے۔ دو مرتبہ وہ خود اسے دوسری لڑکیوں کے ساتھ دیکھ چکے تھے۔ ایک مرتبہ گرلز ہاسٹل سے ایک لڑکی کے ساتھ نکلتے دیکھا تھا اور دوسری مرتبہ ٹاپ ماڈل الویرا زیب کے ساتھ۔ الویرا اس کی گاڑی کی فرسٹ سیٹ پر براجمان تھی۔ انداز میں بے تکلفی نمایاں تھی۔ اسی وقت انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ حرم کو اپنی بیٹی کی زندگی خراب نہیں کرنے دیں گے۔ جب کہ خود انہوں نے رابعہ شاہ کی زندگی دکھوں کے حوالے کی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے وہ بیوگی کی سی زندگی گزار رہی تھیں۔ رنگوں سے خالی زندگی، رابعہ شاہ ان کی خالہ زاد تھیں۔ ان سے عمر میں سات سال بڑی چونکہ خاندان میں ان کے جوڑ کا رشتہ نہیں تھا۔ اسی لیے اعظم علی شاہ کے ساتھ ان کا رشتہ جوڑا گیا تھا۔ ان دنوں اعظم علی شاہ میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ سید صاحب کے فیصلے سے اختلاف کرتے۔ نیا نیا بزنس بھی شروع کیا تھا۔ سید صاحب کی ناراضگی خسارے کا باعث ہی بنتی پھر رابعہ شاہ بھی کروڑوں کی مالک تھیں۔ سوچ چاپ رضامندی دے دی۔ شادی کے بعد وہ رابعہ کو لے کر "الجنت" آگئے۔ "الجنت" رابعہ کو جہیز میں ملا تھا۔ شادی کے بعد فقط چند سال ہی رابعہ کو ازدواجی خوشیاں نصیب ہوسکیں۔ عبیر تین سال کی تھی جب ایک تقریب میں اعظم علی شاہ کی ملاقات عالیہ مہروز سے ہوئی۔ عالیہ ایک سماجی تنظیم کی سرکردہ رکن تھیں۔ پہلی ملاقات میں ہی اعظم علی شاہ عالیہ کے گرویدہ ہوگئے تھے۔ پھر تو وہ اکثر ہی بہانے بہانے سے عالیہ سے ملنے لگے۔ ایسے میں عالیہ کو خود پر رشک آتا تھا۔ ایک جاگیردار گھرانے کا نوجوان جو اپنی صلاحیتوں کے بل پر زندگی میں کامیابی کے زینے تیزی سے طے کررہا تھا۔ اگر وہ ان کی جانب ملتفت تھا تو وہ کیوں پیچھے رہتیں۔ ان کی ملاقاتیں بہت جلد رنگ لے آئیں۔ اعظم علی شاہ نے عالیہ سے شادی رچالی اور دونوں اسی شہر کے دوسرے سرے پر واقع "اعظم لاج" میں زندگی کے رنگوں سے تصویر بنانے لگے۔ عالیہ کو رابعہ شاہ سے کچھ خاص پرخاش بھی نہ تھی۔ وہ اس حقیقت سے واقف تھی کہ رابعہ شاہ نے اعظم علی شاہ کو عبیر سے نوازا ہے۔ جب بھی اعظم علی شاہ کا دل چاہتا تھا۔ وہ عالیہ کو "الجنت" لے جاتے تھے۔ عبیر سے ملوانے کے لیے۔ ایسے میں عالیہ کو اوپری دل سے عبیر سے پیار بھی جتانا پڑتا تھا۔ رہی رابعہ شاہ، تو وہ ویسے بھی اس سماجی کارکن کو مظلوم لگتی تھیں۔ جس پر اس کا شوہر التفات کی نظر بھی ڈالنا گوارا نہیں کرتا تھا۔ مگر خود وہ بھی زیادہ عرصہ اعظم علی شاہ کے ساتھ نباہ نہ کرسکیں اور پانچ سال بعد اعظم علی شاہ سے طلاق لے کر اپنے کزن سے شادی کرکے آسٹریلیا چلی گئیں۔ اس واقعے کے بعد سید صاحب نے اعظم علی شاہ کو شاہ پور بلا کر خوب لعنت ملامت کی اور کہا کہ انہوں نے رابعہ کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ انہیں اپنے کیے کی سزا ملی ہے۔ اعظم علی شاہ نے اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کہا اور خاموشی سے شہر لوٹ گئے۔ مگر ان کے شب و روز اب بھی اعظم لاج میں بسر ہوتے تھے۔ "الجنت" وہ صرف عبیر سے ملنے جاتے تھے۔ البتہ حرم کا زیادہ وقت "الجنت" میں رابعہ شاہ کے سائے میں بسر ہوتا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اس کی رہائش "شاہ ہاؤس" میں تھی۔

معظم علی شاہ فطرتاً اعظم علی شاہ سے مختلف تھے۔ حرم کی والدہ نفیسہ شاہ کی رحلت کے بعد انہوں نے دوسری شادی کرنے کے بجائے حرم کی بہترین تربیت کو ترجیح دی تھی۔ رابعہ شاہ ان کی معاون تھیں۔ ان دنوں جب حرم بی کام کررہا تھا۔ سیدانی جی کی شدید علالت کے باعث تمام اہلِ خاندان نے سید پور میں ڈیرا ڈال رکھا تھا۔ سیدانی جی کو جگر کا عارضہ لاحق تھا۔ وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوچکی تھیں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ اپنی زندگی میں وہ حرم کی خوشی دیکھ لیں۔ حرم ان کا بڑا پوتا تھا۔ منظم علی شاہ کے دونوں بیٹے اس وقت مری کانونٹ اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ ان دنوں چھٹیوں میں شاہ پور آئے ہوئے تھے۔ سیدانی جی کی خوشی کی خاطر سید صاحب نے سب بڑوں کو ہال کمرے میں بلایا اور پھر انہیں اپنا فیصلہ سنا کر تیاریاں شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ سید صاحب نے دو دن بعد حرم اور عبیر کا نکاح طے کیا تھا۔ ان کے اس فیصلے سے سب ہی خوش تھے۔ رابعہ شاہ کی تو دلی مراد برآئی تھی۔ عبیر اور حرم میں دوستی تو پہلے ہی تھی۔ یہ نیا بندھن ان کے تعلق کو مضبوط کرنے والا تھا۔ دو دن بعد خوب دھوم دھام سے عبیر اور حرم کو نکاح کے بندھن میں باندھا گیا۔ اس تقریب میں شہر کے رؤساء کو مدعو کیا گیا تھا۔ عبیر اس وقت ایف ایس سی کے رزلٹ کا انتظار کررہی تھی۔ رخصتی دونوں کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد طے پائی تھی۔ حرم کے نکاح کے بعد سیدانی ایک ہفتہ ہی جی پائی تھیں۔

وقت اپنے ڈھنگ سے گزرنے لگا۔ حرم علی شاہ نے آئی بی اے سے ایم بی اے کرلیا تھا اور اب معظم علی شاہ کے ساتھ ان کے بزنس میں ہاتھ بٹاتا تھا۔ آئی بی اے میں اس کے ساتھ کرنل خلیل کی بگڑی ہوئی بیٹی الوینہ بھی پڑھتی تھی۔ وہ حرم سے محبت کرتی تھی اور ببانگ دہل اپنی محبت کا اقرار بھی کرتی تھی۔ حرم بارہا اسے باز رہنے کی تلقین کرچکا تھا۔ اس یاددہانی کے ساتھ کہ عبیر علی شاہ نامی معصوم سی لڑکی اس کے نکاح میں

ہے۔ الوینہ خوامخواہ اپنے جذبوں کا زیاں نہ کرے۔ مگر الوینہ پر اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ کیمپس میں ان کا آخری دن تھا۔ الوینہ کی بے باکی پر اس نے سخت الفاظ میں اسے پوری کلاس کے سامنے برا بھلا کہا تھا۔ الوینہ بہت دل برداشتہ ہوئی تھی۔ بنا دیکھے ہی اس نے عبیر سے بیر پال لیا تھا۔ ایک تقریب میں اتفاقیہ اس کی ملاقات اعظم علی شاہ سے ہوئی۔ اعظم علی شاہ اپنی عمر سے دس سال کم دکھائی دیتے تھے اور پھر الوینہ کے دماغ نے ایک سازش بنی تھی۔ عبیر کو حرم علی شاہ سے الگ کرنے کی سازش۔ اس نے اعظم علی شاہ کے دفتر میں جاب کے لیے اپلائی کردیا۔ پھر اسے بہت آسانی سے وہاں جاب مل گئی۔ پھر تو تقریباً روزانہ ہی اس کی ملاقات اعظم علی شاہ سے ہونے لگی۔ بہت جلد اعظم علی شاہ اس کی دل لبھانے والی اداؤں سے گھائل ہوگئے تھے۔ پھر انہوں نے الوینہ کو پروپوز کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ الوینہ کا مقصد یہی تو تھا۔ تین ماہ کی قلیل مدت میں وہ الوینہ خلیل سے الوینہ اعظم علی شاہ بن گئی۔

اعظم علی شاہ کے اس اقدام سے رابعہ شاہ بجھ کر رہ گئیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ اعظم علی شاہ اپنی بیٹی سے چند سال عمر میں بڑی نوجوان لڑکی سے شادی کرلیں گے۔ اعظم علی شاہ کی الوینہ سے شادی کے کچھ عرصے بعد ہی انہیں مائنر اٹیک ہوا تھا۔ اعظم علی شاہ نے الوینہ کے ساتھ اسلام آباد میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ کچھ ہی عرصہ میں ان کی زندگی میں الوینہ کا عمل دخل اس حد تک ہوگیا تھا کہ وہ الوینہ کی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور الوینہ کے ہی کانوں سے سنتے تھے۔ الوینہ نے اعظم علی شاہ کو حرم سے اس حد تک بدگمان کردیا کہ وہ سب کچھ بھول گئے، یہ بھی کہ حرم ان کا چہیتا بھتیجا ہے۔ وہ خلع کے کاغذات بنوانے کے لیے تیار ہوگئے تھے لیکن اب عبیر کی دل آزاری کے خیال سے وہ کچھ عرصہ کے لیے رک گئے تھے تاکہ عبیر اپنی تسلی کرلے۔ انہیں یقین واثق تھا کہ جلد ہی عبیر خود ان کے پاس آئے گی، خلع کی درخواست لے کر اور وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگے۔ ائرپورٹ پر اسے لینے "الجھت" کا ڈرائیور موجود تھا۔ اعظم علی شاہ اور الوینہ دوسری فلائٹ سے اسلام آباد جارہے تھے۔ "الجھت" میں رابعہ شاہ بے قراری سے اس کی منتظر تھیں۔ وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک رہی نا۔" اس نے پوچھا۔ زینت بی ماں بیٹی کا لاڈ دیکھ کر مسکرا رہی تھیں

"ہاں بالکل ٹھیک ہوں۔ میرا بیٹا آتا رہا ہے میری خبر گیری کو۔ آج بھی ڈنر ہمارے ساتھ کرے گا۔ میں بس تمہارے بغیر اداس ہوگئی تھی۔" رابعہ شاہ نے حرم کا ذکر کرنے کے بعد بتایا تو اس کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"زینت بی! جائیے عبیر کے لیے جوس لے آئیے اور کچن میں دیکھ لیں بریانی کا مسالا لگ تو نہیں گیا۔" رابعہ شاہ نے زینت بی سے کہا پھر عبیر سے مخاطب ہوئیں۔

"آج کھانا میں خود بنا رہی ہوں۔ بریانی تمہیں بہت پسند ہے نا......" انہوں نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی، جب کہ اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔ کچھ دیر بعد حرم بھی آ گیا۔ عبیر کو دیکھ کر اس کی سنہری آنکھیں لو دینے لگیں۔

"ہوگئی شاپنگ؟" وہ رابعہ شاہ کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"جی، پاپا نے بہت کچھ دلادیا۔ انہیں جاپان جانا ہے چند روز میں۔ سو وہ یہاں آنے کے بجائے اسلام آباد چلے گئے۔" اس نے از خود بتایا۔

"شاہ چاچی! کھانے میں کیا ہے؟" حرم علی شاہ نے عبیر کی بات کو نظر انداز کرکے رابعہ شاہ سے پوچھا۔ اس کے انداز کو عبیر نے محسوس کیا۔ رابعہ شاہ اسے ڈنر کا مینو بتانے لگیں۔ اتنے میں زینت بی فریش جوس کا جگ اور گلاس لیے چلی آئیں۔ عبیر جوس پینے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی۔ وسائی پہلے ہی اس کا سامان لے جاچکی تھی۔ اس کا ارادہ ڈنر کے بعد مما کو اپنی شاپنگ دکھانے کا تھا۔ عبیر کے جانے کے بعد حرم علی شاہ نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر ڈال دیا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی اور صوفے پر نیم دراز ہوکر رابعہ شاہ سے باتیں کرنے لگا۔ اسی دوران اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"لیس......"

"حرم بھائی ایک پرابلم ہے؟" دوسری جانب سے رابیل کی متفکر آواز سنائی دی۔

"کیا ہوا؟" وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"میں اپنی دوست کے گھر پر نوٹس لینے آئی تھی۔ اب واپس ہاسٹل جانا ہے مگر یہاں سڑک پر بالکل سناٹا ہے۔ پبلک ٹرانسپورٹ کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اب میں کیا کروں؟" وہ رودینے کو تھی۔

"تم وہیں رکو، میں آرہا ہوں۔ مجھے ایڈریس بتاؤ لیکن چند سیکنڈ ہولڈ کرو۔" اس نے سیل فون میں کہا پھر شاہ چاچی سے مخاطب ہوا جو زینت بی کی جانب متوجہ تھیں۔

"شاہ چاچی! میں ایک کام سے جارہا ہوں۔ ڈنر کے وقت تک لوٹ آؤں گا۔" اس نے ٹیبل سے کی چین اٹھایا اور سیل فون کان سے لگائے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد عبیر لاؤنج میں داخل ہوئی۔ نہانے کے بعد اس نے بلیک سوٹ پہنا تھا، جس پر سرخ دھاگے سے کام بنا ہوا تھا۔ لاؤنج میں حرم کا بیگ اور کوٹ رکھا تھا جب کہ وہ خود ندارد تھا۔

"مما! حرم کہاں گئے؟"

"اس کا کوئی فون آیا تھا کچھ ضروری کام ہے۔ ڈنر تک آجائے گا۔" رابعہ شاہ نے بتایا تو بلا ارادہ اس نے میز پر سے اپنا فون اٹھایا اور حرم کا نمبر ملایا۔ حرم کا نمبر بزی تھا۔ اس کے لبوں کو تلخ سی مسکراہٹ چھو گئی اور اندرونِ دل سناٹا چھانے لگا۔
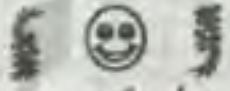
حرم علی شاہ جب رابیل کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچا تو وہ سڑک کے کنارے تنہا و پریشان کھڑی تھی۔ سڑک بھی سنسان تھی۔ اس کا خون کھول اٹھا۔ بہرحال رابیل اس کی ذمہ داری تھی۔

"تمہیں اس وقت تنہا نکلنے کی کیا سوجھی تھی؟" وہ رابیل کے گاڑی میں بیٹھتے ہی چیخ اٹھا۔

"میں آپ کی پریشانی کے خیال سے آ گئی تھی۔ آپ اتنے بزی رہتے ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر آپ کو پریشان کیا کروں۔" رابیل دبی دبی آواز میں بولی۔

"یہ میرا مسئلہ ہے، رابیل بی بی! میں ہرگز بھی نہیں چاہوں گا کہ سرمد کے آگے مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔" وہ تیز لہجے میں بولا تھا پھر رابیل کی سہمی ہوئی صورت دیکھ کر نرم پڑا۔

"آئی کس کے ساتھ تھیں؟"

"دوسری دوست کا گھر نزدیک ہے، اس نے مجھے کالج سے آتے ہوئے حنا کے گھر ڈراپ کردیا تھا۔"

"آئندہ مجھے شکایت کا موقع مت دینا۔" گاڑی گرلز ہوسٹل کی جانب رواں دواں تھی۔

"آئی ایم سوری۔" اس نے جھٹ معافی مانگی تو حرم مسکرادیا۔ اس کی مسکراہٹ سے رابیل کو حوصلہ ملا۔

"حرم بھائی مجھے کل شاپنگ پر جانا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی دوست کے ساتھ چلی جاؤں۔" اس نے سہولت سے پوچھا جب کہ حرم سوچ میں پڑ گیا۔

"نہیں، مجھے ٹائم بتادو، میں آجاؤں گا۔" گاڑی ہاسٹل کے گیٹ پر رک چکی تھی۔

"جب آپ فری ہوں، مجھے بتادیجئے گا، میں تیار رہوں گی۔" رابیل گاڑی سے اتر کر بولی۔

"میں تمہیں فون کردوں گا۔ اوکے بائے۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے گاڑی واپس موڑ لی، جب کہ رابیل ہاسٹل کے گیٹ سے اندر داخل ہوچکی تھی۔

حرم علی شاہ جب "الجھت" پہنچا تو رابعہ شاہ اور عبیر شاہ ڈائننگ ٹیبل پر اس کی منتظر تھیں۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے کرسی سنبھال لی۔ کھانے کے دوران زیادہ تر وہی بولتا رہا جب کہ عبیر خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ رابعہ شاہ ان دونوں کو اصرار کے ساتھ ایک ایک چیز پیش کررہی تھیں۔ کھانے کے بعد رابعہ شاہ عشاء کی نماز کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں جب کہ وہ عبیر کا ہاتھ تھام کر لان میں لے آیا۔

"عبیر! کوئی مسئلہ ہے کیا؟" وہ اس کے سامنے کھڑا اس کی براؤن آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" عبیر کے لبوں نے جنبش کی مگر آنکھیں اس کے الفاظ کی نفی کررہی تھیں۔

"پھر اتنی چپ کیوں ہو؟ چاچو نے کچھ کہا ہے تم سے خلع کے حوالے سے......؟" حرم کی کشادہ پیشانی کی سلوٹ اس بات کی غماز تھی کہ وہ عبیر کے رویے سے پریشان ہوگیا ہے۔

"میں نے پاپا کو روک دیا ہے۔" اس کی نگاہیں حرم کی شرٹ کے بٹن سے الجھ رہی تھیں۔

"پھر تمہارے رویے کو کیا سمجھوں، تم آج اتنی دور کیوں لگ رہی ہو؟" وہ الجھنے لگا۔

"آپ کا وہم ہے، میں شاید تھکن محسوس کررہی ہوں۔ جب سے آئی ہوں بالکل بھی آرام نہیں کیا۔" اس نے صفائی پیش کی۔ حرم کو یقین تو نہیں آیا لیکن اس نے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا۔

کچھ دیر بعد وہ چلا گیا۔ حرم کے جانے کے بعد وہ رابعہ

شاہ کے پاس آ گئی۔ ان کے استفسار پر اس نے یہی بتایا کہ اس نے اعظم علی شاہ کو فی الحال خلع کے کاغذات بنوانے سے روک دیا۔

❁ .... ❁ .... ❁
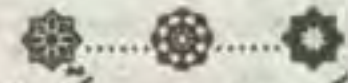
فائنل ایگزامز کی تیاری زوروں پر تھی۔ کلاسز آف ہو چکی تھیں۔ عبیر انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ اسے ایک کتاب کی ضرورت تھی جسے لینے وہ یونیورسٹی آئی تھی۔ ثانیہ نے بھی آنے کا کہا تھا مگر تمام ممکنہ جگہوں پر اسے نہ پا کر اسے حیرت کے ساتھ پریشانی بھی ہوئی۔ کتاب لائبریری سے ایشو کروا کے اس نے اپنی گاڑی کا رُخ ثانیہ کے گھر کی جانب موڑ لیا۔ ثانیہ کے ملازم نے بتایا کہ ثانیہ اپنے کمرے میں ہے جب کہ اس کی مما شاپنگ کے لیے گئی ہیں۔ عبیر چونکہ اکثر یہاں آتی رہتی تھی۔ اس لیے بنا کسی جھجک کے وہ ثانیہ کے کمرے تک آ گئی۔ کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ثانیہ نے دن نکلنے کے باوجود پردے سمیٹے نہیں تھے۔ میوزک سسٹم پر شلر کا "آئی فیل یو" اپنا جادو جگا رہا تھا۔ جب کہ ثانیہ بیڈ پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی صبح شاید نہیں ہوئی تھی۔

"اے ثانی! یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے تم نے؟" عبیر نے میوزک بند کرتے ہوئے اسے لتاڑا۔ تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ عبیر نے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرے پر آنسوؤں کے نشان تھے۔

"تم کیمپس کیوں نہیں آئیں؟ عبیر نے پوچھا۔

"مما نے منع کیا تھا۔"

"کیوں، کیا تم کہیں کھو جاتی؟" عبیر نے استعجاب سے پوچھا۔

"دو دن بعد میرا نکاح ہے، رافع کے ساتھ۔" ثانیہ نے جیسے کسی سانحے کی خبر دیتے ہوئے کہا۔

"رافع! تمہارا وہی کزن نا۔ جو تین سال سے آسٹریلیا میں ہے اور کچھ دن پہلے لوٹا ہے۔ وہ بھی پندرہ دنوں کے لیے۔" عبیر نے تصدیق چاہی جواباً ثانیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تو تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟"

"عبیر! وہ آسٹریلیا جاتے ہوئے مجھے بھی ساتھ لے جائے گا۔"

"ہاں تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟ دیکھا ہے میں نے اسے، اچھا خاصا گڈ لکنگ ہے۔ ماسٹرز تو یوں بھی تم اپنی مما کے ڈر کی وجہ سے کر رہی تھیں۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ایگزامز کے جھنجھٹ سے جان چھوٹ رہی ہے۔" عبیر سمجھنے سے قاصر تھی کہ اسے اعتراض کس بات پر ہے۔ آسٹریلیا جانے پر یا رافع کے ساتھ جانے پر۔

"مجھے پاکستان میں رہنا ہے۔ میں اپنے وطن سے دور نہیں جانا چاہتی۔" ثانیہ کی آنکھیں پھر سے بہنے لگیں۔

"ہائیں مجھے تو اب تک پتا نہیں لگا کہ تم اتنی محب وطن ہو۔" عبیر نے آنکھیں پھاڑیں۔

"مجھے سب بہت یاد آئے گا پاکستان کی عید الفطر، عید الضحیٰ، جشن آزادی۔ وہاں آسٹریلیا میں یہ سب کہاں ہوگا؟"

"یار یہ سب تو پارٹ آف لائف ہے پھر چند سال بعد رافع لوٹ ہی آئے گا۔ تم نے خوامخواہ مجھے ڈرا دیا۔ چلو اٹھو، اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ ہم کہیں چلتے ہیں بلکہ ایسا کرتے ہیں تمہیں پارلر لے چلتی ہوں۔ اس میں تو آنٹی کو اعتراض نہیں ہوگا۔" اس نے منٹوں میں پروگرام بنا ڈالا۔

"پارلر جانے کا تو مما کہہ کر گئی ہیں، بلکہ مجھے ساتھ لے جانا چاہ رہی تھیں، میں نے منع کر دیا تھا۔" ثانیہ نے بتایا۔

"تو پھر اٹھو نا، اب......" عبیر نے اسے بازو سے پکڑ کر باتھ روم کی جانب دھکیلا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں عبیر کی گاڑی میں بہادر آباد کی جانب گامزن تھیں۔ گھر سے نکلنے سے پہلے ثانیہ نے مما کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ عبیر کے ساتھ پارلر جا رہی ہے۔

"ویسے یہ اتنا اچانک نکاح کا فیصلہ کیسے ہو گیا؟ دو دن پہلے تک تو خبر بھی نہیں تھی۔" عبیر نے سگنل پر کار روکتے ہوئے پوچھا اور گاڑی سے باہر نظر دوڑائی تو اسے اپنا آپ گہری کھائی میں گرتا محسوس ہوا، دائیں جانب دوسری رو میں بلیک ہنڈا اکارڈ کی ڈرائیونگ سیٹ پر حرم علی شاہ موجود تھا اور اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی لڑکی بے حد خوب صورت تھی، اس کے لیئرز کٹ بال ہوا سے اُڑ رہے تھے۔ وہ الویرا زیب نہیں تھی، پر جو بھی تھی مسلسل بول رہی تھی اور بول تو ثانیہ بھی رہی تھی مگر عبیر کو سنائی کب دے رہا تھا۔ سگنل گرین ہو چکا تھا۔ ٹریفک حرکت میں آ چکا تھا۔ ثانیہ نے اسے ٹہوکا مارا تو اس نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ حرم کی گاڑی بھی ازدحام میں گم ہو چکی تھی۔

"کن سوچوں میں گم ہو؟" ثانیہ کو محسوس ہوا کہ وہ گاڑی میں موجود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں ہے۔

"میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم دلہن بن کر کیسی لگو گی؟" عبیر نے مسکرا کر بات سنبھالی، ثانیہ یا کوئی بھی اس کا تماشا دیکھے یہ اسے پسند نہیں تھا۔

"ہاں یہ ٹینشن تو مجھے بھی ہے۔ مما بتا رہی تھیں کہ رافع نے بلڈ ریڈ کلر کا برائیڈل ڈریس پسند کیا ہے۔" ثانیہ نے جھجک کر بتایا۔ پارلر پہنچ کر عبیر نے ثانیہ کو بیوٹیشن نائلہ کے حوالے کیا اور خود سائیڈ پر رکھے صوفوں پر بیٹھ گئی اور حرم کی بے وفائی پر کڑھنے لگی۔

"کتنا خوب صورت چہرہ ہے تمہارا حرم علی شاہ اور تمہارا لہجہ تو ایسا دل میں اُترتا ہے کہ تم جھوٹ بھی بولو تو سچ کا گمان ہونے لگتا ہے مگر آنکھوں دیکھی سچائی کو تم نہیں جھٹلا سکتے نہ میں جھٹلا سکتی ہوں۔ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟ میں مما کی طرح بے بسی کی تصویر نہیں بن سکتی، پتا نہیں کیوں ابھی یہ دل آمادہ نہیں ہو پا رہا تم سے راستہ الگ کرنے کی بات پر۔ دھڑکنیں ڈوبنے کیوں لگتی ہیں، جیسے آنکھوں کی بینائی سلب ہونے لگی ہے۔ آگے راستہ سجھائی نہیں دے رہا۔" کتنی ہی دیر وہ یوں ہی سوچوں کی طغیانی میں ڈوبتی اُبھرتی رہی۔ خلاء میں گھورتے ہوئے کتنا ہی وقت بیت گیا۔ چونکہ اس وقت جب نکھری نکھری سی ثانیہ اسے گھر چلنے کو کہہ رہی تھی۔ ثانیہ کو اس کے گیٹ پر اتار کر وہ "الجنت" کے راستے پر ہولی۔ ثانیہ نے اندر چلنے پر اصرار کیا لیکن اس نے مما کا بہانہ کر لیا۔ رابعہ شاہ ٹیرس پر دھوپ تاپ رہی تھیں۔ جب کہ زینت بی ان کے لمبے گھنے بالوں میں تیل ڈال کر مساج کر رہی تھیں۔

"آ گئیں تم؟" رابعہ شاہ نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا مما۔" اس نے عادتاً پوچھا۔

"ہاں میرے مولا سائیں کا کرم ہے۔ تمہیں کچھ کھانا ہو تو منگواؤں، صبح تم نے ناشتا بھی ڈھنگ سے نہیں کیا۔" ان کے لہجے میں تفکر جھلک رہا تھا۔

"آپ رہنے دیں۔ میں خود ہی کچن سے کچھ لے لوں گی۔" وہ چلنے لگی تھی کہ رابعہ شاہ کی پکار پر رک گئی۔

"تمہارے تایا جی رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں گے، ان کا فون آیا تھا۔ تمہیں کہیں جانا تو نہیں ہے؟"

"نہیں مما! میں گھر پر ہی ہوں، آپ بے فکر رہیں۔ تایا جی اکیلے آئیں گے یا......؟" اس نے قصداً بات ادھوری چھوڑی۔

"حرم کے بارے میں انہوں نے بتایا تو نہیں ہے۔ بہرحال تم حرم کو فون کر کے کہہ دو کہ وہ بھی رات کا کھانا اِدھر کھائے۔ کچھ دن سے وہ آیا بھی نہیں ہے۔" رابعہ شاہ کے لہجے میں حرم شاہ کے لیے ممتا کی مٹھاس محسوس ہو رہی تھی۔ عبیر کا دل چاہا کہ انہیں حرم علی شاہ کی موجودہ مصروفیات سے آگاہ کرے مگر ان کی طبیعت کی خرابی کا سوچ کے چپ رہی۔ ان کی دل آزاری کرنے کا دل نہیں چاہا۔

"مما! ان کا نمبر آج کل بہت مصروف رہنے لگا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں تلخی در آئی۔ جسے رابعہ شاہ نے بخوبی محسوس کیا۔

"کوشش کر کے دیکھو بیٹا......!" انہوں نے عبیر کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں کوشش کروں گی۔" وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی جب کہ رابعہ شاہ آزردگی سے کچھ سوچنے لگیں۔

شام کے وقت عبیر نے حرم علی شاہ کا نمبر ملایا جو کہ مصروف تھا۔ پھر جانے کیا سوچ دل میں سمائی کہ اس نے حرم کے آفس کا نمبر ملایا۔ وہاں سے پتا چلا کہ وہ اپنی سیٹ سے اٹھ چکا ہے۔ عشاء سے کچھ پہلے معظم علی شاہ آ گئے۔ عبیر کو وہ کچھ مضمحل سے لگے۔ عبیر کے سر پر ہاتھ پھیر کر انہوں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ادا شاہ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" رابعہ شاہ نے بھی ان کے مزاج کی تبدیلی کو محسوس کیا۔

"بس رابعہ! اب تھکن محسوس ہونے لگی ہے۔ دل چاہتا ہے گھر میں رونق ہو، عبیر کے دم سے چہل پہل ہو۔ حرم کے بچے ہوں۔ عبیر امتحان سے فارغ ہو تو اسے اپنے گھر لے جاؤں۔ "شاہ ہاؤس" اس کے بغیر بہت سُونا لگتا ہے۔" انہوں نے عبیر کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آپ اس دفعہ بہت دنوں بعد آئے ہیں۔" رابعہ شاہ نے دانستہ اس موضوع سے روگردانی کی۔

"ہاں میں ملک سے باہر تھا۔ کل ہی آیا ہوں، ایک ہفتے بعد پھر بنکاک جا رہا ہوں۔ سوچا جانے سے پہلے تم دونوں سے مل لوں۔ کل شاہ پور جانے کا ارادہ ہے۔ سید صاحب سے

بہت دن ہوئے ملاقات نہیں ہوئی۔" معظم علی شاہ نے تفصیل سے بتایا تو رابعہ شاہ چونک پڑیں۔

"ادا شاہ! میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔ مجھے بھی سید صاحب سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔ ان کی دعا لیے عرصہ ہو گیا ہے۔" رابعہ شاہ نے فوراً پروگرام ترتیب دیا۔ معظم علی شاہ مسکرا دیئے۔ سید صاحب سے رابعہ شاہ کا لگاؤ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔

"عبیر! تم بھی چلی چلو۔" رابعہ شاہ عبیر کی جانب مڑیں۔

"نہیں مما! میری پڑھائی کا حرج ہوگا۔ آپ سید صاحب کو میری جانب سے سلام کہیے گا اور میری بالکل فکر مت کیجیے گا۔" عبیر اٹھ کر ان کے پاس آ گئی اور انہیں لپٹا لیا۔ جانتی تھی کہ رابعہ شاہ کو شاہ پور میں بھی اسی کی فکر لگی رہے گی۔ جواباً رابعہ شاہ نے اس کی پیشانی چوم لی۔ معظم علی شاہ رات کا کھانا کھا کر رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن معظم علی شاہ اور رابعہ شاہ علی الصباح شاہ پور کے لیے روانہ ہو گئے تھے۔

❋......❋......❋

ثانیہ کے نکاح کی تقریب میں اس نے بہت انجوائے کیا تھا۔ ثانیہ آسٹریلیا جانے کی تیاری کرنے لگی جب کہ عبیر پڑھائی میں مگن ہو گئی۔ حرم نے کسی قسم کا رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سلگتی رہتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ رابعہ شاہ، شاہ پور گئی ہیں۔ "الجھت" میں عبیر اور ملازمین ہیں پھر بھی اس نے عبیر کی خیریت معلوم کرنے کے لیے رابطہ نہیں کیا۔ آنسو قطرہ قطرہ عبیر کے اندر گرتے رہتے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ وہ حرم علی شاہ کا گریبان تھام کر اپنا قصور پوچھے۔ کیا کمی تھی اس میں جو وہ اس کے ہوتے ہوئے دوسری لڑکیوں سے روابط بڑھا رہا تھا۔ مگر اسے اپنی انا بہت عزیز تھی۔ وہ نہ تو حرم سے اپنا قصور پوچھے گی نہ ہی اسے اس کی سنگین غلطی کا احساس دلائے گی۔ بس خاموشی سے اپنا راستہ الگ کرلے گی۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا۔ اب اسے اعظم علی شاہ کا انتظار تھا جو الوینہ کی سنگت میں جاپان گئے ہوئے تھے۔

"مما آپ تو شاہ پور کو ہی پیاری ہو گئی ہیں......" رابعہ شاہ کا فون آیا تو وہ شکوہ کر بیٹھی۔

"جانو! کیا کروں، دائم اور صائم آئے ہوئے ہیں، وہ مجھے آنے ہی نہیں دے رہے کہ شاہ تائی اتنے عرصے بعد آئی ہیں، جب تک ہم یہاں ہیں آپ بھی رکیے۔" رابعہ شاہ نے دائم علی شاہ کے الفاظ دہرائے۔

"سید صاحب کیسے ہیں؟" عبیر نے پوچھا۔

"رب سائیں کا شکر ہے۔ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ امتحان ختم ہو جائیں گے تو عبیر آپ سے ملنے آئے گی۔"

"جی ضرور! مجھے بھی سید صاحب سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔ سید صاحب اس وقت کہاں ہیں؟" اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"سید صاحب تو اس وقت حجرے میں ہیں۔ تمہاری بات نہیں ہو سکتی۔ جو بات کہنے کے لیے میں نے فون کیا ہے وہ تو سن لو، میری سہیلی سلیمہ یاد ہے تمہیں؟"

"وہ جو ناظم آباد میں رہتی ہیں؟" عبیر حیران ہوئی سلیمہ آنٹی کے ذکر پر۔

"اس کی بیٹی کا فون آیا تھا۔ سلیمہ کے گردے کا آپریشن ہوا ہے۔ ہمارے گھر کے نزدیک جو اسپتال ہے، وہ وہاں ایڈمٹ ہے۔ تم اس کی عیادت کے لیے چلی جانا اور ہاں، خالی ہاتھ مت جانا۔ کچھ پھل وغیرہ لے جانا۔" رابعہ شاہ نے تاکید کی۔ عبیر ان کے انداز پر مسکرا دی پھر کچھ مزید باتوں کے بعد رابعہ شاہ نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ شام کے وقت بوریت سے گھبرا کر اس نے سلیمہ آنٹی کی عیادت کا قصد کیا۔ مارکیٹ سے خوب صورت بکے اور پھل لے کر وہ اسپتال جا پہنچی۔ سلیمہ آنٹی کے پاس ان کی بہو اور بیٹی تیمارداری کے لیے موجود تھیں۔ آدھا گھنٹہ ان کے پاس بیٹھ کر وہ ان کے کمرے سے نکل آئی۔ کوریڈور میں چلتے ہوئے بلا ارادہ اس کی نظر دائیں جانب گئی جہاں کھلے دروازے سے اندر کا منظر واضح نظر آ رہا تھا۔ بلاشبہ وہ حرم علی تھا۔ سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس وہ بیڈ کے پاس کھڑا تھا۔ بیڈ پر نیم دراز لڑکی وہی تھی جسے عبیر نے کچھ دن پہلے حرم کے ساتھ دیکھا تھا۔ لڑکی کا وجود صاف کہانی سنا رہا تھا کہ وہ تخلیق کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر عبیر کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے گہرے گہرے سانس لے کر خود کو سنبھالا اور اپنے وجود کو گھسیٹتے ہوئے اسپتال سے باہر آ گئی۔ پتا نہیں کس طرح وہ گھر پہنچی۔ لاؤنج تک آ کر وہ صوفے پر ڈھیر ہو گئی۔ بنا اجازت کے آنسو پلکوں کے بند توڑتے ہوئے رخساروں پر ڈھلک آئے۔ پورا وجود پسینے میں تر بتر تھا۔ زینت بی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا

گئیں۔ جلدی سے اس کے لیے اسکوائش بنالائیں۔

"لو بیٹا! یہ پی لو، باہر گرمی بھی تو بہت ہے۔" وہ شاید خود کو تسلی دے رہی تھیں۔ اس نے بمشکل گلاس تھاما۔ بلا ارادہ ہی وہ تماشا بننے لگی تھی۔

"زینت بی! میں اب ٹھیک ہوں، آپ پریشان مت ہوں۔" وہ خالی گلاس زینت بی کو تھماتے ہوئے بولی اور نڈھال قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔

رات کو اس نے اعظم علی شاہ کا نمبر ملایا مگر دوسری جانب بیل جاتی رہی۔ شاید وہ مصروف تھے۔ بعد ازاں عبیر کا نام دیکھ کر انہوں نے اسے فون کیا تھا۔

"ہیلو ہنی! ٹھیک تو ہو نا۔ جاپان سے کچھ منگوانا ہے تو بتادو۔" اعظم علی شاہ نے ایک ساتھ دو باتیں کی۔

"پاپا! میں ٹھیک ہوں۔ بس آپ کی یاد آرہی تھی، آپ سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا" اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔

"پاپا! آپ کب تک واپس آرہے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"پندرہ دن مزید رہنے کا پروگرام ہے۔ تمہاری ماں ٹھیک ہے۔" بڑے عرصے بعد انہیں رابعہ شاہ کا خیال آیا۔

"مما تو شاہ پور گئی ہیں۔" اس نے بتایا پھر کافی دیر تک اعظم علی شاہ سے باتیں کرتی رہی مگر چاہنے کے باوجود حرم علی شاہ کے بارے میں کچھ کہہ نہ سکی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

پیپرز شروع ہوچکے تھے۔ مما بھی شاہ پور سے واپس آچکی تھیں۔ شاہ پور کی آب و ہوا نے ان کی صحت پر بہت اچھا اثر ڈالا تھا۔ رابعہ شاہ کے آنے کے دوسرے دن حرم ان سے ملنے آیا تھا۔ عبیر اس وقت سو رہی تھی۔ اس کی حرم سے ملاقات نہ ہوسکی۔ رابعہ شاہ نے حرم کو کھانے پر روکنا چاہا تھا۔ مگر اس نے مصروفیت کا عذر تراشا تھا۔ عبیر کو جب رابعہ شاہ نے اس کی آمد کا بتایا تو وہ بہت دیر تک کڑھتی رہی۔ جب کہ رابعہ شاہ ہمیشہ کی طرح پُرسکون تھیں۔ انہیں دیکھ کر عبیر نے سوچا کہ جتنا سکون مما کے چہرے پر ہے اتنا میرے دل میں کیوں نہیں ہے۔ جس دن اس کا آخری پیپر تھا۔ اسی دن اعظم علی شاہ "الجنت" آگئے۔ پتا چلا کہ وہ جاپان سے ایک ہفتہ قبل آچکے تھے اور پچھلا ہفتہ انہوں نے اسلام آباد میں گزارا تھا۔ کچھ ضروری امور نمٹانے تھے۔ "الجنت" وہ اکیلے ہی آئے تھے۔ الوینہ ان کے ساتھ نہیں تھی۔ عبیر یا رابعہ شاہ نے الوینہ کے متعلق پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ نہ ہی انہوں نے خود اس کے متعلق کچھ بتایا۔ رات کے کھانے کے بعد انہوں نے اسٹڈی کا رخ کیا تھا۔ کچھ دیر بعد عبیر بھی اسٹڈی روم میں آگئی۔ اعظم علی شاہ نے عینک کی اوٹ سے اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے کتاب بند کردی۔

"اینی پرابلم؟ تم ڈسٹرب لگ رہی ہو ہنی؟"

"جی پاپا! میں حرم کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتی تھی۔" وہ ان کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہوں، کہو......" ان کی حسیات چوکس ہوئیں۔

"پاپا! میں آپ کے فیصلے سے متفق ہوں۔ میں اب حرم کے ساتھ رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ پاپا! اس کے بارے میں سوچ کر ہی میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ وہ ہمیں دھوکا دے رہا ہے اور آپ پلیز جب تک فیصلہ نہیں ہوجاتا مما کو کچھ مت بتائیے گا۔ آپ جانتے ہیں نا مما کو حرم سے کتنی محبت ہے۔ وہ اس بات کا اثر لے کر بیمار ہوجائیں گی۔" اس کی آواز بھیگ رہی تھی اور آنکھیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔

"تم اپنے فیصلے سے مطمئن نہیں ہو؟" اعظم علی شاہ نے اسے بغور دیکھا۔

"نو پاپا! میں مطمئن ہوں۔ بس مما کا خیال پریشان کررہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل ہی وکیل سے بات کرتا ہوں۔ فکر نہ کرو اور جاکر سوجاؤ۔" اعظم علی شاہ نے کہا تو وہ اپنے کمرے میں آگئی مگر نجانے کیوں اپنے اندر خالی پن کا احساس ہونے لگا۔ اس فیصلے سے بھی دل کو سکون نہیں ملا۔ رات بھر نیند آنکھوں سے روٹھی رہی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

حرم علی شاہ اس وقت سید مکرم علی شاہ کے سامنے دوزانو بیٹھا تھا۔ سید مکرم علی شاہ اس وقت حجرے میں موجود تھے۔ حرم علی شاہ کو بنا پیشگی اطلاع کے شاہ پور میں دیکھ کر انہیں خوش گوار حیرت ہوئی تھی۔ ان کے نورانی چہرے پر نرم سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ان کے برعکس وہ بے حد پریشان اور الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"شہر میں سب خیریت تو ہے نا شاہ!" انہوں نے اپنی

دودھ جیسی سفید داڑھی میں انگلیاں پھیریں۔ حرم علی شاہ کی سنہری آنکھوں میں درد سا رچا محسوس ہوا، جسے جان کر ان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنی ہیں۔" حرم نے کہا تو انہوں نے دروازے کے نزدیک کھڑے اپنے مرید کو دلیاں ہاتھ اٹھا کر باہر جانے کا اشارہ کیا اور پھر حرم کی جانب متوجہ ہوئے۔

"ہاں اب کہو، کیا پریشانی ہے؟" دروازہ بند ہوجانے کے بعد وہ نرم مگر بارعب لہجے میں گویا ہوئے۔

"میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ اعظم چاچا کی تیسری بیوی الوینہ میری کلاس فیلو رہ چکی ہے۔ کل رات اس نے مجھے فون کیا تھا کہ اس کے بقول عبیر نے اعظم چاچا سے کہا ہے کہ......" اس نے توقف کرکے سید صاحب کو دیکھا تو انہوں نے سر ہلایا۔ گویا وہ بغور اسے سن رہے تھے۔ "وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اعظم چاچا نے اسے تسلی کرائی ہے کہ وہ خلع کے کاغذات کورٹ میں داخل کروادیں گے۔" حرم علی شاہ کہہ رہا تھا جب کہ سید صاحب دم بخود اس کے لبوں سے نکلنے والے الفاظ سن اور سمجھ رہے تھے۔

"الوینہ کو کیا ضرورت پیش آئی تھی تمہیں یہ اطلاع دینے کی؟"

"سید صاحب مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ الوینہ ایم بی اے کے دوران مجھ سے محبت کی دعویدار تھی۔ میں نے بارہا اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ میرا نکاح عبیر سے ہوچکا ہے لیکن میری باتوں کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخری دن اس نے تمام کلاس کے سامنے میرا ہاتھ پکڑ کر بہت بے باکی سے اظہار محبت کیا۔ جس پر میں اشتعال میں آگیا اور الوینہ کو بہت برا بھلا کہا اور اس کی تربیت کو بھی الزام دیا۔ جس کا الوینہ نے یہ اثر لیا کہ اس نے مجھ سے بیر باندھ لیا اور یہ کہتے ہوئے رخصت ہوگئی کہ وہ مجھے بھی میری محبت سے محروم کردے گی اس بات کے کچھ عرصے بعد ہی اس نے اعظم چاچا سے شادی کرلی۔" حرم علی شاہ کچھ دیر رکا۔

"اعظم علی شاہ نے کبھی اچھا بیٹا بن کر نہیں دکھایا۔ رابعہ سے شادی تو اس نے کرلی مگر اسے خوشیاں نہ دے سکا۔ عبیر کا تم سے نکاح کرتے وقت بظاہر وہ بھی مطمئن تھا مگر اب یہ صورت حال ہماری برداشت سے باہر ہے۔" سید مکرم علی شاہ کے چہرے پر غیظ و غضب کی سرخی چھا گئی۔

"کچھ عرصہ پہلے اعظم چاچا نے یہ بات شاہ چاچی سے کی تھی اور انہیں منع کیا تھا کہ وہ آپ کو نہ بتائیں۔ اس وقت تو عبیر نے انہیں روک دیا تھا مگر اب دوبارہ سے یہ معاملہ یوں اٹھا ہے کہ عبیر ہی خلع چاہتی ہے۔ سید صاحب مجھے اس سلسلے میں الوینہ کا ہاتھ لگتا ہے، اس نے ضرور عبیر کو بدگمان کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ عبیر کس قدر بے وقوف ہے۔" اس نے بے وقوف کہتے ہوئے دانت پیسے تھے۔ اس کے انداز پر ایک لمحے کو سید صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ کی چمک آگئی تھی۔

"پھر اب تم ہم سے کیا چاہتے ہو، کیا ہم اعظم سے بات کریں؟" انہوں نے پوچھا۔

"کوئی فائدہ نہیں ہے اعظم چاچا سے بات کرنے کا۔ الوینہ کی باتوں سے لگتا ہے کہ نہ تو اعظم چاچا آپ کی کوئی بات سنیں گے، نہ ہی عبیر سے کوئی امید باندھی جاسکتی ہے۔ ہاں اس سارے قصے میں شاہ چاچی جی بھر کر تکلیف اٹھائیں گی، نہ تو میں ان کو دکھی کرسکتا ہوں نہ ہی عبیر سے دست بردار ہوسکتا ہوں۔ کسی بھی صورت میں مجھے عبیر کے ساتھ گھر بسانا ہے اور یہ سب کیسے ہوگا۔ یہ آپ کو طے کرنا ہے۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا تو سید صاحب ہنس دیے۔

"سید حرم علی شاہ تم نے تو دل خوش کردیا۔ کچھ سوچتے ہیں۔ تم فی الحال جاکر آرام کرو۔" انہوں نے پاس پڑی تسبیح اٹھائی تو حرم علی شاہ حجرے سے باہر نکل آیا اور حویلی کے رہائشی حصے میں داخل ہوگیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

حرم علی شاہ صبح شاہ پور سے لوٹا تھا۔ آفس میں کچھ ضروری امور نمٹا کر وہ گاڑی لے کر "الجنت" آگیا۔ رابعہ شاہ لان میں بیٹھی شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ حرم کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر ان کا چہرہ کھل اٹھا۔ انہوں نے زینت بی سے گرم چائے لانے کا کہا اور اس کی جانب متوجہ ہوگئیں۔ پورچ میں گاڑی روک کر وہ ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

"السلام علیکم! شاہ چاچی۔" وہ ان کے آگے جھکا۔ رابعہ شاہ نے اس کے سلام کا جواب دے کر اس کی روشن پیشانی چوم لی۔

"آج تو تمہیں رات کا کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوں گی۔" رابعہ شاہ نے کہا۔

"جو آپ کا حکم شاہ چاچی۔" وہ ان کے نزدیک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ "آج تو بڑے دنوں بعد مجھے بھی فرصت ہے۔" وہ کھل کر مسکرایا۔

"عبیر کہاں ہے؟" اس نے اپنے خوب صورت براؤن بالوں کو بگاڑا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہے، میں بلواتی ہوں۔"

"رہنے دیں، میں خود ہی بلا کر لاتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندر چلا گیا اور عبیر کے کمرے کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ اس نے دستک دینے کے لیے ہاتھ بلند کیا تھا مگر اس کا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا کیونکہ عبیر دروازہ کھول کر سامنے کھڑی تھی۔ حرم کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر اس کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب کہ حرم علی شاہ اسے بغور دیکھتا ہوا اس کی اندرونی کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"آپ کب آئے؟" اس کے لبوں نے جنبش کی۔

"کچھ دیر پہلے آیا ہوں۔ شاہ چاچی نے بتایا کہ تم اپنے کمرے میں ہو تو تمہیں بلانے چلا آیا۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"میں آ ہی رہی تھی۔ زینت بی نے بتا دیا تھا کہ آج چائے لان میں ملے گی۔" وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ "آج آپ کو فرصت کیسے مل گئی؟" نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ لبوں سے پھسل پڑا۔ حرم نے اپنے پہلو میں چلتی ہوئی اس لڑکی کو دیکھا جو اس کی رگ وجاں سے بھی قریب تر تھی۔ جانے اس سے کہاں کوتاہی ہوگئی کہ وہ اس درجہ بدگمان ہوگئی تھی۔

"ایسا ہے کہ آج تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔" حرم گمبھیر لہجے میں بولا تو وہ پھر سے مسکرا دی۔

"آج کیا کسی نے لفٹ نہیں کروائی حرم علی شاہ۔" حرم اس کی مسکراہٹ کے معنی سمجھنے سے قاصر تھا۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تو سامنے بیٹھی رابعہ شاہ پر نظر پڑی جو ان دونوں کو ساتھ آتے دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔ جب کہ زینت بی دونوں کو آتے دیکھ کر چائے بنانے لگیں۔ زینت بی نے چائے کے ساتھ خاصا اہتمام کر رکھا تھا۔ رابعہ شاہ اسے اصرار کر کے کھلاتی رہیں جب کہ عبیر بے نیازی سے بیٹھی چائے کے سپ لیتی رہی۔ وہ ماحول کا حصہ ہوتے ہوئے بھی الگ محسوس ہو رہی تھی۔ کہ ایسا کیا ہے اس کے دل میں جو وہ حرم علی شاہ کو نظریں اٹھا کر دیکھنے سے بھی گریز کر رہی تھی۔ اس قدر بے گانگی اور بے نیازی تھی اس کے انداز میں۔ زینت بی کی نگرانی میں ملازمہ چائے کی ٹرالی لے جا چکی تھی۔ کچھ دیر بعد حرم کا سیل فون بجنے لگا۔

"منتظم چاچا کی کال ہے۔" حرم علی شاہ نے کہتے ہوئے بٹن دبایا اور فون کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم چاچا سائیں! کہیے کیسے یاد کیا؟" حرم علی شاہ نے کہا۔ پھر دوسری جانب سے آنے والی آواز کو بغور سننے لگا۔ "اوہ! ٹھیک ہے۔ میں "الجنت" میں ہوں، آپ شاہ چاچی سے بات کر لیجیے۔" حرم نے کہا اور پھر فون رابعہ شاہ کی جانب بڑھا دیا۔

"منتظم چاچا بتا رہے ہیں کہ سید صاحب کی طبیعت خراب ہے۔ منتظم چاچا آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"مولا خیر......" رابعہ شاہ نے ہولتے ہوئے فون حرم سے لے کر کان سے لگا لیا اور سید منتظم علی شاہ سے بات کرنے لگیں۔ ان کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔ عبیر بھی ہراساں نظر آ رہی تھی۔ سید صاحب سے اسے قلبی لگاؤ تھا۔ وہ رابعہ شاہ کی جانب متوجہ تھی جو کہ سید منتظم علی شاہ سے کہہ رہی تھیں۔ "تم تسلی رکھو منتظم علی شاہ! ہم لوگ جلد شاہ پور پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ سائیں خیر رکھے۔" انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا اور فون حرم کی جانب بڑھا کر عبیر سے مخاطب ہوئیں۔

"فوراً بیگ میں دو جوڑے رکھو۔ ہم دونوں حرم کے ساتھ شاہ پور کے لیے نکل رہے ہیں۔ سید صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں۔" عبیر ان کی بات سن کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔ رابعہ شاہ بھی اس کے پیچھے ہی تھیں۔ جب کہ حرم نے مطمئن انداز میں کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ تینوں شاہ پور کے لیے نکل گئے تھے۔ رابعہ شاہ عقبی سیٹ پر بیٹھی تمام راستہ "یا سلام" کا ورد کرتی رہیں۔ عبیر کو حرم کا اطمینان الجھن میں ڈال رہا تھا۔ چھ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد تینوں شاہ پور پہنچے تو حویلی میں چہل پہل کا عالم تھا۔ عبیر نے سوچا کہ شاید سید صاحب کی بیماری کی

اطلاع تمام رشتہ داروں کو دے دی گئی تھی۔ سب ہی آ موجود ہوئے تھے۔ البتہ سید معظم علی شاہ اور اعظم علی شاہ غیر موجود تھے۔ معظم علی شاہ کل صبح کی فلائٹ سے پیرس سے آنے والے تھے۔ سید صاحب کو بستر پر دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں۔ سید صاحب نے اسے خود سے لگا لیا۔

"اگر میں بیمار نہ ہوتا تو تم اب بھی نہ آتیں؟" سید صاحب نے گلہ کیا تو وہ جی بھر کر شرمسار ہوئی۔ وہ کچھ دیر سید صاحب کے پاس بیٹھی رہی پھر سوہنی منتظم جنہیں سب چھوٹی چاچی کہتے تھے۔ وہ عبیر کو کمرے سے باہر لے آئیں جب کہ رابعہ شاہ اور حرم علی شاہ اندر کمرے میں سید صاحب کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ چھوٹی چاچی نے اسے دائم علی شاہ کے سامنے کھڑا کر دیا جو کہ اس کا ہم عمر تھا۔

"اوہو! عبیر علی شاہ کو فرصت مل گئی شاہ پور آنے کی؟" دائم علی شاہ اسے دیکھ کر چہکا جب کہ چھوٹی چاچی کچن کی جانب بڑھ گئیں تاکہ ان لوگوں کے کھانے کا انتظام کر سکیں۔

"بکواس بند کرو، پڑھائی میں مصروف تھی۔ میں نہیں آ سکی تو تمہیں خیال نہ آیا کہ کراچی میں بھی تمہاری ایک کزن رہتی ہے۔" عبیر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ پھر سرگوشی میں پوچھنے لگی۔ "دائم! سید صاحب ٹھیک تو ہو جائیں گے نا۔"

"ان شاء اللہ! تم تسلی رکھو۔ پھر اب تو تم بھی آ گئی ہو۔ وہ تمہیں بہت یاد کرتے ہیں اکثر ان کی زبان پر تمہاری اور حرم بھائی کی شادی کا تذکرہ ہوتا ہے۔" دائم نے کہا تو وہ جواب میں خاموش رہی۔ کھانے کے بعد موقع ملتے ہی اس نے رابعہ شاہ سے دریافت کیا۔

"مما! کسی نے پاپا کو اطلاع دی ہے یا میں فون کر دوں کہ سید صاحب علیل ہیں۔"

"نہیں بنی! میں نے تمہارے چاچا سے پوچھا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ انہوں نے اعظم علی شاہ کو اطلاع دے دی ہے۔" انہوں نے دانستہ عبیر کی جانب دیکھنے سے اجتناب کیا۔

رات کو دیر تک وہ سید صاحب کے کمرے میں بیٹھی رہی۔ پاس والے گاؤں سے سید صاحب کی چھوٹی بہن فاطمہ بھی اپنے بچوں سمیت آ چکی تھیں۔ وہ بھی سید صاحب کے پاس بیٹھی تھیں۔ سید صاحب کا کہنا تھا کہ وہ اب اچھا محسوس کر رہے ہیں۔ کافی دیر سے وہ اپنے کمرے میں سونے آئی تھی۔ شاہ پور کی اس حویلی میں سید صاحب کے تمام پوتے، پوتیوں کے کمرے تھے۔ شہر والوں کے کمرے عموماً بند رہتے تھے۔ صرف صفائی کے لیے انہیں کھولا جاتا تھا۔ چونکہ رات گئے اس کی آنکھ لگی تھی۔ اس لیے صبح بھی معمول کے خلاف دیر سے آنکھ کھلی۔ وہ باہر آئی تو تمام اہل خانہ اور عزیز واقارب ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک گہما گہمی کا ماحول تھا۔ وہ حیران ہوتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی جہاں چھوٹی چاچی ملازموں کے سر پر کھڑی ہدایات دے رہی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کی تیاری شروع ہو چکی تھی۔ اسے سامنے پا کر چھوٹی چاچی نے اس کی پیشانی چوم لی۔ جس پر وہ خفیف ہوگئی۔

"ناشتے میں کیا لو گی؟" انہوں نے پوچھا۔

"ناشتے کا ٹائم تو ختم ہو گیا ہے۔ میں اب لنچ کروں گی۔ فی الحال بس چائے بنوا دیں۔" اس نے انگلیوں سے بال سنوارے۔

"چائے تیار ہے، لے جاؤ۔ سید صاحب کا حکم تھا کہ تم ناشتا کر لو تو تمہیں ان کے کمرے میں بھیجا جائے۔" انہوں نے سر کی خفیف سی جنبش سے ملازمہ کو اشارہ کیا تو اس نے عبیر کو چائے کا مگ پکڑا دیا اور وہ سید صاحب کے کمرے کی جانب چل دی۔ جہاں سید صاحب اور رابعہ شاہ کے علاوہ منتظم علی شاہ اور حرم علی شاہ بھی موجود تھا۔ وہ عبیر کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے نزدیک سے گزر کر باہر چلا گیا۔ البتہ اس کے لبوں پر بڑی جان دار مسکراہٹ تھی۔ جسے دیکھ کر عبیر کے اندر اندیشے پنپنے لگے۔

"آؤ بیٹا! تم سے ایک بات کرنی ہے۔" سید صاحب نے اس کے لیے اپنے پاس جگہ بنائی، تو وہ سنبھل کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"ناشتا کر لیا؟" رابعہ شاہ نے اس کے ہاتھ میں چائے کا مگ دیکھ کر پوچھا۔

"دل نہیں چاہ رہا، لنچ کروں گی......" اس نے مگ خالی کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور سید صاحب کی جانب متوجہ ہوئی جو اس کے گلابی چہرے کو دیکھتے ہوئے دل میں الفاظ ترتیب دے رہے تھے۔

"نجانے کب بلاوا آ جائے، اس لیے ہم نے سوچا ہے کہ ہم اپنی خوشی پوری کر لیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہماری

زندگی میں ہی تم اور حرم ایک ہو جاؤ تاکہ جب روزِ محشر تمہاری سیدانی جی ہم سے سوال کریں تو ہم انہیں جواب دے سکیں کہ ہم ان کے ادھورے خواب کو تعبیر دے آئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ تم ہماری خوشی کا خیال کرو گی۔ یہ رخصتی تو بس ایک رسمی کارروائی ہے ورنہ تم اور حرم بہت پہلے سے مضبوط بندھن میں بندھے ہوئے ہو۔ اب تم پڑھائی بھی پوری کر چکی ہو پھر حویلی میں سب ہی موجود ہیں۔ آج شام کو تمہاری رخصتی ہے اور اس کے دو دن بعد ولیمہ بھی حویلی ہی میں ہوگا۔ معظم علی شاہ شام تک شاہ پور پہنچ جائیں گے اور اعظم علی شاہ بھی آ ہی جائیں گے۔ رابعہ شاہ! آپ عبیر کو لے جائیں اور عروسی سامان دکھا دیجیے جو ہم نے بطورِ خاص حرم علی شاہ کی دلہن کے لیے بنوایا ہے۔" آخری الفاظ انہوں نے رابعہ شاہ سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ ان کا انداز رواں اور قطعی تھا۔ چہرے پر آنے والے وقت کا سوچ کر اس قدر چمک تھی کہ عبیر گنگ سی بیٹھی انہیں دیکھتی رہ گئی۔ وہ ساری شکایتیں جو اسے حرم علی شاہ سے تھیں۔ اس وقت اڑن چھو ہو گئی تھیں۔ سید صاحب کے الفاظ نے جادو کی چھڑی کا کام کیا تھا۔ رابعہ شاہ اسے دوسرے کمرے میں لے آئیں۔ جس میں یہاں سے وہاں تک عروسی سامان رکھا ہوا تھا۔ رابعہ شاہ اسے اصرار سے ایک ایک چیز دکھانے لگیں مگر وہ سید صاحب کے کمرے نکل کر ہوش میں آ گئی تھی۔

"مما! میری بات سنیے۔" وہ ان کا بازو تھام کر تنہا گوشے میں لے جانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بیٹا! میں سمجھتی ہوں۔ تم پریشان مت ہو، تم شہر جاتے ہی اپنے جہیز کی خریداری کر لینا۔ اعظم علی شاہ کا جو کچھ بھی ہے تمہارا ہی تو ہے۔" وہ جانے کیا سمجھیں۔

"شاہ بھائی! ذرا یہ لسٹ دیکھ لیں۔ کسی کو فون کرنا رہ تو نہیں گیا۔" یہ منتظم چاچا تھے جو رابعہ شاہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ کچھ دیر کے لیے اس کمرے میں تنہا رہ گئی۔ دل چاہا سب کچھ تہس نہس کر دے اور اس تمام ساز و سامان کو آگ لگا دے۔ آنکھوں میں ریت سی چبھنے لگی تھی۔ شاید وہ کچھ کر گزرتی کہ فاطمہ دادی کی پوتی صندل مہندی کی کون تھامے اسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئی۔

"عبیر! کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔ رابعہ چاچی کہہ رہی ہیں کہ تم جلدی سے نہا لو تو میں تمہارے ہاتھوں میں مہندی لگا دوں۔" صندل کے پیچھے چھوٹی چاچی بھی تھیں۔ انہوں نے اسے باتھ روم میں گھسا کر ہی دم لیا۔ نہانے کے دوران وہ رونے کا فرض پورا کرتی رہی۔ نہا کر فارغ ہوئی تو صندل اس کے کمرے میں ہی موجود تھی۔ وہ بہت پیاری اور پُر خلوص لڑکی تھی۔ چھوٹی چاچی کا ارادہ عنقریب صندل کو دائم علی شاہ کی دلہن بنانے کا تھا۔ دائم ان کا ہم نوا تھا۔ صندل اس کی ہتھیلیوں پر مہندی لگانے لگی۔ اس کے اندر تو جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ جی چاہ رہا تھا کہ حرم علی شاہ اس کے سامنے آئے تو وہ اس کا منہ نوچ لے۔ کاش پاپا ہی جلدی آ جائیں اور یہ سب ہونے سے روک دیں۔ میں کس طرح سید صاحب کے آگے آواز بلند کروں اور مما تو میری کوئی بات سننے کو رضامند ہی نہیں ہیں۔ وہ اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔ دوپہر کا کھانا صندل کی بھابی رمیلہ لے کر آئی تھیں۔ اس نے دو چار نوالے ہی لیے تھے اور پھر تو رمیلہ بھابی اس کا سایہ بنی رہیں۔ ان کی معنی خیز چھیڑ چھاڑ اسے پزل کر رہی تھی۔ ذہن جیسے دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے لگی۔ معظم علی شاہ کے آنے کی اطلاع اسے مل چکی تھی، البتہ پاپا کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ انہیں کال کرنا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں ملا۔ رمیلہ بھابی کے علاوہ صندل، رانیہ بھابی، نوما، ثوما نے اسے گھیر رکھا تھا۔ رانیہ بھابی جو کہ رمیلہ بھابی کی دیورانی تھیں۔ چھوٹی چچی کی بھتیجی بھی تھیں۔ چھوٹی چچی اس کا عروسی لباس اور اس کے زیورات لیے چلی آئی تھیں۔

کچھ دیر بعد بیوٹیشن آ گئی جسے صائم علی شاہ شہر سے لے کر آیا تھا اور وہ عبیر کے تیکھے نقوش کو مزید سنوارنے میں جت گئی۔ گہرے سرخ رنگ کا لہنگا اس کے حسن کو دو آتشہ بنا رہا تھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ کافی مہمان حویلی میں اکٹھے ہو گئے تھے۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری و ساری تھا۔ سید صاحب اپنے کمرے میں موجود تھے۔ ان کے علاوہ حرم علی شاہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔ سید صاحب کے اشارے پر اس نے ٹیلی فون سیٹ اٹھا کر اعظم علی شاہ کا نمبر ملایا اور ریسیور سید صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔ دوسری جانب سے چند بیلز کے بعد اعظم علی شاہ نے کال ریسیو کر لی۔ سید صاحب کی آواز سن کر وہ حیران ہوئے۔

"میں نے تمہیں کچھ بتانے کے لیے فون کیا ہے۔" انہوں نے بارعب انداز میں کہا۔

"جی سید صاحب! کہیے میں سن رہا ہوں۔" اعظم علی شاہ کے لہجے سے ان کی الجھن کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا۔

"آج ہم عبیر کو حرم کے ساتھ رخصت کر رہے ہیں۔ حویلی میں مہمانوں کی آمد شروع ہو چکی ہے۔ عبیر بھی دلہن بن چکی ہے۔ آنا چاہو تو آ جاؤ۔ ہمیں خوشی ہوگی۔" سید صاحب نے رسان سے بتایا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں اور آپ مجھے اب عین وقت پر اطلاع دے رہے ہیں؟ میری اکلوتی بیٹی کی رخصتی کی۔ جب کہ عبیر ایسا نہیں چاہتی۔ وہ حرم سے خلع چاہتی ہے۔ سید صاحب! آپ اس پر جبر نہیں کر سکتے۔" اعظم علی شاہ گستاخانہ انداز میں کہہ رہے تھے۔

"سید اعظم علی شاہ! ہمارے خاندان میں جب ایک بار نکاح ہو جاتا ہے تو اسے مرتے دم تک نبھاتے ہیں۔ عبیر بچی ہے، نادانی کرنے چلی تھی۔ بجائے اس کے کہ تم اسے سمجھاتے۔ تم اس کے ہم نوا بن گئے؟" سید صاحب بھی گرج اٹھے تھے۔

"سید صاحب آپ نہیں جانتے، حرم علی شاہ اس کے ساتھ مخلص نہیں ہے۔ دھوکا دے رہا ہے وہ آپ سب کو۔" اعظم علی شاہ کا انداز بدستور گستاخانہ تھا۔

"ہم حرم کے متعلق کچھ نہیں سنیں گے۔ آنا چاہو تو آ جاؤ۔ رخصتی تک تو تم پہنچ نہیں سکتے۔ بہرحال فکر مت کرو وہ معظم اور منتظم کی بھی بیٹی ہے۔ ہماری بچی ہے وہ۔ ویسے تم آنا چاہو تو چلے آؤ۔ تمہاری وجہ سے ہی ہم نے ولیمہ دو دن بعد رکھا ہے۔" سید صاحب نے رابطہ منقطع کر دیا اور ایک سکون بھرا سانس لیا۔

اعظم علی شاہ کے لیے اتنے کم وقت میں اسلام آباد سے میرپور خاص کے اس دیہات تک کا سفر ممکن نہیں تھا۔ سید صاحب کو اطمینان تھا کہ رخصتی کا مرحلہ بخیر و بخوبی انجام پذیر ہو جائے گا جو کہ اعظم علی شاہ کی موجودگی میں ناممکن تھا۔

☺
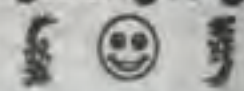
حرم علی شاہ کے بیڈ روم میں اسے رمیلہ اور رابعہ شاہ چھوڑ کر گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ چند منٹ تک بیٹھی کچھ سوچتی رہی اور پھر بیڈ سے نیچے اتر آئی۔ یہ کمرا اس نے کئی بار دیکھ رکھا تھا مگر آج تو اس کمرے کی سجاوٹ کسی ماہر کے ہاتھوں کا کرشمہ لگ رہی تھی۔ چنبیلی اور گلاب کے پھولوں کے علاوہ ائیر فریشنر کی مہک نے پُرفسوں سا ماحول بنا رکھا تھا۔ عبیر کو رہ رہ کر وہ سنہری بالوں والی لڑکی یاد آ رہی تھی جو کہ تخلیقی مراحل سے گزر رہی تھی۔ "اگر حرم اس کو اپنا آپ سونپ چکا ہے تو پھر میری زندگی کیوں برباد کر رہا ہے۔" وہ بیڈ کے دوسری جانب آ کر زمین پر بیٹھ گئی اور اپنی چوڑیاں اتارنے لگی۔ ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ بیڈ پر پڑی جہاں دلہن بن کر عبیر کو موجود ہونا چاہیے تھا مگر سونا بیڈ دیکھ کر اسے دھچکا لگا۔ وہ آگے بڑھا تو کانوں میں ہچکیوں کی آواز پڑی۔ وہ گھوم کر بیڈ کے دوسری جانب آیا۔ جہاں وہ زور و شور سے رونے میں مصروف تھی۔ ساتھ ہی بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ میں پہنی چوڑیاں اتار رہی تھی۔ حرم نے اس کا دایاں ہاتھ گرفت میں لے لیا۔ حرم کا لمس محسوس ہوتے ہی اس کے اندر الاؤ جلنے لگے۔

"چھونا مت مجھے۔ چھوڑو میرا ہاتھ۔" وہ حرم کی گرفت سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔ حرم کو کچھ ایسی ہی توقع تھی اس سے۔

"میرے پاس تمہیں چھونے کے مکمل حقوق ہیں محترمہ! مگر میں سمجھنے سے قاصر ہوں میری بیوی جو کچھ عرصے پہلے تک میری والہ و شیدا تھی یکایک اس قدر بدگمان کیوں ہو گئی ہے؟" وہ اپنے مخصوص گمبھیر لہجے میں بولا۔ عبیر کی کلائی بدستور حرم کی گرفت میں تھی۔

"تم دھوکے باز ہو؟ حرم علی شاہ! مجھے تمہاری قربت کے تصور سے وحشت ہو رہی ہے۔ رحم کرو مجھ پر۔ سید صاحب نے ظلم کیا ہے مجھ پر۔ میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" اس کے آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے۔ وہ بدستور اپنا ہاتھ چھڑانے کی تگ و دو کر رہی تھی۔

"رہنا تو تمہیں تاحیات میرے ساتھ ہی ہے۔ رہی دھوکے والی بات، تو وہ تم مجھے صبح بتانا۔ میں مزید کوئی گنجائش نہیں رکھنا چاہتا کہ اعظم چاچا دوبارہ سے خلع کا نام اپنی زبان پر لا سکیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب جب تم ان کے سامنے جاؤ تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عبیر نے حرم علی شاہ کو اپنا مان لیا ہے۔" اس نے عبیر کی کلائی کو جھٹکا دیا تو وہ اس کے سینے سے آ لگی۔ مگر اس کا انداز ابھی بھی ہٹ دھرمی لیے ہوئے تھا۔

"مجھے جانے دو۔ مجھے مما کے پاس جانا ہے۔" وہ چیخ پڑی جب کہ حرم علی شاہ کا سکون برقرار تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا

کہ عبیر کی آواز کمرے سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔

"مما کے پاس بہت رہ لیا اب مجھے مزید پریشان مت کرو۔" اس نے جھک کر کہا۔ تو کچھ پل کے لیے اس کی مزاحمت دم توڑ گئی مگر جیسے ہی وہ سنہری بالوں والی لڑکی یاد آئی اس کی رگوں میں انگارے دوڑنے لگے۔

"کس کس کو دھوکا دو گے حرم! وہ جانتی ہے کہ تم یہاں میرے ساتھ ہو۔" عبیر کے الفاظ پر وہ چونک پڑا۔

"کون؟ کس کی بات کر رہی ہو تم؟" اس کی پیشانی پر سلوٹ نمودار ہوئی۔

"وہی جس کے ساتھ میں نے خود تمہیں گائنی وارڈ میں دیکھا تھا۔ وہی جسے تم اپنی گاڑی میں لیے گھوم رہے تھے۔" عبیر نے زہر خند لہجے میں کہا۔

تو حرم کو یاد آیا کہ رابیل کا بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا اور وہ اسے اسپتال لے گیا تھا۔ رابیل کو دو دن انڈر آبزرویشن رکھا گیا تھا۔ اب چونکہ چار دن پہلے سرمد پاکستان لوٹ آیا تھا سو اس کی جان بخشی ہو گئی تھی۔

"تم نے اس سے شادی کر رکھی ہے تو میری زندگی کیوں برباد کر رہے ہو؟" عبیر کی بدگمانی پر حرم کا جی چاہا کہ تھپڑوں سے اس کا گلابی چہرہ سرخ کر دے۔ بدگمانی کی کوئی حد بھی تو ہو۔ اس نے "استغفر اللہ" کہتے ہوئے اس کی بھیگی پلکوں والی آنکھوں کو دیکھا جن میں رونے کی وجہ سے گلابی پن رچ گیا تھا۔ کچھ دن پہلے تک ان آنکھوں میں حرم علی شاہ کے نام کے سپنے سجے ہوتے تھے اور آج یہ آنکھیں اس کی بے وفائی پر آنسو بہا رہی تھیں۔ حرم نے اسے شانوں سے تھام کر اپنے روبرو کھڑا کیا۔

"میں نے صرف تم سے محبت کی ہے اور تمہیں ہی اپنی زندگی میں شامل کیا ہے اگر تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں ہے تو میں فی الحال تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔" حرم نے اسے خود سے نزدیک کرتے ہوئے اس کی زلفوں کی مہک کو سانسوں میں بسایا۔ اس کی گرفت جان دار تھی۔

...... ☺ ......

صبح جب حرم علی شاہ کی آنکھ کھلی تو اس نے بیڈ پر نگاہ دوڑائی۔ عبیر علی شاہ نکھری نکھری بیڈ کے دوسرے سرے پر بیٹھی تھی۔ اس نے میرون اور بلیک کنٹراسٹ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ جس کی قمیص اور دوپٹے پر نفیس کام کیا گیا تھا۔ فون اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اعظم علی شاہ سے رابطہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر نیٹ ورک نہیں مل رہا تھا۔ حرم نے اس کی جانب کروٹ لے کر ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھام کر اسے خود سے نزدیک کر لیا۔

"صبح صبح کسی الجھن میں ہو؟"

"پاپا سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔" اس کے انداز میں ناگواری تھی۔ حرم کی قربت اسے بجائے سکون دینے کے اضطراب میں مبتلا کر رہی تھی اور یہ اس کی زندگی کا بڑا تکلیف دہ موڑ تھا۔

"الویرا زیب کون ہے اور تم نے اسے "شاہ ہاؤس" میں رہنے کی اجازت کس رشتے سے دی تھی۔" اس نے حرم کی سنہری آنکھوں میں جھانکا۔ عبیر کی سیاہ آنکھوں میں شک کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ حرم کا اچھا بھلا موڈ غارت ہو گیا۔ اس نے کبھی پارسائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے اردگرد بسنے والے رشتے اس کے کردار کی مضبوطی سے واقف ہیں۔ حرم علی شاہ تفریحاً صنفِ نازک سے دوستیاں پالنے کا قائل نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو الوینہ بھی اس کے دوستوں میں شامل ہوتی اور یہ بے وقوف لڑکی رات کو رابیل کے حوالے سے بہتان تراشی کر رہی تھی اور اب اسے الویرا کی پچھلے دنوں "شاہ ہاؤس" میں رہائش پر اعتراض تھا۔ اس نے عبیر کو ایک سائیڈ پر کیا اور بیڈ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ غالباً عبیر کو یہ سب باتیں الوینہ کے ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی۔ وہ جب عبیر سے ملتا تھا تو اپنی باتیں کرتا تھا نہ تو اس نے کبھی عبیر کو سرمد اور رابیل کے متعلق بتایا نہ ہی کبھی ان کے درمیان عمر اور الویرا کا ذکر آیا تھا اور اس کی یہی غلطی اس کی زندگی کی خوشیوں کو نگلنے لگی تھی۔

"الوینہ تمہارا حشر تو بہت بُرا کروں گا۔" وہ دل ہی دل میں سوچتا ہوا اور عبیر کو بنا کوئی جواب دیئے واش روم میں گھس گیا۔ عبیر کو اس کی بے اعتنائی پر پھر سے رونا آنے لگا۔ وہ خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتی کمرے سے باہر آ گئی۔ حویلی میں صبح کی گہما گہمی تھی۔ کچن میں ناشتے کی افراتفری کا عالم تھا۔ عبیر کچن کی جانب آ گئی۔ نامکمل نیند اور رونے کے باعث سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ آج کچن میں چھوٹی چاچی اور رانیہ بھابی دونوں ہی ملازمین کے سر پر کھڑی تھیں۔ رانیہ بھابی اسے دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

"عبیر! تم پر تو بہت روپ آیا ہے۔ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ میرا خیال ہے حرم بھائی کو تم سے بہت محبت ہے۔" عبیر ان کے انداز پر جھینپ گئی۔

"چھوٹی چاچی! پلیز ایک کپ چائے کا دے دیں۔" چھوٹی چاچی بھی رانیہ کی بات سن کر ہنسنے لگیں۔

"میں بس تمہارا اور حرم کا ناشتا کمرے میں بھجوا رہی ہوں۔" وہ فلاسک میں سے چائے نکالنے لگیں۔

"چاچی! میں ناشتا نہیں کروں گی۔ آپ حرم کا بھجوا دیجئے۔ میں مما کے پاس جا رہی ہوں۔" اس نے چاچی کے ہاتھ سے چائے کا مگ لیا اور کچن سے باہر نکل آئی جب کہ رانیہ بھابی اور چھوٹی چاچی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ ان کے خاندان میں روایت تھی کہ دولہا دلہن شادی کے بعد آنے والی پہلی صبح کو ناشتا ایک ساتھ کرتے تھے۔ چھوٹی چاچی سر جھٹک کر حرم کے ناشتے کے برتن سیٹ کرنے لگیں۔

عبیر نے رابعہ شاہ کے کمرے میں قدم رکھا تو وہ قرآن پاک کو جزدان میں لپیٹ کر رکھ رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ کچھ پڑھ رہی تھیں۔ عبیر کو دیکھ کر ان کے چہرے پر چمک آ گئی۔ نزدیک آ کر انہوں نے عبیر کے چہرے پر پھونک ماری اور پھر اس کی پیشانی چوم لی۔

"آج میری زندگی کے سب سے بڑے سپنے کو تعبیر ملی ہے۔" وہ اسے لے کر کاؤچ پر آ بیٹھی تھیں۔ "حرم کیا کر رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"پتا نہیں......"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔ اس کا انداز انہیں خوف زدہ کر رہا تھا۔

"سید صاحب نے اچھا نہیں کیا۔ پاپا کی غیر موجودگی میں میری شادی کر دی جب کہ میں اور پاپا تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"سید صاحب کی فہم و فراست کا قائل تو یہ پورا علاقہ ہے۔ انہوں نے جو کیا تمہارے بھلے کے لیے ہی کیا ہے۔ تمہارے پاپا کچھ دیر میں شاہ پور پہنچ جائیں گے۔ تم نے اور حرم نے ناشتا کر لیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"حرم کا مجھے معلوم نہیں ہے۔ البتہ میرا ناشتے کا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے رکھائی سے کہا۔

"عبیر! تم جانتی ہو نا۔ یہ رسم ہے۔ شادی کے بعد پہلی صبح دلہا دلہن اپنے کمرے میں ساتھ ناشتا کرتے ہیں۔" رابعہ نے ملائمت سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"رسم تو یہ بھی ہے کہ جب بیٹی رخصت ہوتی ہے تو باپ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے داماد کے حوالے کرتا ہے۔ مگر میری رخصتی میرے باپ کے بغیر ہوئی ہے۔" اس نے چوٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ رابعہ شاہ کے پاس اس کی بات کا جواب نہیں تھا کیونکہ سید صاحب نے انہیں بھی لاعلم رکھا تھا۔

"آؤ، سید صاحب کے پاس چلیں۔" انہوں نے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے حرکت کرنے سے اس کی کلائیوں میں پہنی چوڑیاں جلترنگ بجانے لگیں۔ رابعہ شاہ دل ہی دل میں اس کی خوشیوں کی دعا کرنے لگیں۔ سید صاحب کے کمرے میں حرم علی شاہ بھی موجود تھا۔ رابعہ شاہ کو دیکھ کر اس نے سلام کیا البتہ عبیر پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی تھی۔ رابعہ شاہ نے اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازنے کے بعد اس کی تیاری کا جائزہ لیا۔ بلیو جینز پر بلیک ٹی شرٹ اور بلیو جیکٹ پہنے وہ کہیں جانے کی تیاری میں لگ رہا تھا۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے بیٹا؟" رابعہ شاہ نے پوچھا۔

"شاہ چاچی! کراچی جا رہا ہوں، کچھ خاص دوستوں کو ولیمے کے لیے انوائٹ کرنا ہے۔" اس کی بات پر عبیر نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ رابعہ شاہ کی جانب متوجہ تھا۔

"جانا ضروری ہے بیٹا!" سید صاحب نے بھی پوچھا۔ انہیں ابھی ابھی اس کے جانے کا پتا چلا تھا۔

"جی سید صاحب! کچھ خاص دوست ہیں۔ میں انہیں لے کر ہی آؤں گا۔ ولیمے والے دن ہی آسکوں گا۔" اس نے بتایا۔ رابعہ شاہ کا انداز بتا رہا تھا کہ انہیں حرم کا شہر جانا اچھا نہیں لگ رہا، جب کہ حویلی میں اتنے مہمان ولیمے میں شرکت کی خاطر ٹھہرے ہوئے تھے۔

"شاہ چاچی! میرا جانا اتنا ضروری نہ ہوتا تو میں ہرگز نہ جاتا۔" اس نے ان کی خفگی دور کرنا چاہی۔

"ٹھیک ہے، ربّ سائیں تمہاری حفاظت کرے۔ ناشتا کر لیا؟" انہوں نے پوچھا اور ایک نظر بے نیاز بنی عبیر پر ڈالی۔ جو گود میں دھرے اپنے حنائی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"موڈ نہیں ہے میرا۔ میں اب نکلتا ہوں۔" وہ سید

صاحب کی دعا لینے لگا اور پھر عیر سے بنا کچھ کہے چلا گیا۔ رابعہ شاہ کی نظریں عیر کو الزام دینے لگیں۔ عیر نے رسم کے مطابق اس کے ساتھ ناشتا نہیں کیا تھا۔ سو وہ بھی بغیر ناشتے کے لمبے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔ حرم علی شاہ کے کراچی جانے کے دوسرے دن اعظم علی شاہ حویلی پہنچ گئے۔ رابعہ شاہ کو یقین واثق تھا کہ وہ آتے ہی ہنگامہ برپا کر دیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا، وہ سب سے نارمل انداز میں ملے۔ حتیٰ کہ رابعہ شاہ سے بھی ان کی خیریت دریافت کی گئی۔ البتہ عیر سے ملاقات کا منظر کئی آنکھوں کو نم کر گیا۔ کتنی ہی دیر وہ عیر کو اپنے ساتھ لگائے کھڑے رہے۔ ایسے میں ان کی آنکھوں میں چمکتی نمی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ سید صاحب اس حقیقت سے باخبر تھے کہ پوری دنیا میں عیر کا وجود اعظم علی شاہ کی کمزوری ہے۔ جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ وہ اعظم علی شاہ اور عیر کی بہتری کے لیے ہی کیا تھا۔ الوینہ کی غیر موجودگی کے بارے میں کسی نے پوچھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ نہ ہی انہوں نے خود کچھ بتایا۔ کچھ دیر بعد انہیں حرم کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تو انہوں نے پُرسکون انداز میں حرم کی بابت پوچھا۔ جس پر معظم علی شاہ نے حرم کے کراچی جانے کی وجہ بتائی۔ اب چونکہ سید صاحب کی طبیعت بھی بہتر تھی، سو وہ بھی سب کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ اعظم علی شاہ کافی دیر سب کے ساتھ بیٹھے رہے اور پھر آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عیر چاہنے کے باوجود اعظم علی شاہ سے کوئی شکوہ نہ کر سکی۔ شام کے وقت رانیہ بھابی اور صندل وغیرہ نے اسے گھیر لیا۔

"بھئی، ہم نظر نہیں لگا دیں گے۔ اب بتا بھی دو کہ حرم نے تمہیں منہ دکھائی میں کیا دیا ہے۔ تم تو کل سے ٹال مٹول سے کام لے رہی ہو۔"

"بھابی! حرم کا دیا ہوا تحفہ میں نے بے خیالی میں حرم کے جیکٹ کی جیب میں ڈال دیا تھا۔ سو وہ تحفہ حرم کے ساتھ ہی کراچی چلا گیا۔ اب حرم کی واپسی پر ہی آپ وہ تحفہ دیکھ سکیں گی۔" بلا آخر اسے بہانہ سوجھ گیا۔ اس کی بات پر رانیہ بھابی سمیت سب ہی خاموش ہو گئے۔ اس نے جاں بخشی پر دل میں شکر ادا کیا۔ پچھلی رات کی طرح آج کی رات بھی عیر بے کل سی تھی، کروٹیں بدلتے بدلتے وہ تھک گئی، مگر نیند کا نام و نشان بھی آنکھوں میں نہ تھا۔ دل اب بھی حرم سے بدگمان تھا۔ وہ ضرور اپنی بیوی سے ملنے کراچی گیا ہے۔ پاپا بھی تو بالکل چپ ہیں، کچھ بھی تو نہیں کہا انہوں نے سید صاحب سے، نہ ہی مجھ سے۔ وہ سوچتی رہی اور رات بیتتی رہی۔ صبح ہونے میں کچھ دیر تھی جب اس کی آنکھ لگی۔ صبح بھی وہ دیر سے ہی اٹھی۔ سب ناشتے سے نمٹ چکے تھے۔ سید صاحب اپنے حجرے میں جا چکے تھے۔ اسے دیکھتے ہی چھوٹی چاچی اس کا ناشتا بنوانے اٹھی تھیں لیکن اس نے منع کر دیا اور صرف چائے بنوانے کا کہا۔

"عیر بیٹا! کیوں اس طرح کر رہی ہو۔ بیٹا! ناشتا کیوں نہیں کرتیں۔ حرم سے ناراضگی ہے تو پریشان مت ہو، وہ کچھ دیر میں شاہ پور پہنچنے والا ہے۔" ان کا انداز شرارت لیے ہوئے تھا۔

"چاچی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔ اس لیے دل نہیں چاہ رہا۔" وہ صفائی دینے لگی۔ چھوٹی چاچی اس کے لیے چائے بنوانے چلی گئیں جب کہ وہ کچھ فاصلے پر بیٹھی مما کو دیکھنے لگی جو فاطمہ دادی سے محو گفتگو تھیں۔ دوپہر کے قریب حرم کی گاڑی کے پیچھے دو اور گاڑیاں حویلی کے احاطے میں آ کر رکیں۔ دائم اور عباد بھائی کی معیت میں ہنستا مسکراتا حرم علی شاہ اپنے مہمانوں کے سنگ لاؤنج میں داخل ہوا۔ ایک نظر اس نے تمام حاضرین پر ڈالی تھا۔ نسبتاً گہری نگاہ عیر پر ڈالی جو آف وائٹ اور میرون کومبینیشن کے سوٹ میں گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی مگر جیسے ہی اس کی نظر الویرا زیب اور سنہری بالوں والی لڑکی پر پڑی۔ انہیں حرم کے ساتھ دیکھ کر اسے ایک جھٹکا سا لگا۔ اس لڑکی کے سنہری بالوں نے اس کا سکون برباد کر رکھا تھا۔ حرم کے ساتھ دو ہینڈسم سے لڑکے بھی تھے۔ حرم رابعہ شاہ سے ان چاروں کا تعارف کروا رہا تھا۔ دائم ان دونوں لڑکوں کو لے کر حجرے میں چلا گیا جب کہ عیر سر جھکائے سب کو خود پر ہنستا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ جس کا شوہر ولیمے کے دن اپنی پہلی بیوی اور گرل فرینڈ کو گھر لے آیا تھا۔ دائیں ہاتھ کی انگلی سے وہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب حرم لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنی خواب گاہ میں چلا گیا۔ چھوٹی چاچی ان دونوں حسیناؤں کو اس کے نزدیک لے آئیں۔

"اُف اللہ! کتنی کیوٹ ہیں حرم بھائی کی وائف......"

چہکتی ہوئی آواز پر اس نے نظریں اٹھائیں۔ سنہری بالوں والی لڑکی آنکھوں میں اشتیاق لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"حرم ٹھیک ہی تمہاری تعریف کرتا ہے تم ڈیزرو کرتی ہو۔" اپنے بے تکلف انداز سمیت یہ الویرا زیب تھی جب کہ وہ ششدر سی انہیں سن رہی تھی۔ الویرا زیب اس کی جانب ہاتھ بڑھائے کھڑی تھی۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی۔" اس نے جھجکتے ہوئے الویرا کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ رابیل ہے، حرم کے دوست سرمد کی بیوی اور الویرا زیب کو کون نہیں جانتا۔ یہ عمر کی بیوی ہے۔" رانیہ بھابی تعارف کا فریضہ نبھا کر چلتی بنیں۔

"مجھے بھی آپ دونوں سے مل کر اچھا لگا۔" مشکل تو ہوئی تھی اسے خود کو سنبھالنے میں۔ مگر یہ مرحلہ طے ہو ہی گیا۔ بے وفائی، بددیانتی، عاشق مزاجی کیا کیا الزام نہ دیئے تھے اس کے دل نے حرم کو اور وہ کیا نکلا۔ وہ دونوں عیر کے نزدیک بیٹھ گئیں اور حرم کی باتیں کرنے لگیں۔ حرم کتنا خیال کرنے والا ہے دوستوں کا کتنا خیال رکھتا ہے۔ حرم یہ ہے، حرم وہ ہے۔ عیر یہ سب سنتے ہوئے خود کو کسی حقیر کیڑے سے بھی کمتر جان رہی تھی۔ کچھ دیر میں حرم سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے اُترا اور رانیہ بھابی کے پاس جا کر کچھ کہنے لگا۔ نظریں ان تینوں پر ہی تھیں تب ہی عیر نے بھی اسے دیکھا۔ وہ کپڑے بدل چکا تھا۔ نظریں ملتے ہی حرم کی آنکھوں کے سرد سے تاثر نے عیر کی روح تک کو منجمد کر دیا۔ وہ حجرے کی جانب چلا گیا جب کہ رانیہ بھابی ان تینوں کی جانب آ گئیں۔

"الویرا! رابیل! آپ دونوں کا سامان انیکسی میں رکھوا دیا ہے۔ آپ دونوں چل کر فریش ہو جائیں، تب تک کھانا بھی تیار ہو جائے گا۔" ان دونوں کے رانیہ بھابی کے ساتھ جانے کے بعد عیر بھی اٹھ کر مما کی خواب گاہ میں آ گئی۔ جہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے بیڈ پر لیٹ کر کمبل تان لیا۔ ذہن سے حرم کی بے وفائی کا بوجھ ہٹ گیا تھا۔ بس ایک احساس ندامت تھا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ کسی کے بُری طرح جھنجھوڑنے پر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"تو جی یہ محترمہ یہاں سوئی ہوئی ہیں اور ہم ہیں کہ پوری حویلی میں ڈھونڈ رہے ہیں کہ دُلہنیا عین ولیمے کی شام کہاں

غائب ہوگئی ہیں۔“ رانیہ بھابی اس کے سر پر کھڑی تھیں۔
اس نے آنکھیں ملتے ہوئے ماحول پر طائرانہ نگاہ ڈالی تو یاد آیا کہ وہ مما کی خواب گاہ میں آ کر سوگئی تھی۔
”بھابی! میں تو یونہی ذرا دیر کے لیے لیٹی تھی کہ گہری نیند آ گئی۔“ اس نے بیڈ سے نیچے اترتے ہوئے صفائی پیش کی۔
”چلو اچھا ہے، تم نے آرام کرلیا۔ رات کی تقریب میں بیٹھے بیٹھے تھک جاؤ گی۔“ رانیہ بھابی نے پردے سمیٹے تو اسے احساس ہوا کہ سورج کا سفر قریب الختم ہے۔
”تم ڈائننگ روم میں چل کر کچھ کھالو۔“ رانیہ بھابی کے کہنے پر وہ بال ہاتھوں سے ٹھیک کرتی ان کے پیچھے ہولی۔ سینڈوچز کھاتے اور چائے پیتے ہوئے اس نے دائم کو دیکھا جو اس کے نزدیک آ کر رکا اور پھر کان میں سرگوشی کر کے چلتا بنا۔
”حرم بھائی کو اعظم تایا نے ٹیرس پر بلایا ہے۔ کچھ ضروری باتیں کرنے کے لیے۔“ سینڈوچ کا نوالہ اس کے حلق میں پھنس گیا۔
”اگر پاپا نے اسے شکوک وشبہات بتائے تو بات مزید بگڑ سکتی ہے۔ پہلے ہی وہ مجھ سے خفا ہے۔“ وہ سوچنے لگی مگر موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ ٹیرس پر جاسکتی۔ کچھ دیر میں بیوٹیشن آنے والی تھی۔ وہ دھڑکتے دل سے بیڈ روم میں آ گئی۔ جہاں چھوٹی چچی اس کا لہنگا اور دیگر آرائشی سامان رکھ کر گئی تھیں۔ ڈیپ بلیو لہنگا جس پر اصل موتیوں اور نگوں کا کام اپنی چمک دکھا رہا تھا۔ وہ شش و پنج میں ہی مبتلا رہی۔ بیوٹیشن نے آ کر اپنا کام شروع کردیا تھا۔ اسی دوران دائم سید صاحب کا پیغام لیے چلا آیا۔ سید صاحب نے عبیر کو اپنی خواب گاہ میں یاد کیا تھا۔ وہ رانیہ بھابی کے ساتھ اپنا بھاری لہنگا سنبھالتی ہوئی سید صاحب کی خواب گاہ میں آ گئی۔ بیوٹیشن اپنا کام ختم کر کے جا چکی تھی۔ سید صاحب صوفے پر بیٹھے اس کے منتظر تھے۔ وہ اس وقت تنہا تھے۔ عبیر کا سجا سجایا روپ دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے بے ساختہ ”ماشاء اللہ“ کہا تھا اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ بٹھایا۔ رانیہ بھابی اسے چھوڑ کر اپنے ادھورے کام نمٹانے چلی گئیں۔
”سید صاحب آپ نے ہمیں یاد کیا؟“ وہ جھینپ کر پوچھنے لگی۔
”ہوں! ایک امانت آپ کے حوالے کرنی تھی۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئے۔
”جی!“ اس نے قدرے استعجاب سے پوچھا۔
”بہت عرصہ ہم نے اس سوچ بچار میں گزارا کہ یہ ہم کس کے حوالے کریں۔“ سید صاحب نے سائیڈ ٹیبل سے ایک منقش کیس اٹھایا اور کھول کر دکھایا۔ اس میں دو بے حد قیمتی جڑاؤ کنگن تھے۔ عبیر کے ذہن میں جھماکا ہوا یہ کنگن سیدانی جی کی کلائیوں میں کھنکتے تھے۔ عبیر کا بچپن ان سے کھیلتے گزرا تھا۔ ”یہ ہم تمہیں دیتے ہیں۔ اپنی اکلوتی پوتی کو۔ یہ ہماری طرف سے آپ کی شادی کا تحفہ ہے۔“ انہوں نے کیس اس کی جانب بڑھایا۔
”شکریہ سید صاحب!“ اس نے کیس تھام کر ان کے دائیں ہاتھ کا بوسہ لیا۔
”حرم سے بات ہوئی آپ کی؟“ انہوں نے پوچھا۔
”جی نہیں سید صاحب! میں دوپہر میں سوگئی تھی۔“ اس نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔ تب ہی رابعہ شاہ کمرے میں داخل ہوئیں۔ عبیر کا روپ دیکھ کر ان کا چہرہ دمکنے لگا۔
”آپ نے دیکھا سید صاحب، آج تو میری بیٹی پر بڑا الوہی روپ آیا ہے۔“
”ٹھیک کہا رابعہ آپ نے۔“ سید صاحب نے ان کی تائید کی۔
”کچھ کھایا عبیر تم نے؟“ رابعہ شاہ نے اسے مخاطب کیا۔
”جی مما! کھا چکی ہوں۔“ اس نے ان کی تسلی کرائی۔
”سید صاحب! مہمان آنا شروع ہو چکے ہیں۔ آپ لان میں تشریف لے چلیے۔“ رابعہ شاہ نے سید صاحب کی جانب رُخ کیا تو سید صاحب اپنی چھڑی کا سہارا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
”تم بیٹھو عبیر! میں رانیہ کو تمہارے پاس بھیجتی ہوں۔“ رابعہ شاہ، سید صاحب کے ساتھ جاتے ہوئے گویا ہوئیں۔ کچھ لمحوں بعد صندل آ کر اس کا دماغ کھانے لگی۔ آدھے گھنٹے کے بعد رانیہ بھابی اس کا بلاوا لے کر آ گئیں۔ رانیہ بھابی کے ساتھ وہ باہر آ گئی۔ بلیک ڈنر سوٹ میں ہنستا مسکراتا حرم علی شاہ اس کا منتظر تھا۔ اس کی آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ دوپہر والا تاثر مفقود تھا۔ عمر کی کسی بات پر اس نے قہقہہ لگایا۔

”لیجیے سنبھالیے اپنی دلہن کو۔“ رانیہ بھابی نے اسے حرم کے حوالے کیا، جس نے بڑے پُر اعتماد انداز میں اس کا بازو تھام لیا اور دونوں لان کی جانب قدم بڑھانے لگے، جہاں تقریب کا انتظام کیا گیا تھا۔ مووی میکرز اور فوٹو گرافر حرکت میں آ گئے تھے۔
”مسز! آج تمہیں مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔“ سرد سے لہجے میں حرم نے اس طرف جھک کر سرگوشی کی۔ اس کا برف جیسا لہجہ عبیر کی دھڑکنوں کو منجمد کرنے لگا۔ تب ہی وہ ذرا سا لڑکھڑائی تھی۔ حرم نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر اسے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔ اس کی اس جسارت پر عبیر کی ہتھیلیاں پسینے سے نم ہو گئیں۔ پلکیں بوجھل ہو گئیں۔ وہ دونوں اسٹیج پر پہنچ چکے تھے۔ حرم اس کے بے حد نزدیک بیٹھا تھا۔ وہ حرم کی شوخیوں پر دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔
”سید صاحب کے کچھ مہمان تم سے ملنا چاہتے ہیں۔“ علیان بھائی نے سید صاحب کا پیغام دیا تو حرم علی شاہ، عبیر پر ایک گہری نگاہ ڈالتا ہوا علیان بھائی کے ساتھ ہولیا۔ اس کے جاتے ہی الویرا اور رابیل اس کے دائیں بائیں آ کر بیٹھ گئیں۔
”ہم نے سوچا کہ حرم تو مہمانوں سے ملنے گیا۔ تو ہم دونوں تمہیں ذرا بور کریں۔ یوں بھی کل صبح تو ہماری روانگی ہے اور تم سے باتیں کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ نہ ہی تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتایا ہے۔“ الویرا زیب متانت سے کہنے لگی۔
”میں اور عمر شادی کرنا چاہتے تھے مگر عمر کے گھر والوں کو میرا پروفیشن پسند نہیں تھا جب کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ان حالات میں میرے والدین بھی اس شادی کے حق میں نہیں تھے۔ ہم دونوں نے اپنے گھر والوں کو منانے کی بہت کوشش کی۔ ناکام ہو کر ہم نے شادی کا فیصلہ کرلیا۔ حرم نے دوست ہونے کا حق ادا کردیا۔ میں نے اپنے والدین کا گھر چھوڑ کر حرم کے ”شاہ ہاؤس“ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ ”شاہ ہاؤس“ میں ہی ہماری شادی ہوئی ہے۔ تمام انتظامات حرم نے ہی کیے ہیں۔“ الویرا کی باتیں اسے نئے سرے سے شرمندگی کی کھائی میں دھکیل رہی تھیں۔ پتا نہیں حرم اسے معاف کرے گا بھی یا نہیں۔ الویرا کے بعد رابیل شروع ہو چکی تھی۔
”سرمد کو ایک کورس کے سلسلے میں کوریا جانا پڑ گیا، وہ مجھے تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے لیکن حرم بھائی نے کہا کہ سرمد میری جانب سے بالکل بے فکر ہو کر جائیں۔ وہ میرا خیال رکھیں گے۔ سرمد کو میری پریگنینسی کا خیال بھی تھا مگر حرم بھائی نے ایک باپ اور ایک بھائی کی طرح قدم قدم پر میرا خیال رکھا۔ میرے گھر والے ابھی ملک سے باہر ہیں۔ سرمد کے والدین کی وفات ہو چکی ہے۔ عبیر تم بہت خوش قسمت ہو، وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ رابیل نے جوشِ جذبات میں اس کا ہاتھ تھام لیا جب کہ عبیر کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ رات گئے تقریب اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

میں سید اعظم علی شاہ جس نے تمام عمر من مانی کرتے گزاری ہے۔ اپنی بے جوڑ شادی کی سزا اپنے باپ اور بیوی کو دی ہے۔ زندگی کے اس موڑ پر بُری طرح منہ کے بل گرا ہوں۔ ایسا لگتا ہے کہ اب بقیہ زندگی میں، میں کبھی سر اٹھا کر نہیں چل پاؤں گا۔ اب خیال آتا ہے کہ وہ بڑا منحوس دن تھا۔ جب میری الوینہ سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے ناز و ادا دیکھ کر مجھے اندازا نہیں ہوا کہ وہ مجھے مہرہ بنانے کے لیے چارا ڈال رہی ہے۔ بہت جلد میں نے اسے پرپوز کردیا۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ میری عزیز از جان بیٹی عبیر سے چند سال بڑی ہے۔ ایسا کیا نظر آیا تھا مجھ میں اسے، جو وہ اپنے باپ کی مخالفت کے باوجود مجھ سے شادی پر رضامند ہوگئی تھی۔ اس سے شادی کے بعد میں مطمئن تھا۔ کچھ عرصے بعد ہی اس نے اپنا رنگ دکھانا شروع کردیا تھا۔ آئے دن اس کے پاس حرم کے خلاف کچھ نہ کچھ مواد ہوتا تھا۔ شادی سے پہلے ہی وہ قبول چکی تھی کہ حرم اس کا کلاس فیلو رہ چکا تھا۔ بہت کم وقت میں اس نے میری سوچوں پر قبضہ کرلیا۔ اس نے مجھے حرم سے اس قدر بدگمان کردیا کہ میں عبیر کے خلع کے متعلق سوچنے لگا۔ رابعہ شاہ کے ساتھ تو میں کبھی انصاف کر ہی نہیں سکا، شاید ان کی خاموش آہیں ہی تھیں جو میں کبھی ازدواجی سکون حاصل نہیں کرسکا۔ شاید میں عبیر کو حرم سے الگ کر ہی دیتا کہ سید صاحب نے انتہائی قدم اٹھاتے ہوئے عبیر کو رخصت کردیا۔ وہ بھی میری غیر موجودگی میں، میں نے شدید طیش کے عالم میں الوینہ کو سید صاحب سے ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو بتائی۔ جسے سن کر ہی وہ ناگن کی طرح

پھنکارنے لگی۔

"نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ حرم علی شاہ کو میں برباد کردوں گی۔ جس طرح اس نے میری محبت کو ٹھکرایا ہے۔ اسی طرح عبیر بھی اسے ٹھکرائے گی۔" بولتے بولتے اسے احساس ہوا کہ وہ میرے روبرو کھڑی ہے اور میں...... اس وقت مجھے اپنا وجود منوں مٹی تلے دبا ہوا محسوس ہوا تھا۔ میری محبوب بیوی میرے سامنے اپنی گزشتہ محبت کا اظہار کررہی تھی۔ اس کا محبوب کوئی اور نہیں میرا داماد تھا۔ "اعظم علی شاہ! میں نے صرف حرم سے بدلہ لینے کے لیے آپ سے شادی کی تھی۔" بالآخر اس نے اعتراف کرلیا اور میں بمشکل اپنے قدموں پر اپنا بوجھ سنبھالے کھڑا تھا جب کہ الوینہ کسی لٹے ہوئے مسافر کی طرح فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اب اس کی کوئی بھی تدبیر حرم اور عبیر کو ایک ہونے سے نہیں روک سکتی تھی۔ ایک پل کو مجھے اس پر ترس آیا تو خود سے گھن آنے لگی تھی۔ جس کی قربت مجھے سرشار کرتی تھی۔ اس کے ذہن و دل پر حرم کا قبضہ تھا۔ اسی دن اس نے مجھ سے طلاق کا مطالبہ کردیا۔ میں نے اس کا مطالبہ پورا کردیا۔ وہ نہ بھی کہتی تو اب میں اسے خود سے جوڑ کر نہیں رکھ سکتا تھا۔ شاہ پور آ کر میں موقع ملتے ہی تنہائی میں حرم علی شاہ سے ملا اور اسے الوینہ کے دھوکے کی داستان سنائی۔ حرم واقف ہی تھا الوینہ کی حقیقت سے، سو اس کا دل میری طرف سے صاف ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ الوینہ کی حقیقت کبھی بھی عبیر کو نہیں بتائے گا۔ بس اب رابعہ شاہ کی محبتوں کا مقروض ہوں اور خواہش ہے کہ اب جتنی عمر بچی ہے۔ رابعہ شاہ سے کی گئی زیادتیوں کی تلافی کرسکوں۔" ڈائری بند کرکے اعظم علی شاہ نے دائیں جانب دیکھا، جہاں رابعہ شاہ تہجد ادا کرنے میں مشغول تھیں۔ انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈائری سیف میں مقفل کی اور پھر بیڈ پر بیٹھ کر رابعہ شاہ کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

کمرے میں داخل ہوتے ہی حرم کو چونکنا پڑا کیونکہ عبیر آج بھی بیڈ پر موجود نہیں تھی۔ اس نے رسٹ واچ اُتارتے ہوئے کمرے میں نظر دوڑائی اور ایک طویل سانس لیا۔ وہ کمرے میں موجود نہیں تھی البتہ ٹیرس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ عبیر اپنے اس ہوش رُبا روپ میں ٹیرس پر ریلنگ سے ٹکی ہوئی تھی۔ اس کے دل رُبا روپ کو دیکھ کر حرم نے اپنی ناراضگی کو وقتی طور پر پس پشت ڈال دیا تھا ورنہ عبیر کا خود پر شک کرنا اسے طیش دلا گیا تھا۔ شام کے وقت اعظم چچا سے ہونے والی بات چیت سے وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ الوینہ نے بڑی مکاری سے عبیر کی معصومیت سے فائدہ اٹھایا تھا۔ دکھ تو اسے اعظم چچا کو دیکھ کر بھی ہوا تھا۔ ان کا غرور وقت کی گردش میں کہیں کھو گیا تھا۔ ایک غلط فیصلے نے انہیں اپنی ہی نظروں میں گرادیا تھا۔ رسٹ واچ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ ٹیرس پر آ گیا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو؟" اس نے عبیر کو مخاطب کیا۔ لہجہ خود بخود نرم ہوگیا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے ہونٹوں کو بڑی بے دردی سے کچلا تھا۔

"کس سے ڈر لگ رہا ہے؟" اس نے دونوں شانوں سے تھام کر عبیر کا چہرہ روبرو کیا۔

"وہ میں نے تم پر شک کیا، الزام لگایا۔ رابیل اور الویرا کے حوالے سے۔" اس کی گھنی پلکوں والی آنکھیں میک اپ کے باعث قاتل لگ رہی تھیں۔

"کیوں کیا تم نے ایسا۔ کیا کبھی تم نے میرے کردار میں جھول دیکھا پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟" اس نے ترشی سے کہا۔ اس کی گرفت بھی سخت ہوگئی تھی۔

"میں کیا کرتی، الوینہ جی بتاتی تھیں کہ حرم تمہارے ساتھ فیئر نہیں ہے۔ پھر میں نے خود بھی تمہیں رابیل کے ساتھ گاڑی میں دیکھا تھا اور جب گائنی وارڈ میں دیکھا تو مجھے الوینہ جی کی باتوں پر یقین آ گیا۔ ایک عورت کے ساتھ ایسے وقت میں اس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔" وہ رونے کے لیے تیار تھی۔ حرم کو اس پر ترس آ گیا۔

"اوکے! اب رونا مت، اب تو تمہیں یقین آ گیا کہ میں دھوکے باز نہیں ہوں۔ اب تو تمہیں میری قربت سے وحشت نہیں ہوگی؟" حرم نے بے اختیار اسے خود سے نزدیک کرلیا۔ عبیر اس کی بات سن کر جھینپ گئی اور حرم سوچ رہا تھا کہ وہ الوینہ کی حیثیت بتا کر عبیر کی نظروں میں اعظم علی شاہ کے مقام کو گرنے نہیں دے گا۔

نگاہیں جھکالی ہیں شرما گئے ہیں
وہ اتنا ہمارے قریب آگئے ہیں
حوادث نے کی دستگیری بہت
محبت کی لو اور اُکسا گئے ہیں

رات کے تقریباً دو بجے وہ کمرے میں داخل ہوا تو فائلز صوفے پر اچھالتے ہوئے ایک نگاہ غلط اس نے اپنی شریک حیات پر ڈالی جو اس وقت گہری نیند میں تھی، سوتے میں بھی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ وہ کچھ پل بیڈ کے قریب کھڑا رہا، پھر اسے اٹھانے کا ارادہ ترک کرکے وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ کافی دیر تک باتھ لینے کے بعد بھی اس کے اندر کی جلن کم نہیں ہو پارہی تھی، متواتر رونے سے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں۔ لائٹ آف کرکے وہ لیٹ گیا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج شدت سے اسے اپنے تنہا ہونے کا احساس ہورہا تھا، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی تہی دامن رہ جانا یہ خلش اس کے وجود میں زہر بن کے اترتی جارہی تھی۔ اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

"پاپا اُٹھ جائیں، آفس نہیں جانا کیا؟" بخار کی حدت سے اس کا تن جھلس رہا تھا۔ بیدار تو وہ تھا ہی مگر شدتِ درد سے اسے اٹھنا محال لگ رہا تھا۔ تب ہی اسے اپنی 12 سالہ بیٹی کی آواز آئی، اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا تو وہ سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"اُٹھ گیا ہوں بیٹا! آپ کی مما چلی گئیں کیا؟" علی نے بیٹھتے ہوئے پوچھا تو شانزے اس کے قریب چلی آئی، اک نظر اس نے اپنے جان سے عزیز باپ کی بے تحاشا سرخ آنکھیں دیکھیں پھر بے اختیار اس کے سینے میں سر چھپا کے رو پڑی۔

"کیا ہوا میرا بچہ! آپ یوں رو کیوں رہی ہو؟" علی نے شانزے کو یوں روتا دیکھ کر پیار سے پوچھا تو اس کے رونے میں اور شدت آ گئی۔

"کچھ نہیں پاپا! آپ ٹھیک نہیں ہو نا آپ کو کتنا بخار ہو رہا ہے۔ آپ نے مجھے اور مما کو بتایا بھی نہیں رات کو بھی میں نے آپ کا اتنا انتظار کیا مگر آپ نہیں آئے آپ کو پتا ہے نا پاپا مجھے نیند نہیں آتی جب تک آپ گھر نہ آ جائیں۔" شانزے نے روتے ہوئے کہا تو علی نے بہت محبت سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

"آئی ایم سوری پاپا کی جان! کل مصروف ہو گیا تھا تھوڑا وعدہ کرتا ہوں آئندہ دیر سے نہیں آؤں گا۔" علی نے شرارت سے اپنے کان پکڑتے ہوئے سوری کہا تو شانزے مسکرا اٹھی۔

"یہ ہوئی نا اچھے پاپا والی بات۔" شانزے نے مسکرا کر کہا۔

"چلیں پاپا! آپ فریش ہو جائیں میں دادی جان سے کہہ کر ڈاکٹر کو بلا لیتی ہوں اور آج نو آفس۔" شانزے نے آرڈر دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا دادی جان! جو حکم ہماری پرنسس کا۔" علی نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ کھل اٹھی۔ شانزے کی مسکراہٹ سے اس کے وجود میں نئی جان آ گئی تھی آخر وہ ہی تھی اس کی متاعِ حیات۔ اک پل کے لیے اسے اپنی شریکِ حیات کا خیال آیا تھا مگر ناگواری سے اس نے سر جھٹک دیا اور شانزے کو سوچ کے مسکرا اٹھا۔

❁ ......❖...... ❁

"پاپا! مما آ گئیں دیکھیں نا۔" شانزے جو علی کا سر دبا رہی تھی زرتاشہ کو آتا دیکھ کر خوشی سے بولی اور بھاگ کر زرتاشہ کے گلے لگ گئی۔ علی نے اک نظر زرتاشہ کو دیکھا اور پھر میگزین پڑھنے لگا۔

"آپ آفس نہیں گئے کیا آج یا جلدی آ گئے؟" زرتاشہ نے اپنی فائلز رکھتے ہوئے علی سے پوچھا۔

"مما وہ...... پاپا کو بہت بخار تھا نا اس لیے نہیں گئے۔" علی کے بجائے شانزے نے جواب دیا تو زرتاشہ نے فکرمندی سے علی کو دیکھا۔

"شانزے بیٹا پانی لانا ذرا۔" زرتاشہ نے شانزے کو بہانے سے باہر بھیجا اور علی کے پاس چلی آئی جو ہنوز اسے نظر انداز کر رہا تھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا علی! مجھے جگا دیتے بتایا بھی نہیں آپ کو بخار ہے ناراض ہیں کیا؟" زرتاشہ نے علی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا علی نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے آپ سے ناراض ہونے کا حق کب سے ہو گیا زرتاشہ بیگم! بہتر ہو گا آپ میری پروا نہ کریں۔" علی نے سرد مہری سے کہا تو زرتاشہ کی آنکھیں بھر آئیں اتنی بدگمانی اس قدر سرد مہری زرتاشہ کو وحشت سی ہوئی اتنی دیر میں شانزے پانی لے آئی تو وہ بمشکل خود کو سنبھال پائی ورنہ شانزے اس سے سوال کرتی۔ زرتاشہ نے پانی پی کے اک نظر علی پہ ڈالی اور چینج کرنے چلی گئی۔

❁ ......❖...... ❁

علی احسن احسن ایاز اور شازیہ احسن کا اکلوتا سپوت تھا۔ ماں باپ کی بھرپور توجہ و محبت نے اس کی شخصیت نکھار دی تھی۔ زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی اس کے قدم چومتی تھی۔ قسمت نے محبت کے معاملے میں بھی اسے خوش قسمتی سے نوازا تھا۔ ایم بی اے کے دوران اسے اپنی کلاس فیلو زرتاشہ رحیم سے محبت ہو گئی تھی۔ زرتاشہ رحیم ایک خوب صورت و بااعتماد لڑکی تھی اس کی ذہانت کے خوب چرچے تھے علی احسن کی پیش قدمی کو اس نے فراخدلی سے قبول کیا۔ علی کے والہانہ پن و جذبوں کی سچائی پہ زرتاشہ کا دل ایمان لے آیا تھا۔ زرتاشہ رحیم رحیم اکرم اور راشدہ رحیم کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ زرتاشہ کے بعد خدا نے انہیں وریشہ سے نوازا تھا۔ رحیم صاحب متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے خدا نے انہیں بیٹے کی دولت سے محروم رکھا تھا مگر انہوں نے شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اپنے تمام خواب زرتاشہ اور وریشہ کی ذات سے منسوب کر ڈالے انہیں اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کرا۔ خدا نے ان کے صبر و شکر کا صلہ علی احسن کی صورت میں انہیں دے دیا تھا جس نے داماد نہیں بلکہ بیٹا بن کر دکھایا تھا۔

❁ ......❖...... ❁

"یہ کافی پی لیں پلیز۔" زرتاشہ نے علی کو مگ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"رکھ دو میں فائلز چیک کر رہا ہوں ابھی۔" علی نے خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے کہا تو زرتاشہ نے ایک نظر علی کو دیکھا پھر مگ سائیڈ میں رکھ کے اس کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"علی پلیز کیوں کر رہے ہیں ایسا آپ میرے ساتھ کیوں اتنا بدل گئے ہیں آپ۔ پلیز مان جائیں نا۔" زرتاشہ نے اس کے ہاتھ سے فائلز لیتے ہوئے کہا۔

"کیا کر رہا ہوں میں بولو ایسا کون سا ظلم کر دیا ہے میں نے تمہارے ساتھ جو تم شکوہ کر رہی ہو؟" علی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا تو زرتاشہ نے تڑپ کے علی کو دیکھا۔

"آپ کی یہ بے رخی خاموشی مار ڈالے گی مجھے وحشت ہونے لگی ہے مجھے آپ کی خاموشی سے۔ علی اس سے بڑا ظلم کیا ہو گا بھلا۔" زرتاشہ نے تاسف سے کہا۔

"واہ...... زرتاشہ بیگم واہ! آج آپ کو احساس ہوا ہے میری سرد مہری کا اور میں جو ایک عرصے سے برداشت کر رہا ہوں اس کا حساب کون دے گا؟ ارے میری چھوڑیے شانزے کی کوئی پروا ہے آپ کو مجال ہے جو آپ کے پاس ذرا بھی وقت ہو اس کے لیے آپ کو تو بس اپنی جاب کے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔ کتنا سمجھایا تھا آپ کو چھوڑ دیں جاب گھر اور شانزے کو آپ کی ضرورت ہے مگر آپ مانتی نہیں تو اب آپ کیوں شکایت کر رہی ہیں۔ بولیے کیا کمی دیکھی آپ نے میرے پیار و توجہ اور پیسے میں ہر چیز تو دی آپ کو آپ کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو سر آنکھوں پہ رکھا مگر آپ نے کیا دیا؟ زرتاشہ مجھے آپ کی ضرورت تھی مگر آپ نے کبھی نہیں سمجھا اور شانزے کے ساتھ میں یہ سب نہیں دیکھ سکتا آپ کیسی ماں ہیں اب بھی وقت ہے سمیٹ لیجیے اسے ممتا کی آغوش میں اس سے پہلے کہ وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو جائے میری طرح۔" علی نے رنج و ملال سے کہتے ہوئے زرتاشہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیے زرتاشہ نے روتے ہوئے علی کے ہاتھ پکڑ لیے اور خود بھی پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ آج سے پہلے اس نے علی کا یہ روپ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے لہجے میں عیاں بے بسی و رنج سے وہ دہل گئی تھی کتنا نقصان کر بیٹھی تھی وہ اپنا صرف ایک ضد کی وجہ سے کاش علی تم نے پہلے شکوہ کیا ہوتا کتنی نادان تھی میں۔ زرتاشہ نے تاسف سے سوچا اس سے پہلے کہ زرتاشہ کچھ بولتی علی اپنا ہاتھ چھڑا کے باہر نکل گیا اور وہ اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

❁ ......❖...... ❁

"علی کچھ مانگوں آپ سے منع تو نہیں کریں گے؟" شادی کے ایک ماہ بعد زرتاشہ نے علی سے پوچھا۔

"ہاں مانگو پہلے کبھی منع کیا ہے کیا جو اب کروں گا۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ دراصل...... میں سوچ رہی تھی کہ جاب کر لوں میں نے ایم بی اے اچھی جاب کے لیے کیا تھا مگر اب شادی ہو گئی ہے میں نہیں چاہتی میری تعلیم یوں ضائع ہو جائے کچھ اچھی فرمز سے آفرز بھی ہیں مجھے۔" زرتاشہ نے اعتماد سے کہا۔

"میں جانتا ہوں زری! مگر ہماری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں تمہیں نہیں لگتا تمہیں گھر پہ توجہ دینی چاہیے۔ پاپا کی وفات کے بعد مما بھی بہت اکیلی ہو گئی ہیں میں تو سارا دن مصروف رہتا ہوں مگر میں چاہتا ہوں تم بیٹی بن کے ان کا خیال رکھو انہیں توجہ دو اگر تم جاب کر لو گی تو گھر کی ذمہ داریاں کیسے سنبھالو گی؟" علی نے رسانیت سے سمجھانا چاہا۔

"اُف علی! آپ بلاوجہ فکر کر رہے ہیں میں سب سنبھال لوں گی بس آپ بھروسہ رکھیں۔" زرتاشہ نے گویا بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا بابا! جیسے آپ کی مرضی۔" علی نے مسکراتے ہوئے کہا تو زرتاشہ نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا اس بات سے بے خبر کہ اس فیصلے سے اس کی ازدواجی زندگی پہ کیا اثر پڑے گا۔

❁ ......❖...... ❁

زرتاشہ فطرتاً ان لڑکیوں میں سے تھی جن کے لیے اپنی خواہشوں سے زیادہ ضروری کچھ نہیں ہوتا خوش قسمتی سے اسے علی جیسا ہم سفر مل گیا تھا جو اس کی ہر خواہش کو سر آنکھوں پہ رکھتا تھا۔ اس کی ہر چھوٹی و بڑی غلطیوں کو نظر انداز کر کے ہمیشہ اسے محبت و توجہ سے نوازتا تھا۔ اسی وجہ سے اس نے علی کے جذبات و احساسات کو کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی غلطی چاہے اس کی ہو یا نہ ہو ہمیشہ علی ہی اسے مناتا تھا زرتاشہ کو جاب کرنے کی اجازت بھی علی نے صرف اس کی خواہش پر دی تھی مگر یہی غلطی اس کی زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی جس نے اس کی ازدواجی زندگی تہس نہس کر دی تھی۔ جاب کے ساتھ ساتھ گھریلو ذمہ داریوں میں زرتاشہ سے توازن نہ رکھا گیا اکثر آفس سے لیٹ آنا

گھر میں بھی آفس کے کام میں مصروف رہنا' گھر کے کاموں میں کچھ خاص دلچسپی نہ لینا۔ شازیہ بیگم کو وقت نہ دینا' ان سب نے علی کے جذبات کو بہت مجروح کیا تھا پھر بھی اس نے شکوہ نہیں کیا پھر شانزے کے ان کی زندگی میں آنے سے زرتاشہ کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ کچھ ماہ تو اس نے آفس سے چھٹیاں لیں مگر پھر علی کے منع کرنے کے باوجود اس نے آفس جوائن کرلیا اور شانزے کی ساری ذمہ داری شازیہ بیگم نے سنبھالی۔ جیسے جیسے شانزے شعور کی دنیا میں قدم رکھ رہی تھی اسے زرتاشہ کی کمی بہت محسوس ہوتی تھی وہ اکثر زرتاشہ کی توجہ حاصل کرنے کے لیے الٹی سیدھی حرکتیں کرتی جس پہ زرتاشہ جھنجلا کے اسے ڈانٹ دیتی۔ شازیہ بیگم اور علی دل ہی دل میں زرتاشہ کی ہدایت کے لیے دعائیں کرتے مگر زرتاشہ نے اپنی روش نہ بدلی نتیجتاً علی نے لاتعلقی اختیار کرلی۔ اب وہ پہلے کی طرح نہ زرتاشہ کے ناز و نخرے اٹھاتا یہاں تک کہ وہ بنا ضرورت زرتاشہ کو مخاطب تک نہ کرتا تھا۔ آفس سے اکثر لیٹ آنا شروع کردیا تھا' جس کا اثر سب سے زیادہ شانزے پر پڑ رہا تھا مگر اب اس کی برداشت جواب دے گئی تھی شدید ذہنی دباؤ نے اسے بخار میں جکڑ لیا تھا مگر شانزے کی پریشانی دیکھ کر اس کا دل لرز اٹھا تھا۔ اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اسے اب کیا کرنا ہے جب کہ زرتاشہ اس کی لاتعلقی سے پریشان ہوگئی تھی۔ علی کے شکوے نے اس کے ضمیر کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

❀ ...... ❖ ...... ❀

"شانزے بیٹا کہاں ہو آپ؟ یہ دودھ پی لو شاباش۔" زرتاشہ نے شانزے کے روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"مما! واش روم میں ہوں' بس دو منٹ میں آئی' آپ ٹیبل پہ رکھ دیں گلاس۔" شانزے نے باتھ روم سے ہی آواز لگائی۔ زرتاشہ گلاس ٹیبل پہ رکھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ آخر اپنی غلطیوں کا ازالہ بھی تو کرنا تھا۔ اسی سوچ نے آج کافی حد تک اسے پُرسکون کردیا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے زرتاشہ نے بیڈ پہ پڑا لیپ ٹاپ اٹھالیا جس میں شانزے کی فیس بک آئی ڈی کھلی ہوئی تھی۔ زرتاشہ اس کو چیک کرنے لگی مگر جیسے جیسے وہ چیک کررہی تھی اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ کس قدر نقصان کر بیٹھی تھی وہ اپنا اپنی بے پروائیوں سے۔ شانزے کی مختلف خواتین سے چیٹ ہسٹری جس میں اس نے اپنی ماں کی بے اعتنائی و بے پروائیوں کو کتنی شدت سے بیان کیا ہوا تھا۔ ماں کی محبت سے دور ہو کر اس نے چور راستے تلاش کرنے شروع کردیئے تھے۔ کس قدر احساسِ کمتری میں گھر چکی تھی وہ۔ زرتاشہ کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی' آج وقت احتساب آ گیا تھا۔ زرتاشہ بھاگ کے اپنے کمرے میں آئی اور اپنے رب کے حضور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگنے لگی۔ اب اسے یقین تھا کہ اللہ اسے ضرور معاف کردے گا اس کے بعد آخر اسے اپنے مجازی خدا کو بھی تو منانا تھا۔

❀ ...... ❖ ...... ❀

آج آفس سے ریزائن دینے کے بعد وہ شانزے کے لیے کچھ شاپنگ کرنے قریبی مال میں آئی تھی' جب ہی مال کے نیچے بنے کیفے ٹیریا میں بیٹھے علی پہ اس کی نظر پڑی' جو کسی لڑکی کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ زرتاشہ کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی' کتنی خوش تھی وہ آج جاب چھوڑنے کے بعد شانزے کو کچھ تحفے دے کے وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی مگر شاید امتحان ابھی باقی تھا' اس کی سزا ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ بے جان قدموں سے وہ گاڑی میں آ بیٹھی' آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے مگر اس وقت وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی' اس لیے فل اسپیڈ میں گاڑی دوڑا رہی تھی' گھر پہنچتے ہی شانزے دوڑی چلی آئی تھی جسے دیکھ کے بمشکل اس نے اپنے آنسو ضبط کیے اور مسکرا کر اسے بانہوں میں بھرلیا۔

"شانزے! دادی کہاں ہیں؟" زرتاشہ نے شانزے کو خود سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مما! وہ اپنے کمرے میں ہیں' نماز پڑھ رہی ہوں گی۔" شانزے نے جواب دیا۔

"اچھا آپ اپنا ہوم ورک کرو' میں ذرا دادی کے پاس سے ہو آؤں پھر ہم دونوں مل کے ڈنر بنائیں گے۔" زرتاشہ نے شانزے کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ریئلی ماما! آپ سچ کہہ رہی ہیں' آپ مجھے بھی کچن میں کام سکھائیں گی؟" شانزے نے حیرانی سے دوبارہ پوچھا تو زرتاشہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور شازیہ بیگم کے کمرے کی جانب بڑھ آئی۔

"ماں......" زرتاشہ نے شازیہ بیگم کو پکارا جو تسبیح پڑھنے

میں مصروف تھیں۔ ایک نظر اٹھا کے انہوں نے زرتاشہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں ندامت و پچھتاوا نمایاں تھا۔ اس کے لہجے میں چھپی تڑپ نے ان کا دل چیر ڈالا تھا۔ انہوں نے آگے بڑھ کے اسے گلے لگالیا' زرتاشہ جو جانے کب سے ضبط کے پُل باندھ رہی تھی سہارا ملتے ہی ٹوٹ سی گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"کیا ہوا میری بچی! ایسے کیوں رو رہی ہے' سب ٹھیک تو ہے نا؟" شازیہ بیگم نے اسے چپ کراتے ہوئے پوچھا تو اس کے رونے میں اور شدت آ گئی۔

"ماں پلیز مجھے معاف کردیں' میں نے کبھی آپ کو وقت نہیں دیا' کبھی آپ کو بیٹی بن کے نہیں دکھایا' ہمیشہ اپنے ہی زعم میں رہی' دیکھیں نا میری بے پروائیوں کی وجہ سے شانزے بھی کتنی اکیلی پڑ گئی ہے اور علی وہ بھی کتنے دور ہوگئے ہیں مجھ سے۔ ماں مجھ سے تو میرا گھر تک نہیں سنبھالا گیا' پلیز مجھے بتائیں میں کیا کروں؟" زرتاشہ نے روتے ہوئے کہا تو شازیہ بیگم نے اسے خود سے الگ کیا اور اس کے آنسو پونچھے۔

"بس اب اور آنسو نہیں' تمہیں احساس ہوگیا ہے میری بچی! یہی بہت ہے خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے پانی سر سے اوپر ہونے سے پہلے تمہیں آگہی دی' ابھی بھی دیر نہیں ہوئی ہے' تمہیں پتا ہے تمہاری اور علی کی مصروفیات نے شانزے پہ کتنا اثر کیا ہے' تمہاری شکل دیکھتے ہی وہ تمہاری جانب لپکتی تھی حسرت زدہ نگاہیں لیے تمہاری توجہ و محبت کی کس قدر طالب تھی وہ۔ میرا دل دہلنے لگا تھا بیٹا! ہر پل تم لوگوں کے لیے دعائیں مانگتی تھی۔ مجھے یقین تھا تمہیں ایک دن ضرور احساس ہوگا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ تم ایک ماں ہو اور ہر ماں کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ محبت و اپنائیت بھری ہے جب ہی تو ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔" شازیہ بیگم نے محبت سے کہا تو تشکر سے زرتاشہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"آئندہ کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی آپ دیکھیے گا میں کیسے گھر کو پھر سے جنت بناؤں گی۔" زرتاشہ نے عزم سے کہا۔

"ان شاء اللہ ضرور!" شازیہ بیگم نے بے ساختہ کہا تو زرتاشہ مسکرا اٹھی۔

اب بس علی کو منانا باقی تھا مگر وہ لڑکی...... ایک بار پھر زرتاشہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا مگر اگلے ہی پل اس نے خود کو نارمل کرلیا تھا۔

"کہاں کھو گئیں بیٹا؟" شازیہ بیگم نے اسے گہری سوچ میں گم دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ماں! وہ بس سوچ رہی تھی کھانے میں کیا بناؤں؟" زرتاشہ نے چھپاتے ہوئے کھانے کا بہانہ کیا۔

"اس میں سوچنا کیسا علی اور شانزے کی پسند کا بنالو بس۔" شازیہ بیگم نے اس کی مشکل حل کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ٹھیک ہے اچھا میں کچن میں چلتی ہوں اب آپ آرام کریں۔" زرتاشہ نے بمشکل مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئی۔

❀ ...... ❖ ...... ❀

رات کو جب علی کمرے میں آیا تو خلافِ معمول زرتاشہ کو جاگتے دیکھ کر اس نے حیرت سے زرتاشہ کو دیکھا۔

"آپ جاگ رہی ہیں اس وقت تک' سونا نہیں ہے کیا' آفس نہیں جانا کیا؟" علی نے پوچھا۔

"نہیں...... نہیں جانا آفس اب کبھی۔" زرتاشہ نے جواباً کہا۔

"خیریت...... سب ٹھیک تو ہے نا زرتاشہ بیگم! جہاں تک مجھے علم ہے آپ تو کبھی چھٹی نہیں کرتیں پھر اب کیا ہے یہ سب؟" علی نے حیرانی سے پوچھا تو زرتاشہ اس کے قریب آئی اور اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"علی پلیز مجھے معاف کردیں پلیز آپ صحیح کہتے تھے مجھے جاب کے بجائے گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہیے تھیں مگر میں نے آپ کی ایک نہیں سنی اور اپنا ہی نقصان کر بیٹھی۔ علی پلیز ایک بار مجھے معاف کردیں میں نے ریزائن دے دیا ہے آج' میں جانتی ہوں آپ بہت خفا ہیں پلیز شانزے کی خاطر ایک موقع دے دیجیے پلیز......" زرتاشہ نے روتے ہوئے کہا جب کہ علی حیرت زدہ اس کی باتیں سن رہا تھا' اسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا اگلے ہی پل اس نے زرتاشہ کو اٹھایا اور خود میں سمولیا۔

"بس زری بس! اب اور نہیں رونا' پگلی میں تم سے خفا کیسے رہ سکتا ہوں' اک تم ہی تو میری زندگی اور پیار ہو ہاں تمہاری بے پروائیوں سے دکھی تھا بہت مگر تمہیں راہ پہ لانا بھی تو میرا ہی فرض تھا نا۔" علی نے اس کے آنسو پونچھتے

ہوئے کہا تو زرتاشہ نے چونک کے علی کو دیکھا۔

''کیا مطلب راہ پہ لانا فرض تھا کیا کیا آپ نے؟'' زرتاشہ نے حیرانی سے پوچھا۔

''ارے اتنا حیران مت ہو میں جانتا ہوں میری لاتعلقی سے تم میں کافی بدلاؤ آیا اور اس دن جو میں نے تمہیں ڈانٹا تھا اس سے بھی مگر وہ سب کافی نہیں تھا اس لیے میں نے سوچا تمہیں احساس دلاؤں کہ جس طرح شانزے تم سے دور جاسکتی ہے ویسے ہی میں بھی۔ مجھے پتا تھا آج تم شاپنگ کرنے جاؤ گی سو تمہیں دکھانے کے لیے اپنی ایک آفس کولیگ کو کیفے ٹیریا میں لے گیا تاکہ تم مجھے اور اس کو دیکھ کر احساس کرسکو۔'' علی کی بات تو زرتاشہ نے اسے چونک کر دیکھا۔

''آپ کو کیسے پتا کہ میں آج شاپنگ پر جاؤں گی؟''

''مجھے وریشہ کی کال آئی تھی کہ تم نے آج ریزائن کردیا ہے اور تم شاپنگ پہ جاؤ گی اور اس نے مجھے تمہارے بدلے ہوئے خیالات سے بھی آگاہ کردیا تھا بس پھر کیا' میں نے سوچا کیوں نہ تھوڑا اور احساس دلاؤں تمہیں اور......'' ابھی علی کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ زرتاشہ نے اس کے سینے پر مکوں کی بارش کردی۔

''علی آپ...... میں چھوڑوں گی نہیں آپ کو' حد ہوتی ہے کتنا پریشان کردیا تھا اور میں پتا نہیں کیا کیا سوچ رہی تھی۔'' زرتاشہ نے اس پر مکے برساتے ہوئے کہا تو علی نے اسے خود سے قریب کرلیا۔

''بس اتنا ہی بھروسہ تھا اپنی محبت پہ پگلی! اگر مجھے ایسا کچھ کرنا ہوتا تو بہت پہلے کرلیتا یوں تمہارے پلٹنے کا انتظار نہ کرتا۔'' علی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ زرتاشہ نے اک نظر اس کی آنکھوں میں دیکھا' جہاں محبت و شدتوں کا اک طوفان بسا تھا اور مسکرا کر اس کے کشادہ سینے میں اپنا سر چھپالیا۔

❋......❖......❋

لفظوں میں سمٹتا نہیں پیکر ماں کا
کہ ماں تو دعاؤں کی ہستی ہے
کہ جنت جس کے پاؤں میں بستی ہے
وفا جس کی گرہستی ہے
پنہاں ہے' جس میں محبتوں کی انتہا
خوابوں کے گلستان اس میں بستے ہیں
چاہتوں کے جہاں اس میں پنپتے ہیں
ماں ہی وہ ہستی ہے
بن کہے جو ہمیں سمجھتی ہے
ہماری خوشیوں پہ خوش ہوتی ہے
دکھوں پہ ساتھ ہمارے روتی ہے
ہم سے چھپالیتی ہے اپنے سارے غم
اپنی خوشیاں بھی ہم کو دان دیتی ہے
ماں جو ہم پہ جان دیتی ہے

صبح آنکھ کھلتے ہی اس نے اپنے برابر میں رکھے وشنگ کارڈ پر تحریر خوب صورت نظم پڑھی اور بوکے دیکھ کر مسکرادی۔ بیڈ سے اٹھتے ہی اس نے کمرے کا جائزہ لیا' جو گلاب کی مہک سے معطر تھا' اک سکون و خوشی کی لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔

''ہیپی مدرز ڈے مام! آپ دنیا کی سب سے اچھی ماما ہیں۔'' شانزے اور برہان نے کہتے ہوئے اسے گلے سے لگالیا تو وہ مسکرا اٹھی۔

''تھینک یو سوئچ بچوں! میں دنیا کی سب خوش قسمت ماں ہوں جسے آپ جیسے بچے ملے' لو یو سوئچ۔'' زرتاشہ نے دونوں کو پیار کرتے ہوئے کہا جب ہی علی بھی کمرے میں آگیا۔

''بس بس اب مما کو فریش ہونے دو' جب تک پاپا کو لفٹ دے دو تم لوگ کچھ۔'' علی نے شرارت سے کہا تو تینوں کھلکھلا کے ہنس دیئے۔ زرتاشہ نے محبت سے علی کو دیکھا جس کی فراخ دلی و محبت نے اسے سرتاپا بدل دیا تھا۔ آج پانچ سال گزر گئے تھے اسے بدلے ہوئے' علی کی محبت میں اضافہ بھی ہوا تھا' خدا نے اسے بیٹے کی نعمت سے بھی نواز دیا تھا۔ اب یہی اس کی کل حیات تھی جہاں ہر سو رقصِ بہاراں تھا۔

❋

قسط نمبر 7

دل کی دھڑکن تیری پلکوں کی جھپک میں اُتری
دیر تک راز رہے راز تو کھل جاتا ہے
اپنی کرنوں کو سمیٹے ہوئے ہنگامِ سفر
چاند شبنم میں اُترتا ہے تو کھل جاتا ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

انا ولید کے ساتھ اسپتال آ تو جاتی ہے مگر عکاشہ کی خوب صورتی دیکھ کے وہ قدرے بے زاری ہو کر چلی آتی ہے وہ خود اپنی کیفیت سے انجان ہوتی ہے ولید اس کے عجیب وغریب رویے پر الجھ کے رہ جاتا ہے۔ دوسری جانب مصطفیٰ انسپکٹر شہباز سے تمام رپورٹ لینے کے بعد شہوار سے تفصیلی بات کرتا ہے اور اسے ایاز والے معاملے میں بے فکر رہنے کو کہتا ہے ادھر مصطفیٰ کی بہنیں شہوار اور اس کے رشتے کی خبر سن کر ملنے چلی آتی ہیں اور مصطفیٰ کی موجودگی میں شہوار کو خوب تنگ کرتی ہیں وہ جھینپ کے رہ جاتی ہے۔ مصطفیٰ شہوار کو ڈھونڈتا ہوا اس کے کمرے میں آتا ہے اور اسے روتا دیکھ کے پریشان ہو جاتا ہے اس کے پوچھنے پر شہوار اس رشتے کی مخالفت میں اپنا جواز پیش کرتی ہے جسے سن کے مصطفیٰ چکرا کے رہ جاتا ہے اور اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے مگر اس کی کم عقلی پہ نہایت غصے میں آ جاتا ہے۔ دوسری جانب ایاز عادلہ اور مام کو شہوار کے لیے رشتہ لے جانے پہ رضامند کرتا ہے۔ ایاز کے خیالات جان کر عادلہ ایک کمینی سی خوشی محسوس کرتی ہے۔ مصطفیٰ کالج کے چیئر مین سے میٹنگ کر کے تمام معاملات ہینڈل کرتا ہے اور قدرے بے فکر ہو جاتا ہے ادھر شہوار عادلہ اور اس کی والدہ کی آمد پر پریشان ہوتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

وہ صبا کے ساتھ اپنے کمرے میں ہی بیٹھی رہی تھی۔

"کچھ پتا چلا' عادلہ بھابی کی بہن کاشفہ کا سیریس قسم کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ بال بال بچی ہے۔" عائشہ بڑے ہنگامی انداز میں کمرے میں آئی تھی وہ جو صبا کے ساتھ مل کر میگزین کے اشتہارات پر تبصرہ کر رہی تھی' سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہائے...... کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟" صبا بھی حیران ہوئی تھی۔

"گاڑی ڈرائیو کر رہی تھیں محترمہ تو کوئی فالٹ ہو گیا تھا' جس سے اس کا گاڑی پر کنٹرول نہ رہا اور دوسری گاڑی سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ عادلہ بھابی ہی بتا رہی تھیں ماں جی کو کہ جس آدمی کی گاڑی سے ٹکرائی تھی وہی اسپتال لے کر گیا' انہیں اطلاع کی۔ جس طرح کی سیریس کنڈیشن تھی اگر وہ شخص انسانیت نہ دکھاتا تو وہ بچ نہ پاتی۔"

"یہ تو واقعی بڑے افسوس کی بات ہے۔" صبا نے کہا۔

"اب کیسی طبیعت ہے محترمہ کی؟"

"آنٹی بتا رہی تھیں کہ پہلے سے کافی بہتر ہے' ایک' دو ہفتے اسپتال میں رہنا پڑے گا۔"

"چلو چل کر آنٹی سے عیادت ہی کر لیتے ہیں' اگر ماں جی کہیں گی تو اسپتال کا بھی چکر لگا لیں گے۔ اب بھابی جیسی بھی ہوں ہیں تو بھابی نا......" صبا اٹھ کھڑی ہوئی۔ عائشہ خبر سنا کر پھر باہر نکل گئی تھی۔

"تم نہیں چل رہیں شہوار؟" اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر صبا نے کہا۔

"تم چلو میں بعد میں آ جاتی ہوں۔" شہوار کو کاشفہ کے ایکسیڈنٹ کا افسوس تو ہوا مگر عادلہ اور ان کی ماں کو برداشت کرنا' وہ ہمیشہ خوف زدہ ہو جاتی تھی کہ نجانے کچھ کہہ نا دیں۔ صبا اور عائشہ لائبہ سمیت ماں جی کے پاس ہی ٹک گئی تھیں۔ یہاں ابھی تک

کاشفہ والا موضوع ہی زیر بحث تھا۔

"تم دونوں کب آئیں؟" عادلہ نے عائشہ اور صبا سے پوچھا جو بڑی پھوپو کے بیٹوں سے بیاہی گئی تھیں۔ یہ رشتے میں لائبہ کی بھابیاں بھی تھیں' ان کے ہاں خاندان کے باہر بیٹیاں دینے کا کوئی رواج نہ تھا۔

"ہم کل آئی تھیں۔" صبا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"رہنے آئی ہو؟"

"جی یہی سمجھ لیں' ہفتہ ڈیڑھ کی چھٹی ملی ہے۔" عائشہ نے جواب دیا۔

"آپ سنائیں آپ رکیں گی یا آنٹی کے ساتھ واپس جائیں گی۔" عادلہ اپنے موڈ کی مالک تھی اس کے پروگرام بھی اس کے اپنے طے کردہ ہوتے تھے جن میں ان لوگوں کی وجہ سے ردوبدل کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ انہیں میکہ زیادہ عزیز تھا اسی لیے سسرال سے زیادہ وہ میکے میں پائی جاتی تھیں۔

"نہیں میں رہنے تو نہیں آئی مجھے چند چیزوں کی ضرورت تھی ویسے بھی مام کو ایک ضروری کام تھا تو ان کے ساتھ آنا پڑا۔" اپنے مخصوص نخوت بھرے انداز میں جواب دیا۔ عائشہ نے مسکرا کر لائبہ کو دیکھا اور پھر عادلہ کی مام کو جو ماں جی سے محو کلام تھیں۔

"ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا کہ بچی کا اس قدر بُری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ورنہ فوراً چکر لگاتے' آپ کے لیے تو یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے اللہ ساتھ خیریت وصحت کے بچی کو گھر لائے آمین۔" ماں جی بے پناہ تشویش لیے اپنے جذبات کا اظہار کر رہی تھیں۔

"یہ سب تو زندگی کے ساتھ چلتا ہی رہتا ہے۔" بیگم عبدالقیوم کا انداز بے پروا تھا۔

"ہم رات کو ضرور عیادت کو آئیں گے۔" ماں جی نے خلوص سے کہا۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک کام تھا اسی لیے آنا پڑا۔" اپنے انداز سے ہٹ کر انہوں نے کہا تو وہ سب چونکیں۔

"خیریت؟" ماں جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ کے گھر میں جو لڑکی رہتی ہے کیا نام ہے اس کا...... ہاں شہوار! اس کی ماں سے ملنا تھا اسی سے کام تھا۔" سب حیران ہوئی تھیں' لائبہ نے گھبرا کر عادلہ کو دیکھا' وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شہوار کے نام پر بڑے تمسخرانہ انداز میں مسکرائی تھی۔

"کوئی ضروری کام تھا کیا؟" ماں جی کا وہی پُرخلوص انداز تھا۔

"یوں ہی کہہ لیں' کام تو اس کی ماں سے ہی تھا کہ بیٹی کی ماں وہی ہے پھر سوچا کہ آپ سے بات کر لوں' لڑکی آپ کے گھر میں ہی رہ رہی ہے تو کیا حرج ہے۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ ماں جی الجھ گئی تھیں۔

"میری تو اس کی ماں سے براہ راست کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی' کبھی یہاں آتے جاتے دیکھا بھی نہیں۔ عادلہ بتاتی ہے کہ وہ بہت کم کہیں آتی جاتی ہیں' حویلی میں ہی رہتی ہیں۔"

"ہاں وہ حویلی کے اندر ہی رہتی ہیں' شادی بیاہ میں بھی کہیں نہیں آتی جاتیں۔ پردہ دار عورت ہیں۔" ماں جی نے خوش اخلاقی سے بتایا۔

"میں ایاز کے لیے اس کی بیٹی کے رشتے کے لیے آئی ہوں۔" آخر کار بیگم عبدالقیوم نے بم پھوڑ ہی دیا' اندر آتی شہوار دروازے میں ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔ باقی سب بھی حیرت زدہ ہو کر عادلہ اور اس کی ماں کو دیکھ رہی تھیں۔

"جی کیا مطلب......؟" ماں جی واقعی نہیں سمجھی تھیں۔

"بڑا سیدھا اور واضح مطلب ہے آنٹی جی! مام میرے بھائی ایاز کا رشتہ شہوار کے لیے چاہ رہی ہیں۔" عادلہ نے وضاحت کی' انداز وہی مخصوص تمسخرانہ تھا۔

"مگر ہم تو شہوار کا رشتہ مصطفیٰ کے ساتھ کر رہے ہیں' تابندہ نے ہاں بھی کر دی ہے۔ تمہارے سامنے ہی بہو سارا معاملہ طے ہوا تھا' تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ہم ان دونوں کے نکاح کا پروگرام بنا رہے ہیں۔" مہر النساء بیگم نے ایک دم براماں کر عادلہ کو دیکھا۔

"ابھی ہاں ہی ہوئی ہے کون سا شادی ہو گئی ہے۔" مہر النساء بیگم کے براماں جانے پر وہ بھی ایک دم برافروختہ ہوئی تھی۔

"عزت دار گھرانوں میں کسی کو زبان دے دینا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے۔ یہ عام بات نہیں ہے، شہوار ہمارے خاندان کی بیٹی ہی نہیں اب بہو بھی ہے۔" شہوار گم صم سی کھڑی تھی۔ وہ شخص اسے پورے کالج میں ذلیل کرنے کے بعد اب اس گھر میں اسے ذلیل کروانے کو اپنی ماں، بہن کو بھیج رہا تھا۔

"عادلہ نے آپ کو شاید یہ سب نہیں بتایا، ہم پہلے ہی شہوار اور مصطفیٰ کا رشتہ طے کرچکے ہیں۔" ماں جی نے بیگم عبدالقیوم کو دیکھا، عادلہ تمسخر سے ہنس دی۔

"میں نے تو یہ بات سب کو بتائی تھی مگر شہوار نے لگتا ہے ایاز کو نہیں بتائی ورنہ وہ ہم پر زور نہ دیتا کہ ہم اس گھر میں آکر اس کا رشتہ مانگیں۔" عادلہ کی ہنسی سب کے اعصاب پر ایک تازیانہ سی ثابت ہوئی تھی۔

"بہو صاف بات کیا کرو، ہمیں یہ ہنسی میں کہی گئیں باتیں سمجھ نہیں آتیں۔" عادلہ کے انداز کو نظر انداز کرتی مہر النساء بیگم نے قدرے سکون سے کہا۔

"صاف بات یہ ہے کہ ایاز شہوار کے ساتھ کالج میں پڑھتا ہے، دونوں میں کیا معاملات طے ہیں یہ مجھے نہیں پتا، اگر ایاز نے رشتہ طے ہوجانے کے باوجود سب جانتے بوجھتے ہمیں ادھر بھیجا ہے تو یقیناً شہوار کی رضامندی سے ہی بھیجا ہوگا۔ ہمیں جواب دینے سے پہلے آپ شہوار سے پوچھ لیں کہ وہ کیا چاہتی ہے؟" عادلہ کا مقصد شہوار کو صرف ذلیل کرنا تھا اور قدرت کی طرف سے بہت اچھا موقع بھی مل رہا تھا تو وہ اس موقع سے بھرپور فائدہ کیوں نہ اٹھاتی۔ لاؤنج میں موجود تمام افراد کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا، شہوار اپنی جگہ ساکت ہی رہ گئی تھی۔

"شہوار کو ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں، اس کا معیار اتنا گھٹیا اور سطحی نہیں ہوسکتا۔ آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے بھابی! شہوار سے ہمیں پوچھنے کی قطعی ضرورت نہیں، اسے ہم آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔ ایاز اس کے کالج میں پڑھتا ضرور ہے مگر وہ اس کی چوائس نہیں ہوگا۔" عائشہ کو سب سے زیادہ غصہ عادلہ کے انداز پر تھا، ایک دم سنبھل کر گویا توپ داغ دی تھی۔

"اچھا تو پھر ایاز اسے ہر قیمت پر اپنی حاصل کرنے کو بے تاب ہے؟" عادلہ بھی ایک دم غصے سے بولی۔

"ہمارا اکلوتا بھائی ہے، کروڑوں کی جائیداد، بزنس کا مالک، ہماری ایک کلاس ہے، مقام ہے۔ ایسی دو ٹکے کی لڑکیوں کو تو ہم نوکر بھی نہیں رکھتے۔ نوکر رکھتے ہوئے بھی ہم اس کا شجرہ نسب کھنگالتے ہیں۔" عائشہ کے یہ الفاظ کہ اس کا معیار اتنا گھٹیا، سطحی اور عام نہیں ہوگا۔ عادلہ کو یہ الفاظ سیخ پا کرگئے تھے۔

"تو پھر آپ کو ہمارے گھر آنے کی بھی زحمت نہیں کرنا چاہیے تھی بھابی!" عائشہ عادلہ کے اس تکبر بھرے زعم پر اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ بات تم شہوار سے پوچھو کہ اس نے ایاز سے کس قسم کی ڈیلنگ کی ہے۔ جائیداد اور بینک بیلنس میں ایاز سے کتنا مال بٹورنا ہے؟ نجانے اسے کون کون سے سبز باغ دکھائے ہیں کہ ہمیں اس کا رشتہ مانگنے پر مجبور ہونا پڑا۔" شہوار نے سختی سے دروازے کو تھاما، عادلہ کے الفاظ اس کے اعصاب کو بم کی مانند پھوڑ گئے تھے، اسے لگا کہ وہ ابھی گر جائے گی۔

"عادلہ بہو! بس اب ایک لفظ بھی نہیں، شہوار کیا ہے ہم اسے اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں؟ تمہارے بھائی نے یہ فیصلہ کیا یا خواہش کی یہ اس کا مسئلہ ہے۔ ہم نے مصطفیٰ کے ساتھ اس کا رشتہ طے کردیا ہے اگر نہ بھی کیا ہوتا تو بھی ہم نے شہوار کو خاندان سے باہر نہیں بیاہنا تھا۔" مہر النساء بیگم سختی سے گویا ہوئی۔

"وہ اس خاندان کا خون تو نہیں جسے باہر نہیں بیاہا جاسکتا؟" بیگم عبدالقیوم نے اپنی مسلسل خاموشی کو توڑا۔

"یہ تمہاری سوچ اور سمجھ کی باتیں ہیں ہم تمہیں وضاحت دینا پسند نہیں کرتے۔"

"ایسی دو ٹکے کی لڑکیوں کی اوقات کیا ہے بھلا؟" اتنا ہی اسے خاندانی بنانے کا شوق تھا تو پھر اسے کالج میں دوسروں کو سبز باغ دکھانے سے بھی منع کیا ہوتا؟" وہ ایک دم سیخ پا ہی ہوگئی۔

"عادلہ بہو......" مہر النساء بیگم ایک دم غصے سے کھڑی ہوگئیں۔

"کسی سے رشتہ مانگنے کا بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے بیگم عبدالقیوم! ہم عزت دار لوگ ہیں، اگر تابندہ کی دی ہوئی قسم کا پاس نہ ہوتا تو

ہم تمہیں بتاتے کہ وہ کون اور کس حسب نسب سے تعلق رکھتی ہے؟ ہمیں اس کی جان و آبرو کی فکر ہے ورنہ ہم ابھی تمہاری تمام باتوں کا جواب دیتے۔ بہرحال تم اپنی ماں کے ساتھ اپنے بھائی کے لیے آئیں اس عزت افزائی کا شکریہ اگر دنیا میں کوئی آخری شخص بھی ہوتا تو بھی ہم تمہارے بھائی کے لیے رشتہ قبول نہ کرتے۔ ہم ایک دفعہ ہی تم لوگوں سے رشتہ کرکے پچھتا رہے ہیں، یہ تو وقت ہی فیصلہ کرے گا کہ کون نیچ اور دو ٹکے کا حامل ہے۔ ہم اب مزید ایک لفظ بھی نہیں کہنا چاہتے۔" غصے کی زیادتی کے باوجود بڑے تحمل سے وہ گویا تھیں۔

"آپ اچھا نہیں کر رہیں، پچھتائیں گی۔" عادلہ بھی نخوت سے گویا ہوئی۔

"تمہیں اس گھر میں لاکر جو پچھتا رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور کیا پچھتانا؟"

"دیکھا مام! یہ ہے ویلیو اس گھر میں میری، ہم نے تو بھلا سوچا تھا مگر ایسے گندے لوگوں کو عزت راس کب آتی ہے، نجانے کس کا گندا خون ہے؟"

"عادلہ......" مہر النساء بیگم کی آواز پر وہ تینوں دہل کر کھڑی ہوگئی تھیں۔

"ماں جی پلیز آرام سے سکون سے۔" عائشہ نے فوراً ماں کا غصے سے کانپتا وجود تھاما۔ شہوار ایک دم اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

"آپ پلیز بھابی اس وقت خاموش رہیں۔" صبا بھی غصے سے گویا ہوئی۔ دوسری طرف سے آکر ماں کو تھاما۔ عادلہ جس قدر بد سلوکی پر اتر آئی تھی اب بولنا ناگزیر ہوچکا تھا۔

"ہاں کسی کو آئینہ دکھائیں تو وہ اسی طرح چیختا چلاتا ہے۔" یہ تو وہ گھر سے ہی طے کرکے چلی آئی تھی کہ بیگم عبدالقیوم صرف رشتے کی بات چھیڑیں گی مگر عادلہ کے معاملے وہ ایک لفظ بھی نہیں کہیں گی اور وہ عادلہ کی پرفارمنس سے مطمئن تھیں۔

"ہاں دوسروں کو آئینہ دکھانا آسان ہے مگر آئینے میں اپنی کریہہ، بدصورت شکل دیکھنا مشکل ہوتا ہے بھابی! آپ نے تو آج انتہا کردی، کچھ تو سوچا ہوتا کہ یہ آپ کا اپنا گھر ہے، اپنے ہی بچوں کو کھا جانے کی عادت سانپ کی ہوتی ہے، آپ کی اخلاقیات نجانے کیا ہیں؟ شاید دوسروں کی کردار کشی کرکے، اسے ذلیل کرکے آپ کو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اول روز سے آپ نے شہوار کے ساتھ بیر باندھ رکھا ہے مگر افسوس آپ کی ان تمام حرکتوں اور الزامات سے آپ کا کردار بہت کھل کر واضح صورت میں سامنے آگیا ہے۔" عائشہ نے خاصی تلخی سے جوابی کارروائی کی۔

"شہوار پر ہمیں ایسے ہی اعتبار ہے جیسے کوئی انسان اپنی ذات پر کرتا ہے۔ آپ کو شاید اپنی ذات اپنے کردار یا اپنے بھائی کے معاملات پر شک ہو مگر ہمیں نہیں ہے۔" صبا کو بھی عادلہ کی باتیں زخمی کرگئی تھیں پھر وہ کس طرح خاموش رہتی۔

"میں بھی دیکھتی ہوں کیا کرتے ہو تم لوگ؟ مجھے ذلیل کرکے اچھا نہیں کیا اب دیکھنا شہوار کو کیسے مصطفیٰ کا ہونے دیتی ہوں۔ میری بہن کو ٹھکرا کر ایک دو ٹکے کی لڑکی کو چنا۔ حیرت ہے وہ اتنے گھٹیا کردار کی نکلی کہ میرے بھائی کو بھی نہ بخشا، ہم تو پھر عزت سے بیاہنا چاہتے تھے مگر......"

"چلیں مام! اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں تو آپ کو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیسا سلوک کرتے رہے ہیں؟ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، یہ بے عزتی اور ذلت سہتی ہوں میں یہاں روزانہ......" عادلہ نے ایک دم پینترا بدلا، چھم چھم روتے ماں کا ہاتھ پکڑے وہ وہاں سے چلی گئی۔ ماں جی بے دم سی ہوکر صوفے پر گری تھیں۔

"ماں جی ریلیکس کچھ نہیں ہوا، آپ کو ان کی طبیعت اور مزاج کا پتا تو ہے نا۔ جب کسی طرح زور نہیں چلا تو یہ نیا ڈرامہ کرنے چلی آئی اور اس کے لوفر آوارہ لفنگے بھائی کو کیا ہم نہیں جانتے۔ کوئی بھی صاحب نظر انسان اس پر ایک نظر ڈال کر ہی اس کی تمام خوبیوں کا ادراک حاصل کرلیتا ہے۔ محض ہم کو اور شہوار کو اذیت دینے کا مقصد تھا اور کچھ نہیں۔" لائبہ نے ان کے دونوں یخ سرد ہاتھ تھام کر تسلی دی تو انہوں نے اپنی بھیگی آنکھیں صاف کیں۔

"وہ شروع سے ہی شہوار سے دشمنی رکھتی ہے، شہوار کو پتا چلے تو کتنی تکلیف ہوگی اس کو۔ نجانے اسے کس کس طرح کن کن الفاظ میں ذلیل کرتی رہی ہے اور وہ معصوم شریف لڑکی کبھی ایک لفظ بھی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتی۔ ایسے خیالات ذرا تابندہ یا شہوار سن لیں تو کبھی آنکھ اٹھا کر بات نہ کریں ہم سے۔" ماں جی اب بہت آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

دھمکی دے کر گئی ہے' ایسے فتنہ پرور لوگوں سے کیا بعید؟ میرے دل میں تو ہول اٹھنے لگے ہیں' کیا بدشگونی کر گئی ہے۔ آئیں تمہارے بابا جان بات کرتی ہوں ان سے اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور پینترا بدلے میں اس جمعے کو نکاح کروا دیتی ہوں۔" صبا نے انہیں پانی پلا کر ریلیکس کرنا چاہا۔

"مجھے تو رہ رہ کر شہوار کا خیال آ رہا ہے پہلے ہی خاصی حساس ہے۔ ذرا بھی پتا چلے عادلہ بھابی اور ان کی باتوں کا تو نجانے وہ تو کیا کچھ سوچ لے۔" صبا کو بھی عادلہ کی سوچ پر تاسف تھا۔

"اچھا ہوا وہ ادھر نہیں آئی' تم میں سے کوئی بھی اسے عادلہ یا اس کی باتوں کا نہیں بتائے گا' مجھے تو شرمندگی ہو رہی ہے' کیسے گھٹیا خیالات ہیں عادلہ کے ذرا بھی انسانیت نہیں برتی۔ شہوار بچی سن لے تو نجانے کیا سوچے؟"

"ایک بات تو بتائیں ماں جی! تابندہ بوا کا تو پتا چلتا ہے کہ وہ ہماری دور پرے کی رشتہ دار ہیں مگر شہوار کے والد کا تعلق کہاں سے ہے؟" یہ فطری سوال تھا جو بار ہا دل میں اٹھا تھا مگر عادلہ جس طرح شہوار کی ذات پر کیچڑ اچھال رہی تھی اور مہر النساء بیگم اس کا دفاع کر رہی تھیں تو صبا' عائشہ سب کے دلوں میں تابندہ بوا کے ماضی کو جاننے کی ایک جستجو ضرور پیدا ہوئی تھی۔ عائشہ نے سوال کیا تو ماں جی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"تابندہ نے آج تک کچھ نہیں بتایا جو بتایا وہ تم لوگوں کو پتا ہے۔"

"اور جو آپ عادلہ بھابی کے سامنے تابندہ بوا کی قسم وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں؟" صبا الجھ گئی تھی یہی حال لائبہ اور عائشہ کا بھی تھا۔

"وہ تو عادلہ کا منہ بند کرنے اور زبان کو لگام ڈالنے کے لیے کہا تھا۔ بہر حال تابندہ کے ماضی کے بارے میں ہم بھی زیادہ کچھ نہیں جانتے۔ ہاں شروع میں جب تابندہ ادھر آئی تھی تو تمہارے بابا سکندر علی کے خاندان والوں سے ملے تھے اس کے ماں باپ وفات پا چکے تھے' ایک چچا تھا جو قریب المرگ تھا' ملازم کے رحم و کرم پر تھا باقی اولاد چچا کی باہر کے ملک میں سیٹل ہو گئی تھی۔ چچا نے سکندر علی کی وراثت و جائیداد پر قبضہ کر کے اسے بے دخل کر دیا تھا اور پھر شوہر کی وفات پر تابندہ حویلی میں آ گئی تو چچا اپنی بداعمالی کے سبب قدرت کی گرفت میں آ گئے۔ اولاد سارا مال اسباب سمیٹ کر باہر جا بسی اور بیمار باپ ملازم کے آسرے پر رہ گیا' اس کے بعد تمہارے بابا دوبارہ اس شخص کے پاس نہیں گئے' نجانے وہ شخص مر گیا یا زندہ ہے۔" مہر النساء بیگم نے ماضی کا ایک واقعہ سنایا تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے سوالات سر اٹھانے لگے۔

"اور انکل سکندر علی جو تھے ان کی وفات کیسے ہوئی؟" صبا نے سوال کیا۔

"تابندہ جب یہاں آئی تھی تو گم صم اور ذہنی توازن کھو چکی تھی پھر آہستہ آہستہ سنبھلنے لگی تو وہ خاموش ہو گئی' پھر ہم نے بھی زیادہ بات چیت نہیں کی اس کے ماضی سے متعلق۔ یہ شروع میں تو وہ ذرا سی بات پر چڑ جاتی تھی' کئی دنوں تک بے حواس رہتی تھی۔ شوہر سے بہت محبت تھی اس کو جب وہ ہمارے پاس آئی تھی تو اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا' وہ ہفتوں اسپتال میں رہی تھی۔ ان دنوں میرے ہاں صبا پیدا ہوئی تھی' شہوار چند ماہ کی بچی تھی' مجھے ہی اسے سنبھالنا پڑا تھا۔ کئی ماہ لگے تھے تابندہ کو سنبھلنے میں تنہا عورت وہ بھی تابندہ جیسی خوب صورت ہو تو بھلا معاشرہ کب جینے دیتا ہے؟ چند ماہ میرے ساتھ رہیں اور پھر اس نے خود ہی کہا کہ اسے حویلی میں رہنے دیں۔ ہماری اپنی ذمہ داریاں تھیں' بچے تھے' تابندہ حویلی چلی گئی تو وقت کے ساتھ ساتھ اس کا دکھ بھی کم پڑنے لگا۔ کبھی اس نے براہ راست اپنے ماضی کے بارے میں نہیں بتایا۔ شروع شروع میں اس کے شوہر کے بارے میں پوچھتے کہ وہ کون تھا کیا تھا؟ ان سوالوں پر رو پڑتی تھی' ہمیں تو شروع میں یہ بھی نہیں پتا چلا تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا فوت ہو گیا پھر سنبھلنے کے بعد تابندہ نے خود ہی بتایا کہ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں' ایک شوہر کا آسرا تھا اب وہ بھی نہیں رہا۔ شروع شروع میں وہ چند نام لیتی تھی حمزہ اور شانزہ' پھر اس نے یہ نام لینا بھی چھوڑ دیئے' نجانے کون تھے؟ اب تو وہ بہت بدل گئی ہے' ایک پردہ دار اور دین دار عورت بن گئی ہے۔"

"جس طرح ہمارے دلوں میں یہ سب جاننے کی جستجو پیدا ہوئی ہے یقیناً شہوار کے دل میں بھی ہوتی ہوگی۔ اپنے والدین اپنے رشتہ داروں کے بارے میں تو ہر طرح سے ہر کوئی کانشس رہتا ہے نا' ہو سکتا ہے اس کا دل بھی کرتا ہو اپنے رشتہ داروں سے ملنے ملانے کو ان کے پاس جانے کو۔" صبا نے خیال آرائی کی۔

"ہاں فطری سی بات ہے مگر شہوار ایک سمجھدار اور پڑھی لکھی لڑکی ہے' اپنی ماں کی مجبوریاں اور مسائل سمجھتی ہے' جس عمر میں بچے

تنگ کرتے ہیں' ضدیں منواتے ہیں' کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہیں اس عمر میں بھی وہ بہت سمجھدار اور پڑھائی کی طرف متوجہ رہتی تھی۔ کبھی اوٹ پٹانگ حرکت میں شامل نہیں ہوئی' کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا۔ ماشاء اللہ ہر لحاظ سے نیک سلجھی ہوئی بچی ہے' خاندان میں یا باہر کہیں سے بھی بھولاتی مگر شہوار نہ ہوتی۔ عادلہ کے بعد تو دل ڈر گیا ہے' ماشاء اللہ لائبہ نے کسر پوری کر دی ہے مگر مصطفیٰ جس مزاج اور طبیعت کا مالک ہے تو مجھے شہوار ہی مناسب لگی۔ سچ کہوں تو میں نے شہوار سے زیادہ اپنے خاندان اپنے بیٹے کی خوشیوں اور اولاد کا سوچا ہے۔ آگے ان کی قسمت۔"

"بے فکر رہیں' بہت اچھی اور پرفیکٹ جوڑی ہے' ان شاء اللہ دونوں ایک ساتھ بہت خوش بھی رہیں گے۔" لائبہ بھابی نے مسکرا کر مہر النساء بیگم کو حوصلہ دیا۔

"شہوار کو دیکھو صبا! کہاں ہے؟ مجھے تو فکر لگ گئی ہے عادلہ کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کیا کہہ دے؟ اس کی ذرا سی دل آزاری ہو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر ان گزرے دو تین دنوں نے بچی کو بیمار کر کے نڈھال کر ڈالا ہے' اسی لیے تو تم لوگوں کو آنے کا کہا تھا کہ اس کے پاس اٹھو بیٹھو دل بہلاؤ کہ اسے اکیلے پن اور تنہائی کا احساس نہ ہو۔"

"اپنے کمرے میں ہی تھی' میں دیکھتی ہوں۔" صبا اٹھ کر شہوار کے کمرے کی طرف چلی آئی۔

"شہوار......" شہوار چادر سر تک تانے لیٹی ہوئی تھی۔

"سو گئی ہو؟" اس نے پوچھا ایک دو منٹ کھڑی رہی اور پھر کوئی جواب نہ پا کر اسے ڈسٹرب کیے بغیر دوبارہ باہر نکل آئی یہ دیکھے بغیر کہ وہ چادر سر تک تانے سب سے آنسو چھپانے کو عادلہ کی باتوں کا ماتم کرتے رونے کا شغل فرما رہی ہے یا سونے کا۔

❀......❀......❀

وہ کافی تھکے ہارے انداز میں گھر میں داخل ہوئی تھی سامنے ہی امی جی صحن میں چارپائی پر بیٹھیں سبزی بنا رہی تھیں' بھابی بھی پاس ہی تھیں' فائزہ ان کی گود میں تھی۔

"السلام علیکم!" ثریا بیگم نے سر اٹھا کر اپنی بیٹی کو دیکھا۔ جو آج کچھ زیادہ ہی تھکی ماندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"وعلیکم السلام!" رابعہ ماں کے پاس ہی ٹک گئی تھی۔

"کیا بنا انٹرویو کا؟" بھابی نے پوچھا تو اس نے منہ کے خاصے بُرے زاویے بنائے۔

"وہی جو پچھلے تمام انٹرویوز کا بنتا آیا ہے' کیا فائدہ اتنا پڑھنے کا' جب پڑھ رہے تھے تو اساتذہ حضرات سبز باغ دکھاتے تھے ایم سی ایس نہ ہوا کوئی جادو کی چھڑی ہو گیا۔ رزلٹ ہاتھ میں آتے ہی جسے ہلایا نوکری حاضر جناب! اب تین چار ماہ سے جوتیاں چٹخا رہی ہوں تو اپنے ملک میں بے روزگاری کا پتا چل رہا ہے۔" وہ تو خاصی بھری بیٹھی تھی' ایک دم شروع ہو گئی۔ ماں جی مسکرا دیں تو بھابی بھی ہنس دیں۔

"تو تمہیں ضرورت بھی کیا ہے نوکری کی آرام سے گھر بیٹھو بلکہ میں تو تمہارے بھائی کو کئی بار کہہ چکی ہوں کہ بس کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر تمہیں اپنے گھر کا کریں۔"

"اُف...... پھر وہی باتیں۔" رابعہ نے غصے سے ماں کو دیکھا۔

"آپ کو صاف الفاظ میں کہہ رہی ہوں کہ دو تین سال تک اس سلسلے میں سوچیے گا بھی نہیں' ہاں اس کے بعد دیکھوں گی۔" رابعہ کا وہی مخصوص منہ پھٹ انداز تھا۔ ماں جی نے غصے سے اسے دیکھا۔

"بوڑھا نہیں کرنا تمہیں بٹھا کر آج کل لوگ ڈگریاں دیکھ کر انگلیوں پر سال گنتے ہیں اور دو سال مزید گزرے تو پھر کوئی مناسب رشتہ بھی نہیں ملنے والا۔"

"تو نہ ملے؟" رابعہ نے بے پروائی سے کندھے اچکائے' امی کو بے پناہ غصہ آیا مگر بھابی کے اشارہ کرنے پر چپ ہو گئیں۔

"کھانا کھاؤ گی؟" بھابی فائزہ کو سنبھالتے کھڑی ہو گئیں اور ساتھ میں پوچھا بھی۔

"ہاں کھاؤں گی مگر چینج کرنے کے بعد۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ لباس بدل کر بالوں کو کیچر میں جکڑتے منہ ہاتھ دھو کر وہ باہر نکلی تو امی کے پاس صحن میں فیضان ماموں بھی بیٹھے دکھائی دیے۔

"السلام علیکم ماموں!" وہ اسی طرف چلی آئی۔
وعلیکم السلام!" انہوں نے شفقت بھری نگاہ سے رابعہ کو دیکھا۔
"کیا بنا انٹرویو کا؟" وہ صبح ان کے ساتھ ہی انٹرویو کے لیے گھر سے نکلی تھی ماموں کو بجلی اور گیس کے بل جمع کروانے تھے چند ایک دوا اور کام بھی تھے اسے متعلقہ جگہ چھوڑ کر خود وہ چلے گئے تھے اور یقیناً اب لوٹے تھے۔
"قورمہ......" ماموں کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وہ بھی برآمدے سے کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب رکھ کر بیٹھ گئی' ماموں اس کے جواب پر ہنس دیئے۔
"پھر تو کافی مزے دار بنا ہوگا؟" ماموں کی برجستگی پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"تو اور کیا......" وہ کون سا کسی سے کم تھی فوراً جواب حاضر تھا امی نے گھورا۔
انہیں یوں بات بے بات پٹر پٹر زبان چلاتی لڑکیاں انتہائی زہر لگتی تھیں۔
"اب بیٹھی نہ رہو خود بھی جا کر کھانا کھاؤ اور ماموں کے لیے بھی لاؤ۔" امی کے کہنے پر منہ بنا کر اٹھنے لگی تو بھابی کو ٹرے میں کھانا لاتے دیکھ کر واپس بیٹھ گئی۔ بھابی نے کھانا ماموں کے سامنے رکھی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔ ماموں ہاتھ منہ دھو آئے تو دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔
"ہاتھ پر ہاتھ دھرے مت بیٹھ جانا' میں باہر سے کچھ اخبار لے کر آیا ہوں' ان میں مختلف جگہوں پر کچھ ایڈز ہیں وہ دیکھ لو جو مناسب لگے رات کو بیٹھ کر ڈسکس کرلیں گے' ملک میں بے روزگاری کا یہی عالم ہے ہمت کرتی رہنا' کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں نوکری مل ہی جائے گی۔ تمہارا گریڈ بھی اچھا ہے تھوڑا وقت لگے گا مگر سیٹل ہو جاؤ گی۔" کھانا کھانے کے بعد ماموں نے کہا تو اس نے فوراً سر ہلا دیا۔
"فیضان بھائی! اسے ایسی شہ مت دیں میں تو کہتی ہوں کہ اچھا سا رشتہ دیکھ کر چلتا کریں آئے سہیل کا فون اس سے بھی بات کرتی ہوں' پہلے پڑھائی کا مسئلہ تھا تو میں چپ رہی اب یہ نوکری ووکری کے چکر چھوڑے آرام سے اگلے گھر کی تیاریاں کرلے۔" ماموں بھانجی کی باتیں سن کر امی جی نے فوراً تنبیہی بیان جاری کردیا۔
"ماموں جی۔" ماں کی بات پر اس نے فوراً ماموں کو دیکھا تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تسلی دی۔
"بات تو آپ کی بھی ٹھیک ہے آپا! سہیل سے بھی کہہ لیں' میں بھی سبھی جاننے والوں کو کسی اچھے سے رشتے کے متعلق کہہ دوں گا مگر جب تک کوئی سلسلہ نہیں شروع ہوتا' رابعہ فارغ گھر بیٹھنے کی بجائے جاب کرے تو ذہن بھی بٹا رہے گا اور وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔" ماموں کے سیاسی بیان پر رابعہ نے منہ بنایا۔
"میں نے نہیں کرنی اگلے تین چار سال تک شادی' پہلے جاب کروں گی جو پڑھا ہے اس کو عملی زندگی میں اپلائی کروں گی اور پھر شادی کا سوچوں گی۔" کھانا کھالیا تھا سو وہ برتن ٹرے میں رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی' امی نے اس کو ماموں کے سامنے یوں صاف بدلحاظ جواب پر خاصے کڑے تیوروں سے دیکھا۔
"دیکھ لیا فیضان! دن بدن اتنی بدلحاظ ہوتی جارہی ہے' ادھر شادی کی بات کروں اُدھر پٹاخ سے جواب حاضر۔" امی جی کا غصہ ایک دم سوا نیزے پر جا پہنچا تھا۔
"جانے دیں آپا! بچی ہے آپ رشتہ دیکھیں' یہی مناسب عمر ہوتی ہے بچیوں کو اپنے گھر بار کا کردینے والی۔ وقت پر اپنے گھر کی ہوجائیں تو ٹینشن ختم ہوجاتی ہے۔ ابھی بچی ہے جاب کرنے کی ضد ہے کرنے دیں' چند ماہ عملی زندگی میں لوگوں کا سامنا کرے گی تو خود سمجھ جائے گی کہ کس قدر مشکل ہے باہر کی دنیا۔ جہاں تک شادی کی بات ہے جہاں آپ نے رشتہ کردیا ہونی تو وہیں ہے نا۔ ویسے رابعہ کی پھوپی بھی اپنے بیٹے کے لیے کہہ رہی تھیں اس بارے میں کیا سوچا پھر۔" فیضان ماموں نے ہمیشہ والے تحمل اور اطمینان سے کہا تو ثریا بیگم کا غصہ کم ہوگیا۔
"مجھے نہیں پسند وہ خاندان' لڑکا پڑھا لکھا ہوتا تو میں سوچتی بھی؟ صرف ایف اے پاس ہے' اکلوتا ہے تو کیا کروں باپ کی کپڑے کی چھوٹی سی دکان ہے۔ جس کی آمدنی صرف اتنی ہے کہ جب بھی ملاقات ہو نند صاحبہ تنگی کا رونا روتی نظر آتی ہیں۔ اب رابعہ نے ایم سی ایس کرلیا ہے تو انہیں بھی مجھ سے رشتہ داری یاد آ گئی ہے' اتنی سی تھی رابعہ جب اس کا باپ مرا تھا' دونوں بچیوں کو لے کر آپ اور اباجی کے پاس آنا پڑا' کبھی سسرال میں سے کسی نے پلٹ کر خبر تک نہ لی اور برسوں بعد ملنا ملانا ہوا بھی تو سارے جہاں

کے آوارہ کاہل اور کام چور بیٹے کا رشتہ مانگنے چلی آئیں۔ جہاں میں نے سہیل کا غیروں میں ڈھونڈ ڈھانڈ کر کرلیا تھا اب بھی کہیں باہر ہی دیکھ لوں گی۔" امی جی کے جواب پر فیضان ماموں محض سر ہلا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
"اچھا فیصلہ ہے' مجھے بھی وہ فیملی پسند نہیں۔ میرے کچھ جاننے والے ہیں اور پھر اسٹوڈنٹس بھی آتے رہتے ہیں میں دھیان رکھوں گا اگر کوئی لڑکا پسند آتا ہے تو بات چلاتا ہوں۔" فیضان ماموں کی بات پر امی جی ایک دم خاموش ہوگئیں۔
"ضرور...... میں چاہتی ہوں کہ سہیل کے بعد اب رابعہ کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجاؤں' اباجی کے بعد تو اب ہر وقت ہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نجانے کب باری آجائے۔" ثریا بیگم کی بات پر ماموں مسکرا دیئے۔
"اللہ بہتر کرے گا' میں کوشش کروں گا۔" وہ تسلی دے کر اپنی مخصوص بیٹھک کی طرف بڑھ گئے جہاں تین بجے کے بعد ان کے طالب علم ان سے پڑھنے آجاتے تھے تو پھر وہ رات آٹھ نو بجے کے بعد ہی اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے۔

❁......❁......❁
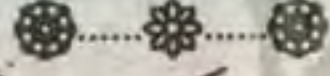
عادلہ اور اس کی والدہ کی روانگی کے بعد وہ باقی سارا وقت کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ عائشہ اور صبا کئی بار اس کے کمرے میں جھانک چکی تھیں مگر وہ ہر بار سوتی ہی بنی رہی اور مغرب کے بعد وہ کمرے سے نکلی بھی تو سیدھی کچن میں کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں۔ شہوار نے شکر ادا کیا کہ خوامخواہ کی جرح سے بچ گئی۔
وہ کچن میں جانے کی بجائے ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی' اس دوران تینوں مرد بھی گھر میں آچکے تھے' مصطفیٰ نے فون کرکے آج لیٹ آنے کا بتایا تھا۔ رات کے کھانے پر بھی وہ خاموش رہی' صبا اور عائشہ نے ہی اسے چند ایک بار مخاطب کیا تو اس نے جواب دے دیا' مجموعی طور پر وہ خلافِ معمول خاموش ہی رہی تھی۔
کھانے کے بعد کچھ دیر سب کے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر اٹھ کر اوپر ٹیرس پر چلی آئی۔ وہ اپنے اور مصطفیٰ کے ساتھ طے پائے جانے والے رشتہ پر سنجیدگی سے سوچنا چاہتی تھی۔ بڑوں کا جو بھی فیصلہ تھا مگر عادلہ اور اس کی ماں کی آج کی آمد اور گفتگو کے بعد وہ اس رشتے کے متعلق مزید غیر مطمئن ہوچکی تھی۔ جس طرح عادلہ اور اس کی ماں نے سب کے سامنے ایاز والے معاملے کو اس کی ذات سے جوڑتے اسے موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کی تھی شہوار کو لگ رہا تھا کہ عادلہ نے اسے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے جہاں سے اب وہ کبھی نکل نہ پائے گی۔ بے شک مہرالنساء بیگم' عائشہ' صبا اور لائبہ بھابی نے اس کی ذات کا دفاع کیا تھا مگر شہوار کو لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ہی نگاہوں سے گرگئی ہے۔ یہ تو شکر تھا کہ معاملہ فی الحال بڑوں کی پہنچ سے دور تھا اگر گھر کے مردوں خصوصاً مصطفیٰ کو پتا چل گیا تو وہ جیتے جی مرجائے گی۔ آج اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ شہوار سکندر علی کو لگ رہا تھا کہ اس دن کینٹین کے احاطے میں سہی جانے والی ذلت اس گھر کی چار دیواری میں اٹھائی جانے والی ذلت کا ایک فیصد بھی نہ تھی۔ اصل ذلت تو آج دیکھی تھی۔ اس کے لیے بے نام ونشان ہونے کا طعنہ کیسا اذیت ناک تھا۔ کیسا ذلت آمیز تھا' عادلہ کے الفاظ' اس کا نخوت بھرا انداز' شہوار کا جی چاہ رہا تھا کہ کہیں اتھاہ گہرائیوں میں جا گرے اور کبھی دنیا کے سامنے نہ آئے۔ عادلہ اور اس کی ماں کے جانے کے بعد وہ بہت شدت سے روئی تھی مگر اب سوچ سوچ کر دماغ بالکل ماؤف ہوچکا تھا' بے قراری تھی کہ حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ اذیت سے ٹیرس کی ریلنگ کی دیوار سے کمر ٹکا کر ٹھنڈی زمین پر بیٹھ گئی۔ اب وہ روئے دھوئے جذباتی ہوئے بغیر اس سارے مسئلے کا حل سوچنا چاہتی تھی یوں کہ مصطفیٰ کے ساتھ طے پایا جانے والا یہ نیا رشتہ بھی ختم ہوجائے اور ایاز والا معاملہ بھی سلجھ جائے۔ اپنی کنپٹیوں کو سہلاتے وہ اس معاملے پر سوچ رہی تھی کہ اس کے ہاتھ میں دبے موبائل نے بپ دینا شروع کردی' اس نے بیزاری سے اسکرین کی طرف دیکھا وہاں تابندہ بی کا نمبر تھا' آج سارا دن کئی بار کال آئی تھیں مگر اس نے ایک بار بھی ریسیو نہیں کی تھی اور اب پھر ان کی کال تھی۔ شہوار چند پل لب بھینچے اسکرین کو گھورتی رہی پھر کچھ سوچتے ایک گہری سانس فضا میں خارج کرتے اس نے یس کا بٹن دبا دیا۔
"السلام علیکم؟" اس کا سنجیدہ انداز تھا۔
"وعلیکم السلام!" دوسری طرف تابندہ بی کا پُرجوش انداز تھا۔
"کیسی ہو؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہوں..... آپ سنائیں۔"

"اللہ کا بڑا کرم ہے' آج میں نے کئی بار کالز کیں مگر تم نے ریسیو ہی نہیں کیں؟ کیا ابھی تک ماں سے ناراض ہو؟" انہوں نے پوچھا تو شہوار خاموش ہی رہی۔

"شہوار بیٹا! ایسا کب تک چلے گا؟" اس کی خاموشی پر انہوں نے رنجیدگی سے کہا تو شہوار کے اندر سے ایک دم تلملاہٹ جاگ اٹھی۔

"آپ نے جو کرنا تھا کرلیا؟ اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ میرے انکار کے باوجود آپ نے اس رشتے کے لیے ہامی بھرلی بلکہ مزید اقدامات بھی طے پالیے گئے اور مجھے خبر تک ہونے نہ دی؟ میں کیا چاہتی ہوں کیا نہیں آپ کو اس سے کیا غرض' بس آپ کی خواہش تو پوری ہورہی ہے نا۔" وہ خاصی تلخی سے بات کررہی تھی اس کے اندر کی ساری تلخی اس کی زبان کی نوک میں در آئی تھی۔

"شہوار بیٹا! ماں سے اتنی بدگمانی؟" دوسری طرف تابندہ بی شہوار کے ردعمل پر ششدر رہ گئیں۔ شہوار ناراض ہے خوش نہیں مگر اس حد تک بدگماں ہوجائے گی انہیں توقع نہ تھی۔

"میں بدگمان نہیں ہوں بٹ! آپ نے مجھے جسٹی فائی نہیں کیا' میرے کسی اعتراض کسی انکار کو اہمیت نہ دی اور ادھر میں کن کن حالات کو فیس کررہی ہوں آپ کو کیا خبر؟ آپ کے لیے یہ خاندان اہم ہوگا مگر میرے لیے میرا کردار میری انا اور میری عزت نفس بہت ویلیو رکھتی ہے' میں محض ایک رشتے کے عوض ذلت نہیں اٹھانا چاہتی۔" تابندہ بی کے الفاظ پر وہ زود رنج ہوتے کہہ رہی تھی۔

"تم جذباتی ہوتے ہوئے صرف تصویر کا ایک رخ دیکھ رہی ہو جب کہ میں نے بہت عرصہ سوچنے کے بعد یہ انتہائی فیصلہ کیا ہے' کیا تمہیں اپنی ماں اس کی زبان پر کوئی اعتبار نہیں یا پھر اب اپنی ماں کے فیصلے کے ساتھ ساتھ اس کے وجود کو بھی جھٹلانے پر کمربستہ ہوں۔" شہوار کے اس قدر جذباتی پن نے تابندہ بی کو حقیقی دکھ سے دوچار کیا تو بہت دکھ و غصے سے بولیں۔

"امی جی پلیز...... میں آپ کے وجود یا آپ کی زبان کو کیونکر جھٹلاؤں گی مگر میری برداشت میری ذات کے لیے یہ فیصلہ بہت زیادہ تلخ ہے آپ اگر یہاں کی صورت حال جان لیں تو خود نظر ثانی کرنے کا سوچ لیں' میرا آپ کے سوا اس دنیا میں اور کون ہے؟ دنیاوی رشتے ناطے سب ایک طرف مگر آپ کا وجود ایک طرف......" ماں کے غصے و دکھ سے لبریز الفاظ پر وہ خود بھی از حد آزردہ ہوگئی تھی۔ اتنی دور بیٹھی ماں کو اپنے الفاظ سے اذیت دینا اس کا مقصد نہ تھا مگر وہ خود اس وقت جس اذیت کا شکار تھی ان کو اس کے متعلق کیسے بتاتی؟

"تم جذباتی ہورہی ہو' میں نے سب سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے میری جان! تمہیں جو بھی خدشات ہیں وہ سب وقتی ہیں میں اس گھرانے کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں نے تم سے کیا سب سے اپنے ماضی کو چھپانے کی کوشش کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں شہوار کہ تم کسی عام خاندان یا عام باپ کی اولاد ہو۔ تم جس شخص کی اولاد ہو وہ کوئی عام شخص نہ تھا' مجھے ابھی کانٹوں پر مت گھسیٹو وقت و حالات سب تمہارے سامنے واضح کردیں گے کہ میرا فیصلہ کتنا درست تھا میں صرف تمہاری اور بہت سے لوگوں کی بقا کے لیے خاموش ہوں میری جان ورنہ میں تمہیں بتاتی کہ تمہاری ماں اور باپ کوئی عام انسان نہ تھے نہ مالی نہ نسبتی لحاظ سے۔" شہوار کے الفاظ نے انہیں اس حد تک آزردہ کردیا کہ وہ شدت سے رودیں' شہوار کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔

"امی جی پلیز...... اسی لیے آج تک میں نے آپ سے کوئی سوال نہیں کیا' میں نے بچپن سے لے کر آج تک جب بھی اپنا ماضی جاننا چاہا آپ کا یہی ردعمل رہا آج بھی میں اپنی زبان سی لیتی ہوں مگر آپ کو کیا بتاؤں میں ادھر کس اذیت کا شکار ہوں' میرے کردار میری ذات پر مصطفیٰ کو پھنسانے کے الزامات لگائے جارہے ہیں کہ میں کم نسب و کم حیثیت ہوں' بے نام و نشان وجود ہوں۔ آپ تو زبان سی کر بیٹھ گئی ہیں' ادھر آکر دیکھیں میں کیا کیا الفاظ سہہ رہی ہوں' روز ایک نئی اذیت کا عذاب جھیلتی ہوں' روز لفظوں کے نشتروں سے گھائل کی جاتی ہوں۔ میں مصطفیٰ اور اس خاندان کی شرافت' محبت و احسانات کو نہیں بھلا رہی مگر امی جی یہاں ان لوگوں سے ہٹ کر اور لوگ بھی آباد ہیں' جو قدم قدم پر مجھے میری حیثیت اور اوقات یاد دلانے کو کمربستہ رہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کی جانب سے آخر کب تک آنکھیں اور کان بند رکھوں؟" ماں کی اذیت ان کا پھوٹ پھوٹ کر رونا اس کے اندر ایسے شگاف ڈال گیا تھا کہ ایک دم دکھ اور غم کی گہری لپیٹ میں آ گئی۔

"ابھی تم مجھ سے کچھ مت پوچھو؟ جس دن مجھے کوئی رستہ مل گیا میں خود ساری دنیا کو بتادوں گی کہ میں کون ہوں؟ تمہارا باپ کون

تھا؟ ابھی وقت کا انتظار کرلو' کچھ دیر صبر کی اذیت سہنا ہوگی۔ میرے زندگی کے بہت سے تارے ٹوٹ کر کہیں گم ہوگئے ہیں' ابھی تو انہیں تلاش کرنا ہے۔ جب کوئی نشان مل گیا خود سب کو بتادوں گی' ابھی اپنی ماں کو اذیت کی اس گہری برزخ میں مت دھکیلو۔ میں نے بڑی مشکل سے زندگی کی ان سانسوں کو سنبھالے رکھا ہے۔ ایک آس ہے جو مرنے نہیں دیتی' ایک امید ہے جو زندہ رکھے ہوئے ہے' کیا ماں کو ابھی سے مار دینے کا ارادہ ہے تمہارا۔" تابندہ بی کا آج سارا ضبط شہوار کے جذباتی پن نے کچل ڈالا تھا' وہ چاہ کر بھی خود کو نہ سنبھال پارہی تھیں۔ تابندہ بی کے الفاظ نے شہوار پر نجانے کس انداز پر اثر کیا کہ وہ ایک دم رودی۔

"اللہ گواہ ہے' میرا مقصد آپ کو دکھی کرنا نہیں ہے آپ کچھ نہیں جانتیں یہاں میں کیا کچھ سہہ چکی ہوں؟ مجھے کیا صورت حال درپیش ہے؟ میرے الفاظ نے آپ کو دکھی کیا ہے' مجھے معاف کردیں۔ میں آپ کو کوئی الزام نہیں دے رہی مگر خود کو بھی نہیں سنبھال پارہی کہ اپنی کردارکشی نے مجھے جذباتی بناڈالا ہے' مجھے سمجھ نہیں آرہی اسی لیے آپ سے بکواس کرڈالی۔"

"مجھے چند دن اپنے پاس بلوالیں' ادھر رہی تو پاگل ہوجاؤں گی۔ امی جی پلیز کچھ عرصہ کے لیے اس رشتے والی بات کو رہنے دیں' میری تعلیم مکمل طور پر متاثر ہوچکی ہے اگر آپ نے مجھے اتنی فیور نہ دی تو میں آپ کو سچ کہہ رہی ہوں میں پھر مزید تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ پاؤں گی' سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آپ کے پاس آجاؤں گی۔" دوسری طرف تابندہ بی ایک دم سن ہوگئی تھیں۔ تو کیا حالات بہت خراب تھے مگر مصطفیٰ سے بات ہورہی تھی' بھابی بیگم سے بھی رابطہ رہتا تھا کسی نے بھی ذکر نہ کیا تھا۔

"میں کئی دن سے کالج نہیں جارہی اگر یہی سلسلہ رہا تو میں سب کچھ چھوڑ دوں گی۔ آپ نے میری ذہنی صلاحیتوں کا بڑا غلط اندازہ لگایا ہے امی جان میں یہ سب نہیں سہہ پارہی۔ میں آپ کے فیصلے کو نہیں جھٹلاتی مگر یہاں کے حالات میری برداشت سے بہت زیادہ ابتر ہیں۔ یہ سلسلہ جہاں ہے ادھر ہی رہنے دیں یا پھر مجھے آکر یہاں سے لے جائیں' پلیز......" وہ از حد ملتجی ہوئی۔

"ٹھیک ہے میں کچھ سوچتی ہوں۔" تابندہ بی کے الفاظ نے شہوار پر گویا آکسیجن کا سا کام کیا اور وہ یک دم پرجوش ہوگئی۔

"شکریہ امی جی! میرے الفاظ نے اگر آپ کو ہرٹ کیا ہے تو اس کے لیے معاف کردیں۔ میرا مقصد آپ کے فیصلے کو جھٹلانا نہ تھا بس میں آپ کے فیصلے کو حد سے زیادہ حساسیت میں جاکر سوچ رہی ہوں اور قبول نہیں کرپارہی' اسی لیے بہت تلخ ہوگئی۔" اپنے الفاظ کی تلخی کا اسے خود بھی اندازہ تھا' اس لیے معافی مانگنے میں اس نے ایک پل نہ لگایا۔

"جو ہوا اسے جانے دو' تم کل سے کالج جاؤ' میں کچھ سوچ کر پھر کال کروں گی۔ تم پہلے ہی بیماری سے اٹھی ہو' زیادہ سوچنے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کچھ بھی تمہاری رضامندی کے بغیر طے نہیں کروں گی۔" شہوار نے ایک گہرا سانس فضا میں خارج کیا۔ اتنے دنوں کی اذیت تھی اسے لگا کہ وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہوگئی ہے اور مصطفیٰ شاہزیب سے کل ہونے والی ساری تکرار اور مصطفیٰ کے الفاظ نے جو اذیت دی تھی اسے لگا کہ تابندہ بی کے الفاظ نے کچھ حد تک اس اذیت کا ازالہ کردیا ہے۔

"آپ سے ایک اور فیور بھی درکار ہے۔" مصطفیٰ کے خیال سے اسے کچھ یاد آیا تو اس نے فوراً کہا۔

"وہ کیا......؟"

"ہمارے درمیان جو بھی بات طے ہوئی ہے یہ ہمارے درمیان ہی رہنے دیں میں نہیں سمجھتی کہ ہماری گفتگو کے متعلق جاننے کا حق مصطفیٰ یا کسی اور فرد کو ہے۔" شہوار کے الفاظ پر تابندہ بی ایک دم چونکی تھیں۔

"کیا مصطفیٰ سے تمہاری اس سلسلے میں کوئی بات ہوئی ہے؟"

"جی! کل تفصیلی بات ہوچکی ہے۔" اس کے بتانے پر تابندہ بی ایک دم پریشان ہوگئیں۔

"اور تم نے اس سے سب کچھ کہہ دیا؟" وہ غصے سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی......"

"میرے اللہ......" وہ گم صم سی ہوگئیں۔

"تمہیں یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا؟" وہ از حد دکھ سے کہہ رہی تھیں۔

"اور جو آپ نے انہیں میرے متعلق تمام بریفنگ دے رکھی تھی وہ کیا تھا؟ میں اس رشتے سے ناخوش ہوں آپ سے ناراض ہوں۔ آپ سے بات نہیں کررہی اس سب کا مصطفیٰ کو الہام نہیں ہوا تھا آپ نے اسے بتایا تھا تو وہ وقتاً فوقتاً بہانے بہانے سے

استفسار کرتا رہا تھا کل موصوف سے آخرکار رہا نہ گیا تو ڈائریکٹ بات کرلی۔ مجھے اس کے ساتھ ساتھ آپ پر بھی بے حد غصہ تھا وہ تو شکر ہے کہ اس سے گفتگو کے دوران میں نے صرف اپنے احساسات کا اظہار کیا ورنہ تو دل چاہ رہا تھا کہ سیدھا جا کر آنٹی جی کے پاس صاف انکار کردوں۔ کل مصطفیٰ سے گفتگو کے بعد مجھے بہت غصہ آیا تھا آپ پر بھی اور اس پر بھی۔‘‘ شہوار کے صاف الفاظ پر وہ خاموش ہوگئیں۔

’’امید کرتی ہوں کہ مصطفیٰ سے آپ ہماری یہ گفتگو ڈسکس نہیں کریں گی اور نہ ہی بار بار کال کرکے اس سے آپ رابطہ کریں گی۔ ہمارے درمیان جو بھی معاملہ طے ہوگا ڈائریکٹ ہوگا۔ بغیر کسی تیسرے کی مداخلت کے ہمارے معاملات صرف ہمارے ہیں۔ مصطفیٰ شاہزیب علی کی مداخلت میں قطعی گوارا نہیں کروں گی۔ اس کے باوجود اگر اس سے کہہ سن کر آپ میری ذات کو اس کی نظروں میں ہلکا کرنا چاہتی ہیں تو اور بات ہے۔ بہرحال مصطفیٰ کے پرپوزل سے میں انکاری ہوں یہ صاف واضح اور اٹل بات ہے۔‘‘ شہوار نے صاف الفاظ میں دل کے جذبات آشکار کردیئے۔

’’ٹھیک ہے اب جو بھی معاملہ طے ہوگا یہ ہمارے درمیان ہی ہوگا۔ مصطفیٰ کو بھی میں نے صرف اس لیے انوالو کیا تھا کہ وہ تمہارا خیال رکھے مجھے پتا چلا کہ کالج لے جانے کی ذمہ داری اس نے خود لی تھی میں سمجھتی تھی کہ بھابی نے مصطفیٰ کی رضامندی سے ہی تمہارا پرپوزل دیا تھا تو یقیناً مصطفیٰ کی تمہارے بارے میں مثبت رائے ہی ہوگی ایسے میں اگر وہ تمہیں سمجھانے کی کوشش کرے گا تو مجھ سے بہتر وہ تمہارے جذبات و احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ میرا مقصد اور کوئی نہ تھا محض یہ تھا کہ وہ تمہیں قائل کرے۔‘‘

’’مگر افسوس وہ اپنی تمام تر قابلیت کے باوجود مجھے قائل نہ کرپائے؟‘‘ شہوار کے الفاظ پر تابندہ بی خاموش ہی رہیں۔

’’یہ طے ہے کہ اب آپ مصطفیٰ کو اس معاملے میں انوالو نہیں کریں گی آپ میری ماں ہی نہیں دوست بھی ہیں۔ میں نے اپنے دل کی ہر اچھی بری بات آپ سے ہی کہی ہے۔ صرف اس لیے کہ کبھی بھی آپ میری ذات کو کسی کی بھی نگاہوں میں ہلکا نہ پڑنے دیں بہرحال جو بھی ہوا وہ ایک طرف مگر مزید ہمارے کسی بھی معاملے سے مصطفیٰ کو دور ہی رکھیے گا۔‘‘

’’ٹھیک۔‘‘ تابندہ بی فوراً اس کی بات مان گئیں۔

’’میرا کہا سنا معاف کیجیے گا اپنا بہت خیال رکھیے گا میں آپ کے فیصلے کی منتظر رہوں گی۔ آپ کا کافی وقت لیا اب اجازت چاہوں گی۔‘‘

’’تم بھی اپنا خیال رکھنا اپنی تعلیم کی طرف توجہ دو اپنی اولاد کو ڈاکٹر بنانے کی خواہش تمہارے باپ کی تھی میں نہیں چاہتی کہ تم اپنی تعلیم کو خیرباد کہہ دو۔ میں جلد ہی کوئی حتمی فیصلہ کرکے تمہیں آگاہ کردوں گی پریشان نہیں ہونا اور ٹینشن بالکل نہیں لینا جو بھی ہوگا ان شاءاللہ بہتر ہی ہوگا۔‘‘

’’جی...... ان شاءاللہ!‘‘ اس نے بھی فوراً سر ہلایا۔

’’اپنا خیال رکھنا اللہ حافظ۔‘‘

’’اللہ حافظ۔‘‘ موبائل بند ہونے پر وہ ایک دم ہلکی پھلکی سی ہوگئی تھی۔ عادلہ اور اس کی ماں کی آمد کے بعد وہ جس تکلیف اور اذیت کا شکار رہی تھی اب لگا اس اذیت کے شکنجے سے نجات مل گئی ہے وہ بہت سکون اور اطمینان سے نیچے کی طرف جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

❁......❁......❁

شاہزیب صاحب اور ان کی بیگم دونوں اس وقت اپنے کمرے میں تھے۔ مہرالنساء بیگم نے آج عادلہ اور اس کی والدہ کی آمد کی وجہ سمیت تمام گفتگو ان کے گوش گزار کردی تھی۔ باقی لوگوں کی طرح شاہزیب صاحب بھی ساری بات سن کر ازحد برہم ہوئے۔

’’عجیب بددماغ لڑکی ہے یہ عادلہ بھی بچی سے نفرت کی یہ نئی راہ نکالی اس نے۔ کیا اس کے خاندان کی حرکتوں سے ہم بے خبر ہیں؟ ہم تو ایک دفعہ ہی لاعلمی میں مارے گئے تھے اب بار بار عادلہ بھی بہن کا اور اب بھائی کا رشتہ لاکر کیا ثابت کرنا چاہتی ہے اور وہ ہے کس خوش فہمی میں؟ ہم شہوار کی بات مصطفیٰ سے طے کرچکے ہیں وہ بے خبر تو نہیں اور جھوٹے الزام وہ اس پر لگائے جو اس کے بھائی کی حقیقت سے بے خبر ہو۔‘‘ تمام صورت حال سن کر شاہزیب صاحب خاصے گرم ہوئے۔

’’شہوار کو بھی پتا ہے اس ساری صورت حال کا یا نہیں؟‘‘ انہوں نے پوچھا۔

’’نہیں! وہ بے خبر ہی ہے۔‘‘

’’اچھی بات ہے خوامخواہ بچی کو تکلیف ہوتی۔ یہ تو سیدھی سادی کردار کشی کرنے والی بات ہوئی۔ میں سوچتا ہوں اس کا بھی کوئی حل...... کل پرسوں میرا گاؤں جانے کا ارادہ بن رہا ہے اسی سلسلے میں تابندہ اور بابا صاحب سے بات کرکے کوئی حتمی فیصلہ کرتا ہوں۔ اب تابندہ نے ہاں تو کہہ دی ہے مزید معاملے کو لٹکانا نہیں چاہتا۔‘‘

’’میں تو سوچ رہی ہوں کہ اس آنے والے جمعہ کو نکاح نہ رکھ لیں گھر کی بات ہے زیادہ شور شرابا نہیں کرتے سادگی سے نکاح کرویتے ہیں۔ رخصتی تو تب ہی ہوگی جب شہوار کی تعلیم مکمل ہوجائے گی مصطفیٰ بھی شہوار کے دورانِ تعلیم شادی کے حق میں نہیں ہے۔‘‘

’’مشورہ تو اچھا ہے ویسے بھی اصل فیصلہ تو تابندہ اور بابا صاحب سے صلاح مشورے کے بعد ہی ہوگا۔‘‘

’’عائشہ اور صبا آئی ہوئی ہیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے جلدی کرلیجیے گا نکاح منگنی جو بھی تقریب ہو تیاری تو کرنا ہی ہوگی۔ میری تو رائے ہے کہ جتنی جلدی یہ تقریب ہوجائے درست ہے عادلہ جیسے بدطبیعت لوگوں کے منہ بند ہوجائیں گے اور لوگوں کو بھی رشتہ طے ہوجانے کا پتا چل جائے گا۔‘‘

’’چلو دیکھتے ہیں کل تو فری نہیں ہوں پرسوں کا پروگرام بناتا ہوں گاؤں جانے کا۔ اصل فیصلہ تو وہاں جاکر ان لوگوں کی رائے کے بعد ہی ہوگا۔‘‘

’’ٹھیک ہے تابندہ نے ہاں تو کردی ہے میں آج کل میں کوئی تیاری کرلوں پھر؟ کپڑے زیورات تو چاہیے ہوں گے نا؟‘‘

’’یہ آپ لوگوں کا شعبہ ہے جو مناسب سمجھیں کریں رقم چاہیے تو بینک سے نکلوا لیجیے گا۔‘‘

’’چلیں ٹھیک ہے۔‘‘ مہرالنساء بیگم ایک دم مطمئن ہوگئی تھیں۔

’’اور یہ عادلہ کا کیا پروگرام ہے کافی دن ہوگئے ہیں اسے میکے گئے ہوئے پوچھا نہیں کہ کب واپسی ہوگی؟‘‘ انہوں نے دوسرا موضوع چھیڑا۔

’’نہیں! میں نے نہیں پوچھا آپ کو بتایا ہے ناکہ اس کی بہن کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا دوسرا عباس سے ہی ایک دو بار فون پر بات ہوئی ہے اس کی۔ عباس سے ہر بار ایک ہی بات کرتی ہے کہ علیحدہ ہونے کا ارادہ ہے تو وہ آئے گی ورنہ نہیں۔‘‘

’’یہ لڑکی مسئلے کو خوامخواہ الجھا رہی ہے اور عباس کی کیا رائے ہے؟‘‘

’’وہ تو سرے سے عادلہ کو واپس لانے پر راضی ہی نہیں ایک دو بار میری بات ہوئی ہے کہتا ہے کہ وہ تنگ آچکا ہے اس عورت سے اب وہ اس کے ساتھ مزید گزارہ نہیں کرسکتا۔‘‘ مہرالنساء بیگم نے اصل بات گوش گزار کی تو وہ خاصی دیر تک گم صم رہے۔ بہرحال ان کے خاندان میں ایسا انتہائی فیصلہ آج تک کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔ حالات جیسے بھی ہوتے تھے نبھاہ کیا جاتا تھا مگر یہاں صورت حال ہی مختلف تھی لڑکی رہنے پر راضی نہ تھی اور لڑکا رکھنے پر۔ وہ عباس کو مجبور کرلیتے مگر اب بہت سی باتیں ایسی تھیں جو ان کے سامنے آرہی تھیں خصوصاً آفاق کی ذات سے عادلہ کی بے پروائی اور اجنبیت انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کررہی تھی جو عورت بچوں کے حق میں ہی نہ ہو اور بمشکل اگر بچہ پیدا ہوا تو بھی اس کی کوئی بھی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہ تھی ایسی عورت شمع محفل تو بن سکتی ہے مگر گرہستن نہیں۔‘‘

’’یہ سب عباس کا ہی کیا دھرا ہے پسند کی شادی کرنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے ہم نے تو بس لڑکی دیکھی تھی اور رشتہ طے کردیا اس وقت ان کا سارا حسب و نسب دیکھتے ماں باپ کا کردار اخلاق ہر چیز پرکھتے ہم نے بھی محض مالی اسٹیٹس دیکھا اور فوراً رضامندی دے کر دونوں کی شادی کروا ڈالی۔ غلطی ہماری بھی ہے جو بھگت رہے ہیں یہ میری زندگی کی سب سے سنگین غلطی ہے وہ لڑکی اس قابل ہی نہ تھی کہ ہمارے خاندان میں داخل ہوتی بہرحال جو ہوگیا سو ہوگیا آخر کب تک وہ ماں باپ کے گھر رہے گی علیحدہ کر بھی دوں تو بھی یہی حالات رہیں گے اور عباس کا مسئلہ برقرار رہے گا۔ ہم نے شادی اس لیے کی تھی کہ ہماری نسل آگے بڑھے وہ عورت کسی طور پر تعاون کرنے پر آمادہ ہی نہیں تو کیا کرسکتے ہیں۔ وہ ماں باپ کے گھر جاکر رہنا چاہتی ہے تو رہنے دیں آخر کب تک اس کا باپ اسے اپنے گھر بٹھائے رکھے گا۔‘‘

’’یہ سب تو ٹھیک ہے مگر اس نے عباس سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر علیحدہ گھر نہیں تو پھر علیحدگی ہوگی بلکہ مجھے تو لگتا ہے وہ یہ

سب حرکتیں صرف اور صرف عباس سے علیحدگی کے لیے کر رہی ہے۔ دراصل عباس نے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ عادلہ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت عباس سے ملی تھی مگر پھر عباس سے اس کے فوائد پورے نہیں ہوئے تو اب پینترا بدل رہی ہے۔ وہ کئی بار جائیداد کی تقسیم کی بات کر چکی ہے بلکہ اپنے نام کئی طرح کی اشیاء لکھوانا چاہتی ہے۔ علیحدہ گھر میں وہ ڈیفنس والی نئی خریدی کوٹھی مانگ رہی ہے۔ جو اس کے نام کی جائے۔"

"وہ کوٹھی تو خریدی ہی میں نے مصطفیٰ کے نام سے تھی، کیا وہ جانتی نہیں؟"

"سب جانتی ہے اسی لیے تو کاشفہ کا رشتہ لے کر آئی تھی ہمارے انکار پر ہی تو وہ اب کھل کر سامنے آ رہی ہے۔"

"صد افسوس...... ایسی عورت ہمارے نصیب میں تھی یہ بھی ہماری آزمائش ہے۔" انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اگر اس نے علیحدگی کا مطالبہ زبانی کلامی کی بجائے باقاعدہ کیا تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔ ہم بھی گرے پڑے خاندان کے نہیں ہیں۔ ہمارے خاندانی اخلاق و کردار کے بارے میں ایک عالم جانتا ہے۔ عبدالقیوم جیسے لوگ ہوتے ہیں نو دولتیے...... ایسے لوگوں کو جب بھی دولت ملتی ہے کپڑوں سے باہر نکلنے کی کرتے ہیں۔ عباس کو سمجھایا کریں پریشان نہ ہوا کرے، دیکھ لیں گے ہم بھی اس مسئلے کو۔" اپنی طرف سے بات مکمل کر کے انہوں نے سائیڈ پر رکھی کتاب تھام لی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ کسی بھی سلسلے میں کوئی بات نہیں کریں گے مہر النساء بیگم ان کی مزاج آشنا تھیں اسی لیے مزید کوئی بات چھیڑے خود بھی اٹھ گئی تھیں۔

❁......❁......❁
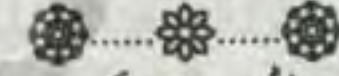
رات کے کھانے کے بعد وہ تینوں خواتین لاؤنج میں بیٹھیں شادی کی تیاریوں کو ڈسکس کر رہی تھیں ضیاء صاحب کو بلڈ پریشر کی شکایت تھی وہ جلدی اٹھ گئے تھے اس وقت وہ کمرے میں آرام کر رہے تھے، وقار صاحب کوئی نیوز چینل لگائے مصروف تھے اور وہ تینوں شادی کے سلسلے میں ہونے والی تیاریوں میں۔

"یہ ولید اور احسن ابھی تک گھر نہیں لوٹے؟" چیزوں کی لسٹ بناتی انا نے سر اٹھا کر ماما کو دیکھا جو روشی سے پوچھ رہی تھیں۔

"کوئی کام ہوگا؟" اس نے سرسری سا جواب دیا۔

"کوئی کام نہیں دونوں کسی دوست کے پاس رک گئے تھے۔" روشی نے بتایا تو وہ چونکی۔

"کون سا دوست؟" اس کا لہجہ خود بخود سرد ہوا۔

آج صبح ولید کے رویے کی وجہ سے اس کا مزاج خود بخود خوشگوار ہو گیا تھا جس طرح ولید کی توجہ حاصل ہوئی تھی وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی اور سارا دن بہت خوش رہی تھی اور اسی خوشی میں آج اس نے ولید اور احسن کے لیٹ ہونے پر توجہ نہ دی تھی پھر یہ بھی خیال تھا کہ ولید احسن کو لے کر اس لڑکی کو دیکھنے اسپتال تو جانے سے رہا۔ مگر اب روشانے کی زبان سے کسی دوست کا نام سن کر وہ چونک گئی۔

"پتا نہیں ولید بھائی نے کال کر کے بس یہی اطلاع دی تھی کہ وہ اور احسن کسی دوست کے پاس جا رہے ہیں کس دوست کے پاس یہ نہیں بتایا۔" روشانے نے سرسری انداز میں بتایا تو انا نے ایک دم غصے سے نوٹ بک اور قلم ٹیبل پر رکھے۔

"تمہارا بھائی پاکستان آتے ہی کچھ زیادہ ہی دوستیاں نہیں نبھانے لگا ہے۔" اس کا لہجہ سلگتا ہوا تھا روشی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مطلب؟" اس نے پوچھا انا سر جھٹک گئی جب کہ ماما کہنے لگیں۔

"تمہیں کیوں غصہ آ رہا ہے؟ مرد ذات ہیں سو دوست اور جاننے والے ہوتے ہیں۔ خواتین کی طرح گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر بیٹھے رہنے سے تو رہے۔ ہو سکتا ہے احسن کا ہی کوئی دوست ہو جس کے پاس گئے ہوں دونوں۔" ماما کے کہنے پر وہ بظاہر خاموش رہی، روشی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی تو اسے خود پر کنٹرول کرنا پڑا۔ دوبارہ نوٹ بک اور قلم تھام کر لسٹ بنانے میں لگ گئی۔ ماما اسے مختلف چیزوں کے نام بتا رہی تھیں جو وہ لکھتی جا رہی تھیں مگر اندر سینے میں جوار بھاٹے کا سا سماں تھا۔ ذہن مختلف سمتوں کی طرف ایک دم گامزن ہو گیا تھا۔

کون سا دوست ہوگا...... کیا وہی لڑکی ہو گی؟ کتنی خوب صورت حسین اور دلکش تھی وہ لڑکی؟ بے ہوشی میں بھی کیا قیامت ڈھا رہی تھی اور دوسری میزبان لڑکی بھی کچھ کم نہ تھی۔ ماما اسے پتا نہیں کیا کہہ رہی تھیں مگر اس کی توجہ کسی اور ہی طرف تھی۔

"یہ کیا لکھ رہی ہو؟" ماما اسے کئی بار آواز دے چکی تھیں مگر اسے متوجہ نہ پا کر آخر کار روشی کو ہی اس کی طرف دھیان دینا پڑا اور نوٹ بک دیکھ کر چیخی۔

"کیا ہوا؟" انا نے بھی گھبرا کر نوٹ بک دیکھی اور زبان دانتوں تلے دبالی۔ اپنی رو میں نجانے وہ کیا بیل بوٹے بناتی چلی گئی تھی۔

"ساری لسٹ کا ستیاناس کر دیا ہے اتنا ہی پینٹنگ کا شوق ہو رہا تھا تو علیحدہ صفحہ لے لیتی۔" روشی لسٹ دیکھ کر خفا ہو رہی تھی انا ایک دم ہنس دی۔

"سوری! بس پتا ہی نہیں چلا۔"

"دھیان کدھر ہے تمہارا؟" روشی نے گھورا ماما بھی صفحہ دیکھ کر ہنس دیں۔

"آج کل پھوپو آپ کی بیٹی کا دھیان کچھ زیادہ ہی اِدھر اُدھر نہیں رہنے لگا؟"

"نہیں جی! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں خوامخواہ پر کا کوا مت بناؤ۔" روشنی کے ہاتھ سے نوٹ بک واپس لے کر اس نے کہا تو وہ بغور دیکھنے لگی انا کو الجھن ہونے لگی۔

"کیا ہے؟" روشی کی نگاہوں کو وہ ایک پل سے زیادہ برداشت نہ کر سکی۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ اچھی بھلی لڑکی جب لکھتے لکھتے بیل بوٹے بنانے لگے تو اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟" روشی کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"وہ صرف تمہارا سر ہی ہو سکتا ہے۔" اس کے سر پر نوٹ بک کھینچ کر مارتے اس نے چڑ کر کہا تو روشی ہنس دی۔

"ماما یہ اس کی شادی ہے سارے انتظامات کی لسٹ بھی اس سے بنوائیں، میں نے یوں ہی بیل بوٹے بنائے ہیں یہ ہر صفحے پر احسن احسن لکھتی پھرے گی۔" اپنی طرف سے انا نے فوراً بدلہ چکایا تو روشی ایک دم جھینپ گئی۔

"خوامخواہ......" ماما بھی اسے شرماتے دیکھ کر ہنس دیں۔

"خوامخواہ کیوں......" انا نے اپنی طرف سے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔" روشی شرما کر رہ گئی تو انا کھلکھلا کر ہنس دی، ماما نے ایک تھپڑ اس کے کندھے پر جڑ دیا۔

"شرم کرو، بہن کو تنگ کر رہی ہو تمہارے پاپا پاس ہی ہیں، سن لیں گے۔"

"میں کافی بنانے جا رہی ہوں، کوئی پیئے گا؟" ماما کے کہنے پر وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی، ماما نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"توبہ کرو ابھی چائے پی ہے اب کافی...... تم پی کر تھکتی نہیں۔"

"رہنے دیں پھوپو! اسے کون سا اثر ہونا ہے ساری ساری رات جاگنے کی لت لگ گئی ہے اسے اور کیا؟" روشانے کی بات کو نظر انداز کرتے وہ کچن کی طرف آ گئی۔ وہ کافی بنا رہی تھی جب باہر گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا۔ وہ چونک اٹھی۔ ولید کی گاڑی کا ہارن تھا یعنی موصوف کی گاڑی ٹھیک ہو چکی ہے اور آج اپنی گاڑی میں ہی احسن بھائی کے ہمراہ کہیں گئے تھے۔

"مگر ولید گیا کہاں تھا؟" وہ پھر الجھن کا شکار ہونے لگی۔ کافی بنانا ترک کر کے وہ کچن کی کھڑکی کھول کر باہر جھانکنے لگی۔ ولید کی گاڑی پورٹیکو میں جا رکی تو دونوں گاڑی سے نکل کر اب اندر آ رہے تھے۔ احسن بھائی نے ولید سے نجانے کیا کہا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ ولید بے انتہا خوش لگ رہا تھا وہ دونوں یونہی ہنستے اندر کی طرف چلے آئے۔ انا کے دل میں عجیب سی کیفیت اتر آئی۔ وہ لب بھینچ گئی زور سے کھڑکی بند کر کے دوبارہ اپنی کافی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

اب لاؤنج سے پُر زور آوازیں بلند ہو رہی تھیں مگر وہ کان بند کیے لب بھینچے کافی کی طرف متوجہ رہی۔ بڑے سائز کا مگ کافی سے بھر کر وہ اندر جانے کی بجائے راہداری سے ہوتے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"یہ لوگ کدھر گئے ہوں گے؟" کافی پیتے اس کی ذہنی رو پھر بھٹکنے لگی۔

"یا اللہ! کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیوں ہر چھوٹی چھوٹی بات کو میں یوں بُری طرح اپنے ذہن پر سوار کرنے لگی ہوں۔ میری طرف سے دونوں جہاں مرضی جائیں، میری بلا سے؟" کافی پیتے وہ خود سے ہی ناراض ہو گئی۔ ایک دم اس کا جی ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تو خالی مگ ٹیبل پر پٹخ کر وہ بستر پر دراز ہو گئی۔ ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

"خاموشی میں شور تھا میں نے سنا کچھ بھی نہیں
اس نے سب کچھ دیا لیکن کہا کچھ بھی نہیں"

سارے کمرے میں یہ دلکش آواز گونج اٹھی۔ تکیے پر سر رکھ کر وہ خاموشی سے سننے لگی۔ دل یونہی بھر بھر آنے لگا۔ دل چاہا کہ خوب روئے اور جی بھر کر روئے۔

"تجھ کو کیا معلوم اے جانِ جہاں تیرے بغیر
میرا جیون کٹ گیا اور میں جیا کچھ بھی نہیں"

آنکھوں سے یونہی پانی بہنے لگا تو دل کی دنیا طوفانوں کی زد پر آ گئی۔

"حکم یہ ہم کو ملا اس کے سوا کچھ مانگیے
اٹھ گئے دستِ دعا لب پر دعا کچھ بھی نہیں"

خوب صورت آواز کا تاثر اتنا بھرپور تھا کہ اس کے اندر کی ساری دنیا میں جھل تھل ہو گئی۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

غزل گو کی آواز کا تاثر تھا یا غزل کے بولوں کی تاثیر کہ وہ ایک دم چونک گئی تھی۔ لفظ سیدھے دل میں اتر گئے اس نے یہ شعر ریوائنڈ کیا۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

اور پھر کئی بار مسلسل ریوائنڈ کرتے وہ بار بار یہی شعر سننے لگی۔ دل کا اضطراب اشکوں میں بہہ نکلا اب صرف بے نام سی کسک باقی رہ گئی تھی تین چار بار مسلسل سننے کے بعد اس نے جب پانچویں بار یہ شعر ریوائنڈ کیا تو کوئی کمرے کی دہلیز پر آ ٹھہرا۔

"تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں"

"ایسا کیا ہے اس شعر میں جو بار بار سنا جا رہا ہے؟" وہ جو آنکھیں بند کیے تکیے میں منہ چھپائے صرف شعر کے ان بولوں میں غرق تھی ایک دم چونک گئی۔ تکیے سے منہ نکالنے سے پہلے اس نے فوراً ہاتھ کی پشت سے اپنی نم آنکھوں کو صاف کیا اور پھر سر اٹھا کر دیکھا وہ دروازے کی دہلیز پر ایستادہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ انا نے ایک دم اٹھ کر پلیئر بند کر کے سر پر دوپٹا جمایا۔

"آپ کب آئے؟" بستر سے اتر کر پوچھا۔ انا کو لگا جیسے کوئی شہنشاہ کسی غریب کی کٹیا میں چلا آیا ہو۔ وہ جب سے پاکستان آیا تھا یہ دوسری بار تھا کہ وہ اس کے کمرے میں آیا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب کیا کرے؟

"جب محترمہ کوئی پانچویں بار یہ شعر سن رہی تھیں۔" انا نے نظر جھکا لی۔ وہ اندر تو آ گیا تھا مگر بیٹھنے کی بجائے یونہی کھڑا رہا اور انا کو بغور دیکھتا رہا۔

"کیا بات ہوئی ہے جو تم روئی ہو؟" اگلے ہی لمحے اس نے پوچھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور پھر اسے یکمل توجہ سے اپنا پوسٹ مارٹم کرتے پا کر فوراً سر جھکا گئی۔

"نہ...... نہ...... نہیں تو......"

"پھر مجھے کیوں لگا کہ جیسے تمہاری آنکھیں کہہ رہی ہیں کہ یہ روئی روئی سی ہیں؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے بالکل سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"وہم ہے آپ کا......" وہ نظریں چرا کر رخ پلٹ گئی مگر نجانے ولید کو کیا ہوا ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر اگلے ہی پل اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔

"اگر وہم ہے میرا تو پھر نظریں کیوں چرا رہی ہو؟" ولید کے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں اس کا سبک نرم خو ہاتھ تھا۔ انا کو لگا اس کی جان نکل کر بس ہاتھ میں آ گئی ہو۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ ششدر رہ گئی۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر ولید کی گرفت مضبوط تھی۔

"کیا بات ہے کسی نے کچھ کہا ہے؟" وہ ہاتھ چھوڑنے کی بجائے اسی طرح مضبوطی سے تھامے بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

ولید کے کپڑوں سے اٹھتی قیمتی کلون کی مہک انا کے اعصاب پر بوجھ بن رہی تھی نجانے وہ کس سے مل کر آیا تھا۔

"کیا یہ اس حلیے میں اس لڑکی کے پاس گیا تھا؟" اس سوال نے اس کی اعصاب کو برف بنا ڈالا۔

"اگر کوئی بات ہے بھی تو آپ کو کیوں بتاؤں...... کون ہوتے ہیں آپ مجھ سے پوچھنے والے......؟" کسی انجانے احساس سے انا وقار کو لگا اس کے اعصاب چیخ اٹھے ہوں۔ وہ ٹوٹ کر بکھری ہو نہایت بدتمیزی اور غصے سے کہتے دوسرے ہاتھ سے اس نے ولید کی مضبوط گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنے کی کوشش کی مگر ولید نے اس کی بدتمیزی پر اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔

"تم میری کزن ہو جانتی ہو کتنی بدتمیزی سے تم مخاطب ہو۔"

"ہاں...... ہوں مخاطب، میں روؤں یا ہنسوں آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے؟" وہ پہلے سے زیادہ بدتمیزی سے مخاطب ہوئی۔

"انا......" ولید نے غصے سے ٹوکا۔ کوئی جذبہ کوئی احساس اندر ہی اندر سے سلگ رہا تھا اور اب یہ آگ باہر نکل رہی تھی۔

"میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، چلے جائیں یہاں سے......" وہ دھاڑی۔

"زبان سنبھال کر بات کرو۔" وہ دھیمی آواز میں دھاڑا تو انا نے پوری طاقت لگا کر اپنا دایاں ہاتھ چھڑا لیا۔

"میری ذات سے آپ کا کوئی لینا دینا نہیں ہے آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے باز پرس کرنے والے؟" انا کا گستاخانہ لہجہ حد سے بڑھا ہوا تھا۔

"شٹ اپ!" ولید نے آج تک اسے اس روپ میں نہیں دیکھا تھا ایک دم غصے سے دھاڑا تو وہ اور زیادہ مشتعل ہو گئی۔

"آپ کہاں آتے ہیں، کہاں جاتے ہیں، کس سے ملتے ہیں کبھی میں نے پوچھا ہے؟ اس لیے میری ذات میں انٹرفیئر مت کیا کریں ہر وقت کی باز پرس...... چھوڑیں میرا ہاتھ خبردار آپ نے مجھ سے اس طرح بات کی تو؟" ولید کے غصے نے اس کے اعصاب پر اور ہی انداز میں اثر کیا تھا۔ بہت بدتمیزی سے اس نے ولید کے ہاتھ کی گرفت سے اپنا ہاتھ نکالنا چاہا تھا مگر ولید کو جانے کیا ہوا تھا ایک دم نہایت غصے سے ہاتھ اٹھا اور اس سے پہلے کہ انا یا وہ خود ہی کچھ سمجھتا اس کا ہاتھ انا کے رخسار پر اپنی انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

"ولی......" وہ ششدر رہ گئی ایک دم منہ پر ہاتھ رکھ کر سسک اٹھی یوں لگا رخسار کو کسی انگارے نے چھو لیا ہو۔

"بے وقوف...... پاگل......" ایک دم غصے سے اس کو دھکیلا تو وہ منہ کے بل بستر پر جا گری۔ آج تک اس کو تو روشی نے بھی کبھی بدتمیزی سے نہیں پکارا تھا اور انا...... ولید نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی جو منہ کے بل بستر پر گری سسک رہی تھی۔ وہ بہت کم اس قدر شدید غصے سے دوچار ہوتا تھا انا کی بدتمیزی نے اسے پل میں نہ صرف غصے سے دوچار کرتے ہائپر ہو جانے پر مجبور کیا تھا بلکہ اگلے ہی پل اس کے الفاظ نے مشتعل ہو کر ہاتھ اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ لڑکی جسے کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہ چھوا تھا اس وقت اس کے نرم و نازک رخسار پر ولید کی انگلیوں کے نشان چسپاں تھے اور وہ شدت سے سسک رہی تھی۔

"تم اس قابل ہی نہیں کہ تم سے کوئی مروت یا ہمدردی برتے۔" بہت زہر بھرے لہجے میں کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتے کمرے سے نکل گیا۔ اس کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح منہ کے بل بستر پر گری سسکتی رہی۔ یہ سارا عمل چند پل میں ہوا تھا وہ کمرے میں آیا تھا تو وہ جی اٹھی تھی اور اس پر نگاہ پڑی تو لگا کہ وہ ساری زندگی ہار گئی ہو اور اب کچھ بھی نہیں بچا تھا کچھ بھی نہیں۔ ایسا کیونکر ہوا؟ وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر جوں جوں سوچ رہی تھی لگ رہا تھا کہ بس دماغ کی کوئی نس پھٹ جائے گی۔

اذیت تھی کہ حد نہیں...... وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی...... دل اس عجیب سانحے پر ماتم کناں رہا۔

رخسار کی جلن لہو رنگ رلاتی رہی اور دل الگ واویلا کرتا رہا۔ اپنے جذبات کی شدت سے وہ خود ہی ہار رہی تھی۔ کچھ وقت سرکا تو بستر سے اتر کر پہلے دروازہ لاک کیا اور پھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا رخسار دیکھا۔ دائیں رخسار پر انگلیوں کے نشان بہت واضح تھے۔ سرخ جلد سوج رہی تھی۔ انگلیوں نے رخسار کو چھوا تو لگا کہ دہکتے کوئلوں کو چھو لیا ہو۔ آنکھیں پھر جھل تھل ہو گئیں۔ وہ دوبارہ بستر پر آ گئی۔ ولید ضیاء نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا وہ جسے کبھی اس کے ماں باپ نے بھی پھولوں سے نہ چھوا تھا، جس کا پھولوں سے بڑھ کر خیال رکھا گیا تھا، ولید ضیاء نے اس پر ہاتھ اٹھایا، وہ شخص جس کے سامنے وہ اپنا تن من دھن سب کچھ ہار بیٹھی تھی اس نے اس پر ہاتھ اٹھایا تھا کیوں......؟

وہ جوں جوں سوچ رہی تھی دماغ الجھ رہا تھا اور پھر بہت ہار کر تکیے پر سر گرا کر اس نے آنکھیں موند لیں۔ نیند تو شاید اب آنکھوں میں مر کر بھی نہ آتی مگر اذیت سے مر جانے کی خواہش بڑی شدید اور زور آور تھی۔

”تیری خاطر عمر بھر کا رت جگا ہم کو ہے قبول
چاہتوں میں ایک شب کا جاگنا کچھ بھی نہیں“

تیز آواز کی بازگشت کانوں میں ٹکرائی تو سسکتے ہوئے انا نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ کاش وہ کسی کے سامنے اپنے دل کا درد کہہ سکتی۔ تکیے میں منہ چھپا کر یوں سسکی کہ جیسے پھر کبھی گریہ نصیب نہیں ہونا ہو۔

❁......❁......❁

رات تابندہ بی سے بات کر لینے کا اعزاز تھا کہ صبح اس کا موڈ خاصا بہتر تھا۔ فجر کی نماز اور تلاوت کے بعد باتھ لے کر وہ کالج جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔ مصطفیٰ نے اس سے کہہ رکھا تھا کہ وہ چند دن کالج نہیں جائے گی جب تک وہ خود نہیں کہے گا مگر پرسوں مصطفیٰ سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس کے الفاظ نے اسے اس کی جانب سے خاصا دلبرداشتہ کر دیا تھا سو دوسری طرف مصطفیٰ کا اس دن کے بعد سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دن مصطفیٰ کو جو بھی ری ایکشن تھا وہ سب ایک طرف مگر اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اسے مصطفیٰ شاہزیب علی کی ذات سے کوئی احسان نہیں لینا۔ اپنی ذات کو خود ہی سنبھالنا ہے۔ جو ذلت ایاز کی وجہ سے بھرے کالج کے سامنے اٹھانا پڑی تھی اس کے بعد کالج فیلوز سے سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی مگر کب تک منہ چھپا کر بیٹھ سکتی تھی اور رات جس طرح تابندہ بی نے اسے کالج جانے کا کہا تھا وہ اب مزید ڈر کر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ جب یہ طے تھا کہ اسے کل بھی لوگوں کو فیس کرنا ہے تو پھر آج کیوں نہیں سو ہمت کر کے مصطفیٰ کی ہدایت کو نظر انداز کیے وہ اب تیار ہو رہی تھی۔

لباس بدل کر بال بنانے سے پہلے اس نے سوچا کہ انا سے فون پر بات کر لے کہ وہ بھی آج جا رہی ہے یا نہیں، موبائل لے کر وہ بستر کے کنارے آ بیٹھی۔

”السلام علیکم!“ چند ایک بیلز کے بعد انا کی آواز سنائی دی۔

”وعلیکم السلام! کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟ طبیعت بہتر ہوئی؟“ انا کی آواز کافی بھاری بھاری لگ رہی تھی، کچھ تھکی تھکی سی۔

”میں اب ٹھیک ہوں، تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟“

”کچھ بھی نہیں، بس ہلکا سا گلہ خراب ہے شاید فلو کی شکایت ہو رہی ہے۔“

”میں نے اس لیے کال کی تھی کہ میں آج کالج جا رہی ہوں پھر سوچا کہ تم سے بھی کنفرم کر لوں کہ تم بھی جا رہی ہو یا نہیں۔“ شہوار نے پوچھا۔

”اچھا...... ارادہ تو میرا آج چھٹی مارنے کا تھا، چلو تم آ رہی ہو تو میں بھی آ ہی جاتی ہوں، کتنے دن ہو گئے ہیں ملے ہوئے۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“

”اوکے پھر اللہ حافظ کالج میں ملتے ہیں۔“ انا نے کہا۔

”اوکے اللہ حافظ۔“ کال بند کر کے موبائل بیگ میں رکھا اور بال بنانے لگی پھر اس کے بعد اپنی فائل اور کتابیں سمیٹیں۔ اس دن کے بعد سے اس نے دوبارہ کسی بھی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ہر چیز بکھری پڑی تھی، چیزیں سمیٹنے کے بعد اپنے کمرے کی چیزیں ترتیب سے رکھیں، بستر کی چادر درست کرنے کے بعد چادر اوڑھ کر بیگ اور فائل لے کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ کل صبح وہ مصطفیٰ کے آفس جانے کے بعد کمرے سے نکلی تھی رات وہ لیٹ آیا تھا، مگر اب اسے کھانے کی ٹیبل پر سب کے درمیان دیکھ نظر انداز کر گئی تھی۔

”السلام علیکم!“ سب کو مشترکہ سلام کر کے وہ ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ مصطفیٰ اسے یوں کالج کے لیے تیار دیکھ کر چونکا تھا۔

”وعلیکم السلام! آج کالج جا رہی ہو؟“ ماں جی نے پوچھا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

”چلو اچھی بات ہے، چھٹیاں بھی تو خاصی کر لی ہیں۔“

”جی! حرج تو خاصا ہو گیا ہے مگر اطمینان ہے کہ کور کر لوں گی۔“ بغیر مصطفیٰ کو دیکھے وہ اپنے ناشتے کی طرف متوجہ تھی، ٹیبل پر اس

وقت چاروں مرد حضرات کے علاوہ چاروں خواتین بھی تھیں۔

”تمہیں چند دن اور ریسٹ کر لینا چاہیے تھا، ابھی اتنی جلدی بھی کیا تھی؟“ مصطفیٰ اسے یوں اطمینان سے ناشتہ کرتے دیکھ کر رہ نہ پایا تو بول پڑا۔ شہوار نے محض گردن اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر ناشتہ کرنے لگی یوں جیسے اسے اس کے کسی سوال و جواب سے کوئی غرض نہیں۔ شہوار کے رویے پر مصطفیٰ کو ایک دم شدید توہین کا احساس ہوا۔ باقی وقت وہ خاموش ہی رہا۔ ناشتا کرنے کے بعد وہ کمرے سے نکل گیا۔ شہوار نے اطمینان سے ناشتہ کیا اور سب کو سلام کر کے اپنی چیزیں سنبھالتی باہر نکل آئی۔

”رخشندہ! ڈرائیور کو کہو گاڑی نکالے۔“ پچھلے دنوں وہ مصطفیٰ کے ساتھ ہی جاتی تھی۔ اس لیے اب ڈرائیور نے گاڑی نہیں نکالی تھی، وہ جی اچھا کہتی وہاں سے جانے لگی تو مصطفیٰ بھی وہیں آ گیا۔

”تم جاؤ رخشندہ ڈرائیور کو رہنے دو۔“ وہ شاید اس کی آواز سن چکا تھا۔ رخشندہ واپس اندر چلی گئی۔

”میں نے جب تمہیں منع کیا تھا کہ ابھی فی الحال چند دن تم کالج نہیں جانا تو آج جانے کی ایسی کون سی خاص ضرورت پڑ گئی؟“ مصطفیٰ کا لہجہ خاصا سلگتا ہوا تھا۔

”میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں۔“ وہ اس سے زیادہ تلخ لہجے میں جوابدہ ہوئی۔ مصطفیٰ اسے چند پل گھورے گیا۔

”تم کالج نہیں جا رہیں۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے حکم صادر کیا تو وہ بھنا اٹھی۔

”میں بلاوجہ چھٹیاں کرنے کی قطعی کوئی ضرورت محسوس نہیں کر رہی، میں اب خود بہتر فیل کر رہی ہوں۔“

”مگر جب تک ایاز والا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں کالج جانا چاہیے۔“

”میرا اپنی فرینڈز سے مسلسل رابطہ رہا ہے، وہ بتا رہی تھیں کہ وہ آج کل کالج نہیں آ رہا اب اس کی وجہ سے خوامخواہ اپنا ٹائم ویسٹ کرنے سے تو رہی۔“ اپنے مزاج کی تلخی پر وہ قطعی قابو نہ کر پا رہی تھی۔ مصطفیٰ نے لب بھینچ لیے۔ وہ اس وقت خاصے بدلحاظ گستاخ اور منہ پھٹ تیور لیے کھڑی تھی۔ اس وقت اس سے الجھنا محض ایک طویل بحث کے نتیجے کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ شہوار کے تیور واضح بتا رہے تھے کہ وہ اب اس کے کہنے پر رکنے والی نہیں۔

”اوکے، میں گاڑی نکالتا ہوں۔“ وہ آگے بڑھا۔

”اس عزت افزائی کے لیے شکریہ۔ آپ زحمت نہ کریں میں ڈرائیور کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔“ شہوار کے الفاظ پر وہ پلٹا، نہایت غصے سے اسے دیکھا۔ وہ صاف الفاظ میں اس کے ساتھ جانے سے انکاری تھی، اس سے زیادہ شدید توہین اس کی اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اس کی بجائے شوفر کے ساتھ جانے کو ترجیح دے رہی تھی۔

”میں گاڑی نکال رہا ہوں، اگر سارے گھر والوں کے سامنے اپنا تماشا بنوانا مقصود ہے تو شوق سے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا حکم دے سکتی ہو۔ مگر یہ طے ہے کہ کالج تم صرف میرے ساتھ ہی جاؤ گی یا پھر نہیں جاؤ گی اور تمہارا تو ویسے بھی خاصا حرج ہو چکا ہے مزید چھٹیاں تم افورڈ بھی نہیں کر سکتیں۔ کیا خیال ہے پھر ڈرائیور کو کہوں کہ تمہارے لیے گاڑی نکالے؟“ شہوار کا جی چاہا کہ ہاتھ میں پکڑی ہوئی موٹی موٹی ساری کتابیں اس شخص کے چہرے پر دے مارے مگر وہ ضبط سے سرخ چہرہ لیے خاموش رہی تو مصطفیٰ اس کی خاموشی کو ہاں کا عندیہ سمجھ کر بڑے مسرور انداز میں گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ گاڑی لا کر فرنٹ ڈور کھولا تو وہ دل پر جبر کرتی گاڑی کی طرف چلی آئی مگر فرنٹ ڈور کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے پچھلے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ لاک تھا۔

”میں پیچھے بیٹھوں گی دروازہ کھولیں۔“ بہت غصے سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”سوری بھئی! پچھلے دونوں دروازوں کے لاک خراب ہیں۔“ شہوار نے لب بھینچ لیے۔

”تو یہ کیوں ٹھیک ہے اس کو بھی خراب کروا لیتے۔“ وہ غصے سے ایک دم آؤٹ ہوئی جب کہ مصطفیٰ نے اس کے الفاظ پر ایک دم قہقہہ لگایا تھا۔

”اندر بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں اگر اسی طرح کھڑی رہیں تو خاصی لیٹ ہو جاؤ گی۔“ شہوار کی آنکھوں میں نمی سمٹ آئی مگر وہ ضبط کیے کھڑی رہی۔

”پچھلا دروازہ کھولیں۔“ مصطفیٰ نے اسے دیکھا وہ اسی طرح بے لچک انداز لیے کھڑی تھی۔

"اگر تمہارا قیامت تک اسی طرح کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو شوق سے کھڑی رہو مگر یہ طے ہے کہ جب میرے ساتھ ہی جانا ہے تو اسی سیٹ پر بیٹھنا ہوگا۔ میں تمہارا شوفر نہیں ہوں مائنڈ اٹ۔" شہوار نے نہایت برہمی سے اسے دیکھا وہ چڑانے والے انداز میں کندھے اچکا گیا تو شہوار کا جی چاہا کہ ہر چیز پر لعنت بھیجے اور واپس اندر چلی جائے مگر وہ جانتی تھی کہ یہ شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ آج کالج نہ جائے اور وہ خود اس شخص کی وجہ سے اپنا جانا ملتوی نہیں کرسکتی تھی ناچار اسے اگلی سیٹ پر بیٹھنا پڑا مگر اندر بیٹھنے کے بعد اس نے جس قدر زور سے دروازہ بند کیا تھا کوئی چھوٹی موٹی گاڑی ہوتی تو ہل کر رہ جاتی، مصطفیٰ بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ مصطفیٰ مزید اسے کچھ کہے بغیر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ شہوار کا موڈ بے حد خراب تھا۔ وہ اندر سے یکسر انجان باہر کی طرف منہ کیے بیٹھی رہی۔ گاڑی روڈ پر آئی تو مصطفیٰ کی رفتار بہت دھیمی رکھتے ہوئے موبائل نکال کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا۔ شہوار نے ایک سلگتی نگاہ اس پر ڈالی اور پھر باہر دیکھنے لگی۔

"وعلیکم السلام!" کال ملانے کے بعد وہ کسی سے مخاطب تھا۔

"آن ڈیوٹی ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"اوکے ڈن! میں میڈیکل کالج کی طرف جارہا ہوں آپ بھی اسی طرف آجائیں۔" وہ نجانے کس سے کہہ رہا تھا اور کیوں کہہ رہا تھا' چاہتے ہوئے بھی وہ سننے پر مجبور تھی۔

"بس یوں ہی سمجھ لیں آج سے پھر ڈیوٹی اسٹارٹ۔" نجانے وہ کس ڈیوٹی کی بات کررہا تھا' اس نے پھر پلٹ کر دیکھا تو وہ اس کے دیکھنے پر بڑے دلکش انداز میں مسکرا دیا۔ شہوار کنفیوز ہوتی دوبارہ گردن پھیر گئی۔

"اوکے پھر آجائیں میں انتظار کرلوں گا۔" بات مکمل کرکے چند اختتامی الفاظ ادا کرنے کے بعد مصطفیٰ نے کال بند کرکے موبائل ڈیش بورڈ پر رکھ دیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے مصطفیٰ نے اسے دیکھا۔ پرسوں ہونے والی تلخ کلامی کے بعد دونوں کی اب ملاقات ہوئی تھی اور جس طرح شہوار کا اس کے ساتھ رویہ تھا وہ اس کے جذبات' احساسات کے متعلق باخوبی اندازہ لگا سکتا تھا' اس وقت بھی وہ یکسر انجان قطع تعلقی کا تاثر دیتی بالکل کٹی ہوئی تھی۔

"ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے شہوار ہمارا سامنا تو کئی بار ہوگا' پھر ایسا کب تک چلے گا؟" نا چاہتے ہوئے بھی وہ اس سے مخاطب ہوا تو شہوار نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ناراضی یا دشمنی کی بنیاد میں نے نہیں رکھی' جب آپ میری ذات کو یوں ڈیفائن کریں گے تو لازمی بات ہے میں آپ کو پتھر کے جواب میں پھول نہیں ماروں گی۔" شہوار کی تلخی ہنوز تھی۔

"میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ یہ رشتہ طے پاجانا ہمارے بڑوں کا باہمی فیصلہ تھا جو باہمی رضامندی سے طے پایا گیا۔ ماں جی نے مجھ سے میری رضامندی چاہی تمہارے اندر کوئی ایسی خامی نظر نہ آئی کہ میں انکار کرتا سو ہامی بھرلی۔ اب تمہارے کیا احساسات و جذبات تھے مجھے خبر نہ تھی؟ بہر حال پرسوں ہمارے درمیان جو بھی گفتگو رہی وہ ایک طرف' ہمارا رشتہ طے پاتا ہے یا نہیں وہ سب ثانوی باتیں ہیں مگر اس کالج اور ایاز والے معاملے میں میں پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اس لیے اپنی بچکانہ ضد اور انا کو فراموش کرکے تمہیں میرے ساتھ رہنا ہوگا اور مجھے برداشت کرنا ہوگا۔ یہ طے ہے کہ تم کالج میرے ساتھ ہی جاؤ گی ہوسکتا ہے واپسی پر بھی میں خود ہی پک کرنے آؤں کہ میں ایاز جیسے لوگوں کو غیر اہم سمجھ کر کوئی رسک لینے کا قائل نہیں ہوں۔ دشمن کو کبھی اور کسی بھی حال میں کمزور سمجھنا یہ میرا نظریہ نہیں ہے۔ تمہیں یہ پسند آئے یا نہیں وہ سب ایک طرف مگر یہ طے ہے کہ تمہیں مجھے اس سلسلے میں برداشت کرنا ہی ہوگا۔" وہ نہایت اطمینان سے بول رہا تھا' شہوار لب بھینچے سنتی رہی۔

"اس لیے اعتراض کا ہر پہلو بے بنیاد ہے' امید ہے آئندہ تم اس بچکانہ رویے کا مظاہرہ نہیں کرو گی۔" بہت سنجیدگی سے کہتے مصطفیٰ نے گاڑی کی رفتار کچھ بڑھائی اور باقی سارا رستہ دونوں کے درمیان ایک محسوس کی جانے والی خاموشی حائل رہی۔

❁......❁......❁

وہ ساری رات سو نہیں پائی تھی۔ رو رو کر حالت خراب کرڈالی تھی سو کالج جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا مگر صبح صبح شہوار کی کال نے پروگرام بدل ڈالا تھا۔ اس نے سوچا کہ کمرے میں پڑے کڑھنے کی بجائے کالج چلی جائے تو بہتر ہے کم از کم تکلیف دہ اذیت سے تو نجات مل جائے گی۔ لباس بدل کر وہ جیسے ہی آئینے کے سامنے آئی تو اپنی شکل دیکھ کر پھر رونا آنے لگا۔ انگلیوں کے نشان کی سرخی

دائیں رخسار پر ابھی بھی واضح تھی البتہ سوجن ختم ہوگئی تھی۔ آنکھیں گریہ زاری سے الگ زبانِ حال بیان کررہی تھیں' آواز کا بھاری پن علیحدہ حصہ تھا' اب اگر ایسی حالت میں گھر میں رہتی تو کس کس کو وضاحتیں دیتی؟ ماما اور روشانے دونوں نے تو پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ پوچھ پوچھ کر بے حال کردینا تھا' اس نے سوچا خاموشی سے تیار ہو کر بغیر ناشتا کیے یا کسی کا سامنا کیے کالج کے لیے روانہ ہوجائے تو بہتر ہے' واپسی پر حالت سنبھل چکی ہوگی۔ وہ خاموشی سے تیار ہوئی' آنکھوں کی سرخی ختم ہونے سے تو رہی البتہ رخسار کے نشان ختم کرنے کو اس نے کولڈ کریم یوز کی تھی مگر چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق کوئی فائدہ نہیں ہوا خاموشی سے اپنی چیزیں اور کتابیں لے کر کمرے سے نکل آئی تھی۔

کچن سے اٹیچ ڈائننگ ہال سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں وہ ادھر جانے کی بجائے لاؤنج سے ہوتی وہاں سے نکلنے والی تھی کہ ماما کو دروازے سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گئی۔

"السلام علیکم!"

"اٹھ گئی تم؟" انہوں نے پوچھا تو وہ محض سر ہلا گئی۔

"باہر کدھر جارہی ہو؟ ناشتا کرلو کل بھی ناشتا کیے بغیر چل دی تھی۔" اسے باہر نکلتے دیکھ کر ماما نے ٹوکا تو اسے ناچار رکنا پڑا۔

"فی الحال بھوک نہیں اور ٹائم بھی نہیں' کالج سے کچھ نہ کچھ لے لوں گی۔" نہایت بیزاری سے جواب دیا تو ماما ایک دم متوجہ ہوئی۔

"کیا بات ہے؟ تمہارے گلے کو کیا ہوا ہے؟" اس کی آواز نے آخر کار راز فاش کر ہی دیا۔

"کچھ نہیں ہوا اور پلیز بار بار ٹوک کر میرا ٹائم ویسٹ مت کریں' جب ایک بار میں نے کہہ دیا کہ مجھے ناشتا نہیں کرنا تو پھر نہیں کرنا۔" ماما جس طرح متوجہ ہوئی تھیں اور بغور دیکھ رہی تھیں اسے ایک دم شدید طیش نے آلیا تھا۔ نہایت اکتاہٹ و بے زاری سے کہا تو وہ حیران ہوئیں۔

"انا کیا پرابلم ہے؟ یہ کس لہجے میں بات کررہی ہو؟" ایک دم قریب ہو کر نہایت تشویش سے انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"سوری! بس موڈ نہیں ہورہا۔" خود پر قابو پاکر اس نے نظریں چرائیں۔

"تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا ہے روئی ہو کیا؟" سرخ آنکھیں اور سوجے پپوٹے پہلی نگاہ سے ہی سامنے والے کو متوجہ کرلینے کو کافی تھے وہ بھلا کیونکر چھپ سکتی تھی' سختی سے لب بھینچ لیے۔

"کچھ نہیں ہوا؟ بس وائرل انفیکشن ہوگیا ہے شاید..... شاید فلو۔" اس نے ماں سے نظریں چرائیں۔

"اور یہ رخسار سرخ کیوں ہے؟" انا کا دل دھک سے رہ گیا' وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ماما رخسار پر ہاتھ رکھ کر دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں ہوا؟ شاید سوتے میں کوئی چیز چبھ گئی ہوگی۔" ماما نے ایک دو پل اسے بغور دیکھا۔

"اگر اتنا شدید فلو ہے تو کالج مت جاؤ۔" ماما اسی طرح ہاتھ پکڑے کھڑی تھیں وہ محض نفی میں سر ہلا گئی۔

"شہوار کی طبیعت خراب تھی تو آج کئی دن بعد دوبارہ کالج آرہی ہے اب میں نے بھی چھٹی کرلی تو اکیلی پریشان ہوگی۔" ماما نے محض سر ہلا دیا۔

"ایسے کالج مت جاؤ' چلو شاباش تھوڑا سا ہی ناشتا کرلو اتنی خراب طبیعت ہو تو خاک پڑھائی ہوگی۔ آؤ شاباش!" انہوں نے بازو پکڑ کر ڈائننگ روم کی طرف پیش قدمی کی تو وہ سب سے خصوصاً ولید سے سامنے کے خوف سے لرز اٹھی۔

"نہیں ماما! پلیز اس وقت کچھ بھی کھانے کو جی نہیں چاہ رہا۔ قسم سے بھوک نہیں' پرامس جب جی چاہا میں کالج سے کچھ نہ کچھ لے لوں گی۔" ماما نے پھر اسے بغور دیکھا۔

"رخسار پر کچھ لگا' دیکھو کیسے سارا گال سرخ ہورہا ہے۔" انہوں نے خاصی تشویش سے رخسار پر انگلی پھیری تو ہلکی سی ٹیس محسوس ہوئی جسے انا دبا کر محض سر ہلا گئی۔

"میں جاؤں اب؟" اسے ڈر تھا کہ کوئی اور ادھر نہ آنکلے۔ انہوں نے ہاتھ چھوڑا تو وہ سلام کرکے فوراً وہاں سے نکل آئی۔ منصور خان باہر کھڑی دونوں گاڑیوں کو رگڑ رگڑ کر کپڑا مار کر چمکا رہا تھا۔ ساتھ ہی ولید کی گاڑی کھڑی تھی۔

"منصور خان گاڑی نکالو۔" قریب آکر کہا تو وہ فوراً مودب ہوا۔

"ابھی نکالتا ہوں جی۔" ابھی منصور خان گاڑی نکال رہا تھا کہ اندر سے ولید اور احسن ایک ساتھ آتے دکھائی دیئے۔ ولید کو دیکھ کر انا کو اپنا آپ سلگتا محسوس ہوا۔ وہ رخ پلٹ گئی دونوں نزدیک آئے تو بھی وہ بے تاثر انداز میں کھڑی رہی۔

"تم نے ناشتا نہیں کیا انا!" احسن اس کے قریب رکا جب کہ ولید رکے بغیر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ انا نے چادر کا پلو دائیں رخسار پر کرلیا۔

"بس یونہی موڈ نہیں ہورہا۔"

"تمہاری آواز کو کیا ہوا ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" احسن کو تشویش ہوئی انا کے اندر ایک سرد پن سا جاگا۔ یہ سب جس شخص کی وجہ سے ہوا وہ یوں لاتعلق اور انجان ہے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ انا کو اپنی آنکھوں میں مرچیں سی چبھتی محسوس ہوئی۔

"جی......" منصور خان گاڑی نکال چکا تھا۔ اب دروازہ کھولے اس کے بیٹھنے کا منتظر تھا۔

"اور تمہاری آنکھوں کو......؟" احسن بھائی بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے انا سہم سی گئی۔

"کچھ نہیں' بس فلو کی شکایت ہورہی ہے تو ناک اور آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔" نہایت آہستگی سے کہا اور کن اکھیوں سے ولید کو دیکھا وہ بھی اپنی گاڑی نکال رہا تھا۔

"تو ضرورت کیا ہے اس خراب حالت میں کالج جانے کی۔" احسن کی آواز بلند تھی انا نے لب بھینچ لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ ولید کچھ سنے۔

"میں چلتی ہوں دیر ہورہی ہے۔" احسن کی بات کو نظر انداز کیے وہ آگے بڑھ آئی تھی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اچانک نگاہ ولید کی طرف اٹھی تو ٹھٹک گئی وہ اسی طرح بے تاثر نگاہ لیے دیکھ رہا تھا۔ نگاہ سے نگاہ چار ہوئی تو وہ لاتعلق بن گیا۔ انا کے اندر شدید طوفان نے کروٹ بدلی تو وہ خود کو سنبھالتی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی جب کہ احسن بھی ولید کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے گیٹ سے نکلی تھیں۔

"منصور خان! گاڑی تیز چلاؤ۔" دونوں گاڑیاں آگے پیچھے تھیں جب کہ وہ ولید کی نگاہوں سے ایک دم اوجھل ہوجانا چاہتی تھی۔ ایک دم بالکل کہیں غائب۔

"جی بی بی......!" منصور خان نے رفتار تیز کرلی اور چند منٹ بعد ان کی گاڑی دوسری گاڑی سے جدا ہوگئی تھی۔ انا نے بے دم سا ہو کر سیٹ کی پشت سے کمر ٹکا کر خود کو ریلیکس کرنا چاہا مگر آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر چادر کے پلو میں جذب ہوئے تو اندازہ ہوا کہ اندر کی طغیانی پر اب قابو پانا اتنا بھی آسان نہیں۔

❁......❁......❁
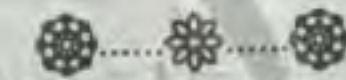
شہوار کالج آئی تو سب سے پہلا تصادم ہی ہاشم اور اس کے ساتھیوں سے ہوا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں؟"

"اللہ کا بڑا اکرم ہے سنا تھا آپ کی طبیعت کافی خراب رہی ہے گزشتہ دنوں۔" وہ مزید استفسار کررہا تھا اس نے محض سر ہلا دیا۔

"آپ کالج نہیں آرہی تھیں تو سارے کالج کو خاصی تشویش لاحق ہورہی تھی۔ خدانخواستہ چند اسٹوڈنٹس کو یہ بھی ڈر تھا کہ آپ کالج چھوڑ چکی ہیں۔" ہاشم کے ساتھی نے مسکرا کر کہا۔

"بس طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہیں آرہی تھی۔"

"آپ ہماری بہنوں کی طرح ہیں' بے فکر ہو کر آئیں ایاز جیسے لوگوں کی قطعی کوئی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ اس دن کے ہنگامے کے بعد یہاں ہر کوئی محتاط ہوگیا ہے خصوصاً اساتذہ میڈیکل اسٹاف اور چیئرمین صاحب بذاتِ خود اس معاملے کو ہینڈل کررہے ہیں تو بے فکر ہو کر کالج آئیں۔ رہ گیا ایاز میں نے کچھ ساتھی اس کی نگرانی پر چھوڑ رکھے ہیں' قوی امکان تو یہی ہے کہ وہ اب کالج چھوڑ چکا ہے مگر یہ طے ہے کہ جس دن بھی کالج آیا دھر لیا جائے گا۔ نہ چیئرمین صاحب اسے چھوڑیں گے اور نہ ہی ہم لوگ۔ آپ کے متعلق کوئی سنگین کارروائی اوّل تو کرنے کی جرأت نہیں کرے گا' اگر کرے گا بھی تو یہاں بہت سے لوگ ہیں جو اس

کی راہ میں حائل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ویلکم بیک! آپ کو دوبارہ کالج میں دیکھ کر ہمیں دلی خوشی ہوئی ہے۔" ہاشم نے خاصے سلجھے ہوئے انداز میں اسے خوش آمدید کہتے سمجھایا تو وہ بھی مسکرادی۔

"شکریہ آپ سب کا۔ خصوصاً اس معاملے میں خصوصی تعاون کا۔"

"ناٹ مینشن...... میں پہلے ہی واضح کرچکا ہوں کہ آپ میری بہنوں کی طرح ہیں' کوئی بھی مسئلہ ہو آپ ڈائریکٹ کہہ سکتی ہیں' آلویز ویلکم!"

"جی شکریہ۔" وہ لوگ چند ایک باتوں کے بعد رخصت ہوئے تو وہ چند اور ساتھیوں سے سلام دعا کرتی' حال احوال بتاتی ایک طرف آ بیٹھی۔ انا کو آجانا چاہیے تھا مگر لیٹ تھی وہ ابھی ایک دو منٹ بیٹھی تھی اس کی کالج فیلوز فائنل کی آنسہ اس کی دوست صائقہ اور نجمہ چلی آئی۔ وہی لاسٹ ڈے والی گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تبھی اسے گیٹ سے انا داخل ہوتی دکھائی دی تو کچھ ریلیکس ہوئی۔ انا کو ہاتھ ہلا کر متوجہ کیا تو وہ سیدھی اس کے پاس چلی آئی۔

"السلام علیکم! کیسی ہو؟" دونوں پُرجوش انداز میں بغل گیر ہوئی۔

"وعلیکم السلام! میں ٹھیک ٹھاک۔" انا سے جدا ہو کر بغور اسے دیکھا۔

"تمہیں بخار ہے؟" انا کے جسم کا ٹمپریچر محسوس کرتے وہ پریشان ہوئی۔

"ہاں بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" وہ انا کو لیے ایک طرف آ بیٹھی۔

"کیا ہوا اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔"

"بس یونہی۔" انا نے ٹشو سے اپنی سرخ ناک رگڑ کر مزید سرخ کی۔ دونوں نسبتاً ایک پُرسکون گوشے میں آ بیٹھیں تھیں۔

"اور سناؤ کیسے گزرے یہ دن؟" انا نے شہوار کو بغور دیکھا۔

"بخار کی حالت میں کیسے گزرتے ہیں بھلا؟" انا ہنس دی۔

"گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ٹھاک ہیں تم سناؤ روشانے اور احسن بھائی کی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں؟"

"اچھی خاصی ہوگئی ہیں' کچھ باقی ہیں۔ خواتین کی تو وہی گھریلو شاپنگ ہی ہوتی ہیں۔ باہر کے سب کام مردوں کے سپرد ہیں۔"

"السلام علیکم! کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" دونوں باتوں میں مگن تھیں جب آواز پر چونک کر دیکھا۔ چند دن پہلے کینٹین میں متعارف ہونے والی لڑکی کھڑی تھی' کشف مرتضٰی نام تھا اس لڑکی کا۔

"جی ضرور۔" شہوار نے ہی اجازت دی انا تو خاموش ہی رہی۔ وہ بیٹھ گئی تو دونوں نے بغور دیکھا۔

"آج آپ بہت دن بعد کالج آئی ہیں آپ کے بارے میں سنا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں۔ اب دیکھا تو سوچا خیریت دریافت کرلوں۔" وہ کہہ رہی تھی شہوار مسکرادی۔

"جی شکریہ! میں اب بہتر ہوں۔" اس نے اخلاق نبھایا۔

"آپ بھی تو کافی دن بعد دکھائی دے رہی ہیں' اتنے دن آپ بھی کہیں نظر نہیں آئیں؟" ان کو یہ لڑکی کچھ خاص پسند نہ آئی تھی اس لیے شہوار کے برعکس اس کے ساتھ اس کا رویہ خاصا لیا دیا سا ہی رہتا تھا۔

"بس کہیں بزی تھی تو آف کرنا پڑا۔"

"شہوار کی غیر موجودگی میں آپ کو صرف دو بار ہی کالج میں دیکھا تھا وہ بھی ایاز گروپ کے لوگوں کے ساتھ۔ میں سمجھی کہ آپ ان کے گروپ ممبر ہیں۔" انا کے الفاظ پر شہوار نے بھی چونک کر اس لڑکی کو دیکھا۔ وہ ایک پل کو ٹھٹکی پھر ہنس دی۔

"بس نیو کمر ہوں تو معلومات لینے رک گئی ہوں گی۔ مجھے یاد نہیں پڑتا آپ نے شاید کبھی دیکھا ہو ورنہ میرا کسی کے گروپ سے کوئی تعلق نہیں۔" اس لڑکی کا انداز بڑا صاف اٹل اور مضبوط تھا۔ انا بھی کندھے اچکا گئی۔

"مان لیتے ہیں اگر تعلق نہیں تو ان لوگوں سے دور ہی رہیے گا' ان کے گرو صاحب بے شک کالج سے غائب ہیں آج کل مگر اس گروپ کے سارے لڑکوں کی شہرت کچھ اچھی نہیں ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملے میں۔" انا کا انداز سنجیدہ تھا۔ وہ لڑکی مسکرادی۔

"جی ضرور۔" وہ فوراً سر تسلیم خم کر گئی تو شہوار مسکرا دی تبھی ہاشم اپنے کسی ساتھی کے ساتھ اسی جانب آتا دکھائی دیا۔

"ہاشم سے ملی تم؟" انا نے پوچھا تو اس نے سر ہلا دیا۔

"آپ ادھر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی یارِ غار کے ہمراہ ہم سارے کالج میں ڈھونڈ آئے آپ کو۔" آتے ہی ہاشم نے شہوار کو دیکھ کر کہا۔

"خیریت......؟"

"جی خیریت ہی ہے۔ چیئرمین صاحب کالج آچکے ہیں اور آپ کی اطلاع اساتذہ کے ساتھ ساتھ چیئرمین صاحب کو بھی مل گئی ہے ابھی سر اشفاق نے بلوایا ہے کہ آپ جہاں بھی ہیں ڈھونڈ کر چیئرمین صاحب کے آفس روانہ کروں سر بھی وہیں ملیں گے۔" ہاشم نے پیغام دیا تو وہ الجھ گئی۔

"مگر چیئرمین صاحب نے مجھے کیوں بلوایا ہے؟"

"ہوسکتا ہے وہی اس دن والا معاملہ ہو اس دن آپ طبیعت خراب ہونے پر گھر روانہ ہوگئی تھیں آپ کی غیر موجودگی میں ہماری اور ایاز لوگوں کی پیشی سارے اسٹاف کے ہمراہ چیئرمین صاحب کے سامنے ہوئی تھی چونکہ اس دن کے بعد آپ آج حاضر ہوئی ہیں تو آپ کو بلوایا جارہا ہے۔"

"میں اکیلی نہیں جاؤں گی تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ہاشم کے کہنے کے بعد اس نے انا کو دیکھا تو دونوں کھڑی ہوگئیں۔ وہ دونوں ہاشم کے ہمراہ ہی چیئرمین صاحب کے آفس آئیں مگر اندر وہ دونوں ہی آئی تھیں۔ چیئرمین صاحب کے ہمراہ چند اساتذہ بھی تھے جن میں سر اشفاق بھی تھے۔

"السلام علیکم سر!" دونوں ایک طرف رکھی کرسیوں پر بیٹھ گئی تھیں۔

"سر! یہ شہوار سکندر علی ہیں۔" سر اشفاق نے چیئرمین صاحب سے اس کا تعارف کروایا تو انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹا اب آپ کی؟" انہوں نے شہوار سے پوچھا۔

"میں بہتر ہوں اب شکریہ!"

"آپ شاہزیب علی کی بھتیجی ہیں مجھے قطعی علم نہ تھا وہ تو کل مصطفیٰ شاہزیب خود آیا اور اس نے کمپلین کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جس بچی کی بات کررہا ہے وہ آپ ہیں۔" سر بتارہے تھے اور شہوار نے خاصی حیرت سے انہیں دیکھا تو کیا مصطفیٰ ادھر آیا تھا۔

"ایاز فی الحال کالج نہیں آرہا اس کے بارے میں خبر ملی ہے کہ وہ کالج چھوڑ چکا ہے تاہم ابھی کنفرم اطلاع نہیں۔ ہم نے اس کے والدین کو لیٹر ایشو کردیا ہے کہ وہ آج کل میں کالج حاضر ہو دوسری صورت میں اس کو کالج سے نکال دیا جائے گا۔ مجھے بہت افسوس ہے بیٹا کہ کالج کی حدود میں ایسا سنگین واقعہ پیش آیا آپ شاہزیب علی کی بھتیجی ہیں تو میرے لیے اپنی بیٹی جیسی ہیں کوئی بھی پرابلم ہو کوئی بھی مسئلہ ہو یہ اساتذہ آپ کے سامنے موجود ہیں ان سے کہیں اگر ان سے ڈسکس نہیں کرنا تو ڈائریکٹ کسی بھی وقت میرے پاس آجائیں۔ میں نے ان اساتذہ کی ذمہ داری لگادی ہے کہ کالج کی حدود میں داخل ہوتے ہی یہ گرلز کی سیکیورٹی کا خصوصی بندوبست اور خیال رکھیں گے یہ صرف آپ کا معاملہ ہی نہیں میری کوشش ہوگی کہ اس کالج میں آنے والی ہر بچی کو سیکیورٹی اور تحفظ حاصل ہو۔" سر بہت سنجیدگی اور بردبار انداز میں کہہ رہے تھے۔

"شکریہ سر!" اس خصوصی تعاون سے وہ ازحد متاثر ہوئی۔ کچھ دیر تک وہ مزید اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے شہوار کو خصوصی عزت افزائی دیتے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل سے آگاہ کرتے رہے اور کچھ دیر بعد جب وہ انا کے ہمراہ وہاں سے نکلی تو خاصی مطمئن تھی۔

"واہ بھئی واہ...... یہ مصطفیٰ شاہزیب والا کیا قصہ ہے بھئی۔" باہر آتے ہی انا ایک دم اس کے سر ہوگئی تو وہ جھینپ گئی۔

"کچھ خاص قصہ نہیں۔" اس نے ٹالنا چاہا۔

"ہاں تو مصطفیٰ شاہزیب علی صاحب کے فرشتوں نے انہیں بتایا ہوگا کہ یہاں ایاز والے معرکے کے متعلق جو موصوف چیئرمین صاحب تک کمپلین لے کر پہنچ گئے تھے۔" اس نے طنزیہ کہا تو شہوار کی ایک دم ہنسی نکل گئی۔

"بکومت! اس دن میری طبیعت خاصی خراب تھی بخار کی حالت میں نجانے کیا بکواس کرتی رہی اور بدقسمتی سے مصطفیٰ نے سن لیا پھر بعد میں ساری تفصیل اگلوا کر ہی دم لیا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ یہاں بھی کمپلین کر کے جاچکا ہے۔" وہ انا کو ساری تفصیل بتاتی تو

ثمن فاطمہ

تمام آنچل اسٹاف اور آنچل قارئین کو السلام علیکم! میرا نام ثمن فاطمہ ہے میں ضلع گجرات سے تعلق رکھتی ہوں میں 25 اکتوبر 12 ربیع الاول کی صبح پیدا ہوئی۔ میرا اسٹار اسکارپیو ہے ہم پانچ بہن بھائی ہیں میری ایک بہن اور تین بھائی ہیں۔ جن میں میرا نمبر تیسرا ہے بڑے بھائی وقاص جو دبئی میں ہوتے ہیں اور چھوٹے بھائی دونوں زیر تعلیم ہیں۔ میری چھوٹی بہن کا نام نیلم ہے جو تھرڈ ائیر کی طالبہ ہے۔ میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے پڑھ رہی ہوں میں نے آنچل 2006ء میں پڑھنا شروع کیا تھا۔ رنگوں میں مجھے سارے رنگ پسند ہیں اور کھانے میں مجھے بریانی اور چکن بہت پسند ہے۔ کھانا پکانا مجھے بالکل پسند نہیں اور گرمیوں میں تو بالکل نہیں۔ پسندیدہ ایکٹر شاہ رخ خان شاہد کپور اکشے کمار۔ پسندیدہ فی میل ایکٹریس کرینہ کترینہ ایشوریہ۔ پسندیدہ کزن اور دوست فضاء بینا عائشہ نگین اور نایاب سائرہ عطیہ وغیرہ ہیں۔ آنچل رائٹرز میں مجھے سمیرا شریف طور نازیہ کنول نازی نایاب جیلانی نبیلہ عزیز میری موسٹ فیورٹ ہیں۔ میری پسندیدہ شخصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آخری پیغام یہ ہے جو دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوشی سے نوازتا ہے بشرطیکہ سچے دل کے ساتھ اسی امید کے ساتھ اجازت کہ آپ کو میرا تعارف اچھا لگا ہوگا دعاؤں میں یاد رکھیے گا آپ کی دعاؤں کی منتظر خدا حافظ۔

اور بھی بہت کچھ بتانا پڑتا پہلے ہی وہ انا کو عادلہ بھابی کی نفرت کا سبب بتا کر پچھتا رہی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انا اسے مصطفیٰ کے حوالے سے چھیڑے۔ اب بھی اس نے اصل صورت حال بتانے کی بجائے چند الفاظ میں قصہ سمیٹنا چاہا تھا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے موصوف اعلیٰ عہدے پر ہی فائز نہیں بلکہ اچھی خاصی قابلیت کے بھی مالک ہیں جو فوراً ایکشن لیتے ہوئے چیئرمین صاحب تک رسائی حاصل کرلی۔" انا متاثر ہوئی تھی شہوار چپ ہی رہی۔

"مصطفیٰ شاہزیب علی نام سن کر مجھے ایک اور شخص بھی یاد آنے لگا ہے۔ امریکہ میں ہمارے اپارٹمنٹ کے ساتھ فلیٹ ہوتا تھا احسن ولید بھائی کا دوست ہوتا تھا چند لڑکوں کے ساتھ مل کر رہتا تھا پھر ہم لوگ پاکستان آگئے تو دوبارہ کبھی ملاقات ہی نہ ہو پائی آج کل وہ بھی پاکستان میں اپنی فیملی کے پاس ہوتا ہے۔ زیادہ تفصیل میں نہیں جانتی مگر نام کی مماثلت ضرور ہے۔" دونوں آپس میں گفتگو کرتے آگے بڑھ آئی تھیں چونکہ مصطفیٰ کے متعلق شہوار کم ہی کسی سے بات چیت کرتی تھی اب بھی انا کے جواب میں کچھ نہ کہا۔

"ویسے پرسنالٹی کے لحاظ سے کیسا ہے یہ شخص؟" وہ دونوں واپس پہلی والی جگہ پر آبیٹھی تھیں۔ شہوار نے سنجیدگی سے انا کو دیکھا۔

"تمہارے کزن ولید اور احسن بھائی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔" شہوار نے کہا۔

"یعنی......"

"واقعی مگر موصوف تو پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں وہاں کیسے سلیکٹ ہوگئے اگر نارملی پرسنالٹی کے ہی ملک ہیں تو۔"

"خیر اتنی نارمل پرسنالٹی بھی نہیں احسن بھائی خاصے گورے چٹے ہیں اور اسمارٹ بھی ہیں اور ولید صاحب کو بھی ہم دیکھ چکی ہوں وہ جس قسم کی شخصیت کے مالک ہیں اس کے مقابل مصطفیٰ کے نمبر تھوڑے سے کم ہوجاتے ہیں۔ قد کاٹھ برابر ہے بس کمپلیکشن سے موصوف ولید بھائی سے مات کھا جاتے ہیں۔" انا بس دیکھ کر رہ گئی۔ ولید مردوں میں کھڑا ایک دم نمایاں ہوجاتا تھا یہ اس کی پرسنالٹی کی خوبی تھی یا خامی مگر عرصے بعد جب پہلی بار پاکستان آنے پر اسے دیکھا تو وہ خود ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔ اس نے کئی مرد دیکھے تھے ایک سے ایک حسین مگر ولید کی شخصیت کا وقار رکھ رکھاؤ شائستہ اور مہذب انداز و اطوار خاص طور پر شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والی شخصیت کے ہوتے ہوئے مزید ڈریسنگ کا خصوصی انتخابات اس کی شخصیت کو چار چاند لگادیتا تھا ایسے میں وہ کئی مردوں میں گھرا ہونے کے باوجود کئی خواتین کی توجہ حاصل کرنے کی خصوصی صلاحیت رکھتا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ وہ نہایت زور آور شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی شخصیت کا یہ سحر یہ مقناطیسیت ایسی تھی کہ وہ خود کیا ہر کوئی برملا اعتراف کرتا تھا جیسا کہ اب شہوار کررہی تھی۔

"تمہیں ولید پرسنالٹی وائز کیسا لگا؟" وہ ایک دم مصطفیٰ کو بھول کر ولید کا ذکر چھیڑ بیٹھی۔

"ماشاء اللہ بہت زبردست اور پاور فل پرسنالٹی کے مالک ہیں وہ۔" شہوار نے ایمان داری سے تجزیہ کیا تو انا لب سی گئی۔ گزری

شب ایک دم ذہن کے دریچے پر دستک دینے لگی تو اس نے لب بھینچ لیے۔
"ماشاءاللہ روشانے بھی بہت پیاری ہیں مگر اس کو دیکھنے کے بعد مجھے مسلسل یوں لگ رہا ہے کہ جیسے میں کہیں پہلے بھی اس ہستی سے مل چکی ہوں، کہیں دیکھ چکی ہوں یہ چہرہ مجھے بڑا شناسا سا لگا۔ روشی اور ولید بھائی دونوں میں کافی مشابہت ہے کیا تمہارے ماموں جان بھی ولید جیسی شاندار شخصیت کے مالک ہیں؟" شہوار نے پوچھا۔
"نہیں! ماموں میرے عام نارمل شخصیت کے حامل ہیں۔ ولی اور روشی دونوں ہی کچھ بہت خاص حسن رکھتے ہیں، ماما کے بقول دونوں اپنی ماما پر گئے ہیں نا۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں کی والدہ بھی بہت حسین و جمیل خاتون تھیں۔"
"اچھا......" شہوار کو ایک دم اس قصے سے دلچسپی پیدا ہوئی۔
"تمہاری ممانی کا کیا نام تھا؟" اس نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔
"لالہ رخ۔" انا نے بتایا۔
"زبردست......" شہوار نے ایک دم سراہا۔
"جس ہستی کا نام اس قدر خوب صورت ہو وہ یقیناً خود بھی بہت خاص ہوں گی۔"
"ہو سکتا ہے۔"
"تم نے اپنی ممانی دیکھی ہیں؟"
"نہیں! ولی اور روشی کے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں اور گھر میں کسی کے پاس ان کی تصویر بھی نہیں۔ ماما بتاتی ہیں کہ تب تصویروں کا کوئی خاص رواج نہ تھا۔"
"کیا ہوا تھا انہیں؟" یونہی سوال در سوال کا سلسلہ چل نکلا تو پوچھا۔
"پتا نہیں، ماما زیادہ تفصیل میں اس قصے کو نہیں بیان کرتی شاید کوئی ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔" اس نے کندھے اچکائے۔
"روشی کی عمر تقریباً کتنی تھی؟"
"ماما بیان کرتی ہیں کہ روشی سال ڈیڑھ سال کی تھی جب اس کی ماما کی ڈیتھ ہو گئی تھی تب ہم لوگ اپنی فیملی سمیت باہر شفٹ ہو چکے تھے اور ماموں جو باہر سے ہی یہاں آئے تھے ہمیں لے جانے کے لیے ان کا ارادہ ہمارے جانے کے بعد اپنی فیملی کو لے کر وہاں جانے کا تھا، جب ممانی کا انتقال ہوا۔ پھر ماموں بچوں کو لے کر ہمارے پاس آ گئے، ماما نے ہی ولی اور روشی کو پالا، ہم لوگ اکٹھے ہی پلے بڑھے پھر کچھ عرصے بعد ہم پاکستان آ گئے تو ماموں ادھر ہی رہے، یہ لوگ اب شفٹ ہوئے ہیں۔"
"انٹرسٹنگ۔"
"لگتا ہے آج ہم نے صرف باتیں ہی کرنی ہیں، کوئی کلاس لینے کا ارادہ نہیں۔" اچانک انا کو یاد آیا تو ہنس کر کہا۔
"پہلے ہی خاصا حرج ہو چکا ہے اب سوچ رہی ہوں کہ سنجیدگی کے ساتھ اسٹڈی کی طرف توجہ دوں۔" شہوار نے بھی فوراً سنجیدہ ہو کر کہا۔
"چلو پھر کلاس اٹینڈ کر لیتے ہیں اس وقت تو سر زاہد کی کلاس ہو رہی ہوگی۔" انا کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہوئی تو شہوار بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

جن میں ہر لمحہ تمناؤں کا خوں ہوتا ہے
ان تمناؤں میں بھی جی لیتے ہیں جینے والے
تجھ کو معلوم نہیں ساغر زہر اب تو کیا
خون کے گھونٹ بھی پی لیتے ہیں پینے والے

"دیکھ پتر! سیانے کہتے ہیں دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے بندہ ہاتھ ہلا کے کام کر لے۔ مانگنے سے بہتر ہے انسان بھوکا رہ لے یا محنت کر کے کچھ کما لے یوں ہاتھ پھیلا کر پیٹ بھرا تو کیا بھرا؟ نری شرمندگی اور ذلالت......! لوگوں کے سامنے بھی اور خود اپنے آپ سے بھی۔ کیا فیدہ (فائدہ) ایسے بھرے پیٹ کا؟ پتر! میری یہ نصیحت سدا اپنے پلو سے باندھ کے رکھی ٹھیک ہے ناں؟" ابا کے لہجے میں خفگی تو تھی ہی مگر تاسف حد سے زیادہ تھا۔ وہ شرمساری سر جھکا گئی۔
یہ اس وقت کی بات تھی جب وہ اپنے قصبے کے پرائمری اسکول میں جایا کرتی تھی، مفلسی انتہا کی تھی۔ عالم تو یہ تھا کہ اگر صبح چائے کے ساتھ پاپے مل گئے تو بہت شکر تھا باقی کا دن اور رات خالی پیٹ گزرتا پھر اگر صبح مل جاتا تو غنیمت ورنہ پھر سے دن یا رات کو ہی ملتا تھا۔ دن میں کھانا ایک بار ہی ملتا تھا چاہے صبح ہو دوپہر یا رات۔
اس کے ابا مزدور تھے مزدوری کی تلاش میں کبھی یہاں تو کبھی وہاں۔ دن بھر میں اگر خوش قسمتی سے کوئی کام مل جاتا تو ان کے گویا وارے نیارے ہو جاتے تھے اگر نہ ملتا تو جو دن میں ایک وقت کا کھانا ملتا وہ بھی میسر نہ آتا تھا۔ یہی اس روز بھی ہوا تھا۔ ابا کو کوئی کام نہ ملا تھا، رات کو کھانا نہ بنا اور اگلا پورا دن اور رات ایسے ہی بھوکے پیٹ گزری۔ اناج بھی روز کے روز آتا تھا۔ جب پیسے ہی نہ تھے تو کاہے کا آٹا اور کیسی روٹی؟ وہ عمر کے اس حصے میں تھی کہ بھوک برداشت نہ ہوتی تھی اس کے باوجود وہ حتیٰ الامکان کوشش کرتی تھی کہ چپ سادھ لے

مگراس روز برداشت نہ کرسکی۔

وہ ابا کا انتظار کرتے کرتے باہر نکل آئی اس امید پر کہ شاید آج وہ خالی ہاتھ نہ لوٹے تبھی اسے کچھ فاصلے پر کھڑا چاٹ بیچنے والا نظر آیا۔ وہ ڈیڑھ دن کی بھوکی تھی' بھوک کا تو یہ حال تھا کہ اگر چھیننے کی نوبت آتی تو وہ پیٹ بھرنے کے لیے یہ بھی کرگزرتی مگر اس نے انتہائی برداشت کا مظاہرہ کیا تھا اور ایک بچے کے پاس جارکی تھی' کچھ دیر للچائی نظروں سے دیکھتی رہی مگر کسی نے توجہ نہ دی بالآخر اس نے خود ہی ان میں سے کسی ایک کو مخاطب کیا تھا۔

''مدثر......'' مہین سی آواز نکلی تھی کسی نے توجہ نہ دی اگر سنی تھی تو بھی جان بوجھ کر ان سنا کردیا تھا۔

''اے مدثر سن ناں......'' اب کے اس نے ذرا اونچی آواز میں پکارا تھا۔ جواباً اس لڑکے نے خاصے تیکھے انداز میں اس کی جانب دیکھا تھا گویا کھا ہی تو جائے گا۔

''کیا ہے؟'' سارا مزا کرکرا ہو گیا تھا۔

وہ ایک پل کو گھبرا گئی تھی' وہ تھا بھی بہت غصے والا۔ وہ جانتی بھی مگر پیٹ کے ہاتھوں مجبور ڈھیٹ بن گئی حالاں کہ پہلے کبھی ایسی نوبت نہ آئی تھی۔

''مدثر یہ......تھوڑی سی مجھے بھی دو' قسم سے' بہت بھوک لگی ہے۔'' اس نے چاٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہچکچاتے ہوئے کہا تھا۔

''ایویں دے دوں! اتنی مشکل سے ابا سے پیسے لیے ہیں وہ بھی رو رو کے چاٹ کھانے کے لیے اور یہ بھی تجھے دے دوں' واہ......!'' خاصے تمسخرانہ انداز میں کہہ کر وہ دوبارہ کھانے میں مشغول ہو گیا۔

''تھوڑی سی دے دے مدثر! دیکھ جب میں لوں گی ناں تو تجھے بھی دوں گی۔'' اس نے اپنی طرف سے اسے لالچ دیا تھا۔

''تُو لے گی......ہاہاہا......کب؟ یہ بھی بتادے تاکہ اس دن کے وعدے پر تجھے دوں' ہوں...... یہ لے گی۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''دے دے ناں مدثر! میں دو دن کی بھوکی ہوں' بہت بھوک......''

''جمیلہ......او جمیلہ......ادھر آ......؟'' اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی' پیچھے سے ابا کی گرجدار آواز آئی اور ایک دم خوف زدہ سی ہو گئی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ ان کی پکار کیا پڑی وہ بدحواس سی تیر کی تیزی سے بھاگ کھڑی ہوئی اور سیدھی اماں کے پہلو میں جا چھپی۔ اسے تو لگ رہا تھا جیسے آج اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اس کے ابا ستار حسین بہت غصے والے آدمی تھے اور خوددار و غیرت مند بھی۔ ان کی ایک آواز پر ماں اور بچے کانپ اٹھتے تھے' یہی وجہ تھی کہ جمیلہ کو آج اپنا آخری وقت لگ رہا تھا مگر یہ اس کی بھول تھی۔ اس روز ابا نے غصہ کیا اور نہ ہی کسی کو جھاڑ پلائی بلکہ گھر آتے ہی چارپائی پر لیٹ گئے اور بے آواز آنسو بہانے لگے تب جمیلہ کو ابا کے رونے کی وجہ سمجھ بھی آ گئی اور اپنے کیے فعل پر شرمندگی بھی ہوئی۔ اس روز ابا نے اسے پاس بٹھا کر بڑے پیار سے سمجھایا تھا اور وہ سمجھ بھی گئی تھی اور آج اس پر اور اس کے بچوں پر بھی وہی بھوک و افلاس کے دن آئے تھے تو وہ اپنے بچوں کو یہ سبق پڑھانا نہیں بھولی تھی کہ ''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے کہیں زیادہ افضل ہے۔'' مگر حالات کیا کھیل کھیلیں' کس رخ کروٹ بدلیں کون جانے......؟

جمیلہ سمجھ تو گئی تھی مگر حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔

اس کی شادی ہوئی تو اسے لگا شاید اب حالات بدلیں گے مگر نہیں' حالات اسی ڈگر پر تھے۔ اس کی شادی بڑے گھر میں نہیں ہوئی تھی مگر وہ سمجھتی تھی اپنے گھر میں وہ ایک وقت کا کھانا کھاتی ہے تو اگلے گھر میں شاید دو ٹائم کا مل جائے۔ وہ غریب تھی اور غریبوں کو تو ہر وقت اور ہر حالت میں یہی فکر رہتی ہے اس کی سوچ بھی ''روٹی'' سے شروع ہو کر روٹی پر ہی ختم ہو جاتی تھی۔ اس کے لیے تو دو وقت کی روٹی ہی امیر ہونے کی نشانی تھی مگر......کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔

جن حالات کو وہ بھگت کر آئی تھی یہاں اس سے بھی بدتر حالات کا سامنا تھا مگر اس نے صبر کا دامن مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ اس امید پر کہ حالات کبھی تو بدلیں گے۔

❁......❁......❁

''اماں فیس دے دیں' مجھے دیر ہو رہی ہے؟'' ندیم پھٹا ہوا بستہ کندھے پر ڈالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے پلاسٹک کے بوٹ پہننے لگا۔ جن کی حالت اتنی خستہ تھی گویا کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائے گئے ہوں۔ جمیلہ توے سے روٹی اتارتے ہوئے قدرے حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''فیس......؟''

''ہاں اماں! کل بھی ماسٹر صاب نے اسکول سے نکال دیا تھا اگر آج بھی نہ لے کر گیا تو مار تو پڑے گی ساتھ نام بھی خارج ہو جائے گا۔ بتایا تو تھا بھول گئی کیا؟'' بڑے مصروف سے انداز میں اس نے گویا یاد کرلیا۔

مگر وہ ماں تھی کیسے بھول سکتی تھی وہ کل کا دن' جب چھڑی کے نشان لیے ہاتھوں اور کمر پر وہ روتا ہوا گھر آیا تھا اور آتے ہی بنا روٹی کھائے بھوکے پیٹ ہچکیوں سے روتے ہوئے سو گیا تھا۔ کل کی طرح آج بھی اس کے دل کو گویا کسی نے کانٹوں پر گھسیٹا تھا وہ اندر ہی اندر گھٹتی گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''آج چلا جا بیٹا! ماسٹر جی کو کہنا کل لازمی لے آؤں گا۔ ابھی پیسے نہیں ہیں پتر! ٹھیکیدار جی نے آج کا وعدہ کیا ہے تیرے ابا آج لے آئیں گے۔''

''کیا......! کیا مطلب اماں! فیر تو مجھے آج بھی مار کھانا پڑے گی۔ نن......نہیں اماں! میں اسکول نہیں جاؤں گا' بہت مارتے ہیں ماسٹر جی! میں اسکول نہیں جاؤں گا۔ نہیں پڑانے (پڑھانے) کا خاب (خواب) چھوڑ دو اماں! پڑائی ہمارے لیے نہیں ہے' ہم تو مزدور کے بچے ہیں مزدور ہی رہیں گے۔''

وہ تیرہ سالہ ندیم جو کبھی نہیں روتا تھا آج ماں کو چوٹیں دکھاتے ہوئے دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا اور اس کے ساتھ جمیلہ ہی نہیں بلکہ باقی دو چھوٹے بچے بھی رونا شروع ہو گئے' جمیلہ اسے بنا کچھ کہے اپنی پھٹی ہوئی چادر میں آنسو چھپاتی اٹھ گئی۔ انہیں کہنے کو یا دلاسا دینے کو اس کے پاس تھا ہی کیا؟

وہ شروع سے چپ تھی اور اب بھی چپ ہی رہی اسے نہ پہلے اپنی غریبی پر دلیل دینی آئی تھی اور نہ اب۔

❁......❁......❁

''ندیم آج اسکول گیا تھا کہ نہیں؟'' پیاز کے ساتھ سوکھی روٹی کا نوالہ لیتے ہوئے اختر نے جمیلہ سے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' صبح کا واقعہ یاد آتے ہی جمیلہ نے افسردگی سے گہری سانس بھری۔

''کیوں؟'' بڑی رغبت سے روٹی کھانے میں مصروف اختر نے عام سے انداز میں پوچھا جواباً جمیلہ نے صبح کا واقعہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

روٹی کھاتے ہوئے اختر نے بڑے سکون سے جمیلہ کی بات سنی۔ بات سنتے ہوئے ایک پل کو بھی اس نے روٹی کھانے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ روٹی ختم کرتے ہوئے اس نے پانی پیا اور برتن پرے کھسکاتے ہوئے نیم دراز ہو گیا۔

''دیکھ جمیلہ! میں نے تو کتنی بار تجھے سمجھایا ہے یہ بالوں (بچوں) کو پڑانے کا خاب چھوڑ دے' یہ پڑائی وڑائی ہم غریبوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم مزدور لوگ ہیں سدا مزدور ہی رہیں گے۔ مزدور کبھی افسر نہیں بن سکتا' یہ تُو جان لے اور مان بھی لے۔ چھوڑ دے بڑے بڑے خاب دیکھنا' ہم غریبوں کے خابوں کی کوئی تبیر (تعبیر) نہیں ہوتی۔ نہ خود جھوٹی آس امید پہ رہ اور نہ بالوں کو دے۔ اگر تُو نے ضد نہ کی ہوتی تو آج ندیم اچھے بھلے پیسے کما رہا ہوتا اور نہیں تو کم از کم فاقوں کی نوبت تو نہ آتی۔''

''نہ......نہ ندیم کے ابا! کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اللہ کا شکر ادا کرو جو ہمیں روٹی تو دے رہا ہے' ہم پر تو اللہ کا بڑا کرم ہے' غریب تو وہ ہیں جن کو کئی کئی دن کھانے کو نہیں ملتا پھر بھی وہ شکر ادا کرتے ہیں اور رہی بات پرنے پڑانے کی تو یہ تو قسمت کے کھیل ہے رب چاہے تو لکھ (لاکھ) کو ککھ (تنکا) اور ککھ کو لکھ کردے۔ میرا خاب کوئی انہونا تو نہیں' آس پہ تو دنیا قیم (قائم) ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ میرا ندیم ضرور پڑے گا ان شاء اللہ!''

''واہ جمیلہ ایک تُو اور تیرے خاب! فیس دینے جو گے (کے لیے) پیسے نہیں اور خاب دیکھ رہی ہے پڑانے کا۔ وہ ہیڈ ماسٹر اب تک نام بھی کاٹ چکا ہوگا۔''

''نہیں کاٹا نام ماسٹر صاحب نے' میں نے بات کرلی ہے ماسٹر صاحب سے کہہ رہے تھے اگر کل تک فیس آ گئی تو نام نہیں کٹے گا اپنے ندیم کا۔ جو پیسے آئے ہیں اس میں سے فیس نکال لی ہے میں نے' ندیم ضرور اسکول جائے گا اللہ نے چاہا تو۔'' جمیلہ کے لہجے میں اس وقت بڑی کھنک تھی اور انداز پرعزم تھا۔

''او جھلی ہوئی ہے نیک بخت! گھر میں کھانے کو نہیں ہے' کچھ سودا لانا ہے' اب اس کی تعلیم کے لیے بچوں کا پیٹ کاٹے گی' ان کو تو ویسے بھی......''

''نہ ندیم کے ابا......سودا تھوڑا بہت ہے' کچھ اور آ جائے گا اور فیس کون سا پورے سو دو سو ہے' بس پینتیس روپے ہی تو ہیں۔ اللہ خیر کرے بچے کیوں بھوکے رہیں۔'' جمیلہ نے اختر کی

بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"اچھا اچھا...... جا' جا کے اپنا کام کر' مجھے آرام کرنے دے دن بھر کا تھکا ہوا ہوں۔ تیرے ساتھ مغز ماری میرے بس کی بات نہیں ہے اور نہ ہی کبھی میں تجھ سے جیت سکا ہوں۔ جو دل میں آئے کر مجھے مت کہیو' کل کو اگر مجھے کچھ ہو گیا تو رہ جائے گا تیرا خواب دھرے کا دھرا پھر رہنا آس امید کی دنیا میں گم۔" اختر اس کی باتوں سے اکتا کر جانے کس رو میں بہتے ہوئے کہتا چلا گیا۔ اس کی بات پر ایک پل کو جمیلہ کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔

❁......❁......❁

"ہاں بھئی رول نمبر اُنیس...... ندیم اختر۔"

"حاضر جناب!" جونہی ماسٹر صاحب نے اس کا نام پکارا اس نے فوراً پُر جوش انداز میں جواب دیا تھا۔ ماسٹر عنایت اللہ نے چشمہ کے پار سے ذرا سی نظریں اوپر کر کے اسے دیکھا اور تمسخرانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"بڑا جوش ہے بھئی آج تیری آواز میں' لگتا ہے فیس لایا ہے تُو۔" ماسٹر عنایت نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی ماسٹر جی! پوری فیس لایا ہوں میں۔" ندیم نے روپے لہراتے ہوئے پُر جوش انداز میں بتایا جواباً ماسٹر نے پوری کلاس کو آنکھ سے اشارہ کیا اور زور زور سے قہقہہ لگانے لگا۔

ندیم نے حیرت سے ماسٹر صاحب اور جماعت کو دیکھا' سب لڑکے مذاق اڑانے والے انداز میں دبی دبی ہنسی ہنستے گئے۔ ندیم غریب ضرور تھا مگر بے وقوف نہیں' وہ بدلے ہوئے رویوں اور مسکراہٹ کے انداز کو خوب سمجھتا تھا' ان کے تمسخرانہ انداز پہ وہ روہانسا سا ہو گیا اور شرمندگی سے سر جھکا گیا مگر کسی نے اس کے جھکے ہوئے سر کو نہیں دیکھا تھا۔

ماسٹر عنایت نے بچوں کو سبق دینا شروع کر دیا تھا اور وہ ویسے ہی کھڑا رہ گیا نہ وہ خود بیٹھا اور نہ ہی ماسٹر نے بیٹھنے کو کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے اس اس کی بدرنگی قمیص میں جذب ہو گئے اس نے گال رگڑتے ہوئے کتاب کھول لی' وہ دکھی ضرور ہوا تھا مگر ماں کا کہا یاد آ گیا۔

"بیٹا! استاد استاد ہے' اس کا احترام تم پر واجب ہے' چاہے کچھ بھی ہو جائے تو کتنا ہی بے بس کیوں نہ ہو جائے مگر استاد کو کبھی بُرا نہ کہنا اور نہ ہی کبھی بے ادبی کرنا۔ استاد کا درجہ بہت بڑا ہے۔" یہی سوچ کر وہ چپ چاپ کتاب کھول کر بیٹھ گیا اور سبق پڑھنے لگا۔

❁......❁......❁
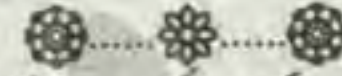
"نہیں اماں! وہ ڈاکٹر دوائی نہیں دیتا' کہتا ہے پہلے پیسے پھر دوائی۔" ندیم ہانپتا ہوا آیا اور پھولی سانسوں سے گویا ہوا۔

جمیلہ کے تو گویا اندر باہر اندھیرا سا چھا گیا۔ آخری امید تھی وہ بھی دم توڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔

ایک طرف بچی شدید درد کی وجہ سے بلک بلک کر رو رہی تھی' دوسری طرف جمیلہ کا رُواں رُواں کراہ رہا تھا' اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے؟ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ سارے در بند ہوتے جا رہے تھے' اختر کتنے ہی دنوں سے گھر نہیں آیا تھا' انہیں کچھ پتا نہیں تھا وہ کدھر ہے اس کا تو یہ تھا کہ جہاں مزدوری ملے وہیں چلا جاتا تھا۔

جمیلہ اور اس کے بچے چپ چاپ اپنے چھوٹے سے کمرے میں بیٹھے تھے۔ سب کے چہروں پر خوف و ہراس طاری تھا۔ جمیلہ کی چھوٹی بچی شدید درد سے بلبلا رہی تھی اور کوئی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔ جہاں بچے اپنی بہن کو درد سے بلکتے ہوئے دیکھ کر رو رہے تھے وہیں جمیلہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیا کرے؟ اس کی بیٹی پچھلے کئی دنوں سے بیمار تھی اور وہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی اور کرتی بھی کیا جب پلے کچھ تھا ہی نہیں۔ چھوٹی جب بہت زیادہ بیمار ہوئی تب وہ علاقے کے چھوٹے سے اسپتال میں لے گئی تھی' ڈاکٹر نے بتایا کالا یرقان ہے' جو بڑھتا جا رہا ہے اگر علاج نہ ہوا تو خطرہ بڑھ جائے گا مگر وہ علاج کہاں سے کرواتی۔ کھانے کو کچھ تھا نہیں علاج کیا خاک کرواتی۔ اختر کا ویسے ہی کچھ اتا پتا نہیں تھا وہ بہت پریشان تھی' ایک تو اختر کی فکر دوسرے بچی بیمار ہو گئی تھی پہلے تو وہ ادھار پہ ڈاکٹر سے دوائی لے آئی تھی مگر اب اس نے دوائی دینے سے انکار کر دیا تھا وہ بے بس و لاچار خدا کے آسرے پر بیٹھی تھی۔ یہاں تو یہ عالم تھا کہ اگر خود کے پاس کچھ نہیں تھا تو آس پڑوس میں بھی سارے اس جیسے ہی تھے' مفلسی کے ہاتھوں تھیل جول بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ وہ دیکھتی بھی تو کس کو؟ بتاتی بھی تو کس کو؟ جو اپنے تھے وہ دور تھے اور اگر پاس بھی ہوتے تو کیا ہو جاتا؟ مفلسی تو گویا ان کے خاندان کی داسی تھی۔ وہ چپکی بیٹھی رہی ہمت بھی جواب دے گئی تھی' کوئی امید کوئی آسرا نہیں تھا سوائے رب کے۔ جو دیکھ بھی رہا تھا سن بھی رہا تھا' اس کی مصلحت وہی جانے۔

بچے سو گئے تھے وہ بھی سکون میں تھی جو زندگی اور موت کے جھولے میں جھول رہی تھی' بس ایک جمیلہ ہی تھی جس کی پتھرائی آنکھیں دروازے پر لگی تھیں۔ دل گڑگڑاتے ہوئے خدا کے حضور سجدہ ریز تھا التجائیں اور دعائیں کر رہا تھا' اس کا رُواں رُواں خوف زدہ تھا گویا کچھ ہونے والا ہے اور اس کا وجدان غلط نہیں تھا' اس کی بے چینی و اضطراب بے جا نہیں تھا' وہ ہو گیا تھا جہاں تک اس کی سوچ پرواز نہ کر سکی۔ چھوٹی جورات کو سوئی تو سوتی رہ گئی' اسے سکون مل گیا تھا شاید ہمیشہ کا' وہ لاکھ آوازیں دیتی رہ گئی اس نے نہ اٹھنا تھا اور نہ وہ اٹھی گویا مفلسی نے اس کی زبان اور آنکھوں دونوں پہ قفل لگا دیا ہو۔

وہ چپ چاپ اپنی چھوٹی کے ننھے وجود کو بے حس و حرکت پڑا دیکھتی رہ گئی۔ باقی سارے بچے بلک بلک کر روتے ہوئے ماں کے ساتھ لپٹ گئے' گویا انہیں بھی علم ہو گیا کچھ عجیب ہو گیا ہے۔ دن نکل آیا' مگر انہیں کوئی ہوش نہیں تھا' بچے ماں کے ساتھ چمٹے ہچکیاں لے رہے تھے۔ جمیلہ کی آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں جن میں سیال تو تھا مگر جما ہوا جو نہ بہہ رہا تھا اور نہ ہی اوجھل ہو رہا تھا۔ سب گم صم تھے' اتنا سناٹا تھا کہ اگر سوئی بھی گرتی تو اس کا بھی شور ہوتا۔

اس گھر میں مرگ ہوئی تھی مگر کسی کو علم نہیں تھا۔ کوئی نہیں آیا تھا' باہر زندگی رواں دواں تھی مگر یہاں تو گویا زندگی تھم سی گئی تھی' بہت وقت گزر گیا تھا کہ......

اچانک باہر دروازے کو زور زور سے بجایا گیا' اتنی دبیز خاموشی میں جیسے کسی نے بگل بجا دیا ہو۔ بچے ڈر کر اٹھے ماسوائے جمیلہ کے' ندیم نے کچھ دیر ماں کی ساکت نظروں کو دیکھا اور اٹھ کر باہر کی جانب بڑھ گیا' کنڈی گراتے ہی دروازہ چوپٹ کھل گیا۔

چند لوگ کھڑے تھے کچھ تو جانے پہچانے چہرے تھے اور کچھ انجان۔ ایک چارپائی اٹھائے ہوئے تھے' وہ حیرانگی سے کبھی انہیں اور کبھی چارپائی کو دیکھنے لگا۔ تبھی کسی نے اسے کلائی سے پکڑ کر سائیڈ پہ کیا اور چارپائی اٹھائے اندر چلے آئے۔

"کیا ہوا چاچا؟ یہ چارپائی پر کون ہے؟" ندیم نے گھبراہٹ کے عالم میں ایک آدمی کو مخاطب کیا تھا۔

"یہ...... یہ اختر ہے پُتر جی۔"

"ابا......!" اس نے آہستگی سے کہا اور تیزی سے چارپائی کے پاس آیا' جو اب اس ننھی سی بے جان لاش کے پاس رکھی جا چکی تھی۔ چارپائی رکھتے ہوئے آدمیوں نے دوسری چارپائی پر نظر دوڑائی تو ہق دق رہ گئے اور آپس میں افسوس بھرے انداز میں ایک دوسرے سے کچھ کہنے لگے۔

"ابا...... ابا...... کیا ہوا میرے ابا کو؟ یہ ایسے کیوں پڑا ہوا ہے؟ بول کیوں نہیں رہا' چاچا...... بتا' نا چاچا...... میرے ابا کو کیا ہوا ہے؟ اٹھ نا ابا دیکھ چھٹکی مر گئی' تیری...... صفیہ مر گئی ابا......" وہ اختر کو جھنجھوڑتا رہا' اسے اٹھا رہا تھا مگر......

"حوصلہ کر پُتر! اب اختر اس دنیا میں نہیں رہا۔" اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھتے ہوئے پُر افسوس انداز میں کہا۔ وہ ایک دم ساکت ہوا اور یک ٹک باپ کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

جمیلہ تو پہلے ہی چلتی سانسوں کے ساتھ بظاہر زندہ تھی مگر اب درحقیقت وہ مر ہی تو گئی تھی' اسے اختر کا کہا ہوا ایک ایک جملہ یاد آ رہا تھا۔

سب نڈھال سے بیٹھے تھے انہیں کچھ پتا نہیں تھا' کیا ہو رہا ہے کیا نہیں؟ کون آیا ہے کون گیا ہے؟ چھوٹی چلی گئی' اختر چلا گیا چارپائیاں خالی ہو گئیں' کب انہیں اٹھا کے لایا گیا کب جنازہ ہوا' کچھ خبر نہیں ہوئی۔

شاید کسی نے کہا تھا کہ آخری وقت چہرہ دیکھ لو یہ پھر نظر نہیں آئے گا مگر...... ایک ندیم تھا جو خاموش زبان سے خود سے بھی بڑی ذمہ داریاں نبھا رہا تھا۔ ایک طرف ماں اور بہن بھائی کا خیال بھی رکھ رہا تھا اور دوسری طرف خود سے دور جاتے باپ اور بہن کو بھی رخصت کر رہا تھا۔

بہن گئی تھی مگر آس تھی کہ باپ تو آئے گا مگر باپ گیا تو گویا سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ سپنے تعبیر پائے بغیر ہی رخصت ہو گئے تھے' اب تو کچھ نہیں بچا تھا' بچا تھا تو بس یادیں' باتیں اور...... اور سخت آزمائشیں۔

❁......❁......❁
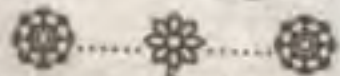
"بھوک لگی ہے اماں! روٹی دو ناں۔" چھوٹے کی ہمت بھوک کی شدت سے گویا جواب دے گئی تھی۔ وہ تھک ہار کر بالآخر بول ہی اٹھا۔

دو دن تو جیسے تیسے محلے والوں نے کھانے کا بندوبست کر ہی لیا تھا۔ خدا نے ان میں تھوڑی بہت خدا ترسی بھر ہی دی تھی ان کے دلوں میں مگر پھر وہی بات کہ یہ لوگ کہاں کے رئیس تھے جو زندگی بھر انسانیت اور خدا ترسی کا ڈھول پیٹتے رہتے۔ انہیں بھی تو اپنے بچوں کا پیٹ پالنا تھا وہ بھی محنت مزدوری کرکے پیٹ پالتے تھے انہوں نے بھی دو ہی دن برداشت کیا اور ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ اب جمیلہ تھی اس کے بچے اور بھوک و افلاس۔ وہ تو پہلے دن ہی جو چپ ہوئی تھی چپ ہی رہ گئی تھی۔ بیٹی چلی گئی' سہاگ اجڑ گیا مگر اس کی خاموشی کا قفل نہ ٹوٹا تھا۔ وہ چلتی پھرتی' کام کرتی گویا ایک زندہ لاش تھی۔ اگر کچھ مل جاتا تو بچوں کو کھلا دیتی اگر نہیں تو چپ بیٹھی رہتی۔

ندیم وقت سے پہلے ہی بڑا ہوگیا تھا' وہ ماں کو بڑے غور سے دیکھتا رہتا تھا۔ وہ بچہ تھا مگر رئیس گھرانے کا نہیں کہ جسے صرف چھوٹی چھوٹی فرمائشیں اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہی بے دم کردیتی ہوں' یہ وہ بچہ تھا جو اتنے بڑے بڑے غم دیکھ چکا تھا مگر پھر بھی اسے اپنی ماں کا خواب' اس کی امیدیں' حسرتیں اور اس کی زندگی بھر کے دیکھے ہوئے سپنوں کے ادھورا رہ جانے کا غم تھا۔ ماں کا خود کو بھول جانے کا غم تھا' وہ بھی تو سب زندہ تھے' جب وہ ہی خود سے بیگانہ ہوگئی تھی تو خواب تو پھر خواب تھے' وہ بھی مردہ ہوگئے تھے' اسے بس ماں اور بہن بھائی دکھ رہے تھے یا آنے والے سخت حالات دیکھ رہے تھے' اب تو بس یہ سوچ تھی کہ اسے گھر کیسے چلانا ہے؟ اپنے کندھے پر پڑی ذمہ داری کی شروعات کیسے کرنی ہے؟

اس کی ہمت جواں تھی مگر.......

''اماں روٹی دو ناں...... بہت بھوک لگی ہے۔'' چھوٹا اب بے بسی سے رونا شروع ہوگیا۔

''حوصلہ کر پتر! وہ دے گا نا روٹی جس نے پیدا کیا ہے۔ وہ دے گا نا جس نے تیرے باپ کو روٹی لانے والا وسیلہ بنایا تھا' وہی دے گا نا جس نے وسیلہ واپس لے لیا۔'' جانے کب اور کیسے جمیلہ کے منہ سے شکوہ نکل آیا۔ اتنا بڑا شکوہ اگر وہ پہلے والی جمیلہ ہوتی تو ایسا بولنے والے کو جانے کیا کچھ نہ کہہ سناتی۔ آج وہی جمیلہ خود شکوہ کررہی تھی۔

اپنے بھائی کی حالت پر اندر ہی اندر افسردہ ندیم حیرت زدہ سا اپنی ماں کو دیکھتا رہ گیا۔ اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ماں کیا سے کیا بن گئی ہے اس نے چند پل ماں' بہن بھائی اور گھر کے در و دیوار کو دیکھا اور پھر کسی عزم کا ارادہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے باہر نکل گیا' پیچھے مڑ کر ایک پل کو بھی نہیں دیکھا۔

❀......❀......❀

''ابے او...... یہ کام کا وقت ہے آرام کا نہیں' اگر آرام ہی کرنا ہے تو گھر جاکے کرو۔ یہاں کام کے پیسے ملتے ہیں آرام کے نہیں' ہم حرام نہیں کماتے حلال کماتے ہیں۔'' اچھا خاصا موٹا سانولا آدمی کرسی پر بیٹھا ڈھیر ہی لگ رہا تھا۔ مزدور لڑکے کو بیٹھا دیکھ کر رعب جماتے ہوئے اس کی عزت' غیرت اور خودداری کا مذاق اڑا رہا تھا۔ وہ بے چارہ جو ابھی ٹھیک سے بیٹھا نہیں تھا اس کی پکار پر تیری کی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا اور دوبارہ سے کام میں لگ گیا۔

وہ جو کافی دیر سے اس موٹے بھدے شخص کو دیکھ رہا تھا اسے گرجتے ہوئے دیکھ کر ایک پل کو وہ ڈر کر رکا۔

''یہ تو ماسٹر صاحب سے بھی زیادہ سخت لگ رہا ہے۔'' وہ آہستگی سے خود سے بولا پھر اپنی ساری ہمت یکجا کرتے ہوئے اس کی جانب چلا آیا۔

''صاحب! مجھے کام کی ضرورت ہے' مجھے بھی اپنے ساتھ رکھ لو' میں سارا کام کروں گا' آرام بھی نہیں کروں گا۔'' اس شخص نے قدرے حیرت اور تمسخر سے اس (چھنکو) کو دیکھا۔

''ابے او...... (یہ شاید اس کا تکیہ کلام تھا) تُو کرے گا کام؟''

''جی!'' جھجکتی سی آواز برآمد ہوئی۔

''اوئے جان دیکھا اپنی اور قد دیکھ ڈیڑھ فٹ' ایک گیند تک تو اٹھائی نہ جاتی ہوگی تجھ سے اور مٹی کی بھری ٹوکری اٹھائے گا۔ چل ہٹ یہاں سے آیا ہے مزدوری کرنے' ہونہہ!''

''میں اٹھا سکتا ہوں صاحب! ایک بار مجھے کام دے دو۔''

''ابے او! سنائی نہیں دیا تجھے' چل بھاگ یہاں سے فالتو میں آ گیا ہے دماغ کھانے۔'' اس نے پھر سے جھڑکا۔

''اللہ کا واسطہ ہے صاحب! مجھے کام دے دو' بس ایک دفعہ آزمالو۔ اگر صحیح کام نہ کیا تو بے شک مجھے کام پر نہ رکھنا۔''

''اچھا! بڑی بڑی باتیں کررہا ہے' چل دیکھتا ہوں تجھے بھی۔ او شیدے...... ادھر آ!'' جانے کیسے ترس کھاتے ہوئے اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''جی استاد جی!'' ایک لمبا تڑنگا سا آدمی تیزی سے اس کی جانب چلا آیا۔

''یہ چھنکو کام کرنے آیا ہے اسے کام پر لگا!''

''یہ چھنکو سا بلونگڑا (بچہ) استاد جی!''

''ہاں بھئی اس بلونگڑے کے بڑے اُچے اُچے (اونچے اونچے) عزم ہیں۔ بڑی بڑی باتیں کرتا ہے' جا لے جا اسے۔'' اس نے گویا احسان کرتے ہوئے اسے لے جانے کو کہا' وہ اپنے بھائی کی حالت کو سوچتے ہوئے تشکرانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گیا' ٹوکری اٹھاتے ہوئے تقریباً دسیوں بار وہ گرا تھا۔ ایک تو ابھی وہ بہت چھوٹا تھا دوسرا پہلی بار یہ کام کررہا تھا اور شاید خالی پیٹ تھا اس لیے بھی لڑکھڑا سا گیا جیسے اس کی ٹانگوں اور بازوؤں میں گویا جان ہی نہ ہو۔

''کیا بات ہے یار! جوان آدمی ہے ایک ذرا سی ٹوکری نہیں اٹھائی جارہی تجھ سے' تجھے پتا ہے میں نے بھی تیری ہی عمر سے کام کرنا شروع کیا تھا' پھرتیلا اتنا تھا کہ بھاگ بھاگ کے کام کرتا تھا' بہت شوق تھا مجھے کمانے کا اور تجھے پتا ہے......''

''تجھے شوق تھا چاچا پر مجھے تو پیٹ بھرنا ہے۔ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کا بھی' جو بہت بھوکے ہیں۔ مجھ سے اس لیے ٹوکری نہیں اٹھائی جارہی کیونکہ میں خالی پیٹ ہوں۔'' گھر والوں کا خیال آتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

شیدے نے تو بس اسے چاق و چوبند کرنے کے لیے بات چھیڑی تھی مگر اس کی بات پر اسے اپنا پرانا وقت یاد آگیا تھا' اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

''او یار تو پہلے بتاتا تھا کہ تُو نے کچھ کھایا نہیں ہے' واہ پتر! بغیر روٹی کھائے یہ کام ہوتے ہیں بھلا' چل تجھے روٹی کھلاتا ہوں پہلے۔''

''نہیں چاچا! مجھے کھانا نہیں کھانا' مجھے کام کرنا ہے اور اپنے بھائی بہن کو روٹی کھلانی ہے جو کل سے بھوکے ہیں۔ پتا نہیں ان کا کیا حال ہوگا۔''

''جب تک تُو خود کچھ نہیں کھائے گا پتر! تو کام کیسے کرے گا اور کام کرکے ہی تُو ان کا پیٹ بھرے گا نا' چل دو نوالے کھالے۔''

"نہیں چاچا! مجھ سے کچھ نہیں کھایا جائے گا' تو اصرار نہ کر' میں کرلوں گا کام۔ جب میرا باپ کرلیتا تھا تو کیا میں کام نہ کروں گا؟ یہ تو ہمارا پیدائشی کام ہے' نہ یہ چھوٹنے والا ہے اور نہ چھوڑنے والا۔ بس اماں ہی جھلی تھی جو خاب دیکھتے ہوئے بھول گئی تھی کہ خاب امیروں کے لیے ہوتے ہیں غریبوں کے لیے نہیں اور تعبیریں (تعبیریں) بھی مالکوں کو ملتی ہیں' مزدوروں کو نہیں۔"

خود سے ہی باتیں کرتے ہوئے وہ دوبارہ سے کام پر لگ گیا۔ شیدے نے اس کا درد دل میں محسوس کرتے ہوئے افسردگی سے گہری سانس بھری اور اٹھ کھڑا ہوا۔

❁......❁......❁

ندیم ہاتھ میں سو کا نوٹ اور کچھ کھانا لیے پُرجوش انداز میں گھر میں داخل ہوا تھا' دن بھر کام کرتے ہوئے خیال ہی نہ رہا تھا گھر کتنا سونا سا چھوڑ کر آیا تھا۔ اب اندر آتے ہی گنگ سارہ گیا تھا۔ اداسی کا وہی عالم تھا' لگتا تھا جیسے ابھی ابھی مرگ ہوئی ہو۔ وہ کھانے کا شاپر لیے آگے بڑھا' مٹھی میں سو کا نوٹ ایسے دب گیا جیسے پرانا کوئی کاغذ کا پرزہ ہو۔

"اے چنی...... موٹو......! یہ دیکھو میں روٹی لایا ہوں۔"

چنی جو سرہانے بیٹھی تھی اور موٹو جو نیم بے ہوشی کے عالم میں تھا گویا کرنٹ چھو کے گزرا تھا۔ دونوں تیر کی تیزی سے اٹھے اور شاپر جھپٹ لیا۔ وہ کتنی ہی دیر آنکھوں میں آنسو لیے ان کو دیکھتا رہا' جو کھانے کو ایسے جھپٹے تھے جیسے پہلی بار کھا رہے ہوں۔

"اماں! یہ دیکھ اماں...... تیرے بیٹے کی پہلی کمائی...... دیکھ اماں! توڑ دے اس چپ کو...... ٹوٹ گیا ہے تیرا خاب...... دیکھ اماں! رہ گیا نا مزدور کا بیٹا مزدور ہی...... ابا صحیح کہتا تھا تو کملی ہے جو امیروں والے خاب دیکھتی رہی' مزدور آخر مزدور ہی رہتا ہے۔ پڑھائی یا تو امیروں کے لیے ہوتی ہے یا پھر قسمت والوں کے لیے اور میں نہ تو امیر ہوں اور نہ ہی قسمت والا۔" وہ آخری لفظ کہتے ہوئے ماں کے قدموں میں سر جھکا کر بیٹھ گیا (پڑھنے کا خواب اس کا بھی تو تھا)۔

جمیلہ کے وجود میں جنبش سی ہوئی' بہت دنوں سے آنکھوں میں مقید پانی دہلیز پار کر گیا' اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ دھاڑیں مار مار کر روئی۔ ندیم بھی اپنی ماں کی چپ ٹوٹنے پر اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

چنی اور موٹو (جو پیٹ بھر کر روٹی کھا چکے تھے) اب حیرت سے ماں اور بھائی تکنے لگے۔

"تیرا باپ مر گیا اور سارے خاب بھی ساتھ لے گیا' کچھ بھی تو چھوڑ کر نہیں گیا۔ خالی ہاتھ کر گیا ہمیں...... خالی ہاتھ۔" وہ روتی جارہی تھی اور بولتی جارہی تھی۔ آج اس کے منہ سے شکوے بھی نکل رہے تھے اور گلے بھی۔

❁......❁......❁

"ندیم پتر! چنی اور موٹو کا خیال رکھیں' میں جارہی ہوں۔" بڑی سی چادر اوڑھتے ہوئے اس نے ندیم کو نصیحت کی۔

"کدھر اماں؟"

"کام پر......" آہستگی سے کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں اماں...... بالکل نہیں' تو کام نہیں کرے گی۔ جب ابا کے ہوتے ہوئے تُو نے کام نہیں کیا تو اب بھی نہیں کرے گی۔ تیرا بیٹا ہے ناں' میں کروں گا کام۔"

"نہ پتر! ابھی تُو بہت چھوٹا ہے' یہ تیرے بس کی بات نہیں ہے' جب تُو بڑا ہوجائے گا نا تو جتنا چاہے کام کرنا' ابھی میں خود......"

"اماں! میں نے کہہ دیا ہے' کام پہ میں جاؤں گا' ضد نہ کر کل بھی تو گیا تھا کام پہ تو آج کیوں نہیں۔ ابھی مجھے آزمالے اگر مجھ سے کام نہ ہوا تو بھلے خود کام کرنا۔" ندیم نے کھڑے ہوتے ہوئے بڑے مضبوط انداز میں کہا۔

جمیلہ نے آنسو چھپاتے ہوئے ہچکی بھری اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ندیم نکلا تو بھرپور عزم لیے تھا مگر نہیں جانتا تھا اگر اب اس نے مزدوری کو اپنا شعار بنالیا تھا تو حالات کسی اور رخ کروٹ بدل گئے آج اس کا مقدر مزدوری تھی یا پھر......

"سلام استاد جی!" اس کی آواز سن کر کل کی طرح آج بھی اس موٹے بھدے سے شخص نے استہزائیہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ابے او چھنگو! تُو آج پھر ادھر' تیرا شوق ابھی پورا نہیں ہوا مزدوری کا؟"

"مزدوری میرا شوق نہیں استاد جی! مجبوری ہے۔" اس نے کسی قدر دل گرفتگی سے جواب دیا۔

"اچھا! باتیں تو تُو بڑی بڑی کرتا ہے پھر یہ چھوٹا سا کام تو تیرے شایان شان نہیں ہے۔ جا پتر جا کے دو دونی چار پڑھ۔"

"میرا کام یہی ہے استاد جی! پڑھائی ہم مزدوروں کے نصیب میں نہیں' ہم جیسے تو پیدا ہی محنت مزدوری اور مشقت کے لیے ہوتے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھا......

"ابے او کدھر!" اس بھدے سے شخص نے کسی قدر غصیلے انداز میں آواز دی' وہ سہم کر رک گیا۔

"وہ استاد جی کام کرنے......"

"ہونہہ کام کرنے...... کوئی کام وام نہیں ہے چل ہٹ یہاں سے۔ کل تو تجھے اس لیے رکھا تھا کیونکہ میرا ایک کاریگر چھٹی پہ تھا' مجبوری تھی تو تُو اس کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔"

"پر استاد جی......!"

"چل اوئے! مفت میں دماغ کھانے چلے آتے ہیں۔" اس نے زور سے جھانپڑ رسید کرتے ہوئے اسے دھکا دیا۔ ندیم دو فٹ دور جا گرا' وہ بے ساختہ رونے لگا بلکہ آنکھیں ہی نہیں دل بھی رو رہا تھا' کل جو آسرا ہوا تھا آج وہ بھی ختم ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

سارا دن وہ بھوکا پیاسا کام کے لیے مارا مارا پھرتا رہا مگر جھڑکیوں اور مذاق کے سوا اسے کچھ نہ ملا تھا۔ چلتے چلتے وہ تھک گیا تھا نڈھال ہوگیا تھا' پیر شل ہوگئے تھے۔ تھک ہار کر وہ ایک فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔ وہیں کچھ فاصلے پر ایک اسی کی عمر کا لڑکا بیٹھا ہوا تھا' اس کے ساتھ ایک پچیس چھبیس سال کا لڑکا بھی تھا۔ جس کا صرف ایک بازو تھا اور شاید اندھا بھی تھا جب کہ اس کا ہم عمر لڑکا معذور تھا' چل نہیں سکتا تھا۔ دونوں ہی بے چاری سی شکل بنائے ہر آنے جانے والے کے سامنے ہاتھ پھیلائے بھیک مانگ رہے تھے۔

وہ بہت دیر تک انہیں دیکھتا رہا' کچھ لوگ تو ان کے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھ دیتے اور کچھ ایسے ہی گزر جاتے۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کسی کو بھیک مانگتے پہلی بار دیکھ رہا تھا بس پہلے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کیونکہ یہ کوئی قابل غور بات ہی نہیں تھی۔

ابھی وہ انہیں دیکھتے ہوئے کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک نیچے بیٹھا ہوا لڑکا اٹھ کھڑا ہوا اور جو آنکھوں پہ کالا چشمہ لگائے اندھا اور بازو سے معذور تھا اس نے چشمہ اتار کے جیب میں رکھا اور بازو قمیص کے اندر سے باہر نکال کر سیدھا کرنے لگا اور دونوں سر جوڑ کر پیسے گننے لگے' وہ آنکھیں پھاڑے ہق دق سا انہیں دیکھنے لگا۔ اچانک بڑے لڑکے کی نظر اس پر پڑی وہ بنا کسی شرمندگی کے چالاکی سے مسکرا دیا اور چھوٹے کو اشارہ کرتے ہوئے اس کی جانب چلا آیا۔

وہ ایک پل کو گھبرا سا گیا۔

"ابے کیا ہوا تجھے کچھ نہیں ملا کیا؟" اس کے کندھے پہ دھپ لگاتے ہوئے استفسار کیا وہ شاید اسے مانگنے والا سمجھ رہا تھا' اس کا حلیہ بھی تو ایسا ہی تھا۔

"میں مانگتا نہیں ہوں' ایک مزدور کا بچہ ہوں کام ڈھونڈ رہا ہوں۔" اس نے فخریہ انداز میں گردن اکڑائی۔ انہیں دیکھ کر اسے اس وقت مزدوری قابل فخر کام لگ رہا تھا' بجائے مانگنے کے اسے جمیلہ کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تک یاد تو تھا مگر......

"ہاہاہا! لو ذرا بتاؤ یہ چوہا مزدوری کرے گا' ہاہاہاہا۔ اوئے لنگڑو دیکھ ذرا یہ ڈیڑھ فٹا کیا کہہ رہا ہے۔" وہ اس کی بات پر قہقہے لگانے لگا' اسے بہت برا لگا۔

"میں کرسکتا ہوں کام' سنا تم لوگوں نے۔ میں کام کروں گا مانگنے سے بہتر ہے مزدوری کرلوں۔" وہ کہتے کہتے بے ساختہ رو دیا۔ جو بھی تھا حالات اس نہج پہ آگئے تھے مگر تھا تو وہ بچہ ہی نا۔ صبح کا مارا مارا پھر رہا تھا اب تھک چکا تھا' ہاتھ بھی خالی تھے۔

"ہونہہ مزدوری......! یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہوتا کچھ نہیں' پہلی بات ہم لوگوں کی ہوتی ہے پڑھائی' جو ہم کر نہیں سکتے کیونکہ پڑھائی جیسی انمول شے ہمارے نصیب میں نہیں ہے پھر ہوتی ہے محنت مزدوری جو ہمیں کوئی دیتا نہیں پھر تو یہی کام رہ جاتا ہے بھیک مانگنا...... یہی کام ہم پر یہ پر جچتا بھی ہے اور جچتا بھی ہے۔ تُو بھی یہی کر خود بھی پیٹ بھر اور گھر والوں کا بھی' اب دیکھ عزت سے کرنے والا کام ہمیں کوئی دے گا نہیں' چوری چکاری' چھینا جھپٹی کریں گے تو گناہ بھی اور پولیس کی چھترول الگ' بہتر یہی ہے مانگ کر کھالیں' کوئی دے گا اور کوئی نہیں۔ بعض لوگ اگر کچھ نہ دیں تو کہتے ہیں معاف کرو یار! ان کی یہ بات سن کر مجھے بڑا مزا آتا ہے لگتا ہے جیسے وہ لوگ ہم سے اپنے کیے پر معافی مانگ رہے ہوں۔ جیسے ہمارے مانگنے میں ان کا ہی قصور ہو اور قصور تو ہے نا یار! جب ہم ان لوگوں سے باعزت طور پر کام دینے کو کہتے ہیں تو یہ لوگ دھکے مار دیتے ہیں۔ ہمیں بھیک مانگنا یہی لوگ تو سکھاتے ہیں پھر قصور تو انہی لوگوں کا ہوا نا۔ مستحق تو ہم

لوگ ہوتے ہیں مگر حق یہ بڑے لوگ کھا جاتے ہیں۔ قصور تو ہے نا ان کا' اگر ہمیں ہمارا حق مل جائے تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ہم یوں ہر آنے جانے والے کے آگے ہاتھ پھیلائیں' لوگوں کے سامنے یوں چند سکوں کے لیے گڑگڑائیں۔ پیٹ بھرنے کے لیے کچھ تو کرنا ہے' پھر یہی سہی......" وہ تو جانے کتنے دنوں کا غبار لیے بیٹھا تھا' ندیم کی ذرا سی بات پر آج سارا غبار نکال دیا اور اب بیٹھا پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا۔

ندیم کتنی ہی دیر حیرت و پریشانی سے دیکھتا رہا اور آگے بڑھنے لگا۔

"اوئے رک! یوں خالی ہاتھ جا کے ماں کو کیا جواب دے گا؟" اس کے اس بےبہانہ سے سوال پر وہ ٹھٹک کر رکا۔

صبح ماں کو کہا ہوا جملہ یاد آیا تھا' کتنے عزم لے کر وہ گھر سے نکلا تھا۔ کیا اب خالی ہاتھ جائے گا؟

"تو پھر کیا کروں؟ صبح سے کام ڈھونڈ رہا ہوں مگر دھکوں کے سوا کچھ نہیں ملا۔"

"ایک پتے کی بات بتاؤں غور سے سن کے پلّے سے باندھ لو۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ کہتے ہیں کوشش کرو تو سب مل جاتا ہے' ملتا ہوگا پر ہمیں نہیں تُو جتنی بھی کوشش کرلے کوئی تجھے کام نہیں دے گا' ایک تو تیری صحت چھٹانک بھر کی ہے' دو جا ڈیڑھ فٹا تُو خود ہے' ہر کسی کو پیسے سے مطلب ہے انسان سے نہیں' ہر بڑا آدمی اپنا فائدہ دیکھتا ہے' ہمدردی نہیں اگر کچھ کرنا ہے تو میری بات مان اور چل ہمارے ساتھ اگر گھر والوں کا پیٹ بھرنا ہے تو......" اس کی بات سن کر اسے کچھ سمجھ نہیں آیا وہ بالکل غیر ارادی طور پر ان کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دور اسٹاپ تھا' بڑے لڑکے نے فوراً کالا چشمہ چڑھا لیا اور بازو قمیص کے اندر کرلیا اور چھوٹا ٹانگیں موڑ کر رینگ رینگ کر چلنے لگا۔

"اللہ کے نام پہ دے دو بھائی! میری بوڑھی ماں بیمار ہے' دو دن سے کسی کے پیٹ میں اناج کا ایک دانہ نہیں گیا۔ اللہ کا واسطہ ہے ترس کھاؤ' ہم پر' میں اندھا معذور' میرا چھوٹا چل نہیں سکتا۔ مجبور ہیں' لاچار ہیں' ہماری مدد کرو' ہم پہ رحم کھاؤ۔"

آہستہ آہستہ چلتے وہ مسلسل یہی آوازیں لگا رہے تھے اور ہر دوسرا آدمی ان کے ہاتھ پہ کچھ نہ کچھ رکھتا جا رہا تھا۔

ندیم بہت دیر تک ان کے مکر و فریب کو ناگواری سے دیکھتا رہا مگر جب دیکھا کہ لوگ ان کو اچھے خاصے پیسے دے رہے ہیں تو وہ سوچنے پر مجبور ہوگیا' کیا حرج ہے اگر میں صرف آج بھیک مانگ لوں۔ کل سے مزدوری کرلوں گا' اگر خالی ہاتھ گیا تو اماں کام کرنے کھڑی ہوجائے گی' صرف آج مانگ لیتا ہوں پھر کبھی نہیں مانگوں گا' صرف آج کا تہیہ کرکے وہ بھی چل پڑا۔ نہیں جانتا تھا اب یہی کام ساری زندگی کے لیے اس کا مقدر بن چکا ہے۔

بہت کوشش کے بعد بھی اسے کچھ نہیں ملا تبھی وہ لڑکا اس کے پاس چلا آیا۔

"ایسے تجھے کوئی کچھ نہیں دے گا' آج کل لوگ بھی بڑے سیانے ہوگئے ہیں' پیسے کمانے کے لیے تجھے معذور بننا پڑے گا۔ آج تو اندھیرا ہوگیا ہے' تُو صبح صبح آجائیو میں تجھے سب سکھا دوں گا' آج تو یہ کچھ پیسے گھر لے جا۔ اماں کو خوش کردینا بعد میں تُو مجھے واپس کردینا جب تیرے پاس ہوئے تو اور ہاں مجھے کبھی مت بھولیو' کیا پتا مجھے بھی تیری ضرورت پڑ جائے۔" کمینگی سے آنکھ مارتے ہوئے اسے دس دس کے چند نوٹ تھمائے اور تیزی سے یہ جا وہ جا۔ وہ کتنی ہی دیر ہاتھ میں رکھے روپوں کو دیکھتا رہا' جانے کیسے اور کب آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی نکل آئی تھی وہ بےدردی سے گال رگڑتے ہوئے سوچنے لگا۔

سچ ہی ہے یہ دنیا مستحق کو خود سے مستحق نہیں سمجھتی' اسے دکھانے کے لیے مستحق بننا پڑتا ہے ورنہ مستحق کوئی اور ہوتا ہے اور حق کوئی اور لے جاتا ہے۔

یہ تو وہ جان گیا تھا کہ تہیہ تو بلاشبہ اس نے خود سے "آج" کا کیا ہے مگر اب ساری زندگی یہ "آج" ہی رہے گا۔

سبق تو سبق ہے پڑھانے والا پڑھا دیتا ہے اور شاید سمجھنے والا سمجھ بھی لے مگر یہ دنیا کوئی اور ہی سبق پڑھا دیتی ہے۔

اسے ماں کا پڑھایا ہوا سبق اچھی طرح یاد تھا مگر آج کا سیکھا ہوا سبق اس پر حاوی ہوگیا تھا اور وہ جو پڑھائی کا خواب لے کر نکلا تھا مزدور بننے چل پڑا اور اب مزدور سے...... "منگتا" بن گیا تھا۔

اے کاروانِ لالہ و گل تم کو یاد ہو
ہم میرِ کارواں تھے ابھی کل کی بات ہے
جن دوستوں کی آج کمی ہے حیات میں
وہ اپنے درمیاں تھے ابھی کل کی بات ہے

صبا مراد کوئی غیر معمولی لڑکی نہیں تھی۔ نہ ہی اس قدر حسین کہ اس کے چہرے پر پڑنے والی نگاہ مبہوت وساکت رہ جائے۔ بہت عام سے نقوش کی حامل لڑکی تھی...... بس اس کے بال بے تحاشا لمبے تھے۔ انتہائی گھنے کسی آبشار کی طرح۔ جنہیں وہ بہت ہی بے ڈھنگے انداز میں جوڑے کی شکل میں باندھے رکھتی تھی۔

اسے آج بھی صبا مراد سے اپنی پہلی ملاقات اپنی پوری جزئیات سمیت یاد تھی۔ وہ اکتوبر کی ایک اداس سی صبح تھی جب انگلش ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر دوستوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اسے ایک گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''سنیے......!'' بے ساختہ ہی آواز کی سمت اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ عام سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس وہ قدرے صاف ستھری رنگت کی مالک لڑکی تھی۔ جو اپنے دھان پان سے جسم پر بڑا سا جوڑا سجائے یوں لگ رہی تھی جیسے اسٹرا کہ اوپر لیموں رکھ دیا جائے۔ اپنی ہی سوچی ہوئی تشبیہ پر بے ساختہ شرارتی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

اس لڑکی کا مخاطب وہ ہرگز نہیں تھا بلکہ اس کے انتہائی قریب کھڑا ملک آصف تھا جو انتہائی شریر اور کھلنڈرا ہونے کے باوجود اس وقت بڑی سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی فرمایئے!'' اس کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی' سنجیدگی سے زیادہ حماقت لگ رہی تھی۔ علی رضا کو اپنی مسکراہٹ دبانی مشکل ہوگئی۔ غالباً ملک آصف کو اس لڑکی کی گھبراہٹ پر ترس آ گیا تھا۔

''وہ جرنلزم ڈیپارٹمنٹ کہاں ہے...... نن...... نہیں...... پہلے یہ بتادیں کہ فارم کہاں جمع کروائے جارہے ہیں۔ آج لاسٹ ڈیٹ ہے؟'' گھبراہٹ میں جانے کس طرح جملہ مکمل کر سکی۔

''محترمہ فارمز ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے پاس جمع کروائے جارہے ہیں اور جرنلزم ڈیپارٹمنٹ اس لائن میں تیسرے نمبر پر ہے۔'' ملک نے آسان سے انداز میں سمجھایا لیکن اس بولائی ہوئی مخلوق کو غالباً ٹھیک سے سمجھ نہیں آیا تھا۔ دوبارہ اس کے ساتھ دماغ کھپانے سے بہتر یہی سمجھا کہ اس کے ساتھ جا کر فارم جمع کروادے۔

دوستوں کی معنی خیز نظروں اور مصنوعی کھنکاروں کی طرف سے کان لپیٹتا وہ اس کے ساتھ چل پڑا۔ پھر فارم جمع کروا کر رول نمبر سلپ لینے کے بعد وہ اس کو ساتھ لیے جرنلزم ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھا تو اس نے ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''بہت بہت شکریہ! یقین کیجیے میں ازحد پریشان تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں کس سے پوچھوں۔ اکثر یونیورسٹی میں نئے آنے والوں کو فول بنایا جاتا ہے' میں کسی ایسے ڈرامے کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔ آپ کی مہربانی آپ نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل کردیا۔'' اب کے اس کا لہجہ قدرے ٹھہرا ہوا تھا کچھ دیر پہلے کی گھبراہٹ کا محض ہلکا سا شائبہ محسوس ہو رہا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں مس! انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔ بہرحال یہ آ گیا آپ کا ڈیپارٹمنٹ! میرا خیال ہے اپنا روم ڈھونڈنے میں تو آپ کو پریشانی نہیں ہوگی۔'' وہ عام سے انداز میں بولا لیکن اس کے چہرے پر قدرے شرمندگی سی آ گئی۔

''تو...... تھینک یو اگین۔'' وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

''ایکسکیوزمی مس......'' آصف نے پکارا تو اس نے رک کر پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

''میرا نام ملک آصف حیات ہے میرا خیال ہے تعارف کروانے میں تو کوئی حرج نہیں۔''

''صبا مراد......'' وہ سیڑھیاں چڑھ گئی اور وہ قدرے فاصلے پر کھڑے اپنے دوستوں کی طرف آ گیا۔

''یار علی! کیوں نہ ہم ادارہ فلاح و بہبود یا این جی او فار بھٹکی ہوئی خواتین کھول لیں۔ میرا خیال ہے ثواب کا کام ہے۔'' یاسر شرارتی نظروں سے ملک آصف کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اگلی بار ایسا ثواب تم ہی کمانا...... چار نیکیاں ہوجائیں گی نامہ اعمال میں۔ کم سے کم اللہ کے سامنے شرمندہ ہونے سے تو بچ جاؤ گے۔'' آصف اس کے شرارتی لہجے پر جل کر بولا۔

''کیا بات ہے؟ حسینہ کہیں دل پر تیر تو نہیں چلا گئی......! لگتا ہے اپنا یار گیا کام سے۔''

''علی اس بندر کو چپ کروالے یار میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جو لڑکی فارم تک جمع نہیں کرواسکتی' وہ آخر یونیورسٹی جیسے ماڈ ایریا میں کیا کرنے آئی ہے۔ ایسی لڑکیوں کا یہاں گزارہ بہت مشکل ہے۔ ایک سے ایک جگادری پڑا ہے یہاں۔'' آصف کو بوکھلائی' گھبرائی ہوئی صبا مراد یونیورسٹی کے ماحول میں فٹ بیٹھتی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے بارے میں اس کی پہلی رائے یہی تھی کہ وہ انتہائی ڈیو بزدل اور ریزروی لڑکی ہے۔

''اور یہ ہماری سردردی نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ کو بھی پتہ ہوگا کہ وہ اپنی نیک پروین کو کہاں بھیج رہے ہیں۔ شروع شروع میں ساری لڑکیاں ایسی ہی ایکٹنگ کرتی ہیں' بعد میں پھر جو کل پرزے نکالتی ہیں الاماں۔'' یاسر بولا۔

''میرا خیال ہے اس بور ٹاپک کو اب ختم کردیا جائے۔ سرتارک کا پیریڈ شروع ہونے والا ہے۔'' علی نے کہا اور تیزی سے کلاس روم میں گھس گیا۔ باقی دونوں نے بھی اس کی تقلید میں دیر نہیں کی۔

❁ ❁...... ❁ ......❁ ❁

صبا مراد سے دوسری ملاقات اسے شدید کوفت میں مبتلا کر گئی۔ وہ اس عام سی لڑکی کو سرے سے بھول چکا تھا۔ شرارتی کھلنڈرے تو وہ تینوں ہی تھے لیکن لڑکیوں سے ذرا فاصلے پر ہی رہتے تھے۔ خاص طور پر یونیورسٹی کے ماحول میں رنگی ہوئی لڑکیوں سے تو کوسوں دور بھاگتے تھے۔ آصف کو اگر یہ علم ہوتا کہ اس کی کی گئی نیکی اس کے گلے ہی پڑ جائے گی تو وہ خدمت خلق پر تین حرف بھیج کر پرے ہوجاتا...... لیکن اب پچھتانے کے سوا وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔

''آپ یہاں کھڑے ہیں اور میں پچھلے ایک گھنٹے سے مسلسل آپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔'' آواز پہچان کر اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ حسب عادت پیریڈ کے اختتام پر کلاس روم سے نکل کر برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑے تھے۔

''کیوں......؟ میں نے کیا آپ سے ادھار لے رکھا ہے؟'' وہ تیوری چڑھا کر بولا۔ محترمہ آج اکیلی نہیں تھیں ساتھ میں ایک اور نازک اندام حسینہ کا دم چھلا لگا رکھا تھا۔

''آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں...... میں تو اس لیے آپ کو تلاش کررہی تھی کہ مجھے صحافت کے حوالے سے چند بکس چاہئیں۔ لائبریری سے ایشو کروانے گئی تو جواب ملا کہ نیو اسٹوڈنٹس کو بغیر کسی ریفرنس کے بکس نہیں دی جاتیں۔'' وہ پہلی ملاقات کی نسبت آج کافی پراعتماد نظر آ رہی تھی۔

''تو اب اس کو اچی گاہ...... کو اپنے ریفرنس پر بکس دلواؤ اور پھر پوری یونیورسٹی میں ہیر ہیر کرتے پھرنا۔'' یاسر نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو اس نے کڑی نظروں سے پہلے اس کی طرف دیکھا پھر صبا کی طرف۔

''دیکھیے مس صبا! میں آپ کو جانتا تک نہیں پھر کس طرح اپنے ریفرنس پر میں یہ رسک لوں۔ آپ بکس لے کر اڑنچھو ہوجائیں' اور میں تو رہ گیا ناں چٹی بھرنے کے لیے۔''

''اب ایسا تو نہ کہیں کہ آپ مجھے جانتے ہی نہیں۔ بہرحال آپ کی مرضی۔'' وہ قدرے مایوس سی پلٹنے لگی تو علی نے آواز دے دی۔

''رکیے مس صبا! میں لائبریری سے آپ کو بکس دلاسکتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ بکس پڑھنے کے فوراً بعد لائبریری میں جانی چاہئیں۔''

''لو اب اس تھالی کے بینگن کو بھی فلاح دارین حاصل کرنے کا مروڑ اٹھا ہے۔ یار یہ اللہ نے لڑکیاں بھی کیا عجیب مخلوق بنائی ہیں۔ جیسی بھی ہوں' لڑکوں بے چاروں کی مت ہی مار دیتی ہیں۔'' یاسر کی سرگوشی کچھ فاصلے پر کھڑی صبا تک تو نہیں پہنچی لیکن علی اور آصف کے کانوں تک بخوبی پہنچ گئی۔ دونوں نے دانت کچکچا کر اس کی طرف دیکھا لیکن بولے کچھ نہیں کہ بولنے میں نقص امن کے ساتھ ساتھ پرسنالٹی ڈاؤن ہونے کا خطرہ بھی تھا' سو کسی اور وقت کے لیے ادھار رکھتے ہوئے صبا مراد کے ساتھ لائبریری کی طرف چل دیے۔

یوں صبا اور ان کے درمیان ایک غیر محسوس سا تعلق بن گیا۔ وہ بھی کبھار اپنی کسی مشکل یا مسئلے میں ان کی مدد لینے

لگی۔ شاید یونیورسٹی میں پہلے دن سے ہی آصف اس کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ بھی صبا کی اس عادت سے سمجھوتہ کرچکے تھے۔ وہ یہ جان گئے تھے کہ صبا سہاروں کی عادی ہے اور ایسے لوگ کہیں بھی چلے جائیں ان کی نگاہیں آسرے کی متلاشی رہتی ہیں اور اگر انہوں نے اسے کچھ سہارا دے دیا تھا تو اس میں کوئی خاص مضائقہ بھی نہیں تھا۔ یونیورسٹی کی طرح دار لڑکیوں کے درمیان وہ معمولی سی لڑکی شاید ان کی مدد کے بغیر زیادہ دیر تک ٹک بھی نہیں سکتی تھی۔

❁❁......❁......❁❁

"اری او شنو! او کم بخت اب اٹھ جا۔" ایک زور دار دھموکے کے ساتھ اماں کی کراری آواز اسے نیند کی دلکش وادیوں سے گھسیٹ کر حقیقت کی تلخ دنیا میں پٹخ گئی۔

"اماں! کیا ہے تمہیں؟ یہ کون سا طریقہ ہے جگانے کا۔" شنو ماتھے پر بل ڈالے منہ بسورتی چارپائی پر اٹھ بیٹھی۔

"ارے ہاں مجھے تو یاد ہی نہیں رہا شہزادی صاحبہ کو مور پنکھ جھلا کر جگانا چاہیے تھا۔" اماں کڑوے سے لہجے میں بولی۔

"اماں! کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے کہ آنگن میں اگی کریلے کی بیل پر لگے سارے کریلوں کی کڑواہٹ تمہارے حلق میں گھلی ہوئی ہے۔" شنو نلکے کی طرف جاتے جاتے بولی۔ اماں نے ایک نظر گھور کر اس کی طرف دیکھا اور خاموشی سے چولہے میں لکڑیاں جلانے لگی۔

غربت لہجوں میں کڑواہٹ اور مزاج میں برہمی پیدا کردیتی ہے۔ پھر اماں اگر اسے ڈانٹ ڈپٹ دیتی ہے تو اس میں برا کیا ہے۔ شنو نے حقیقت پسندی سے سوچا۔

چار بچے اور یہ مرغیوں کے دڑبے جیسا گھر...... دن بدن بڑھتی ہوئی مہنگائی اور ضرورتوں کی تشنگی شنو اور اس سے بڑا بھائی حارث تو پھر بھی میٹرک اور ایف اے تک پہنچ ہی گئے تھے کہ ابا ان دنوں مزدوری کے قابل تھے لیکن جب سے فالج کے اٹیک کے بعد ابا کے جسم کا نچلا حصہ بے کار ہوا تھا سمجھو گھر کے حالات ہر گزرتے دن کے ساتھ برے ہی ہوتے چلے گئے۔ حارث کسی ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر نوکری کرنے لگا تھا شنو گھر میں کپڑے سیتی تھی۔ اماں سردیوں کے موسم کے شروع میں رضائیوں میں ڈورے ڈالنے کا کام کرتی تھیں جبکہ گرمیوں میں ان کے کرنے کا کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ ابا کی پینشن کیا تھی محض دو تین ہزار روپے۔ اس میں بھلا چھ افراد پورا مہینہ کیسے گزار سکتے تھے۔

اماں اچھے گھرانے سے آئی تھیں اچھی تھیں کہ تنگدستی میں بھی گزارہ کرگئیں۔ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھیں اور سب سے برے حالات میں بھی تھیں۔ ان کے ابو خداداد خان نے ابا کی شخصیت ان کی شرافت ایمانداری دیکھی اور ان کا رشتہ طے کردیا۔ شاید انہیں اپنی بیٹی پر بھی بھروسہ تھا کہ وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرلے گی سو آنکھیں بند کرکے انہیں بیاہ دیا۔ اور آفرین تھی ان پر وہ ان کی زندگی میں اور بعد میں بھی کبھی اپنے بہن بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلانے نہیں گئیں۔ تنگی ترشی گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر برداشت کی۔ حارث اور شنو کبھی کبھار اماں سے گلہ کرتے تھے کہ کیا آپ نانا کی سگی اولاد نہیں جو انہوں نے آپ کے بارے میں نہیں سوچا باقی دونوں خالائیں اور ماموں ان کے بچے گاڑیوں میں گھومتے ہیں بنگلوں میں رہتے ہیں اور ہمارے پاس یہ کبوتروں کے کابک جتنا گھر ہے۔

ان کی اس طرح کی باتیں سن کر کبھی اماں کو غصہ آجاتا اور کبھی وہ پیار سے سمجھانے بیٹھ جاتیں کہ ہر ایک کو اس کے نصیب کا ملتا ہے ہماری تقدیر میں جو لکھا ہے ہمیں وہی ملنا ہے خود سے برتر کو نہیں کم تر کو دیکھو گے تو خدا کا شکر ادا کرو گے لیکن ابھی وہ دونوں حقیقت کی دنیا سے بہت پرے تھے۔ اس عمر میں تو ہر ایک سہولتوں کے خوشیوں مسرتوں اور شادمانیوں کے خواب دیکھتا ہے وہ اگر اس طرح کی باتیں کرتے تھے تو یہ ان کے ذہن کا قصور نہیں تھا بلکہ اردگرد کا ماحول اور ماحول میں رچی ہوئی گھٹن انہیں ایسی باتیں کرنے پر مجبور کردیتی تھی۔

"اماں! بھائی کام پہ چلے گئے؟" شنو منہ ہاتھ دھو کر صحن میں بنے چولہے کے قریب آبیٹھی۔

"ہاں ابھی ابھی ناشتا کرکے باہر نکلا ہے۔ کہہ رہا تھا اسٹور کے مالک نے کہیں اور دکان لی ہے اس میں مال ڈلوانا ہے آج دیر ہوجائے گی۔"

"اماں یہ لوگوں کے پاس اتنا پیسہ کیسے آجاتا ہے؟" شنو نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"ارے بیٹا! کچھ محنت کرکے اور کچھ دوسروں کی گردنوں پر چھری چلا کر۔" اماں نے روٹی اور چائے اس کے سامنے رکھ دی۔

"اماں! کیا کبھی ہمارے حالات بھی بدلیں گے؟"

"کیوں! ہمارے حالات کو کیا ہے؟ اللہ کا شکر ہے تین وقت کھانے کو ملتا ہے بہت مہنگے نہ سہی تن پر کپڑے بھی ہیں۔ سر پر چھت اپنی ہے اور کیا چاہیے۔"

"ہاں! یہ بھی ٹھیک کہا تین وقت کھانے کو ملتا ہے خواہ وہ روکھا سوکھا ہی کیوں نہ ہو کپڑے بھی ہیں چاہے دھل دھل کر ان کے اصل رنگ کھو چکے ہوں اور سر پر چھت کی بھی خوب کہی۔ ایسی چھت جیسے کسی منی بس میں ضرورت سے زیادہ مسافروں کو ٹھونس دیا جائے تو اس کا حال ہوتا ہے۔" شنو کے لہجے میں کڑواہٹ گھلی ہوئی تھی۔

"شنو! تم کیوں ایسی باتیں کرکے میرا دل دکھاتی ہو۔ سب کچھ تو تمہارے سامنے ہے۔ باپ تمہارا چارپائی پر پڑا ہے گھر کے اخراجات تمہارے چھوٹے بہن بھائیوں کی ضرورتیں کوئی بات تم سے ڈھکی چھپی ہو تو تم گلہ کرو۔"

"میں تم سے گلہ نہیں کررہی اماں! مجھے گلہ تمہارے بھائی اور بہنوں سے ہے جو بنگلوں میں رہتے ہوئے اپنی غریب بہن کو بھولے ہوئے ہیں۔ عید کے عید کبھی تم چلی جاؤ تو ان کے چہرے دیکھنے والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گھر آئے مہمانوں سے ہمارا تعارف تک کروانا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔" شنو کے لہجے میں دکھ ملال شکایت جانے کیا کیا گھلا ہوا تھا۔

"ہاں تو ٹھیک ہی کرتے ہیں ان کے ملنے ملانے والوں میں بڑے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ اب وہ کیسے کہہ دیں کہ ہم ان کے رشتے دار ہیں اور خود دوسروں کو باتیں بنانے کا موقع دے دیں۔" اماں نظریں چراتے ہوئے بولیں۔ لہجے کا کھوکھلا پن شنو سے چھپا نہ رہ سکا۔

"تو پھر مان گئی نا اماں کہ دولت کتنی ضروری ہے۔"

"اری اب چھوڑ بھی دے صبح صبح کیا لے کے بیٹھ گئی۔ میں تو اتنا جانوں اللہ چاہے تو سب کچھ ہوسکتا ہے۔ اس نے اگر ہماری زندگی میں کمی رکھی ہے تو یہ اس کی کوئی مصلحت ہوگی تو خوامخواہ میرا دماغ نہ جاٹا کر۔" اماں نے اسے مزید لن ترانیوں سے روکنے کے لیے لہجے کو قدرے سخت کرلیا۔

"ہونہہ کچھ نہ بن پڑے تو رب کی مصلحت کہہ کے جان چھڑالی۔" شنو تنک کر بولی۔

"اب تو چپ کرے گی یا اٹھاؤں چمٹا۔ کم بخت نور کے وقت کیسی واہی تباہی بولے جارہی ہے۔"

شنو سر جھکا کر ناشتے میں مصروف ہوگئی۔ لیکن وہ اماں سے متفق اب بھی نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ محض اس کے ماموں ہی اگر چاہتے تو ان کے حالات زندگی بدل سکتے تھے۔ اسے اماں اور ابا کا یوں خودداری کا ڈھنڈورا پیٹنا محض ایک دکھاوا لگتا تھا۔ کیا خودداری سے پیٹ بھرا جاسکتا ہے تن ڈھانکا جاسکتا ہے یا پھر خود کو سرد و گرم سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

اماں تو ابا کے بلانے پر اٹھ کر اندر چلی گئی تھیں۔ البتہ وہ کڑھنے میں مصروف تھی۔ اور یہ ہر دوسرے دن کا معمول تھا۔ نہ تو اس کی بحث میں فرق آتا تھا اور نہ اماں کے دلائل میں۔ بس آخر میں نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ اماں کا پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا اور وہ اسے چند کراری سی سنا کر خاموش کرادیتی تھیں۔

❁❁......❁......❁❁

یونیورسٹی میں آج کل بہت بور دن گزر رہے تھے۔ فرسٹ سمسٹر کے پیپرز ہوچکے تھے۔ اور سیکنڈ سمسٹر کی شروعات تھیں۔ زیادہ تر پیریڈز خالی ہی جارہے تھے۔ اس فراغت سے فائدہ اٹھا کر صبا نے چند آرٹیکل لکھ کر "سچ" کے آفس پہنچادیئے۔ سچ پندرہ روزہ اخبار تھا جو معاشرے کے ناسوروں کو بے نقاب کرنے اور ان کی چارہ گری کا دعوے دار تھا۔ صبا کو اس اخبار کی پالیسی بہت اچھی لگی سو اس نے اپنے عملی کام کا آغاز اسی اخبار سے کیا۔ پہلے ہی آرٹیکل کی کامیابی پر اخبار کے ایڈیٹر اوصاف صاحب نے اسے بے حد سراہتے ہوئے مستقلاً اخبار کے لیے لکھنے کی دعوت دے دی۔ اس کے آرٹیکلز پڑھ کر کوئی یقین نہیں کرسکتا تھا کہ یہ اسی صبا مراد کے قلم کی موشگافیاں ہیں جو یونیورسٹی میں پہلے دن اپنے فارم تک جمع نہیں کرواسکتی تھی۔

"سچ" تک اس کی رسائی بھی آصف ہی کی بدولت ہوئی تھی۔ ان گزرے دنوں میں صبا مراد علی رضا آصف حیات اور یاسر الماس کے گروپ کا ہی ایک حصہ بن گئی تھی۔ کچھ دن گزرنے کے بعد تارہ حیدر اور ام فروہ بھی ان کے گروپ میں آن شامل ہوئی تھیں اور وہ تینوں جو لڑکیوں سے ذرا فاصلے پر ہی رہتے تھے ان کی دوستی سے الرجک تھے اب اس سب کو معمول کا ہی حصہ سمجھنے لگے۔ لیکن اس گروپ میں صبا مراد کو جو حیثیت حاصل تھی وہ تارہ یا فروہ کے حصے میں نہیں آئی۔ حالانکہ وہ دونوں بلا کی حسین اور کافی حد تک بااختیار بھی تھیں مزاج میں نزاہت اور گفتگو میں سلیقہ رکھتی تھیں شاید اسی لیے علی اور آصف نے ان کی اپنے گروپ میں آمد گوارا کرلی۔

"صبا! کچھ سنا! اسٹوڈنٹس یونین کے الیکشن میں اس بار کون کھڑا ہے؟" تارہ نے کتابیں گھاس پر رکھ کر خود بھی نیچے بیٹھتے ہوئے کہا۔ صبا اور فروہ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"کون؟"

"شاذان گردیزی۔" تارہ نے گویا دھماکہ کیا۔

"ارے وہ غنڈہ...... اسٹوڈنٹ کے روپ میں ڈکیت۔" صبا نے ناک سکوڑتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں اور ان ڈکیت صاحب کے مقابلے میں اپنے یاسر الماس صاحب ہیں۔ یعنی اس وقت ہم اپوزیشن میں ہیں۔" تارہ نے ایک اور شگوفہ چھوڑا۔

"یار کمال ہے یاسر کو کیا پڑی ہے اس جھنجٹ میں دماغ کھپانے کی؟ یوں بھی وہ بندہ اس ٹمپرامنٹ کا ہے ہی نہیں۔" یہ فروہ کی رائے زنی تھی۔

"وہ کہاں دماغ کھپا رہا ہے' علی اور آصف نے زبردستی اس بے چارے کی گردن پھنسوا دی۔"

"آنے دو ان کنگ میکرز کو۔ ایسے ہی دلیر ہیں تو خود آگے آتے اس بے چارے کی گردن زیادہ ہی پتلی ہے۔" تارہ کی بات سن کر صبا نے خفگی سے کہا۔

"اور ایک نئی خبر بھی سن لو۔" تارہ نے مزید سنسنی پھیلاتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے آج انکشافات کا دن ہے۔ جلدی جلدی پھوڑ دو جو بم پھوڑنے ہیں۔" فروہ نے کہا۔

"ہمارے گروپ میں ایک اور عظیم شخصیت شامل ہو چکی ہیں۔ عنقریب وہ ہمیں شرف ملاقات بخشیں گے۔ ملک کے مایہ ناز ادیب طاہر جلیل۔ جو حال ہی میں لاہور سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ اردو ڈیپارٹمنٹ میں ایم اے فائنل کے اسٹوڈنٹ ہیں اور لکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔" تارہ نے ان کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"چلو یہ تو مان لیا کہ وہ موصوف عظیم شخصیت ہیں لیکن آتے ہی ہمارے گروپ میں کس طرح شامل ہوگئے۔" صبا نے پوچھا۔

"آپ کا سوال اور الجھن واقعی قابل ذکر ہیں لیکن یہ نیک کام ہمارے گروپ کے سرکردہ ممبرز علی رضا' آصف حیات اور یاسر الماس ہی کے ذمے تو ہے۔" تارہ نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو صبا تفہیمی انداز میں سر ہلانے لگی۔

"ویسے تارہ تمہارا کیا خیال ہے شاذان گردیزی کے مقابلے میں آ کر یاسر نے حماقت کا ثبوت نہیں دیا؟" فروہ نے پوچھا۔

"کیوں؟ ظاہری بات ہے اپوزیشن میں کسی نہ کسی کو تو ہونا تھا۔ تو پھر یاسر ہی کیوں نہیں۔ یوں بھی میرا خیال ہے یونیورسٹی والے دونوں کی ریپوٹیشن تو جانتے ہوں گے۔" تارہ نے کہا۔

"لو وہ تینوں بھی آ رہے ہیں۔ باقی ڈسکس ان کے ساتھ کرنا چاہیے۔" صبا کی نظر فائنل ایئر کے روم سے نکلتے آصف' علی رضا اور یاسر پر پڑی تو اس نے کہا۔ وہ تینوں بھی انہیں دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا ان کا رخ بھی لان کی طرف ہوگیا۔ لگ رہا تھا کہ ادھر بھی ماحول خاصا گرما گرم تھا۔ بحث چھڑی ہوئی تھی۔ علی رضا اور آصف قدرے الجھن آمیز انداز میں ماتھے پر تیوریاں چڑھائے چلے آ رہے تھے۔ جبکہ یاسر کے چہرے پر پھیلی بے زاری نے ان تینوں کو مسکرانے پر مجبور کردیا۔

"تمہارا کیا آف ہے' جو یوں بیٹھی ہو۔" علی وہیں گھاس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"جی نہیں ابھی مسز ریاض کو بھگتا کر آ رہے ہیں۔ پر تم یہ بتاؤ کہ یاسر کے منہ پر سوا ایک کیوں بج رہا ہے؟" فروہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اس اثنا میں باقی دونوں بھی براجمان ہو چکے تھے۔

"دیکھو فروہ! میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ شاذان ایک بگڑے ہوئے دماغ کا آدمی ہے' میں اس سے ٹکر نہیں لینا چاہتا' میری پڑھائی بھی متاثر ہوگی اور یقیناً ریپوٹیشن بھی۔ لیکن یہ سمجھ ہی نہیں رہے۔"

"یار! شاذان اگر بگڑے دماغ کا ہے تو وہ ہمیں نہیں جانتا' پوری یونیورسٹی ہمارے ساتھ ہوگی' اور پھر ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ شاذان کو یہ احساس ہو جائے کہ اس کا مقابلہ کرنے والا بھی کوئی ہے۔ یوں ڈر کر بیٹھ جائیں تو یہ تو جان بوجھ کر ہار مان لینے والی بات ہے۔" علی رضا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تو کیا اس کے مقابلے کے لیے صرف میں ہی رہ گیا ہوں۔ کچھ خوف خدا کرو' میں چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی' اگر شاذان کے ریوالور کی گولی کا نشانہ بن گیا تو میرے والدین کا کیا ہوگا؟" یاسر نے مسکین سی صورت بنا کر کہا۔

"اور تمہاری متوقع بیوہ اور آنے والے یتیم بچے بھی یقیناً ہمیں معاف نہیں کریں گے۔" آصف نے دانت کچکچا کر کہا۔

"یار تجھے کیا ہوگیا ہے' مرد بن یار حوصلے سے کام لے۔ تو کیا سالیوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے جو اس قدر پریشان ہے۔ میرا خیال ہے صرف بحر سسرال ایسا ہے جہاں آدمی تیراکی نہیں کرسکتا اور ماہر سے ماہر تیراک بھی جہاں خود کو غرق ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ پھر تو کیوں گھبرا رہا ہے۔" علی رضا کی بات سن کر صبا' تارہ اور فروہ ہنسنے لگیں لیکن یاسر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آئی۔

"ویسے یہ بات تو میں بھی تسلیم کروں گی کہ یاسر اس ٹمپرامنٹ کا بندہ نہیں' دوسری بات یہ ہے کہ ہماری کمپین کی نسبت شاذان کی کمپین زیادہ اسٹرونگ ہوگی وجہ یہ کہ وہ اس میدان کا پرانا کھلاڑی ہے۔ اس کے باپ دادا' اس فیلڈ میں جان کھلا چکے ہیں۔ وہ ہر رمز جانتا ہے۔ جبکہ یاسر تو بالکل نوآموز ہے۔" فروہ نے کہا۔

"لو! ایک حمایتی پیدا ہوگیا۔ یار فروہ تم بجائے اس کو سمجھانے کے الٹا اس کے ساتھ مل گئیں۔ ہم اسے اسٹوڈنٹس میں ہیرو بنانا چاہتے ہیں اور یہ زیرو بننا چاہتا ہے۔"

"یار میں باز آیا ایسے ہیرو بننے سے۔ تم خود کیوں نہیں بن جاتے ہیرو۔" یاسر نے جھنجلا کر کہا۔

"تمہاری وجہ سے بدھو! کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم کمپین تو کیا چلاؤ گے' منہ اٹھا کر بھاگ نکلو گے۔ جبکہ تمہیں سامنے لانے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ تم ہماری نمائندگی کرو' کام تو سارا ہم نے کرنا ہے۔ ویلا نکما بیٹھ کر یا دو چار تقریریں کر کے بھی راضی نہیں تم۔" علی رضا چلایا۔

"یار آہستہ بول کان کے پردے پھاڑنے ہیں کیا۔ ٹھیک ہے میری گردن پھنسوانی ہے نا پھنسوا دو۔ اللہ تم سے پوچھے گا۔" یاسر نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ہوئی نا بات۔ اب پہلے یہ پتہ کرنا ہے کہ شاذان کی کمپین کون چلا رہا ہے؟" علی رضا نے یاسر کی طرف سے مطمئن ہو کر کہا۔

"پتہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے گروپ میں اس وقت بارہ لڑکے ہیں' جو کمپین چلا رہے ہیں۔ شاذان کا بیسٹ فرینڈ حدید حیدر کی سرکردگی میں یہ لوگ یونین کے نا صرف چند ممبرز سے مل چکے ہیں بلکہ ایک عدد دھواں دھار تقریری جلسہ بھی کروا چکے ہیں۔" آصف نے گویا روح فرسا انکشاف کیا۔

"اور تمہیں اب یاد آیا کہ اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ جب وہ آدھی کمپین چلا چکا ہے۔ بہرحال اب بھی بگڑا کچھ نہیں' تم بھی اپنے حمائتیوں کو اکٹھا کرو۔" تارہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ الیکشن کے دوران گردیزی پارٹی دھونس اور دھاندلی سے بھی گریز نہیں کرے گی آخر کو سیاستدانوں کا خون ہے' اس کی رگوں میں۔" صبا مراد دور کی کوڑی لائی۔

"تمہارا خیال درست ہے دھونس' دھاندلی' پیسہ سب کچھ چلے گا۔"

"تو پھر یاسر کی کامیابی کے صرف فائیو پرسنٹ چانس رہ جاتے ہیں۔ جہاں یہ تینوں چیزیں استعمال ہو رہی ہوں وہاں سب کچھ انہی کے حق میں جاتا ہے۔" فروہ نے کہا۔

"ہمارا مقصد ہار یا جیت نہیں' ہم محض یونیورسٹی میں اپنی ایک اسٹوڈنٹ لابی بنانا چاہتے ہیں۔ وہ جیت بھی جائے' اپوزیشن کی حیثیت کو چیلنج نہیں کرسکتا' ہم سب بہرحال موجود رہیں گے۔ اور ظاہری بات ہے اس کے عزائم میں رکاوٹ بھی بنیں گے۔" آصف نے کہا۔

"ہاں ہار کی صورت میں جوتوں کے ہار تو میرے گلے میں ڈالے جائیں گے نا۔ گندے انڈے اور ٹماٹر تو مجھے پڑیں گے' تمہارا کیا جائے گا۔" یاسر نے مینڈک کی طرح منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"یار! دیکھو تمہاری جگہ جوتوں کا ہار میں پہن لوں گا تم منہ بسورنا بند کرو۔ کیا ہونقوں جیسی شکل بنا رکھی ہے۔ ویسے مت تو میری ماری گئی ہے جو تمہیں یونین کے صدر کی پوسٹ کے لیے کھڑا کردیا۔ اپنے جیسے ہینڈسم' اسمارٹ' منڈے کو رد کر کے۔" علی رضا چڑ کر بولا۔

"صبا! تم نے کبھی کسی طوطے کو دیکھا ہے وہ جب ٹیں ٹیں کر کے اپنی تعریف نہیں بلکہ تریف کر رہا ہوتا ہے تو کچھ کچھ علی رضا جیسا نہیں لگتا ہے۔" یاسر نے مضحکہ خیز انداز میں کہا تو سبھی ہنس پڑے۔ گفتگو ہلکے پھلکے انداز میں ہونے لگی۔ الیکشن کا بوجھل پن سب کے دماغوں پر سے قدرے ٹل گیا۔

"ایک شگوفہ چھوڑنا چاہتا ہوں اگر آپ سب محترمین ومکرمین کی اجازت ہو۔" آصف نے بڑے ڈرامائی انداز میں

کہا تو سبھی اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"ہماری اجازت ہے ملک صاحب شگوفہ چھوڑیے۔" علی رضا نے شاہانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر گویا این او سی دے دیا۔

"یہ شگوفہ ایک اطلاع پر مبنی ہے۔ جو صرف اور صرف خواتین کے لیے ہے۔"

"ہمیں شگوفے پر نہیں لفظ خواتین پر اعتراض ہے نامہ بر۔" تارہ نے اسی کے انداز میں کہا۔

"ہم سے غلطی ہوئی...... ہاں تو کیا کہہ رہے تھے ہم جی ہاں یہ اطلاع صرف حسین و جمیل لڑکیوں کے لیے ہے۔" آصف نے فوراً پٹڑی بدلی۔

"ہوں اب ٹھیک ہے۔ اب جلدی سے بتادو۔" فروہ نے کہا۔

"صبا مراد کے بعد ایک اور ادیب ہمارے گروپ کو سعادت بخش چکے ہیں۔ اور ہم جوان کے آرٹیکل اور افسانوں کو مشکل سے ہضم کرتے تھے مزید مشکل سے نئے آنے والے صاحب کی انشاپردازی ہضم کرسکیں گے۔ یا شاید بدہضمی کے دائمی مریض ہوجائیں۔" آصف نے طاہر جلیل کا تعارف اپنے انداز میں بیان کیا تو صبا نے کتاب اٹھا کر اسے دے ماری۔

"یہ تم طاہر جلیل کا تعارف کروا رہے ہو یا پس پردہ میری مٹی پلید کررہے ہو؟"

"ارے ارے میری یہ مجال میں تو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تمہارا ہم ذوق آرہا ہے۔ تم تو اس کے ساتھ "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو" کا گیت الاپو گی اور ہم دیکھ دیکھ کر خوامخواہ جلیں گے کیوں علی؟" آصف نے برے برے منہ بناتے ہوئے گویا اپنے اعتراض کی وجہ سب کے گوش گزار کردی۔ تو صبا قدرے جھینپ سی گئی۔

"آصف وہ سامنے سیڑھیوں پر کیا دھرا ہے؟" صبا نے یکدم کہا تو سب نے چونک کر سامنے دیکھا' کوئی غیر معمولی چیز نہ دکھائی دی۔

"گملے رکھے ہیں کیوں تمہیں نظر نہیں آرہے۔" آصف نے تمسخرانہ انداز میں پوچھا۔

"نظر آرہے ہیں اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اگر تمہاری سینیر یٹی کا خیال نہ ہوتا تو ان میں سے ایک تمہارے سر کی زینت بن چکا ہوتا اسٹوپڈ۔" صبا نے دانت کچکچا کر ایک ایک لفظ کچل کچل کر ادا کیا۔

"دیکھا' ابھی وہ مسٹر ادیب ہمارے گروپ میں شامل نہیں ہوئے اور ایسی طوطا چشمی' کل کو جانے تم ہم مسکینوں سے کیا سلوک کرو۔ علی رضا نئے نمبر کو بلیک لسٹ کردیا جائے۔" آصف اپنا جملہ مکمل کرتے ہی اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا کیونکہ صبا کے خطرناک تیور دیکھ کر اسے حالات اپنے خلاف ہوتے دکھائی دیئے۔ صبا مٹھیاں بھینچ کر غصے سے گھورنے لگی' جبکہ باقی سب بھینچی بھینچی مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

❀❀……❀……❀❀
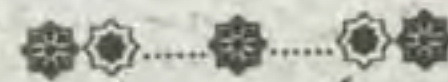
"واٹ ربش...... ! بکواس...... سراسر بکواس۔" اس نے جھنجلا کر ہاتھ میں پکڑا رسالہ وہیں تخت پر دے مارا۔ اماں صحن میں لگی تار پر سے کپڑے اتار رہی تھیں۔ انہوں نے تعجب سے اس کا یہ بھنایا ہوا انداز دیکھا۔

"ہونہہ...... رشتے......؟" اس نے ہنکارا بھرا تو اماں کو لگا ان کے حلق میں کسی نے کونین کی گولیاں گھول دی ہوں۔

ان کے بچوں میں دن بدن وحشت' خفگی' غصہ اور شکوہ کرنے کی عادت بڑھتی جارہی تھی لیکن اماں کا کمزور وجود ان کے اس رویے کی راہ میں حائل نہیں ہو پارہا تھا۔ پھر حارث تو تھا بھی بہت لاڈلا اب یہ قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ بہت کم عمری میں اس پر گھر کا سارا بوجھ آن پڑا تھا' اس کا خواب تھا کہ وہ وکیل بنے' لیکن وہ کسی نے کہا ہے نا کہ غریب کا بچہ ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھے تو ڈاکو بن جاتا ہے' ہیڈ ماسٹر بننے کا سوچے تو ٹیلر ماسٹر بن جاتا ہے' اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ وہ سوچا کرتا تھا کہ بڑا ہو کر وکیل بنے گا لیکن حالات نے اسے ایک سیلز مین بنادیا تھا۔ رسمی تعلیم تو چھوٹ چکی تھی' لیکن غیر رسمی تعلیم سے وہ ناتا نہیں توڑ سکا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اعلا تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بھی وہ اپنے نالج کی وجہ سے ان سے کمتر نہیں بلکہ بعض اوقات حاوی نظر آتا تھا۔ اسے اپنی غربت پر کوئی احساس کمتری نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ وہ سب کچھ حاصل کرسکے جس کا زندگی تقاضا کرتی ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ انتہائی ایگریسو بھی تھا۔ سب سے بڑا اور لاڈلا ہونے کی وجہ سے اس کی شخصیت میں حاکمیت' ضد اور غصے کے عناصر سب سے زیادہ تھے لیکن وہ ان عادات کا مظاہرہ بہت سوچ سمجھ کر کیا

کرتا تھا۔

"اماں یہ لوگ اس قدر خود فریبی میں کیوں مبتلا رہتے ہیں۔ زہر کو شوگر کوٹ کرکے پیش کرنے سے کیا اس کی اصلیت پر کوئی فرق پڑے گا' اس کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح وحشت بھری تھی۔ اماں بے چاری بس خاموش سی اس کی طرف دیکھے گئیں۔

"یہ رشتے' ناتے' تعلق داریاں' کیا ہیں یہ سب...... محض غرض اور کچھ بھی نہیں اور لوگ ان رشتوں میں خلوص' جذبات' احساس اور صداقت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ ہونہہ...... خود کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی خود فریبی کا شکار کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ زہر خند تھا۔

"بولو نا اماں! ایسے رشتے کہاں ملتے ہیں جن میں احساس اور خلوص حلول کیے ہوئے ہوں۔" اس کی بھوری آنکھوں میں ہلکی ہلکی سرخی تیرنے لگی۔

"بہت دنیا ہے بیٹا' جہاں غرض ہے وہاں بے غرضی بھی ہے جہاں نفرت ہے وہاں پیار بھی ہے۔ سارے خون کے رشتے بے حس نہیں ہوتے' کہیں نہ کہیں' کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ہوگا جس میں احساس کی رمق موجود ہوگی۔" اماں کا لہجہ آزردہ سا ہوگیا۔

"لیکن تمہیں اچانک یہ خون کے رشتے کہاں سے یاد آگئے؟"

"یاد آئے نہیں اماں! یاد دلائے گئے ہیں۔ اس رسالے میں رشتوں کی نزاکت وحسن پر بڑی طویل کہانی ہے۔ محترمہ نے ایک سیر حاصل لیکچر لکھ دیا۔ بنا مشاہدہ و تجزیہ کیے' جن رشتوں کی خوبصورتی اسے اٹریکٹ کررہی ہے اس نے یہ کوشش ہی نہیں کی کہ اپنے اردگرد نگاہ دوڑا کر دیکھتی کہ ممکن ہے ایسے رشتے کچھ اور لوگوں کے لیے اذیت کا باعث ہوں' کہانی لکھ لینا بہت آسان ہے لیکن حقیقت دیکھنا اور اسے قرطاس پر بکھیرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔"

"لیکن بیٹا! اس میں اس کی غلطی بھی نہیں' ممکن ہے اس کے اردگرد موجود رشتے مواقعی اس قدر خوبصورت ہوں۔ اس نے اپنے محسوسات اور تجزیہ بیان کردیا ہو۔"

"غلط کیا نا اماں! اس میں پڑھنے والے کے محسوسات کا خیال رکھنا بھی تو ضروری ہے' اب اسے تو خبر بھی نہیں کہ اس کی کہانی پڑھ کر کوئی قاری اس قدر اپ سیٹ ہوگیا۔ اماں! آپ نہیں جانتیں' آپ جان ہی نہیں سکتیں کہ مجھے ان خون کے رشتوں سے کس قدر نفرت ہے۔" حارث کے لہجے میں نفرت اور کرب کا ملا جلا عکس تھا۔

"نہیں بیٹا! اس طرح نہیں کہتے' جو بھی ہے وہ میرے سنگ پلے بڑھے ہیں ایک ماں باپ کی گود میں کھیلے ہیں' ہم' حالات نے ہمارے درمیان فاصلے ضرور کھڑے کردیئے ہیں لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ کبھی نہ کبھی انہیں میرا اور میرے بچوں کا خیال ضرور آتا ہوگا۔" اماں کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے اور لہجہ بھر آگیا۔

"ہاں اماں! اسی لیے تو انہوں نے اپنے تین چار بچوں کی شادیوں میں آپ کو سب سے پہلے انوائٹ کیا۔ آئے روز وہ آتے ہیں ہماری خبر گیری کے لیے' ہے نا میری بھولی ماں۔" حارث کا لہجہ طنزیہ اور کاٹ دار تھا۔ لیکن اماں کے کلیجے میں جیسے بھالے کی طرح گھس گیا۔ آنسو پلکوں کی منڈیریں توڑ کر باہر نکل آئے۔

"تم کیسے بچے ہو میرے......؟ بار بار اذیت دیتے ہو' کیا تم نہیں جانتے کہ اپنے بہن بھائی کی بے رخی میرے لیے کتنی اذیت ناک ہے' مجھے ایک ناکارہ پرزے کی طرح پھینک کر بھول گئے ہیں وہ...... کیا یہ تکلیف مجھے نہیں ہوتی ہوگی۔ میں نے کبھی گلہ کیا' کبھی میرے منہ سے شکایت سنی...... جیسے بھی ہیں میں انہی حالات میں خوش ہوں' مجھے نہیں ہے ضرورت کسی ترس اور خبر گیری کی۔" اماں روتی ہوئی اس کے پاس سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئیں۔

حارث پشیمان سا بیٹھا رہ گیا۔ اس کا مقصد اماں کا دل دکھانا نہیں تھا' لیکن وہی بات کہ کبھی کبھی ہم انجانے میں کسی کے زخم ادھیڑ دیتے ہیں۔ حارث کچھ دیر وہیں تخت پر بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اٹھ کر وہ بھی کمرے میں آگیا۔ اماں ایک طرف بچھی چارپائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ وجود کی لرزش بتا رہی تھی کہ وہ ابھی تک رو رہی ہیں۔

"اماں......" حارث نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ان کا رخ اپنی طرف کیا۔

"اماں...... معاف کردیں...... سوری اماں......" ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ لجاجت سے بولا تو اماں خود پر قابو پا کر اٹھ بیٹھیں اور اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولیں۔

"ارے پاگل! معافی تلافی کی ضرورت نہیں' میں نے تم

سب کو متاعِ حیات سمجھ کر زندگی گزار دی، وہ جیسے بھی ہیں، ہمیں اس سے کیا غرض؟ وہ بنگلوں میں رہیں یا جھونپڑیوں میں، ہمیں اپنی اصل نہیں بھولنی چاہیے، وہ ہمیں یاد نہیں کرتے تو ہمیں کیا پڑی ہے کہ ان کو یاد کرکے اپنا دل جلائیں۔"

"ہاں اماں، آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں مطمئن بیٹھے ہیں اور ہمارے گھر آئے روز ان کی وجہ سے پریشانی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ ٹھیک ہے، میں آئندہ ان کا ذکر نہیں کروں گا۔" حارث نے اماں کو جیسے بہلا لیا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

"یار لگتا ہے آج سورج میاں اپنا آمد و رفت کا راستہ بھول پڑے ذرا دیکھنا کہیں مغرب سے تو نہیں طلوع فرمایا انہوں نے۔" آصف نے مسکراتے لہجے میں علی کو ٹہوکا دیا۔ تو وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میری طرف کیا دیکھ رہا ہے باگڑ بلے ادھر دیکھ یہ صبا مراد ہی ہیں نا جو اس دن فارم جمع کرانے آئی تھی۔" آصف نے قریب آتی صبا اور تارہ کی طرف علی کی توجہ مبذول کرائی۔ وہ دونوں بھی سن چکی تھیں۔

"یہ تم آخر کب تک مجھے طعنہ دیتے رہو گے، میں نے تو اسلامی بھائی چارہ اور مساوات کے اصول کے تحت تم سے مدد مانگی تھی، پتہ ہوتا کہ تم نے بعد میں یوں ذلیل کرنا ہے تو فارم جمع کروانے کی بجائے ایڈمیشن پر چار حرفی لفظ بھیج کر گھر بیٹھ جاتی۔" صبا ناراض لہجے میں کہتی دھپ سے فروہ کے قریب گھاس پر بیٹھ گئی۔

"اوہو، ایک تو آج کل تم غصے میں بڑی جلدی آجاتی ہو۔ دھیرج دھیرج، میں تو تعریفی انداز میں کہہ رہا تھا کہ آج تم بڑی ڈیسنٹ لگ رہی ہو اور کونفیڈنٹ بھی۔" آصف نے جھٹ پینترا بدلا، اس کے تعریف کرنے کی وجہ بھی معقول تھی۔

سال ہو چلا تھا صبا مراد کو یونیورسٹی آتے ہوئے لیکن جس حلیے میں انہوں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا، وہ اب تک اسی پر قائم رہی تھی۔ عام سے کاٹن کے سوٹ میں خوبصورت بالوں کو بے ڈھنگے انداز میں سمیٹے میک اپ سے بے نیاز عام سے نقوش سے مزین چہرہ لیے جب وہ صبح اپنی گاڑی میں یونیورسٹی آتی تھی اور باوردی ڈرائیور آگے بڑھ کر دروازہ کھولتا تھا تو اس کے یونیورسٹی فیلو حیران رہ جاتے تھے۔ اس کی شخصیت اور اس کی گاڑی اگر دونوں کا موازنہ کیا جائے تو وہ کسی صورت میچ نہیں کرتی تھیں لیکن اس کا کیا کیا جاتا کہ صبا مراد ایک انڈسٹریلسٹ کی بیٹی ہونے کے باوجود ملنگ منش تھی۔ اس سے جیلس ہونے والے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ خود کو نمایاں کرنے کے لیے اپنی شخصیت کو اس طرح عام انداز میں پیش کرتی ہے۔

بات ہو رہی تھی آصف کے تعریف کرنے کی معقول وجہ کی تو آج صبا نے اپنا اسٹائل بدلا ہوا تھا۔ سوٹ تو آج بھی کاٹن کا تھا لیکن جدید تراش خراش کا بڑا سا ابرق لگا دوپٹہ اوڑھے، لمبے بالوں کو پشت پر بکھیرے ہلکی سی پنک لپ اسٹک کے ساتھ وہ معمول سے بالکل ہٹ کر اور بہت پیاری نظر آرہی تھی۔ علی نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہائے صبا! کس قدر خوبصورت بال ہیں تمہارے۔" فروہ ستائش سے اس کے بالوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یار کمال ہے اتنے پیارے بال اور کتنے بھدے انداز میں باندھ رکھے ہوتے تھے، اگر میرے بال ہوتے تو میں روزانہ کھولا کرتی۔" تارہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بس پھر تو کراچی شہر کا غرق ہونا لازمی ہوتا۔ ظاہری بات ہے تم بال کھولتیں، گھٹا میں اُمڈ اُمڈ کر آتیں بارشیں ہوتیں اور پھر......"

"بس بس شیخ چلی!" علی نے آصف کا منہ بند کروا دیا جو مسخروں والے انداز میں بولے جا رہا تھا۔

"اس بڑبولے سے لڑکیوں کی جتنی تعریفیں کروا لو، بس کوئی تعمیری کام نہ کہنا۔" یاسر آصف کو گھورتے ہوئے بولا۔

"تو یہ بھی تعمیری کام ہی ہے، تم نے الیکشن کی کمپین چلوائی ہے یا نہیں۔" آصف نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"ہیلو ایوری باڈی!" ان کے بالکل نزدیک گھمبیر سی آواز ابھری تو سب نے پلٹ کر دیکھا، وہ جو بھی تھا پرسنالٹی کے اعتبار سے ڈیشنگ کہلائے جانے کا حقدار تھا۔ اونچا لمبا قدرے اسمارٹ، متناسب نقوش میں سب سے زیادہ نمایاں بڑی بڑی سیاہ گھور ذہین آنکھیں جن میں اس وقت مسکراہٹ اور پسندیدگی کی جھلک رہی تھی۔

"ہیلو!" سب نے یک زبان کہا۔

"تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آگیا۔" یاسر چہکا۔ صبا نے بے ساختہ آصف کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی طرف سے توجہ ہٹا کر صبا نے آنے والے پر نظریں مرکوز کیں۔

"بوائز اینڈ گرلز، یہ ہیں ہمارے گروپ کے نئے ممبر! پاک دھرتی کے جیالے طاہر جلیل۔" آصف نے کہا تو اس نے مسکرا کر پہلے اس کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے سگریٹ نکال کر لگانے لگا۔ صبا نے کوفت سے اس کی طرف دیکھا۔ اسموکنگ سے تو اس کی جان جاتی تھی۔

"اب میرا خیال ہے ان کا تعارف بھی ہو جانا چاہیے۔" طاہر نے تارہ وغیرہ کی طرف دیکھا۔

"بالکل جناب! ان کا تعارف کرائے بغیر بات کہاں بنتی ہے۔ تو حضور لیجیے یہ جو بلیک سوٹ میں آپ کے بائیں جانب براجمان ہیں ان کا نام ہے ام فروہ، جرنلزم میں ماسٹرز کر رہی ہیں، پارٹ ون کی اسٹوڈنٹ ہیں۔ ان کے قریب تارہ شیرازی رونق افروز ہیں، یہ بھی وہی کچھ کرتی ہیں جو کچھ ام فروہ کرتی ہیں، البتہ ان کے ساتھ جو شخصیت بیٹھی ہیں، وہ بہت کچھ کرتی ہیں، میرا مطلب ہے تعمیری۔" صبا کے گھور کر دیکھنے پر آصف کی چلتی زبان کو بریک لگا۔ طاہر بڑے انہماک سے اس کی باتیں بھی سن رہا تھا اور ساتھ کے ساتھ آنکھوں کو بھی استعمال کر رہا تھا۔ اس نے صبا کو گھورتے اور آصف کو جھجکتے دیکھ لیا تھا۔

"یعنی کس قسم کا تعمیری کام کرتی ہیں یہ۔" اس نے سگریٹ کا کش لے کر دھواں فضا میں چھوڑتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت وہ صبا کو ایک ادیب سے زیادہ کسی مال گاڑی کا انجن دکھائی دیا۔

"آپ کے قبیلے سے تعلق ہے ان کا۔ نام ہے صبا مراد، جرنلزم میں ماسٹرز کے علاوہ فری لانس صحافت بھی کر رہی ہیں۔ آرٹیکل لکھتی ہیں اور ڈائجسٹوں میں کہانیاں بھی۔"

"بہت خوب!" طاہر مسکراتے ہوئے تعریفی انداز میں دیکھ رہا تھا جبکہ صبا کو آصف پر غصہ آئے جا رہا تھا کہ پہلی ملاقات میں اتنی زیادہ بے تکلفی ٹھیک نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں کیوں طاہر جلیل اپنی شخصیت کے تمام تر گریس کے باوجود اسے کچھ زیادہ متاثر نہیں کر سکا تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھ کر اسے یوں لگا تھا جیسے یہ بندہ بہت گہرا ہے۔ سمندر کی اتھاہ گہرائیوں کی طرح پرسکوت مگر پرہول بھی۔

"ارے لکھنے لکھانے سے یاد آیا صبا پچھلے مہینے "زنجیریں" کے عنوان سے جو تمہاری کہانی چھپی تھی، اس بار اس پر بڑا دھواں دھار تبصرہ آیا ہے۔ پڑھا؟" فروہ نے اسے اطلاع دینے کے ساتھ ہی پوچھ بھی لیا۔

"تین دن سے کمپلیمنٹری کاپی آئی پڑی ہے، بس مصروفیت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکی۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟" صبا نے قدرے حیرت سے دیکھا۔

"دل تھام کر سننا...... اوئے بھائی...... کوئی سخت اعصاب اور مضبوط دل والا ہی یہ تبصرہ پڑھے، اور ہاں حاضرینِ مجلس میں سے جو کمزور دل حضرات ہیں وہ اٹھ جائیں، ہمیں قطعاً کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہارٹ اٹیک کی صورت میں گروپ کا کوئی بھی رکن ذمہ دار نہیں ہوگا۔" یاسر نے اچھا خاصا ڈراؤنا خاکہ کھینچ دیا۔

خاصی کھینچا تانی کے بعد تبصرہ پڑھ کر سنانے کی ذمہ داری فروہ پر ڈال دی گئی۔ اس نے صبا کے ہاتھ سے ڈائجسٹ لیا اور بڑے ڈرامائی انداز میں ابتدا کی۔

"آپ سب کی اجازت سے شروع کرتی ہوں۔"

"اللہ کے پاک نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔"

"موصوف لکھتے ہیں۔ بعد از سلام عرض ہے کہ آپ کے پچھلے شمارے میں ایک کہانی زنجیریں کے عنوان سے شائع ہوئی، جسے مس ایس مراد نے تحریر کیا۔ میرے قلم اٹھانے کی وجہ صرف وہی تحریر ہے کیونکہ میں ایک خاموش قاری ہوں۔ لیکن ایس مراد کی تحریر نے مجھے مجبور کیا کہ اپنی خاموشی کا قفل توڑ دوں۔ ایک رائٹر کے لیے مطالعہ، نالج اور ذہانت کے ساتھ ساتھ مشاہدہ بھی انتہائی ضروری ہے۔ جس سے لگتا ہے ایس مراد واقف ہی نہیں ہیں۔ خیالوں اور خوابوں کی دنیا بہت حسین ہوتی ہے لیکن انسان اس میں جا کر رہ نہیں سکتا، رہنا اسی تلخ حقیقت کے ساتھ ہے۔ جس کا سامنا معاشرے کے ہر انسان کو ہے۔ جن رشتوں پر خلوص و محبت کا ملمع چڑھا کر انہوں نے پیش کیا ہے، میرا خیال ہے اب وہ سب ایک دیوانے کا خواب ہو سکتے ہیں۔ اس دنیا میں ان کا وجود کہیں نہیں۔ سب غرض کے رشتے ہیں، آج کل خلوص کو کون پوچھتا ہے، جو دولتمند ہے وہی رشتہ دار ہے، رشتہ انسان سے نہیں بنگلوں سے ہوتا ہے، کاروں سے اور نوٹوں سے ہوتا ہے، ہمارے ہاں یہ تین چیزیں جس کے پاس نہیں اسے تو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔

پھر مس ایس مراد نے ایک غریب اور امیر کے درمیان محبت کے رشتے کو کس طرح غیر روایتی انداز میں بیان کیا' ایک غریب لڑکی سے محبت کے جرم میں کاشف کو فارن بھیجنے کی بجائے اس کے والدین دلی خوشی سے اس کو بیاہ لائے یعنی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند بخوشی لگالیا۔ محترمہ! یہ سب کچھ تھرڈ کلاس فلموں میں تو بچ سکتا ہے لیکن براہ کرم ڈائجسٹوں کو تو کم از کم حقیقت سے قریب رہنے دیں۔ ان میں وہی کچھ ہونا چاہیے جو در حقیقت سوسائٹی میں ہورہا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے آپ کو کسی رشتے کی بے لوث محبت ملی بھی ہے تو اس کو تشہیر کرکے دوسروں کو خود فریبی میں مبتلا نہ کریں' پلیز! کیونکہ یہاں اکثریت ان لوگوں کی ہے جوانہی رشتوں کے ڈسے ہوئے ہیں۔ اجازت چاہوں گا۔ (ایچ یزدانی کراچی)" فروہ پڑھ کر خاموش ہوگئی' باقی سب نے بھی نہایت توجہ سے سنا تھا۔

"ہوں! بڑی عمیق نظر سے پڑھا گیا ہے اور بڑی چابکدستی سے ادھیڑا گیا ہے۔" یاسر اپنے ازلی انداز میں بولا۔

"میں اس بات پر حیران ہوں کہ آج تک یہ نام میں نے کسی میگزین' کسی رسالے میں نہیں دیکھا' لیکن لفاظی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بندہ بذات خود رائٹر ہے۔ ایک رائٹر ہی کسی تحریر پر اس طرح کا تبصرہ کرسکتا ہے۔" صبا پرسوچ انداز میں بولی۔ وہ ابھی تک اسی شش وپنج میں تھی کہ اس کے کسی ہم ذوق نے نام بدل کر اس کی تحریر کو چبایا ہے۔

"ضروری نہیں ہے' قارئین میں بھی بڑے بڑے ذہین لوگ پڑے ہیں۔ میرا اندازہ اور اس کے الفاظ یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ بندہ لازمی رشتوں کے ہاتھوں زخمی ہوا ہے۔ اس پر کڑی اذیت اور کرب کی منازل گزری ہیں۔ یہ تلخی اور لفظوں کی صداقت ظاہر کررہی ہے کہ اس نے جو کچھ لکھا تجربے کے بعد لکھا' آپ کی تحریر نے اس کے کچھ زخموں کو چھیل دیا اور ایک خاموش قاری ہونے کے باوجود وہ اپنی تکلیف سے بے قابو ہو کر آپ کی تحریر کو تنقید کا نشانہ بنا گیا۔" طاہر جلیل نے اپنا تجزیہ بیان کیا۔

"کچھ بھی ہو صبا کی تحریر اپنی جگہ لیکن یہ موصوف بھی اپنی جگہ درست ہیں۔ محبت آج اس گلوبل ویلج کے دور میں بھی ایک برننگ ایشو ہے' ہمارا ماحول انتہائی ماڈ ہوچکا ہے اور تعلیم نے ذہنوں کو بھی کافی وسعت دی ہے لیکن اب بھی ہم اپنے بچوں کو یہ اختیار نہیں دے سکتے کہ وہ محبت کریں یا شادی میں اپنی پسند کا اظہار کریں۔ اس موقع پر آ کر معاشرے کے نوے فی صد والدین بالکل روایتی طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔" تارہ نے کہا۔

"لیکن ایک بات ہے اس شخص نے بالکل جانبدار ہو کر تبصرہ کیا ہے۔ ہر ایک انسان کو اپنی سوچ اور رائے کے اظہار کی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔ صبا نے جو لکھا وہ اس کا تجربہ تھا' اس کو اگر اپنا تجربہ بیان کرنا تھا تو وہ بجائے اس کے کہ یوں اسے مخاطب کرکے تلخ لہجے میں بتاتا بلکہ اسے سراہتا اور ساتھ اپنا پوائنٹ آف ویو بھی کلیئر کرتا۔ ایسی لٹھ مار قسم کی تنقید سے تو وہ اپنی رائے اور تجربہ ہم پر امپوز کررہا ہے' یعنی میرے خیال میں تو اس کا خط بالکل غیر جمہوری انداز فکر کو ظاہر کرتا ہے۔" فروہ نے کہا تو سبھی تائیدانہ انداز میں سر ہلانے لگے۔

"آپ سب بھول رہے ہیں کہ وہ شخص ایک قاری ہے۔ اس کی بالمشافہ گفتگو تو ہو نہیں رہی۔ اس نے افسانہ پڑھا اور جو مناسب لگا لکھ دیا۔ اب پوزیشن کلیئر کرنے کی باری مس صبا کی ہے۔ ان کو چاہیے کہ خط لکھ کر واضح کریں کہ ہر انسان کا طرز فکر الگ الگ ہوتا ہے۔ اس کی تنقید بھی اپنی جگہ درست سہی لیکن پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ کائنات میں توازن اور اعتدال کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ خدا نے زندگی کے ہر دو رخ برابر رکھے ہیں۔ دن اور رات' نیکی اور بدی' اچھائی اور برائی' یہ سب چلتا ہے' اگر اس کو اس کے قریبی رشتے داروں نے اذیت پہنچائی ہے تو ایسے لوگ بھی اسی دنیا میں موجود ہیں جو رشتوں کو نبھاتے نبھاتے زندگیاں ہار جاتے ہیں مگر رشتوں' ناطوں کے مابین بھرم ٹوٹنے نہیں دیتے۔" طاہر جلیل نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"سولہ آنے ٹھیک کہا آپ نے طاہر صاحب۔" آصف شوخ لہجے میں بولا۔ نظریں شرارت سے بھرپور انداز میں صبا پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جو جز بز ہورہی تھی۔ اپنی کہانی کے پوسٹ مارٹم پر۔

"بہر حال یہ تو طے ہے کہ آپ اس طرح کی کسی بھی فیلڈ میں چلے جائیں' جس کا تعلق پبلک سے ہے تو آپ کو تعریف اور تنقید دونوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سو اس پر جھنجلانے یا ٹینس ہونے کی بجائے اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ کیونکہ بعض اوقات تنقید ایک اچھی رہنما ثابت ہوتی ہے۔" طاہر کی مدلل گفتگو نے اسے گروپ کی نظروں میں معتبر کردیا' وہ تقریباً سبھی کی نگاہوں میں پسندیدگی کا تاثر ابھارنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

"یاسر! اپنی روح کو قفس عنصری سے پرواز کرنے سے روک سکتے ہو تو روک لو وہ دیکھو ملک الموت آرہا ہے اور اس کا رخ بھی تمہاری طرف ہی ہے۔" علی رضا خوفزدہ ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا تو سب نے اس کی نظروں کی تقلید میں دیکھا شاذان گردیزی اپنے دست راست حدید حیدر کے ساتھ انہی کی طرف چلا آرہا تھا۔ بلاشبہ وہ مسحور کن شخصیت کا مالک تھا لیکن اپنی عادات و ریپوٹیشن کی وجہ سے پوری یونیورسٹی میں بدنام تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ اسے اس بدنامی کی بالکل پروا نہیں تھی اور کیوں ہوتی وہ ایم۔ این۔ اے کا بیٹا تھا۔ اور جاگیر داری بیک گراؤنڈ رکھتا تھا۔ اسے یوں اپنی طرف آتا دیکھ کر ان سب کی نظریں سوالیہ نشان بن گئی تھیں۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کے قریب چلا آیا۔

"ہیلو......!" بھاری آواز میں اس نے ہیلو کہہ کر گویا احسان کیا۔ وہ سب اس کی آمد پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آصف اس طرح کھڑا تھا جیسے جھگڑا شروع ہوتے ہی سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑا ہوگا۔ یاسر کی بھی جان پر بنی تھی۔ البتہ علی رضا اور طاہر جلیل عام سے نارمل انداز میں کھڑے تھے۔

شاذان نے مصافحہ کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا جسے فرداً فرداً سب نے ہی بے دلی سے تھام کر چھوڑ دیا۔

"میں نے سنا ہے کہ اس بار الیکشن میں میرے مقابلے میں یاسر الیاس کھڑا ہوا ہے؟" اس کی تمسخرانہ نظریں یاسر پر ٹکی ہوئی تھیں۔ جو یوں سر جھکائے کھڑا تھا جیسے بارات میں آیا ہوا دلہا۔

"آپ نے ٹھیک سنا ہے۔" علی رضا کا لہجہ پر اعتماد تھا۔

"وجہ پوچھ سکتا ہوں۔" اس نے قہر بار انداز میں علی کی طرف دیکھا۔

"اس میں وجہ کی کیا بات ہے' ظاہری بات ہے الیکشن میں دو پارٹیاں ہوتی ہیں تو مقابلہ ہوتا ہے۔ اس بار آپ کے بالمقابل ہماری پارٹی ہے۔"

"گویا آپ یہ تسلیم کررہے ہیں کہ آپ اپوزیشن میں ہیں؟" اس نے تائید طلب نظروں سے دیکھا لیکن اس بار کوئی نہ بولا۔ وہ چاہتے تھے کہ شاذان اپنا موقف بیان کرلے تو پھر وہ بولیں۔

"دیکھو علی رضا! میری بات ذرا غور سے سننا۔ تم بھی جانتے ہو بلکہ ساری یونیورسٹی والے جانتے ہیں کہ میری ریپوٹیشن کچھ اچھی نہیں ہے۔ اور مجھے اس کی کچھ خاص پروا بھی نہیں ہے لیکن تمہاری ریپوٹیشن اچھی ہے اور کسی کو تم سے کوئی شکایت نہیں' مجھے بھی نہیں ہے لیکن اب جو کام تم لوگ کررہے ہو یہ ٹھیک نہیں' یاسر کو میرے حق میں دستبردار ہوجانا چاہیے۔"

"یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں آپ کے حق میں ایسے بیٹھ جاؤں جیسے غریب کی اولاد کے گھٹنے گوڈوں میں پانی......" یاسر نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اپنے مخصوص انداز میں کہا تو شاذان نے تیوری چڑھا کر اس کی طرف دیکھا اس کے جاذب نظر نقوش غضب کی حالت میں کھنچ کر انتہائی کرخت دکھائی دینے لگے تھے۔

"میں یہاں تمہارے لطیفے سننے نہیں آیا۔ صرف اتنا کہنے آیا ہوں کہ تمہارا پیچھے ہٹ جانا بہتر ہے میں نہیں چاہتا کہ تمہارے لیے کوئی سر دردی پیدا ہو اور میرے لیے بھی۔" اس کا لہجہ قدرے سخت ہوگیا۔

"مثلاً کیسی سر دردی؟" علی رضا نے بھی اپنا انداز ٹیڑھا کرلیا۔

"مثلاً کی وضاحت تو تب ہوگی جب وقت آئے گا۔ فی الحال تو اتنا سمجھ لو کہ میں معاملے کو سلجھانے کے لیے آیا ہوں۔ یاسر پیچھے ہٹ جائے تو اس کی جگہ میں اپنے کسی بندے کو کھڑا کردوں گا جو عین وقت پر میرے حق میں دستبرداری کا اعلان کردے گا' اور جیت بلا مقابلہ میری ہوگی۔"

"بصورت دیگر......" علی نے بھنویں اچکائیں۔ باقی سب نہایت خاموشی سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خاص طور پر آصف کی حالت دیدنی تھی۔

"بصورت دیگر تم میرا تو کچھ نہیں بگاڑ سکو گے کیونکہ میں پہلے ہی بگڑا ہوا ہوں' البتہ تمہیں کوئی ناقابل تلافی نقصان ضرور پہنچ سکتا ہے۔"

"یعنی سادہ الفاظ میں یوں کہنا چاہیے کہ آپ ہمیں دھمکانے آئے ہیں؟" علی کے چہرے کے نقوش اب کچھ بگڑنے لگے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے ضبط کررہا تھا۔ ورنہ ہاتھ تو شاذان گردیزی کے منہ پر ایک زوردار گھونسا مارنے کو مچل رہے تھے۔

"نہیں یار...... دھمکی نہیں...... دھمکی تو بزدل دیا کرتے

ہیں۔ ہاں یوں کہہ لو کہ میں تم سب کو وارن کرنے آیا ہوں۔ یہ ذہن میں بٹھا لینا کہ میں صرف ایک بار وارن کرتا ہوں' اس سے اگلا اسٹیپ ہمیشہ ایکشن ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں قبل از وقت سمجھ نہیں آتیں' لیکن وقت آنے پر ان کی شدت کا سامنا کرنا ناقابل برداشت ہوجایا کرتا ہے۔ چلو جدید۔" شاذان اپنی بات مکمل کر کے رکا نہیں بلکہ اپنے ساتھی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

"توبہ! کس قدر ٹف سچویشن تھی۔" سب سے پہلے تارہ نے لب کشائی کی۔

"کم بخت نے سر میں درد کردیا۔ چلو کینٹین چل کر چائے پیتے ہیں۔ اور چائے کا بل یاسر دے گا۔ کیونکہ یہ ساری سردردی اسی کی وجہ سے ہوئی ہے۔" فروہ نے تارہ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"کوئی نہیں' یہ آئیڈیا آصف اور علی رضا کا ہے ان دونوں کی گردن ناپو میں کیا جیب تراشی کرنے لگا ہوں جو اتنے ٹبر کو چائے پلاؤں۔"

"کنجوس چوہے! ابھی کل سب نے مجھ غریب کی جیب سے برگر اڑائے تھے وہ کیا ڈکیتی کا مال تھا۔" آصف نے یاسر کو گھور کر دیکھا۔

"بس بس جھگڑو نہیں' چائے میں پلا دیتی ہوں' لیکن یہ ساری سچویشن ٹھیک نہیں بڑے غلط بندے کے متھے لگے ہو اس بار۔" صبا نے اپنی رائے پیش کی۔

"ویسے بہت عجیب بندہ لگا مجھے..... کون ہے یہ؟" طاہر جلیل بولا۔

"عجیب ہی نہیں عجیب الخلقت کہیں۔ ایم اے فائنل کا اسٹوڈنٹ ہے نام ہے شاذان گردیزی..... عمر حیات گردیزی ایم۔ این۔ اے کا بیٹا ہے۔ جاگیردار ہے سو ساری یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کو اپنے مزارعے اور یونیورسٹی کو اپنی اور اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھتا ہے۔ اونچے اونچے پنگے لینا اس کا شوق اور امن وامان کو نیست ونابود کرنا اس کا مشغلہ ہے۔ باقی پھر کبھی سہی واقعی سر میں درد ہونے لگا۔ صبا مراد جلدی سے اچھی سی چائے پلوادو۔" علی رضا بات کرتے کرتے اچانک پلٹ کر چائے کی طرف آ گیا۔ طاہر جلیل نے بدمزہ سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ کمال بھی اسے اس گروپ میں دکھائی دیا تھا کہ یہ سب ہی بات کرتے کرتے اچانک موضوع بدل دیتے' کسی سبجیکٹ کا تذکرہ کرتے کرتے موڑ کی بات شروع کردیتے' خواہ سننے والا بے چارہ کوفت میں ہی مبتلا ہو جائے۔

وہ سب اٹھ کر کینٹین کی طرف چل دیئے۔

"توبہ! میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں کوئی پھڈا ہی نہ ہو جائے۔ خوامخواہ لینے کے دینے پڑ جاتے۔" تارہ کا لہجہ قدرے خوفزدہ تھا۔

"آپ سب کی باتیں اپنی جگہ درست سہی' لیکن میرا مشاہدہ کچھ اور کہہ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں اسے دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ جیسے یہ اکھڑپن اور کرختگی اس نے بمحض ایک خول کی مانند اوپر چڑھا رکھا ہے' وہ درحقیقت ایسا ہے نہیں جیسا دکھائی دیتا ہے۔" طاہر جلیل نے رائے زنی کی۔

"کمال ہے کیا کہنے آپ کے مشاہدے کے۔ واہ بھئی شاذان گردیزی نے اپنے اوپر خول چڑھا رکھا ہے اس سال کا سب سے بہترین لطیفہ۔" آصف تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"آپ میری بات کو مذاق مت سمجھیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص اندر سے بالکل متضاد ہے۔" طاہر اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"یار ویسے عجیب بات ہے' سنا تھا ادیبوں کی مشاہدے کی حس بہت تیز ہوتی ہے مگر اس معاملے میں اپنے طاہر صاحب تو بالکل کورے نکلے۔ جناب آپ کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں یونیورسٹی آئے ہوئے۔ ہم اس شخص کو پچھلے چار سال سے جانتے ہیں۔ یہ بندہ جیسا دکھائی دیتا ہے اس سے سو گنا زیادہ برا ہے۔" یاسر نے کہا تو طاہر خاموش ہوگیا۔ کینٹین پہنچ کر انہوں نے ایک ہی ٹیبل کے گرد کرسیاں رکھیں اور بیٹھ گئے۔

"کرمو ذرا فسٹ کلاس چائے ہونی چاہیے۔' علی نے کرمو کو آرڈر دیا اور بعد میں ان سب سے مخاطب ہوا۔ "ویسے شاذان گردیزی سے محتاط رہ کر کام کرنا پڑے گا۔ ہم نے اس کے مدمقابل آ کر ایک لحاظ سے اس کو للکارا ہے اور اس جیسے لوگ جھکنا پسند نہیں کرتے۔"

"ہاں جھکنا نہیں ہے ٹوٹ جانا ہے۔" تارہ نے جل کر کہا۔

"نہیں خیر! ہم میں اتنا اسٹیمنا کہاں کہ اسے توڑنے کا دعویٰ کریں۔ البتہ اب جب سامنے آ ہی گئے ہیں تو میرا خیال ہے کہ پیٹھ دکھانا بزدلی ہوگی۔ یوں بھی وہ زخمی سانپ کی طرح

بل کھا رہا ہے کہ اب تک کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کے مقابلے پہ آتا۔ اس کی انا مجروح ہوئی ہے۔" آصف نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

"ہر سیر کو بالآخر سوا سیر ملتا ہی ہے۔" فروہ نے مثال دی۔

"اور تم لوگوں کو کیوں سمجھ نہیں آتی میں سوا سیر نہیں پون سیر ہوں۔ خدا کے واسطے میرے حال پہ رحم کرو۔ مجھے لگتا ہے تم لوگ ضرور مجھ سے کوئی پرانی دشمنی نکال رہے ہو؟" یاسر روہانسا ہو کر بولا۔

"یار تم تو اپنی چونچ بند رکھو۔ ایک تو تمہاری بزدلی سے عاجز آ گئے ہیں۔ اس کے سامنے تو بڑا بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے؟" علی زچ ہو کر بولا۔

"وہ تو محض سچویشن کو کنٹرول کرنے کے لیے تھا کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم اس سے ڈرے ہوئے ہیں۔"

"تو اب بھی سچویشن وہی ہے۔ ہمت سے کام لو اور کچھ سوچنے دو۔" علی کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں ابھر آئیں۔

"سوچو گے تو تب نا جب تمہیں کوئی سوچنے دے گا۔ ذرا ادھر تو دیکھو شاذان اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ آ رہا ہے۔ اور میری پیشن گوئی کے مطابق نیک ارادے سے تو ہرگز نہیں آ رہا۔" آصف کی نظر سب سے پہلے کینٹین کے دروازے سے اندر داخل ہوتے شاذان اور اس کے ساتھیوں پر پڑی تھی۔ اور حقیقتاً اس کے کہنے کے مطابق انکا انداز جارحانہ تھا۔ یقینی بات تھی کہ شاذان نے ان سے گفتگو کے دوران چند باتوں کو بہت ناگوار محسوس کیا تھا۔ انکا پراعتماد انداز گفتگو وہ ہضم نہیں کر پایا تھا اور اب غالباً دھونس اور زبردستی کا ہتھکنڈا استعمال کرنے کی غرض سے آ رہا تھا۔ وہ سارے ہی چوکنے ہو گئے۔ تارہ اور فروہ بے حد پریشان نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں، جبکہ صبا خلاف معمول پرسکون انداز میں بیٹھی تھی۔

"ہاں بھئی! تمہیں میرے چہرے سے کیا نظر آتا ہے؟" شاذان ان کے قریب آتے ہی یاسر سے بڑے جارحانہ انداز میں مخاطب ہوا۔

"کچھ نہیں...... میں نے تو بس......" یاسر آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔ کچھ بھی تھا ان میں سے کوئی بھی اتنا تیز بہرحال نہیں تھا کہ وہ شاذان جیسے گھاگ کھلاڑی کا مقابلہ کرتا۔

"میں نے تم لوگوں کو بڑے پیار سے سمجھایا تھا کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ لیکن اگر تم مان جاتے تو پھر تمہاری عزت یونیورسٹی والوں نے کیسے دیکھنی تھی۔ جواب ہو سکے ہے اور اب یقیناً تم لوگ اچھی طرح جان جاؤ گے کہ دار... کے بعد دوسری بار میرا سمجھانے کا طریقہ کیا ہے؟" اس بات کے اختتام تک اس کے ساتھ آئے ہوئے یونیورسٹی کے دوسرے اسٹوڈنٹس عرف عام میں اس کے گرگے علی، آصف اور یاسر پر پل پڑے۔ صبا، فروہ اور تارہ تقریباً چیختی ہوئی ان سے کافی پرے ہٹ گئیں اور طاہر جلیل نے بھی سائیڈ پہ ہونے میں ہی عافیت جانی۔ شاذان کے ہمراہ کم از کم پندرہ لڑکے تھے جبکہ یہ صرف تین تھے سو لازمی بات تھی کہ پلا انہی کا بھاری تھا سو انہیں لینے کے دینے نہیں بلکہ لینے ہی لینے پڑے۔ ایک دو گرگوں نے طاہر جلیل کی شامت کرنے کے لیے اس کا گریبان پکڑا۔

"ارے ارے رکو یار! کیا بے تحاشے بیل کی طرح سر پر چڑھے آ رہے ہو۔ میرا ان کا کوئی واسطہ نہیں یار میں تو نیا اسٹوڈنٹ ہوں۔ ہٹو پیچھے میرا گریبان چھوڑو۔" طاہر نے بات ختم کرنے کے ساتھ اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے کہا۔ دونوں گرگے اسے چھوڑ کر دوسری طرف پلٹ گئے۔

"شرم کرو کچھ، دیکھو کیسے بری طرح مار رہے ہیں انہیں۔ بڑھ کر چھڑاتے کیوں نہیں۔" فروہ نے چلا کر کہا۔ تارہ اور صبا دونوں جھگڑا شروع ہوتے ہی کینٹین سے باہر بھاگ نکلی تھیں تاکہ کسی پروفیسر یا گارڈ کو بلا کر معاملے کو رفع دفع کرنے کی کوشش کی جا سکے۔

"اس میں شرم کی کیا بات ہے، یہ اصول ہی نہیں ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ مار کھانے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ نہ بھئی مجھ سے اپنی یہ توہین نہ کرائی جائے گی۔" طاہر صاف انداز میں بولا تو فروہ نے پہلے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا پھر بے بسی سے چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگی لیکن کینٹین میں موجود جو چند ایک افراد تھے وہ شاذان گردیزی کے گروپ سے ٹکرانے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔ اچانک پروفیسر بلال کی آمد نے جیسے شور و غل کو کسی حد تک کنٹرول کر لیا۔

انہوں نے بہت مشکل سے ان افراد کو روکا۔ جھگڑے کے

دوران کسی طرح شاذان کا گریبان علی رضا کے ہاتھ میں آ گیا اور پھر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس پر تابڑ توڑ مکے برسا دیئے تھے۔ سو جب جھگڑا تھما تو شاذان گردیزی کا حلیہ بھی دیکھنے والا تھا۔ اس کی شرٹ پھٹی ہوئی تھی، باچھوں سے خون رس رہا تھا اور چہرے پر جا بجا نیل پڑے ہوئے تھے۔ جبکہ وہ تینوں بھی کراہ رہے تھے۔ سر بلال نے انہیں بری طرح ڈانٹنے کے بعد جھگڑالو گروپ کو کینٹین سے باہر نکال دیا اور گارڈ اور مالی کی مدد سے ان تینوں کو فرسٹ ایڈ سیکشن میں بھیج دیا۔ جہاں ان کے زخموں کی مرہم پٹی کر دی گئی اور پین کلر انجکشن لگائے گئے۔ کچھ دیر بعد وہ سارے ایک بار پھر لان میں براجمان تھے۔ جھگڑے کے بعد شاذان گردیزی یونیورسٹی سے اڑنچھو ہو گیا کیونکہ سب نے دیکھا تھا پہل اس کی طرف سے ہوئی تھی۔

"دیکھ لیا گردیزی سے پھڈا ڈالنے کا نتیجہ، کم بخت نے ایک ہیڈ لائٹ ہی فیوز کر دی۔" یاسر نے کراہ کر اپنی ورم زدہ آنکھ پر ہاتھ رکھا جو سوج کر تقریباً بند ہو چکی تھی۔

"تمہیں اپنی ہیڈ لائٹ کی پڑی ہے اور ادھر جو ہونٹ ٹوٹ گیا ہے اس کا کسی کو کچھ احساس ہی نہیں۔" آصف بولا اور پھر سی سی کرتا ہوا ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر چپ ہو گیا۔ حقیقتاً وہ تینوں ہی بہت بری طرح پٹے تھے۔

"ویسے اپنا علی رضا تو مرد کا بچہ نکلا۔ کیا جھکنے سے گھونسے برسائے شاذان گردیزی پر۔ اب بیٹھا ماں سے سکائی کرا رہا ہو گا۔" یاسر نے علی رضا کا کندھا تھپتھپایا۔

"یہ میرا کندھا نہیں کہنی ہے حضور جسے آپ تھپتھپا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے ہیڈ لائٹ کے ساتھ ساتھ آپ کے دماغ کا بریک بھی فیل ہو گیا ہے۔" علی رضا قدرے حواسوں میں تھا۔

"دیکھو بھئی اگرچہ یہ نہایت ہتک کی بات ہے کہ تم تینوں بہت بری طرح پٹے ہو لیکن چونکہ وہ افراد تم سے تین گنا زیادہ تھے اس لیے شرمندگی ذرا کم ہے اور تشویش زیادہ ہے لیکن ایک بات کا بہت افسوس ہے۔" تارہ جو ابھی تک خاموش بیٹھی تھی بول پڑی۔

"وہ کس بات کا؟" فروہ نے پوچھا۔

"ہمارے گروپ میں شامل ہونے والا نیا ممبر کسی طور ہم سے مخلص نہیں۔"

"جو مشکل میں کام نہ آئے ایسے دوست کا ہم نے کیا اچار ڈالنا ہے۔" تارہ کا لہجہ جھلسا ہوا تھا۔

"ہاں یار ویسے یہ طاہر جلیل تو بالکل ہی چوہا نکلا شامت دیکھ کر دم دبا کر بھاگ نکلا۔" آصف نے کہا۔

"ہمیں کسی کی پیٹھ پیچھے برائی کرنے کا کوئی حق نہیں، ممکن ہے وہ فطرتاً صلح جو ہو۔ لڑائی جھگڑے سے بچنے والا۔" صبا نے قیاس آرائی کی۔

"ادیبہ صاحبہ! فطرتاً کوئی کتنا ہی صلح جو ہو جب اس پر یا اس سے منسلک کسی فرد پر کوئی پریشانی بنے تو وہ اس کا تدارک کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے نہ کہ مصیبت میں مبتلا دیکھ کر ایک طرف کھڑے ہو کر تماشا دیکھتا رہے۔" علی رضا تلخ لہجے میں بولا۔

"خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا، اب اس مسئلے کو سنجیدگی سے لینا پڑے گا۔ شاذان گردیزی اگر یہاں تک جرات کر سکتا ہے تو اس سے کسی بھی اقدام کی توقع کی جا سکتی ہے۔ کوئی ایسا لائحہ عمل بنایا جائے کہ بنا نقصان اٹھائے اس کی ہار کو یقینی بنا... جائے۔ وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں۔" آصف نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس وقت سب چیزوں سے زیادہ اہم بات ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں جا کر ان چوٹوں کی سنکائی کی جائے جو لامحالہ جسم کے ایک ایک حصے میں درد و اضطراب کی لہریں دوڑا رہی ہیں۔ پچھلی چوٹوں کو آرام آئے گا تو... چوٹیں برداشت کر سکیں گے۔" آصف کراہتے ہوئے بولا۔

"یعنی تمہارا بھی مزید چھترول کھانے کا پروگرام ہے۔" یاسر نے گھور کر دیکھا۔

"تارہ مجھے لگتا ہے پھینٹی کا سارا اثر ان کے دماغوں پر ہو گیا ہے۔ آؤ ہم تو چلیں اور تم لوگ بھی اب گھر جا کر آ... کرو آج کے لیے اتنی خوراک کافی ہے۔" صبا پہلے تارہ... اور پھر ان تینوں سے مخاطب ہوئی۔

"اور وہ چائے؟" آصف کراہا۔

"ادھار رہی، کل پی لینا۔ اگر شاذان گردیزی کے... ہوئے کسی غنڈے کے ہاتھوں شہید ہونے سے بچ گئے..." صبا ہنستی ہوئی فروہ اور تارہ کے ساتھ گیٹ کی طرف چل پڑی جبکہ وہ تینوں خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورنے لگے۔

❁❁...❁...❁❁

دن جیسے پر لگا کر گزر رہے تھے۔ جوں جوں... نزدیک آ رہے تھے۔ وہ سب تندہی سے کمپین میں مصروف...

دکھائی دے رہے تھے۔ گردیزی گروپ کے آئے روز کے دھواں دھار تقاریر سے مزین جلسے بھی ان کی نظر میں تھے لیکن وہ سب یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ باشعور اور باوقار طلبہ وطالبات کا ووٹ یقیناً ان کی طرف ہوگا لیکن یونیورسٹی میں گردیزی گروپ ٹائپ اسٹوڈنٹس کی بھی کمی نہیں تھی۔

"اوہیلو صبا...... کیا ہو رہا ہے؟" سگریٹ کا کش لے کر دھواں فضا میں بکھیرتی لیلیٰ اس سے اسے زہر لگی' وہ تینوں اس وقت لان میں بیٹھی نوٹس تیار کررہی تھیں جبکہ آصف' علی اور یاسر تینوں الیکشن کی مصروفیات میں الجھے ہوئے تھے۔

"کچھ نہیں...... بس کام ہو رہا ہے۔" صبا نے کوفت بھرے انداز میں جواب دے کر اس پر ایک نگاہ ڈالی۔ فنکی کٹ بالوں اور بھرپور میک اپ کے ساتھ وہ یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹ سے زیادہ کسی فیشن شو میں آئی ہوئی ماڈل لگ رہی تھی۔

"وہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ کام ہو رہا ہے...... ہوتا رہے ہاں مگر ذرا احتیاط سے...... کیا سمجھیں!" بڑے انداز سے کہہ کر وہ مسکراتی ہوئی ایک طرف کو بڑھ گئی۔ صبا نے دانت پیس کر اس کی طرف دیکھا۔

"بائی دا وے یہ موصوفہ کون تھیں؟" تارہ نے پوچھا۔

"شاذان گردیزی کی فرسٹ کزن اور یونیورسٹی میں فی میل شاذان گردیزی سمجھ لو اسے۔" صبا نے جواب دیا۔

"اتنی بگڑی ہوئی ہے یہ......؟" تارہ نے حیرت سے جاتی ہوئی لیلیٰ کی طرف دیکھا۔

"اتنی سے کیا مراد ہے تمہاری......؟ اس خاندان کا کون سا فرد بگڑا ہوا نہیں ہے۔ پچھلے دنوں سلمان گردیزی اسکینڈل برننگ ایشو بنا رہا' وہ اسی شاذان گردیزی کا باپ ہے۔"

"سلمان گردیزی اسکینڈل...... وہ جو عظمیٰ راحیل نامی کسی جرنلسٹ سے متعلق تھا۔" فروہ نے دماغ کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہی' بے چاری نے سیاست دانوں کے کرتوتوں سے بمعہ ثبوت پردہ اٹھایا تو کچھ نہ کچھ خمیازہ تو بھگتنا ہی تھا۔ مرتے مرتے بچی وہ۔ جہاں باپ کا یہ حال ہو وہاں کیا آوے کا آوہ بگڑا ہوا نہیں ہوگا۔" صبا دانت نکوستے ہوئے بولی۔

"لیکن یہ بی بی کون سے کوڈ ورڈز میں بات کرکے گئی ہیں۔" تارہ نے پوچھا۔

"سیاسی انداز میں دھمکی دے کر گئی ہے شاذان گردیزی کی چچی۔"

"اسے کتنے نفلوں کا ثواب ہوگا؟"

"ارے تارہ تم کون سی دنیا میں رہتی ہو۔ یہ یونیورسٹی ہے کوئی گورنمنٹ ہائی اسکول نہیں' یہاں' جس کو میجورٹی ایکسپٹ کرے گی اسی کی اجارہ داری ہوجائے گی' کم بختوں نے ملک کو تو مٹھی میں لے ہی رکھا ہے' تعلیمی اداروں میں بھی گند پھیلانا چاہتے ہیں۔" صبا نے کہا۔

"ہوں! یعنی اگر یہ جیت جائیں تو پھر اس ماحول کو یہ اپنی مرضی سے ڈھال سکیں گے۔" فروہ نے کہا۔

"بالکل! اس طرح جب اکثریت انہیں حاصل ہوگی تو یہ ناجائز مطالبات منوانے کے لیے اسٹوڈنٹس کو استعمال کریں گے۔ ہڑتالیں' دھرنے' یونیورسٹی کو آف کروانے' امتحانات میں ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے لے کر یہ لیکچرار تک کو اپنی انگلیوں پر نچا سکیں گے۔"

"لیکن یہ تو غلط بات ہے۔ یونیورسٹی میں طلبہ یونین تعمیری مقاصد کے لیے بنائی جاتی ہے' نہ کہ اس لیے کہ اسٹوڈنٹس کا جودل چاہے کرتے پھریں۔" فروہ نے کہا۔

"ہاں لیکن جس جگہ گردیزی فیملی جیسی فیملیز کے لوگ موجود ہوں وہاں اسطرح کی تعمیری چیزیں اپنی وقعت کھودیتی ہیں۔ کیونکہ پیسہ وہ واحد چیز ہے' جس سے ان جیسے لوگ ہر قسم کی تخریبی نوعیت کا کام لیتے ہیں۔" تارہ نے کہا تو اس کے لہجے میں افسوس کا تاثر نمایاں تھا۔

"ہیلو لیڈیز...... کیا پلاؤ پکایا جارہا ہے۔" آصف کی آواز پر تینوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ علی رضا اور یاسر الیاس کے ہمراہ وہ بھی ان تینوں کے قریب گھاس پر بیٹھ گیا۔

"خیالی پلاؤ میرے بھائی۔" علی رضا نے اس کی تصحیح کی۔

"تم لوگ کہاں سے مٹرگشت کرکے آرہے ہو؟" صبا نے پوچھا۔

"سوال کے جواب میں سوال...... صبا مرادیہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔" آصف نے کہا

"ویسے بحث برطرف! ہم لوگ پرنسپل صاحب کے پاس سے آرہے ہیں۔ انہوں نے ہم سے الیکشن کے سلسلے میں کافی کچھ ڈسکس کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ گردیزی گروپ اس الیکشن کے دوران ہر اوچھا ہتھکنڈہ آزمائے گا۔ اس لیے ہر ممکن

کوشش کی جائے کہ حالات کنٹرول میں رہیں۔ کسی قسم کی بدامنی یونیورسٹی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ہربات سے قطع نظر یہ ایک تعلیمی ادارہ ہے' جس کے ساتھ سینکڑوں اسٹوڈنٹس کا کیریئر وابستہ ہے۔"

"لیکن یار یہ سب باتیں ہمیں سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تو پہلے سے سمجھے سمجھائے ہوئے ہیں۔ یہ انہیں سمجھائی جائیں جن سے پھڈوں کی توقع کی جارہی ہے۔" یاسر الیاس نے اپنے ہی انداز سے بات کی۔

"ہاں بالکل! ہم میں سے کوئی بھی الیکشن کے دوران کسی قسم کی بدتمیزی کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

"ارے بے وقوفو! وہ کہاوت نہیں سنی پانی ہمیشہ نشیب کی طرف بہتا ہے۔ سو انتظامیہ کا نزلہ بھی بالآخر ہمارے اوپر ہی گرنا ہے۔ جس طرح ہمارا یہ معاشرہ گردیزی اور ان جیسی دوسری فیملیز کا کچھ نہیں بگاڑ سکا اسی طرح یونیورسٹی والے بھی شاذان صاحب کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ بھلا بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے والا ابھی کوئی پیدا ہوا ہے۔" آصف مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم مسکرا رہے ہو یہ المیہ ہے انتہائی بڑا المیہ۔ اس پر تو آٹھ آٹھ آنسو رونا چاہیے۔" علی رضا کڑھ کر بولا۔

"بھلے سے دس آنسو رو لو میرے یار! مگر یہ سب کچھ ایسے ہی رہنا ہے' دس از پولیٹکس۔" آصف اپنی جگہ درست کہہ رہا تھا۔

"اب ذرا ان حسین لڑکیوں سے پوچھا جائے کہ یہ کونسا خیالی پلاؤ دم دے رہی تھیں۔ کیونکہ ہم ان کے سوال کا جواب دے چکے ہیں۔ حالانکہ اصولاً پہلے انہیں جواب دینا چاہیے تھا۔" یاسر حسب عادت مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

"ہم الیکشن پلاؤ پکا رہے تھے لیکن تمہیں چکھنے کو نہیں کہیں گے کیونکہ تم لوگ آل ریڈی پرنسپل صاحب کے آفس سے پیٹ بھر کر آرہے ہو۔" صبا نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"ہاں البتہ تم لوگوں کے آنے سے کچھ دیر پہلے لیلیٰ آئی تھی۔"

"وہ یہاں کیا کرنے آئی تھی؟" یاسر جیسے چونک کر بولا تھا۔

"مہذب انداز میں دھمکانے۔" صبا نے ہاتھ میں پکڑے نوٹس زمین پر پٹختے ہوئے کہا۔ گویا ابھی تک اس کا خون کھول رہا تھا۔

"یہ لیلیٰ گردیزی! اس کے خلاف مجھے ثبوت مل جائیں تو اس کی وہ عزت ہو کہ سارا شہر دیکھے۔ ہیروئین سپلائر ہے یہ......" آصف نے دانت کچکچا کر کہا۔

"ارے یار! آخر ہم لوگ کیا کیا سدھاریں گے۔ ننھی ننھی ہماری جانیں اور سینکڑوں بکھیڑے۔ شاذان گردیزی سے نمٹیں کہ لیلیٰ گردیزی سے۔ ایک کنواں ہے تو دوسری کھائی۔ کدھر کو گریں۔" یاسر جھنجلا کر بولا۔

"جدھر بھی گرو موت تو ہے ہی۔ بہتر ہے لیلیٰ گردیزی کی طرف گرو' موت حسین ہو تو زیادہ بری نہیں لگتی۔" آصف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے ایک مفید اور بروقت مشورہ دیا۔

"تم لوگ ہر بات مذاق میں کیوں اڑا دیتے ہو۔ سنجیدگی سے سوچو۔ پرنسپل صاحب کی باتوں پر بھی غور کرو اور اب جب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو موصلوں سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر تم لوگ مثبت طریقے سے سوچ کر چلو تو شاذان گردیزی کو ہرا سکتے ہو۔ اس کے پاس پیسہ ہے لیکن دماغ نہیں۔ ہر چیز دھونس دھاندلی سے نہیں حاصل ہوتی' کہیں کہیں انسان کا طرز عمل بھی اس کی ڈھال بن جایا کرتا ہے۔" تارہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"کیا سمجھے بڑے بھیا۔" یاسر نے علی رضا کو ٹہوکا دیا۔

"مس تارہ آپ کا خیال اپنی جگہ ٹھیک سہی' لیکن یہ موصلے نہیں میزائل ہیں جو کسی وقت بھی تباہی پھیلا سکتے ہیں۔"

"علی یار! تو بھی جاگ جا ایسا نہ ہو کہ دشمن ہمیں لمبی نیند سلادے۔"

"یار میں سو نہیں رہا سوچ رہا ہوں۔"

"بروقت اطلاع دینے کا شکریہ میرے بھائی لیکن اگر تم اسی رفتار سے سوچتے رہے تو پھر ہم جیت چکے؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ لیلیٰ گردیزی کا یہاں آنا' صبا وغیرہ سے مہذبانہ مگر دھمکیانہ انداز میں بات چیت کرنا اس سب کا کیا پس منظر ہے؟"

"یار ہم لڑکوں میں یہی بڑی خرابی ہے جہاں کسی لڑکی کا ذکر ہوا' دنیا چھوڑ کر اسی کے پیچھے پڑ گئے۔ آئی تھی تو آنے دو' یہ سب تو چلتا رہے گا۔ اسے اتنا سیریس لینے کی ضرورت نہیں۔ کام کی بات کرو۔" آصف نے منہ بنا کر کہا۔

"چلیں آپ کام کی بات فرمالیں۔ باقی سب تو جھک ہی مارتے ہیں۔" علی جلے ہوئے لہجے میں بولا۔

دراصل وہ جس پوائنٹ آف ویو پر سوچ رہا تھا اس طرف کسی کا دھیان نہیں جا رہا تھا۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ شام چار بجے تک آئیڈیل پرنٹنگ پریس سے پوسٹر وغیرہ اٹھالینا۔ چھپ چکے ہوں گے۔ رات میں تم دونوں میری طرف آجانا' عباس اور کاوش بھی آجائیں گے' ایک دو پلان ہیں یقیناً ان پر مناسب ایکشن لینے سے مناسب رزلٹ سامنے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔" آصف سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"لڑکیوں؛ تم بھی ہمارے لیے دعا کرنا۔ سنا ہے اللہ لڑکیوں کی دعا جلدی سن لیتا ہے۔" یاسر مسکین سی شکل بنا کر بولا۔

"اوکے گرلز' ہم تو اب چلتے ہیں پرسوں کے جلسے کا انتظام وانصرام دیکھنے۔ آپ تینوں سے گزارش ہے کہ لیلیٰ گردیزی یا اس ٹائپ کی کوئی بھی لڑکی آئے اسے نولفٹ کا بورڈ دکھائیں۔ الیکشن ہوجائیں تو پھر دیکھیں گے کہ کیا بنتا ہے۔" علی رضا نے تینوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"علی! ہم لیلیٰ سے خود کو کمزور نہیں سمجھ رہے اور نہ ہی اس کی بے پایاں دولت سے مرعوب ہوئے یا ڈر رہے ہیں' بس وقتی کوفت محسوس ہوئی تھی۔ سو اب وہ بھی نہیں ہے۔ تم لوگ بے فکر رہو اور سکون سے اپنا کام کرو۔" فروہ نے پرسکون لہجے میں کہا تو آصف نے دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ارے ہم تو دل سے قائل ہیں فروہ جی آپ کی بہادری کے۔" آصف کا لہجہ اور انداز معنی خیز تھا۔

"بس! میرا خیال ہے آپ پٹڑی سے اترنے لگے ہیں سو اٹھ جائیں۔" علی نے اسے کالر سے پکڑ کر اٹھایا۔

"میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی چلنا چاہیے۔ پیریڈ تو اب کوئی نہیں ہونا۔ خوامخواہ یہاں بیٹھ کر کیا وقت ضائع کریں۔ کیوں تارہ......؟" صبا نے تائید طلب نظروں سے تارہ اور فروہ کی طرف دیکھا۔ علی رضا' یاسر اور آصف اپنی اپنی بائیک پر یونیورسٹی سے باہر جاچکے تھے۔

"صبا آج تمہیں ہم دونوں کو ڈراپ کرنا پڑے گا۔ بھائی آج آفس میں بزی ہوں گے اور تارہ کی گاڑی ورکشاپ میں کھڑی ہے۔" فروہ نے کہا۔

"اوکے بھئی چلو۔" صبا نے یونیورسٹی کے گیٹ پر اسفارویو کی جھلک دیکھتے ہوئے کہا اور وہ تینوں واک ٹریک پر چلتی ہوئی گیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔

❁❁......❁......❁❁

"خالہ! حارث نہیں آیا......" دیوار کے اوپر سے شبنم نے جھانکا۔ شنو اور اماں شام کے کھانے کی تیاریوں میں مصروف دکھائی دیں۔

"نہیں! ابھی تک تو نہیں آیا۔ کیوں کیا بات ہے؟" اماں نے سبزی پر سے دھیان ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں' اخبار میں ایک نئی کریم کا اشتہار آیا ہے سوچا اس سے منگوالوں۔"

"اری شبنم! خدا کو مان' کیوں اپنے اچھے بھلے منہ کا ستیاناس کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ شنو کو دیکھ' کیسی دودھ ملائی جیسی جلد ہے اس کی' مجال ہے جو کبھی کوئی دوا کریم یا پاؤڈر استعمال کیا ہو۔" اماں نے اس کے صبیح چہرے کی طرف دیکھا۔ جو فی الحال کاسمیٹکس کے سائیڈ افیکٹ سے بچا ہوا تھا لیکن شبنم بی جسے خراب کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف تھیں۔

"اماں یہ کہو کہ مجال ہے جو کبھی کوئی کریم پاؤڈر نصیب ہوا ہو۔" شنو نے جلے ہوئے مگر دھیمے لہجے میں کہا تو اماں نے کڑھ کر اس کی طرف دیکھا۔ پتہ نہیں شنو انہیں جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے کیوں نہیں جانے دیتی تھی۔

"خالہ حارث آئے تو مجھے آواز دے دیجیے گا۔" وہ دیوار پر سے اتر گئی۔

"اچھا۔" اماں کا موڈ خراب ہوگیا۔ وہ سبزی وہیں چھوڑ چھاڑ شنو کے پاس سے اٹھ کر کچن میں جا گھسیں۔ اسی پل بیرونی دروازہ کھلا اور حارث سائیکل گھسیٹتا اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم!" سائیکل ایک طرف کھڑی کرکے وہ صحن میں بچھے تخت پر شنو کے قریب آبیٹھا۔

"وعلیکم السلام۔ وہ آپ کی چڑیل پوچھ رہی تھی ابھی ابھی آپ کے بارے میں۔ (خالہ حارث نہیں آیا)" شنو نے سلام کا جواب دے کر شبنم کی نقل اتاری۔

"شنو! تو کسی دن مجھ سے پٹ جائے گی۔ ہزار بار تجھے منع کرچکا ہوں کہ ایسی باتیں نہ کیا کر۔ میں اس کے بارے میں اس طرح نہیں سوچتا۔" حارث نے کہا۔

"تو منع کس نے کیا ہے اب سوچ لیں۔ بھائی! ویسے خرابی کیا ہے اس میں؟"

"کوئی خرابی نہیں...... اماں کہاں ہیں؟" حارث نے جواب دینے کے ساتھ ہی موضوع بھی بدل دیا۔

"کچن میں۔" شنو منہ بنا کر بولی۔

شبنم قدرے چھچھوری ضرور تھی مگر اپنی خوبصورتی اور بہتر پوزیشن کی وجہ سے شنو کو اچھی لگتی تھی۔ پھر وہ جو کبھی کبھی کوئی درمیانی سی قیمت کا تحفہ اسے دے دیتی تھی اس بات سے بھی شنو کی نظروں میں اس کی قدرومنزلت بڑھ گئی تھی۔ شبنم کا حارث کی طرف مائل بہ کرم ہونا اسے اس لیے بھی اچھا لگا تھا کہ وہ نا صرف اس کے گھبرو بھائی کے جوڑ کی تھی بلکہ اپنے ساتھ بہت سا جہیز بھی لاسکتی تھی۔ اور شنو چشم تصور میں اپنی شبنم بھابی کے قیمتی کپڑے زیورات اور دوسری چیزوں سے فیض یاب بھی ہوتی رہتی تھی۔ شبنم کی ایماء پر ہی وہ حارث کو اس کا نام لے کر چھیڑتی رہتی تھی کہ کبھی نہ کبھی وہ اس پتھر دل کو جونک لگانے میں کامیاب ہوجائے گی اور ان کا یہ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر دنیا کی قیمتی چیزوں سے بھر جائے گا۔ اور اس کا یہ خواب پورا ہو بھی سکتا تھا کیونکہ شبنم کے ابا اور بڑے بھائی تین چار سال پہلے دبئی چلے گئے تھے اور اب بھی وہیں رہائش پذیر تھے۔ ان کے جانے کے بعد شبنم اور دوسرے گھر والوں کے انداز ہی بدل گئے تھے۔ اتنے اچھے حالات کے باوجود اگر شبنم کا جھکاؤ حارث کی طرف تھا تو شنو اسے حارث کی خوش قسمتی ہی کہہ سکتی تھی۔

"تم کیوں مرچیں چبا رہی ہو......" حارث نے مسکراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

"آپ میری بات پر غور جو نہیں کررہے بھائی! شبنم بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"ہاں! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے لیکن شنو میری پیاری بہنا مجھے اس بہت اچھی لڑکی سے ذرہ برابر لگاؤ نہیں تو میں کیا کروں۔"

"بھائی! اس سے شادی کرکے آپ کا ملک سے باہر جانے کا خواب بھی پورا ہوجائے گا اور بونس میں جہیز بھی۔" شنو جذباتی انداز میں بولی۔

"افسوس ہے شنو! صد افسوس تم آج تک اپنے بھائی کو سمجھ نہیں پائیں۔ میں ترقی ضرور کرنا چاہتا ہوں زندگی کی ہر خوبصورتی پانا چاہتا ہوں لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے میں کسی عورت کو زینے کے طور پر استعمال کروں' تم کیا اپنے بھائی سے تم یہ توقع کرتی ہو۔ پھر تم جو ایسی بھابی کے خواب دیکھ رہی ہو جو لاکھوں کا جہیز لے کر آئے تو یہ سوچو کہ اگر ہر شخص یہی سوچنے لگا تو ہم جیسوں کی بہنیں بیٹیاں تو گھروں میں بیٹھی رہ جائیں گی۔" حارث ملامتی انداز میں بولا لیکن شنو پر اس لیکچر کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔

"بھائی! اس میں آخر برائی کیا ہے۔ کیا ہمارا زندگی کی خوشیوں پر کوئی حق نہیں؟"

"تم نہیں سمجھ سکتیں شنو! یا پھر شاید میں ہی تمہیں نہیں سمجھا پارہا۔ زندگی کی خوشیوں پر ہمارا حق ضرور ہے لیکن یہ خوشیاں میں کسی سہارے سے حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن میں وہ سب کچھ اپنی قوت بازو سے حاصل کرلوں گا۔"

"ہاں! جب تک چاہے سارا سر سفید ہی کیوں نہ ہوجائے۔" شنو جل کر بولی۔

"نہیں! ایسا نہیں ہوگا۔ دیکھ لینا۔ اور اب تم شبنم نامہ بند کرکے جلدی سے کھانا دو مجھے۔"

"ہیں کھانا ابھی کہاں؟ آج آپ جلدی آگئے' کھانا ابھی پکا نہیں' صبر کریں یا کہیں تو شبنم رانی سے کہوں۔ چند منٹ میں سات دسترخوان سجالائے گی۔" شنو نے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔

"شنو تم سدھر جاؤ' ورنہ پھر میرا غصہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔" حارث جھنجلا کر اٹھ گیا۔

"جو دل چاہے کرلو بھیا! پر میرا ابھی خود سے عہد ہے اس گھر میں شبنم ہی میری بھابی بن کر آئے گی۔" شنو دل ہی دل میں اپنے بھائی کے تصور سے مخاطب تھی۔ شنو سبزی بنا کر کچن میں اماں کے حوالے کرکے شبنم کے گھر جانے کا کہہ کر گھر سے نکلی تو اسی وقت شبنم کے دروازے سے بھی کوئی نکلا۔ شنو نے گھبرا کر دوپٹہ اچھی طرح لپیٹا اور غڑاپ سے اندر داخل ہوگئی۔ اجنبی نے بڑی دلچسپ نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو دیکھا۔ دل چاہا کہ دوبارہ پلٹ جائے۔ پھر کچھ سوچ کر قدم آگے کی جانب بڑھادیئے۔

"ارے تیری سانس کیوں دھونکنی کی طرح چل رہی ہے؟" شبنم نے گھبرائی گھبرائی شنو کو گہری نظروں سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔
"تو یہ بتا تیرے گھر سے ابھی ابھی کون نکلا ہے۔ کم بخت ٹکرانے ہی لگا تھا بس۔ ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا' میرے اس کے بیچ۔"
"توبہ! کم بخت تو نہ کہو۔ ایک ہی ایک ہے اپنے ماں باپ کا' پھر اسے کیا خبر کہ طوفان میل آ رہی ہے۔ بے چارہ کہیں زخمی نہ ہو گیا ہو۔" شبنم مصنوعی افسردگی سے بولی۔
"ایویں ہی زخمی ہو جاتا۔ کہہ تو رہی ہوں کہ ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا۔" شنو نا سمجھی سے بولی۔
"اچھا یعنی ٹکرا جاتا تو زخمی ہو جاتا۔ کیا خوش فہمیاں ہیں۔" شبنم کھلکھلا کر بولی تو شنو بھی اس کی بات سمجھ کر شرمیلی سی ہنسی ہنس دی۔
"تو یہ بتا! حارث آ گیا؟" شبنم نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔
"ہاں آ گئے ہیں' پر شبنم رانی' میری مانو تو اس پتھر کا خیال دل سے نکال دو۔ ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔"
"ارے کیوں نہیں ہے۔ پتھر پر بھی قطرہ قطرہ پانی گرتا رہے تو سوراخ ہو جاتا ہے۔ پھر مرد کا دل تو موم جیسا ہوتا ہے۔ جس اور چاہو ڈھال لو۔"
"ارے مردوں مردوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ بھائی ایسا نہیں ہے۔ وہ ابھی کچھ بننا چاہتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ جب اپنا گھر بسائے تو اس کی بیوی محرومیوں کا شکار ہو۔"
"تو شنو! تم اسے کہہ سکتی ہو کہ میرے ابا اور بھائی اسے بھی باہر دبئی بلا لیں گے۔ دنوں میں حالات پھر جاتے ہیں بندے کے۔ پاکستان میں بھلا کچھ ہے یہاں تو بس غریبی ہی غریبی ہے۔ تم اسے سمجھاؤ شنو۔ میری مرضی پوری ہو جائے گی اور اس کا بوجھ بٹ جائے گا۔ اگر وہ یہاں رہ کر چار بہن بھائیوں اور بیمار باپ کے ساتھ ترقی کے خواب دیکھ رہا ہے تو پھر بھول جائے۔"
"میں تو اسے سمجھاتی ہوں شبنم' پر اس کا مزاج ہے کچھ اور طرح کا۔ بہر حال میں اسے سمجھاتی رہوں گی۔ آگے تمہاری قسمت۔" شنو ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔
"شنو! تو مجھے ایک بات بتا۔ کیا میں خوبصورت نہیں' پڑھی لکھی نہیں' سلیقہ نہیں جانتی' پھر تیرا مغرور بھائی کیوں مجھ سے کنی کتراتا ہے؟"
"وہ مغرور نہیں ہے شبنم! اسے حالات نے سخت دل بنا دیا ہے۔ ورنہ میرا بھائی تو ہیرا ہے۔" شنو کے لہجے میں بھائی کے لیے محبت سمٹ آئی۔
"ہاں جانتی ہوں...... شبنم کا دل چرانے والا کوئی ایسا ویسا نہیں ہو سکتا۔ پر اس کی بے رخی میرا کلیجہ چھلنی کر دیتی ہے۔"
"مجھے تمہارے جذبوں کا احساس ہے شبنم! اور پھر اس گھر میں شنو کے نام کا مضبوط ووٹ تیرے ساتھ ہے۔ بس تجھے تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ بول کرے گی انتظار' کیا تیرے بڑے تیری مان لیں گے۔"
"میں انتظار کروں گی' اس لیے کہ میرے دل میں جو حارث کے لیے جو جذبے ہیں وہ بودے نہیں اور بڑوں کو میری بات ماننا ہو گی۔" وہ چٹان جیسے لہجے میں بولی۔
"تو پھر سمجھ کہ تیری خواہش بھی ضرور پوری ہو گی۔" شنو اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے بولی تو شبنم بھی مسکرا دی۔ شاید شنو کے پرخلوص لہجے میں اسے امید کی کرن دکھائی دے گئی تھی۔

❀❀......❀......❀❀

الیکشن کا دن آ گیا۔ ووٹنگ بھی ہو گئی اور جب رزلٹ اناؤنس ہوا تو یونیورسٹی کے سبھی اسٹوڈنٹس ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ شاید اس لیے کہ نتیجہ کسی کی بھی توقع کے مطابق نہیں تھا۔
گردیزی گروپ کو دھونس دھاندلی اور روپیہ پانی کی طرح بہانے کے باوجود تین ووٹوں سے شکست ہو گئی تھی۔ یاسر الماس جیت گیا تھا۔ اور اس کے گروپ کے سبھی ارکان بھی حیرت کا شکار تھے۔ یہ کیسے ہو گیا۔ سب کے چہروں پر انجانی سی کیفیت دکھائی دینے لگی۔ گردیزی گروپ کے ارکان چہروں پر خشونت سجائے لڑنے کے سے انداز میں سپرنٹنڈنٹ سے بحث کر رہے تھے کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہوئی لیکن بعد از حادثہ کوئی بھی بحث بے معنی ہو جاتی ہے۔ سو ان کی یہ بحث بھی بے کار تھی۔ جیت اس بار گردیزی گروپ کے ہاتھوں سے پانی کی طرح پھسل کر مخالفوں کے ہاتھوں کی اوک میں جا سمٹی تھی۔ اور شاذان گردیزی ہار کی چوٹ کھا کر کسی زخمی سانپ کی طرح بل کھا رہا تھا۔ اس کا خون کھول رہا تھا۔ اسٹوڈنٹس نے یقیناً اس کے ساتھ غداری کی تھی۔ بظاہر اس کا ساتھ دینے والے اسٹوڈنٹس نے اس یاسر الماس کے حق میں ووٹ دے کر اسے یونین کا صدر منتخب کر لیا تھا۔ اور یہ توہین

سے برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ اس وقت وہ اپنے ڈرائنگ روم میں جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹ رہا تھا اور اس کا دست راست حدید حیدر بھی اس کے پاس تھا۔
"کول ڈاؤن یار اگلے سال سہی۔" حدید نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا بلڈ پریشر کنٹرول کرنے کی کوشش کی۔
"کیا اگلے سال! حدید حیدر! شاذان گردیزی چھپ کر بیٹھنے والوں میں سے نہیں۔ یہ ہار سیاہ نشان کی صورت میرے چہرے پر لگی ہوئی ہے اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے اپنے چہرے پر کوئی داغ دھبا گوارا نہیں۔ اس نشان کو مٹانے کے لیے مجھے جو بھی کرنا پڑا میں کروں گا۔ اگلا سال تو بہت دور ہے۔ چند دن میں ہی پتہ چل جائے گا کہ یونین کا صدر کون ہے۔" اس کے ہونٹوں سے زہر نکل رہا تھا۔ اور حدید حیدر اچھی طرح بھانپ گیا تھا کہ شاذان گردیزی کا اگلا اسٹیپ کیا ہو گا۔
"مظہر علی کھوکھر کو فون کرو۔ آج شام مجھ سے ملے۔" وہ حدید کو کہہ کر رکا نہیں تھا' اس کے وہاں سے جانے کے بعد حدید نے مظہر علی کھوکھر کو موبائل پر اس کا پیغام دے دیا اور اس پیغام کا نتیجہ اگلے دن یونیورسٹی کے اندر اور باہر کے ماحول میں دکھائی دے گیا۔
لاسٹ پیریڈ تھا جب یونیورسٹی کے در و دیوار فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھے۔ کلاسز میں افراتفری مچ گئی۔ پتہ چلا کہ گردیزی گروپ نے الیکشن میں دھاندلی کو بنیاد بنا کر پروٹیسٹ شروع کر دیا ہے۔ صبا' فروہ اور تارہ اس وقت لائبریری میں تھیں جبکہ علی رضا اور یاسر آج چھٹی پر تھے' صرف آصف آیا ہوا تھا۔ اور سیکنڈ لاسٹ پیریڈ اٹینڈ کرنے کے بعد اب کینٹین میں بیٹھا چائے سے شغل کر رہا تھا۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں سب سے پہلے صبا وغیرہ کا خیال آیا۔ جو اسے ابھی کچھ دیر پہلے لائبریری کی طرف جاتی دکھائی دی تھیں۔ اسے گردیزی گروپ کے ارادے کل ہی خاصے خطرناک دکھائی دے رہے تھے بلکہ اس کی دانست میں انہوں نے کافی دیر سے ایکشن لیا تھا۔ سو اس وقت سارے مسئلے ایک طرف صبا' فروہ اور تارہ کو بہ حفاظت گھر تک پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔
اس نے چائے ادھوری چھوڑی اور کینٹین سے باہر نکل آیا۔ تقریباً سبھی اسٹوڈنٹس پیریڈ چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ فائرنگ کی آواز ٹھہر ٹھہر کر آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے یونیورسٹی کوئی قلعہ ہے' جس کا محاصرہ کیا جا چکا ہو۔ بہت سے اسٹوڈنٹس جن کے پاس پرائیویٹ کنونس کی سہولت موجود تھی وہ تو حالات بدلتے دیکھ کر ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ البتہ یونیورسٹی کے پوائنٹس کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ آصف بچتا بچاتا لائبریری تک پہنچ گیا۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن غالباً ہنگامی صورت حال کی وجہ سے اندر موجود افراد نے دروازہ مقفل کر دیا تھا۔ اس نے دروازہ دھڑ دھڑا کر صبا' فروہ وغیرہ کو آوازیں دیں اگلے ہی پل دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی صبا تھی۔ اس کے چہرے سے خوف ہویدا تھا۔ آصف جلدی سے لائبریری کے اندر داخل ہوا۔ لائبریری اس وقت تقریباً خالی ہی تھی۔ چند ایک اسٹوڈنٹس موجود تھے جو اب پریشان دکھائی دے رہے تھے۔
"یہ...... یہ سب......؟" فروہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔
"شاذان گردیزی کا گروپ اسٹرائیک کر رہا ہے' اور میرا خیال ہے کہ کچھ ہی دیر میں وہ یونیورسٹی کے اندر بھی آ جائیں گے۔ ایسے میں تم لوگوں کا یہاں رکنا ٹھیک نہیں' جوں جوں وقت گزر رہا ہے' حالات مزید مخدوش ہو جائیں گے' یاسر اور علی بھی نہیں آئے۔ اس لیے تم تینوں میرے ساتھ چلو' تمہیں گھر پہنچا کر پھر میں ان سے ملوں گا۔" آصف عجلت میں بول رہا تھا۔
"لیکن آصف میری گاڑی آنے والی ہے۔ تم ایسا کرو فروہ اور تارہ کو لے جاؤ۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" صبا کی بات سن کر آصف نے کچھ جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔
"محترمہ صبا مراد صاحبہ! مانا کہ آپ بہت بہادر ہیں اور یقیناً میری عام سی سنیٹرو آپ کی اسٹار و سیو جیسا اسٹینڈرڈ نہیں رکھتی' لیکن میرا خیال ہے ایمرجنسی میں اسے ملاقات کا شرف بخشنے میں کوئی خاص مضائقہ بھی نہیں۔" آصف ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔
"ہاں صبا! آصف ٹھیک کہہ رہا ہے' ایسا کس طرح ممکن ہے کہ تمہیں ایسے حالات میں چھوڑ کر ہم چلتے بنیں۔ مشتعل اسٹوڈنٹس ہڑتال کی آڑ میں کیا کیا کرتے ہیں یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں بہتر ہے آصف کے ساتھ چلے چلیں۔" تارہ نے کہا تو صبا نے تائید کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے ٹیبل پر رکھا اپنا بیگ اٹھا لیا۔

"چلو......" تینوں آصف سے دو چار قدم کے فاصلے پر تیز تیز قدموں سے اس کے پیچھے چلی آرہی تھیں۔

"اوہ نو......! میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ وہ لوگ نا صرف اندر آچکے ہیں بلکہ اندر موجود اسٹوڈنٹس کے ساتھ جھگڑا بھی کررہے ہیں۔ تم تینوں میرے آگے آگے بھاگو ہری اپ۔ ہمیں جلد از جلد پارکنگ لاٹ تک پہنچنا ہے۔" آصف کی آواز میں پریشانی تھی۔

وہ بزدل نہیں تھا لیکن اس وقت اس کے ساتھ تین تین لڑکیاں تھیں جن کی جان و عزت بچانے کی ساری ذمے داری اس پر تھی۔ وہ اکیلا ان مشتعل اسلحہ بردار اسٹوڈنٹس سے بھڑ نہیں سکتا تھا۔ صبا' فروہ وغیرہ آصف کی ہدایت سن کر تیزی سے آگے بڑھیں۔ اب وہ اس سے آگے آگے بھاگ رہی تھیں جبکہ آصف بھاگنے کے ساتھ ساتھ پلٹ کر دیکھ بھی رہا تھا۔ درمیانی فاصلہ زیادہ تھا' اندر موجود اسٹوڈنٹس اپنی ڈیفنس میں پتھراؤ کررہے تھے۔ کرسیاں اور گملے اٹھا اٹھا کر پھینک کر مخالفین کا مقابلہ کیا جارہا تھا۔ اچانک آصف کو لگا کہ اس سے آگے بھاگتے قدم ساکت ہوگئے ہیں۔ اس نے ان کی طرف دیکھا' تینوں کی خوف سے پھٹی پھٹی آنکھیں پارکنگ لاٹ میں کھڑی گاڑیوں پر جمی ہوئی تھیں' جو شاید ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے گاڑیاں ہی ہوں گی لیکن اب وہاں لوہے کا بے ترتیب ملبہ اور کانچ کے چھوٹے بڑے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ آصف کی سینٹرو کا حال بھی مختلف نہیں تھا اور گردیزی گروپ کے چند لڑکے وہاں کھڑی گاڑیوں اور اسٹوڈنٹس کے ساتھ یکساں سلوک کررہے تھے۔

"صبا! واپس پلٹو ہری اپ۔" آصف چلایا۔ بچاؤ کا شاید ایک فی صد امکان بھی نہیں رہا تھا۔ حدید حیدر اور اس کے چند گرگوں نے آصف اور تینوں لڑکیوں کو واپس پلٹ کر بھاگتے دیکھ لیا تھا اور اب ان کے قدم بھی بہت تیزی سے ان کا پیچھا کررہے تھے۔

"بھاگو! شانی......پکڑو اس سورما کو۔ جانے نہ پائے۔" حدید حیدر کی بھاری آواز ان کے کانوں میں پڑی تو ان کے قدموں میں اور تیزی آگئی۔

"تارہ' فروہ چوکیدار کے گھر کی طرف بھاگو۔ تم لوگ عقبی طرف سے نکلنے کی کوشش کرو' میں انہیں روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔" آصف قدموں کی رفتار سست کرتے ہوئے بولا۔

"مگر آصف...... یہ لوگ تمہیں......" فروہ کی پلکیں ہونے لگیں۔

"میری فکر مت کرو۔ تم لوگ جتنی جلد ہوسکے یہاں نکلنے کی کوشش کرو...... جاؤ...... جلدی کرو۔" وہ اپنی بات ختم کرکے اپنے عقب میں آنے والوں کی طرف پلٹ گیا۔ ادھر صبا' تارہ اور فروہ پوری رفتار سے بھاگتی ہوئی جرنلزم ڈیپارٹمنٹ کی عمارت تک پہنچ گئیں۔ ان تینوں کو آصف کی بھی فکر تھی۔ اب حدید حیدر اور اس کے ساتھیوں کے نرغے میں تھا اور بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا لیکن اب تک وہ اکیلا تھا اور مقابل کئی تھے' صبا نے پلٹ کر دیکھا تھا اور اس کا یہی پلٹ کر دیکھنا اس کے لیے مصیبت بن گیا۔ مشتعل اسٹوڈنٹس کی طرف سے ہونے والے پتھراؤ میں سے ایک وزنی پتھر اس کی کنپٹی پر لگا ساتھ ہی جیسے اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اس نے سر کو جھٹکتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو منہ پر نمی کے احساس کے ساتھ ہونٹوں پر کچھ نمکین سا محسوس ہوا۔ اس نے زخم کو ہاتھ سے دباتے ہوئے بند ہوتی آنکھوں سے آصف کی طرف دیکھا جو اب حدید اور اس کے ساتھیوں کے تشدد کا نشانہ بنا ہوا تھا اور کئی اور اسٹوڈنٹس کو اس طرف تیزی سے بڑھتے دیکھ کر اس کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ گھومتے ہوئے سر کے ساتھ اس نے لڑکھڑا کر دیوار کا سہارا لینے کی کوشش کی تھی لیکن شاید دیوار اس کے اندازے سے زیادہ فاصلے پر تھی۔ اس کے قدم اس کا بوجھ اٹھانے سے انکاری ہوگئے تھے اور وجود اس قدر بھاری ہوچکا تھا جیسے منوں وزن اس نے کندھوں پر اٹھا رکھا ہو۔ وہ تیورا کر گری لیکن ہوش و خرد کی دنیا سے دور جانے سے پہلے یہ احساس بہت قوی تھا کہ وہ پتھریلی زمین پر نہیں گری تھی بلکہ کسی نے اسے تھام لیا تھا۔ اور پھر وہ بے خبر ہوگئی تھی۔

❀❀......❀❀......❀❀

نہ جانے کتنی دیر تک وہ ہوش و خرد کی دنیا سے دور رہی تھی' آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلا احساس اس درد کا تھا جو اس کی دائیں کنپٹی میں دھمک پیدا کررہا تھا۔ اس نے دھیرے سے نگاہیں گھما کر اپنے چہار اطراف دیکھا' اپنی خوابگاہ کے مانوس در و بام نے اس کے وجود میں طمانیت کی لہر دوڑادی لیکن اس کے ساتھ ہی بے ہوشی سے قبل ہونے والے واقعے کی پوری جزئیات اس کے ذہن کی پردہ اسکرین پر نمودار ہوگئیں۔

اس کی یہاں موجودگی کا مطلب یہی تھا کہ اسے اس کے ساتھی یہاں تک چھوڑ کر گئے ہیں لیکن اسے پھر بھی ان سب کی فکر ہو رہی تھی۔ خاص طور پر آصف کی وہ اکیلا کتنے بہت سارے حریفوں کے ساتھ لڑ رہا تھا۔ وہ منظر یاد کر کے اسے عجیب سی وحشت نے گھیر لیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر انٹر کام کا بٹن دبایا اور پھر دھیرے سے اٹھ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگئی۔ سر میں پڑنے والی دھمک نے اس کے اعصاب کو کسی قدر مضمحل کر دیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ڈھانپ لیں۔ اسی پل کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی' اس نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر آنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ ملازمہ تھی اور غالباً اس کے لیے جوس کا گلاس ہاتھ میں لیے آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے نفیس سی ساڑھی میں ملبوس مسز مراد یعنی اپنی مما کو آتے دیکھ کر اس نے خود کو فریش ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

''ہاؤ آر یو مائی چائلڈ۔'' مما نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ ملازمہ سے جوس کا گلاس لے کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے صبا کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''صبا! آئی ایم ریئلی وری اباؤٹ یو بیٹے! کیا تمہیں یونیورسٹی کے ماحول کا اندازہ نہیں تھا۔ ایسے حالت میں تمہیں یونیورسٹی نہیں جانا چاہیے تھا۔'' مما کا انداز سرزنش بھرا تھا۔

''مما! ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بس اچانک ہی اسٹوڈنٹس یونین کے لڑکے آپس میں جھگڑ پڑے اور نوبت اسٹرائیک تک آ گئی۔'' صبا دھیرے سے بولی۔ یہ حقیقت تھی کہ ہڑتال کے دوران اسٹوڈنٹس بالکل ہی اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے ہیں اور ہڑتال کی آڑ میں کیا کیا جرائم وقوع پذیر ہوتے ہیں صبا کو اس کا اچھی طرح اندازہ تھا۔

''جانتی ہو صبا تمہارے دو ساتھی حریفوں کی گولیوں کا نشانہ بنے' وہ گولیاں خدانخواستہ تمہیں بھی لگ سکتی تھیں۔'' مما متردد لہجے میں بولیں۔

''کک...... کس کو...... مما کس کو گولی لگی ہے؟'' صبا ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی' سب سے پہلا خیال اسے آصف کا آیا تھا۔ جو مشتعل اسٹوڈنٹس کے نرغے میں پھنسا ہوا تھا اور صبا نے بے ہوشی سے قبل چند اسلحہ بردار اسٹوڈنٹس کو اس کی جانب لپکتے دیکھا تھا' تو اس کا خیال ٹھیک تھا۔ وہ سب اسٹوڈنٹس بھی حریف جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔

''ایک تو ملک آصف حیات ہے' الحیات بلڈرز کا بیٹا۔ اس کی حالت بہت تشویشناک ہے اور دوسرا طاہر جلیل ہے جو تمہیں بچانے کی کوشش میں گولی کا نشانہ بنا۔ اس کی حالت خطرے سے باہر ہے گولی بازو کو چھیدتی گزر گئی تھی لیکن بہرحال یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے تمہاری جان بچائی۔ تمہارے پاپا بطور خاص اس سے مل کر شکریہ ادا کر چکے ہیں۔'' صبا کی آنکھوں کے سامنے ایک پل کو آصف کا شرارتوں سے بھرپور وجود لہرایا اور دوسرے پل اس کی جگہ طاہر جلیل کے مسکراتے چہرے نے لے لی۔

''مما...... آصف کس ہاسپٹل میں ہے۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' صبا بے چینی سے بولی۔

''کول ڈاؤن بیٹا' وہ دونوں عثمانیہ کلینک میں ہیں۔ آصف تو آئی سی یو میں ہے سو اس سے نہیں ملا جا سکتا اور ابھی تمہاری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں۔ جب ٹھیک ہو جاؤ تو مل لینا۔''

''اوہ نو مما! میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ پلیز مجھے جانے دیں۔ میں بس اسے دیکھ کر واپس آ جاؤں گی۔''

''نہیں بیٹا' میں کم از کم تمہیں یہ ایڈوائز نہیں کروں گی۔ جوس پی کر کچھ کھانا چاہو تو بانو سے کہہ کر منگوا لو بہتر یہی ہے کہ سو جاؤ۔ میں اور تمہارے پاپا مسز صمدانی کے ہاں جا رہے ہیں۔ ایک بزنس پارٹی ارینج کی ہے انہوں نے' تمہاری طبیعت کے پیش نظر جانے کو دل تو نہیں چاہتا' لیکن مسٹر صمدانی تمہارے پاپا کی کمپنی کے میجر شیئر ہولڈر ہیں۔ سو یو نو کہ یہ سب بزنس کا ایک حصہ ہے۔ میں اب چلتی ہوں تم آرام کرو او کے۔'' مما اس کا گال تھپتھپاتی ہوئی ساڑھی کا پلو درست کرتی باہر نکل گئیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''یہی تو دکھ ہے مما کہ ہمارے ہر طرف بس بزنس ہی بزنس ہے' ہم خود کہاں ہیں؟ ہمیں سونا جاگنا ہے تو سود و زیاں کا حساب کر کے' ہنسنے بولنے سے پہلے سوچنا ہے کہ اس کا ہمیں کیا اور کتنا فائدہ ہوگا' کیا زندگی بس یہی ہے۔'' وہ یاسیت سے سوچے جا رہی تھی۔

''لیکن میرا احساس ابھی نوٹوں کے انبار تلے دب کر مرا نہیں ہے مما۔ میں زندہ ہوں' اور زندگی کو تمام تر جذبوں سمیت گزارنا چاہتی ہوں۔ میں آصف کو دیکھنے ضرور جاؤں گی۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور باتھ روم میں جا گھسی۔ نیم گرم پانی کے چھپاکوں نے اس کی جلتی ہوئی آنکھوں کو جیسے سکون سا پہنچایا۔

وارڈ روب سے ایک سادہ سا لباس کا انتخاب کر کے اس نے جلدی جلدی بال سلجھائے' اور ڈریس اپ ہو کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

''میڈم جی آپ کہاں جا رہی ہیں جی' بڑی بیگم صاحبہ نے سختی سے منع کیا تھا کہ آپ کو باہر نہ جانے دیا جائے۔'' بانو تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے اگر روک سکتی ہو تو روک لو۔'' صبا تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہتی ہوئی کوریڈور سے نکلتی چلی گئی۔ بانو بے بسی سے اس کی پشت پر نظریں جمائے دیکھتی رہ گئی۔

''میں کیسے روک سکتی ہوں جی' آپ بڑے لوگ ہو اپنی مرضیاں کرنے والے' ہمارے تو نصیب ہی ماڑے ہیں۔ آپ نے تو بھی بے عزتی کروائیں گے اور بڑے صاحب اور بیگم سے بھی۔'' وہ سوچتی ہوئی واپس پلٹ گئی۔ کم سے کم اس بے چاری میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اسے روک سکتی۔

صبا کی اسفار و میو بڑی تیزی سے عثمانیہ کلینک کی طرف عازم سفر تھی۔ اس کی کنپٹی کی چوٹ تکلیف دہ تو تھی مگر قابل برداشت تھی' جبکہ آصف کو خدا جانے کس قدر زخمی کیا گیا تھا کہ وہ انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں زندگی اور موت کی کھینچا تانی کا شکار تھا۔ کلینک کے باہر گاڑی پارک کر کے وہ تیزی سے اندر کی طرف لپکی' اندر داخل ہوتے ہی کوریڈور میں علی رضا اور یاسر دکھائی دے گئے۔ وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔

''ہیلو علی...... یاسر...... کیا حال ہے آصف کا اب؟'' صبا نے رسمی علیک سلیک کے بعد آصف کے بارے میں دریافت کیا۔

''فی الحال ڈاکٹر مطمئن نہیں ہیں' اس کے سر میں شدید چوٹیں آئی ہیں اور کمر میں لگنے والی گولی نے دائیں پھیپھڑے کو متاثر کیا ہے۔'' علی رضا کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ صبا کا دل ایک لحظہ کو ڈوب کر ابھرا۔

''کیا میں اسے ایک نظر دیکھ سکتی ہوں۔''

''نہیں ڈاکٹر نے سختی سے منع کر رکھا ہے۔ ہم لوگ خود تین گھنٹوں سے یہاں ہیں لیکن اسے دیکھ نہیں پائے۔''

''اگر اس کی حالت اس قدر سیریس ہے تو اسے سی ایم ایچ میں ٹرانسفر کر دیا جانا چاہیے۔'' صبا نے کہا تو علی رضا نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیا اتنی معمولی سی بات تمہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ آئی سی یو میں ہے' کیا اس سچویشن میں ڈاکٹر یہ اجازت دیں گے کہ اسے کہیں اور شفٹ کیا جائے' یوں بھی یہ کلینک شہر کے چند بہترین کلینکس میں شمار ہوتا ہے اور آصف کا علاج تسلی بخش ہو رہا ہے۔''

''کیا طاہر جلیل بھی یہیں ہے؟''

''ہاں کچھ دیر پہلے تو یہیں تھا۔ ڈاکٹرز نے اسے ڈسچارج کر دیا ہے۔ اس کا معاملہ زیادہ سیریس نہیں تھا۔ گولی محض بازو کو چھوتی ہوئی گزری تھی۔ بینڈیج کر دی گئی اور پین کلر دے کر رخصت کر دیا گیا۔ مسئلہ آصف کا ہے' ڈیڑھ گھنٹے کے آپریشن کے بعد اس کی کمر سے گولی نکالی گئی ہے' تین بوتلیں خون کی لگ چکی ہیں' اس کے باوجود ڈاکٹر زیادہ پرامید نہیں' اس کی طویل بے ہوشی خطرناک ہے۔'' یاسر نے تفصیل بتائی۔

''فروہ' تارہ وغیرہ......''

''وہ بحفاظت گھر پہنچ گئی تھیں۔ جس وقت آصف سے موبائل پر بات ہوئی تھی میں اور علی اسی وقت گاڑی لے کر یونیورسٹی کی بیک پر پہنچ گئے تھے۔ فروہ' تارہ اور طاہر تمہیں سنبھال کر لے آئے تھے۔ طاہر زخمی ہونے کے باوجود تمہیں ہمارے پاس چھوڑ کر واپس پلٹ گیا تھا۔ اسی نے آصف کی طرف سے ہمیں بے فکر رہنے کو کہا تھا۔ غالباً اس کے ڈیپارٹمنٹ کے چند لڑکے ہڑتال کرنے والے لڑکوں سے نبرد آزما تھے اور بعد میں وہی طاہر اور آصف کو کلینک چھوڑ کر گئے تھے۔''

''صبا میرا خیال ہے تمہاری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ تم ایسا کرو گھر جاؤ' آصف کی کنڈیشن میں جیسے ہی کوئی مثبت تبدیلی ہوئی میں تمہیں فون کر کے انفارم کر دوں گا۔'' علی نے اس کی پیلی پڑتی رنگت کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''نن...... نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' صبا نے اس سے زیادہ خود کو باور کرانے کی کوشش کی لیکن کنپٹیوں میں پڑنے والی مسلسل دھمک اسے پریشان کر رہی تھی۔

''اچھا پھر میں چلتی ہوں۔ کل صبح پھر چکر لگاؤں گی' لیکن تم لوگ مجھے رات کو آصف کی کنڈیشن کے بارے میں ضرور انفارم کرنا۔ میں خود بھی رنگ کر لوں گی او کے بائے۔'' علی رضا اور یاسر اسے رخصت کر کے ڈاکٹر عثمان کے روم کی طرف بڑھ

گئے تاکہ آصف کے بارے میں مزید کسی قسم کی پیش رفت کا پتہ چلا سکیں۔ جبکہ صبا تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ اسے اپنے وجود میں ہلکی ہلکی توڑ پھوڑ سی محسوس ہو رہی تھی۔ جو یقیناً اس کے زخمی ہونے کی وجہ سے تھی۔

❁❁......❁......❁❁
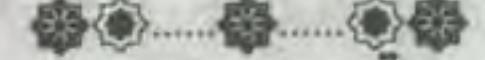
گرمیوں کی شام تھی اور گاہکوں کا زور تھا۔ حارث کو سر کھجانے کی فرصت نہیں مل رہی تھی۔ اس بہت بڑے جنرل اسٹور کا مالک کاؤنٹر پر بیٹھا ٹی وی دیکھتا رہتا تھا۔ جبکہ اسٹور کا سارا نظم ونسق حارث کے ہاتھ میں تھا' اس کے انڈر چھ لڑکے ڈیوٹی کر رہے تھے جو مختلف کاموں پر مامور تھے۔ حارث کا کام بل بنانا اور پے منٹ وصول کرنا تھا۔

"حارث...... او حارث تمہارا فون ہے۔" اسٹور کے مالک نے کاؤنٹر پر بیٹھے بیٹھے ہی اونچی آواز میں کہا۔

"میرا فون......" وہ کچھ حیران سا ہوا۔ کیونکہ آج سے پہلے تک اسے اسٹور پر کبھی فون نہیں آیا تھا۔ اس کے ذہن میں خیال ابھرا کہ کہیں شنو نے شبنم کو اسٹور کا فون نمبر نہ دے دیا ہو' کیونکہ وہ شبنم کی خود میں بڑھتی ہوئی دلچسپی سے بھی واقف تھا لیکن اس کی حوصلہ افزائی کرنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے سوچتے ہوئے ریسیور ہاتھ میں لیا کہ اگر فون شبنم کا ہوا تو وہ بہت بری طرح اس سے بات کرے گا تاکہ آئندہ وہ فون کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔

"ہیلو......" اس نے کنکھیوں سے اسٹور مالک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"حارث یزدانی......" دوسری طرف سے استفسار کیا گیا۔

"جی ہاں...... آپ کون؟" اجنبی آواز سن کر جہاں اس نے سکون کا سانس لیا وہیں ایک عجیب سی کشمکش نے اسے گھیر لیا۔

"جناب آپ کی والدہ بہت سیریس حالت میں یہاں عثمانیہ کلینک لائی گئی ہیں۔ وہ روڈ ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہوگئی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کے چھوٹے بھائی تھے انہوں نے ہی ہمیں آپ کا نمبر دیا کہ آپ کو اطلاع دے دی جائے تاکہ......" اجنبی کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی حارث نے ریسیور کاؤنٹر پر رکھا اور تیزی سے باہر کی جانب لپکا۔

"اوئے حارث! کیا ہوا؟ کہاں جا رہا ہے تو؟" مالک چلایا لیکن حارث اسے کوئی جواب دینے کی بجائے تیزی سے اپنی سائیکل کی طرف بڑھا اور اگلے ہی پل اس پر بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔

"یہ لڑکا ضرور اپنی روزی پر لات مار کر رہے گا' میں ہر بار اس کی غلطی معاف کر دیتا ہوں کہ سارے گھر کا واحد کفیل ہے پر یہ سدھرنے والا نہیں۔" مالک نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا پھر سر جھٹک کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا۔

حارث کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اماں کہاں جا رہی تھیں اور کیوں جا رہی تھیں۔ آخر کیوں اس قدر بے احتیاطی ہوئی کہ ان کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ خدا معلوم وہ کتنی زخمی ہوں گی' وہ آندھی طوفان کی طرح سائیکل بھگائے جا رہا تھا۔ اس کے پیروں میں جیسے برقی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ لیکن دماغ...... دماغ ایک جمود کا شکار ہوگیا تھا۔ تمام سوچیں جیسے اماں پر مرکوز ہوگئی تھیں۔ وہ لڑکا تھا' حالات نے وقت سے پہلے اس کے کندھے پر ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال کر اسے وقت سے پہلے بہت بڑا کر دیا تھا۔ لیکن عمر کم ہو تو یہ بڑائی وحشت اور چڑچڑاپٹ پیدا کر دیتی ہے اور یہی اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔ وہ ذمہ داریوں میں الجھ کر رشتوں کی قربت اور ان کے حسن سے کچھ دور ضرور ہوگیا تھا لیکن یہ رشتے اس کے خون میں رچے بسے تھے۔ ان کی معمولی سی تکلیف بھی اسے تڑپا دینے کے لیے کافی تھی اور اماں میں تو اس کی جان تھی۔

اس کی آنکھیں بار بار دھندلا جاتیں' اور وہ آنکھوں کو بڑی بے دردی سے مسل کر ان آنسوؤں کا گلا گھونٹے جا رہا تھا جو بن بلائے ہی پلکوں پر آ رہے تھے۔ اور وہ ایک ایسا ہی لمحہ تھا اس کی آنکھوں کے سامنے بہت ہلکی سی دھند آئی تھی' کلینک سے نکلتی گاڑی کی تیز رفتاری کے سامنے وہ ٹھہر نہیں سکا تھا۔ اس کی سائیکل گاڑی کے دائیں حصے سے ٹکرائی اور وہ سائیکل سمیت اچھل کر سڑک پر جا گرا تھا۔ اس کی کہنیاں چھل گئی تھیں اور دائیں ٹانگ میں شدید چوٹ لگی تھی لیکن اس سچویشن نے اس کا دماغ بالکل ہی الٹا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اٹھا اور خونخوار انداز میں آگے بڑھا' گاڑی رک گئی۔ شاید گاڑی چلانے والے کو بھی اپنی زیادتی کا احساس ہوگیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر گاڑی کے شیشے پر دستک دی۔ اگلے ہی پل شیشہ نیچے سرکنے لگا۔ حارث نے نفرت سے اس عام سے چہرے والی لڑکی کو دیکھا۔

"کیا لمبی لمبی گاڑیوں میں بیٹھنے سے اردگرد رہنے والے لوگ کیڑے مکوڑے بن جاتے ہیں' جنہیں کچل دینا آپ جیسوں کے لیے تفریح طبع ہے اور بس۔" اس کا لہجہ زہریلا تھا۔

"دیکھیے میں مانتی ہوں میری غلطی تھی آئی ایم ایکسٹریملی سوری۔ دراصل میں اس وقت بہت ٹینشن میں تھی' سو دیکھ نہ پائی کہ آپ......"

"خوب......" اس نے صبا کی بات کاٹتے ہوئے طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"یہ جب آپ امیروں کو ٹینشن ہوتی ہے تو اس کا خمیازہ ہم جیسے غریب ہی کیوں بھگتتے ہیں' کچھ دیر قبل آپ جیسا ہی کوئی ٹینشن کا مارا امیر میری ماں کو شدید زخمی کر کے یہاں ہسپتال میں چھوڑ گیا۔ اور اب آپ مجھ سے کوئی حساب بے باق کرنا چاہتی تھیں۔ محترمہ! گھر سے نکلتے وقت آنکھوں پر سے امارت کا چشمہ اتار کر نکلا کریں۔ دولت کی چربی جب آنکھوں پر چڑھ جائے تو صرف اپنا آپ ہی دکھائی دیتا ہے' لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ کے اطراف میں بسنے والے تمام لوگ خودکشی کر لیں۔"

"دیکھیے میں نے تسلیم کر لیا نا کہ میری غلطی ہے آئیے میں آپ کی ڈریسنگ کروا دوں۔" وہ گاڑی سے نکلنے لگی تو حارث نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

"آپ کا بہت شکریہ میڈم! مجھے کلینک کا راستہ آتا ہے یوں بھی میں کسی کا احسان لینا پسند نہیں کرتا۔" اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھا اور اپنی سائیکل اٹھا کر کلینک کی اندرونی جانب چل پڑا۔ اس کی چال میں واضح لڑکھڑاہٹ تھی' جس کا مطلب تھا کہ اسے شدید چوٹ آئی تھی لیکن بلا کا حوصلہ اور ضبط تھا اس میں' صبا کچھ شرمندگی اور کچھ جھنجلاہٹ میں اس کی طرف دیکھے گئی۔

"عجیب سڑیل اور جلا ہوا انسان ہے۔ معذرت بھی کرلی' پھر بھی ناک نیچی نہیں ہوئی موصوف کی' لگتا ہے آج کا دن بس پریشانیاں لے کر طلوع ہوا ہے۔" وہ سوچتی ہوئی گاڑی اسٹارٹ کر کے روڈ پر لے آئی۔ حقیقتاً آصف کی حالت کے بارے میں سن کر اس کا ذہن ماؤف سا ہو کر رہ گیا تھا۔

حارث نے سائیکل ایک جانب درخت کے نیچے کھڑی کی اور کلینک کے اندر چلا آیا۔ کوریڈور یوں سنسان پڑا تھا جیسے یہاں کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔ حارث کو یہ خاموشی کلینک کے ماحول کے حساب سے بہت غیر فطری سی لگی۔ مختصر سے کوریڈور کے دونوں اطراف دو دروازے تھے اس کے بعد دائیں جانب مڑ کر سب سے پہلے آئی سی یو آتا تھا' آئی سی یو کے سامنے دو لڑکوں کی موجودگی نے حارث کے قدم سست کر دیئے۔ جس طرح اسے فون کیا گیا تھا اس حساب سے اماں کو یہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس کے قدم خود بخود ان کی طرف مڑ گئے۔

"ایکسکیوزمی جناب! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کچھ دیر قبل جو زخمی خاتون لائی گئی ہیں انہیں کہاں رکھا گیا ہے؟"

"دیکھیے جناب دن میں یہاں جانے کتنی ایمرجنسیز آتی ہیں' اب ہمیں کیا معلوم آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔"

"یہی کوئی آدھا پون گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔"

"جی جناب تو پھر وہ آپ کو ایمرجنسی وارڈ میں ملیں گی اور دیگر معلومات کے لیے یہاں سے سیدھا بڑھتے چلے جائیں بائیں جانب کاؤنٹر پر موجود نرس سے تفصیل معلوم کی جا سکتی ہے' ویسے بائی داوے جان پہچان کے لیے میرا نام یاسر ہے اور یہ علی رضا ہیں' اور آپ......" یاسر حسب عادت دوستانہ لہجے میں بولا۔

"اپنے بارے میں صرف اتنا کہوں گا کہ مجھے لوگوں سے جان پہچان اور مراسم بڑھانے کا کوئی شوق یا ضرورت نہیں۔" یاسر کے دوستانہ لہجے کے جواب میں اس کا سرد لہجہ اور چہرے کا عجیب پتھریلا سا تاثر یقیناً ان دونوں کے لیے غیر متوقع تھا۔ وہ حیرت سے جاتے ہوئے حارث کی پشت پر نگاہیں جمائے کھڑے تھے۔

"مجھے تو یوں لگتا ہے یار جیسے کہ موصوف پہلی بار انسانوں کے درمیان آئے ہیں۔" یاسر نے اپنی دانست میں سرگوشی ہی کی تھی یہ اور بات کہ اس کی پھٹے بانس جیسی آواز میں کی گئی سرگوشی حارث کی حساس سماعت سے جا ٹکرائی تھی۔ اس کے چلتے قدم ٹھٹک کر رک گئے۔

"یار لگتا ہے اس نے سن لیا؟" اسے رکتے دیکھ کر علی رضا نے یاسر کو ٹہوکا دیا اور وہ کچھ بوکھلا کر ہونق بنا اس سمت دیکھنے لگا' حارث نے پلٹ کر انتہائی سرد اور کٹیلی نگاہوں سے یاسر کو گھورا۔

"ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔" بہت ٹھہرے

ہوئے سکوت خیز لہجے میں کہتے ہوئے اس نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ اس کی جلتی سلگتی ہوئی آنکھوں کے وحشت خیز تاثر نے کچھ دیر کو علی رضا اور یاسر کو جیسے جامد سا کر دیا۔

"یہ کیا کہہ گیا......" یاسر حماقت آمیز لہجے میں بولا۔

"دھمکی دے گیا ہے میرے احمق دوست۔ کہ ابھی اس کے پاس وقت نہیں بعد میں حساب بے باق کرے گا۔" علی نے یاسر کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

"ہائیں......"

"ہاں جی...... اب اس قصے پر مٹی پاؤ اور یہ بتاؤ کہ حیات انکل نے کس وقت آنے کو کہا ہے۔" علی رضا نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"یار مجھے آصف کی فیملی کی سمجھ نہیں آئی' اس قدر بڑی فیملی ہے اس کی اور کلینک میں صرف انکل آئے وہ بھی صرف دو بار' کیا بزنس اولاد سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ آصف اس قدر اگنورنیس کا شکار ہے۔ اب بھی انکل ممکن ہے کل آئیں۔"

"ہاں! ہم بڑے لوگوں کا یہی تو المیہ ہے کہ ہم نوٹ بنانے کی مشین بن جاتے ہیں۔ ہماری آدھی سے زیادہ زندگی تو بس کیلکولیشنز کرتے ہوئے گزر جاتی ہے اور ہمارے اردگرد بسنے والے کس بری طرح نظر انداز ہوتے ہیں' ہمیں اس کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا۔" علی کے لہجے میں افسردگی تھی۔

❁❁......❁......❁❁

حارث کو کاؤنٹر سے ہی پتہ چل گیا کہ اماں زنانہ وارڈ میں تھیں۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا وارڈ کی طرف آیا۔ دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی اس نے احمد کو دیکھ لیا تھا جو ایک بیڈ کے پاس رکھے بینچ پر پریشان سا بیٹھا ہوا تھا۔ حارث پر نظر پڑتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اگلے ہی پل اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ پتہ نہیں اتنی دیر تک اس نے خود پر کس طرح قابو رکھا ہوا تھا۔

"بھائی...... بھائی اماں!" وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولا۔

"احمد حوصلہ کرو...... چپ ہو جاؤ میرے بھائی......"

حارث اس کی کمر تھپکتا ہوا اماں کے بیڈ کے قریب چلا آیا۔ اماں غالباً نیند کے انجکشن کے زیر اثر تھیں انہیں ڈرپ لگی ہوئی تھی اور ان کا چہرہ' دائیں بازو اور دائیں ٹانگ گھٹنے تک پٹیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" حارث بنچ پر بیٹھتے ہوئے احمد سے بولا۔ اس کا لہجہ اور پلکیں بھیگ چکی تھیں۔

"بھائی یہ سب میری وجہ سے ہوا...... میں ضد کر کے اماں کو بازار لے گیا تھا۔ واپسی پر سڑک کراس کرتے ہوئے میں اماں کو چھوڑ کر آگے آگے بھاگ پڑا' اچانک نہ جانے کس طرف سے تیز رفتار گاڑی آ گئی اور اماں مجھے بچاتے بچاتے گاڑی سے ٹکرا گئیں۔"

"اماں کو اور تمہیں یہاں کون لایا؟"

"وہی آدمی جس کی گاڑی سے اماں ٹکرائی تھیں۔ وہی ہمیں یہاں چھوڑ کر گیا ہے اور دوبارہ آنے کا بھی کہہ کر گیا ہے۔"

"ہوں! اچھا ایسا کرو کہ تم اماں کے پاس بیٹھو میں ذرا ڈاکٹر سے مل کر تفصیل معلوم کر لوں۔" حارث اٹھنے لگا۔

"بھائی! ڈاکٹر کہتا ہے کہ اماں کی دائیں ٹانگ اور دایاں بازو دو تین جگہوں سے ٹوٹ گیا ہے' ابھی انہوں نے صرف پٹیاں باندھی ہیں وہ کہہ رہا تھا کہ اماں کا آپریشن ہوگا تو یہ ٹھیک ہوں گی۔" احمد کی بات سن کر حارث نے پریشان نظروں سے اماں کی طرف دیکھا' اماں کی اذیت پل پل اس کے اندر اتر رہی تھی۔

کیا زندگی تھی اماں کی...... کوئی سکھ بھی تو نہیں دیکھا تھا انہوں نے' غربت کی چکی میں پستے پستے آج یہ دن آ گیا تھا کہ اپاہج ہو کر بستر پر پڑی تھیں۔ اسے اپنے مفلوج باپ سے بھی کوئی گلہ نہیں تھا کہ جب تک وہ محنت کرنے کے قابل تھے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں رکھا' بہت اعلانہ سہی عام سے سکول میں ہی سہی پر انہیں تعلیم دلائی۔ شنو میٹرک کے پیپر دے کر فارغ تھی اور اس سے چھوٹی نگو مڈل کے امتحان دے چکی تھی۔ جب ابا پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ ان دنوں احمد چھٹی کلاس میں تھا۔ کتنے بحران سے گزر کر وہ گھر کے حالات سنبھال پائے تھے۔ حارث کو ایک ایک لمحہ یاد تھا' اسے تو یہ تک یاد تھا کہ اماں کھانا بنا کر ان سب کے آگے رکھ دیتی تھیں اور آخر میں خود بچا ہوا کھانا کھاتی تھیں اور اگر نہیں بچتا تھا تو کچھ نہ کھاتی تھیں' کتنی صابر تھی اس کی اماں...... اس کی بھیگی آنکھیں اماں کے زخموں بھرے وجود پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اور ذہن جانے کہاں کہاں گھوم رہا تھا۔

اسے یاد آیا' بچپن میں وہ صرف ایک بار اپنے ماموں کے گھر گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر یہی کوئی آٹھ نو سال تھی۔ ماموں نے بہت رسمی سے انداز میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ جبکہ ممانی نے یہ تکلف بھی اضافی سمجھا تھا۔ وہ اپنے چھوٹے سے گھر کے تنگ در و دیوار کا عادی تھا۔ اس وسیع و عریض کوٹھی کی بلند و بالا دیواریں' اس میں آرائشی چیزوں کی چمک دمک دیکھ کر اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ وہ سڑک پر جن گاڑیوں کو بھاگتا دوڑتا دیکھ کر حیران ہوتا تھا ویسی ہی تین گاڑیاں اس کے ماموں کے گھر میں لائن سے کھڑی تھیں۔ وہ حیران حیران سا ہر چیز کو دیکھتا رہا۔ اور پھر اسے اماں کا چہرہ یاد آ گیا' خاموش ستا ہوا...... اسے اماں کی آنکھیں یاد آ گئیں' ہر احساس سے عاری' سپاٹ' بے جان' ماموں چونکہ مصروف رہتے تھے سو وہ اٹھ کر چلے گئے' ممانی کو بھی شاپنگ کرنی تھی' سو وہ بھی چلی گئیں اور بہت بڑے ڈرائنگ روم میں اکیلی بیٹھی اماں اس سے نظریں چراتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ دیواروں سے یا آرائش و زیبائش سے نہیں اپنے بھائی اور بھابی سے ملنے گئی تھیں' لیکن اس بھائی کے پاس چند لمحے اپنی بہن کے لیے نہیں تھے اور ہوتے بھی کیسے غریب بہن سے مل کر اسے کیا فائدہ ہونا تھا۔

حارث کے خون میں نفرت کا ابال سا آ گیا۔ کیا اب ایسے وقت جب اماں زندگی کے بدترین اور اذیت ناک دور سے گزر رہی ہیں اس بھائی کے پاس چند لمحے ہوں گے' اپنی بہن کو پوچھنے کے لیے' اس کے درد بانٹنے کے لیے یا نہیں......

دولت کے انبار تلے دبے بلکہ مرے ہوئے ضمیر کو زندگی دلانا کسی کے بس میں نہیں ہوتا' اور حارث یونہی جلتا کڑھتا اماں کے قریب بیٹھا ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اماں کی ساری تکلیف خود لے لیتا اور انہیں بھلا چنگا کر دیتا لیکن اماں کو بھلا چنگا ہوتے کچھ عرصہ لگنا تھا اور حارث کی ایک نظر اماں کے چہرے پر تھی اور دوسری اپنی جیب پر...... جس میں پڑے چند روپوں سے بمشکل رات کا کھانا پکنا تھا۔ اماں کی دوائیاں' ان کا علاج اور آپریشن' ایک سوالیہ نشان تھا جو اس کی سوچوں پر جمود طاری کیے دے رہا تھا۔ اور سوچوں کی یہی بے معنی یلغار تھی جس نے اسے ایک ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا جو شاید عام حالات میں وہ کبھی نہ کر پاتا۔

❁❁......❁......❁❁

حارث ڈاکٹر سے بات چیت کرنے کے بعد احمد کو کچھ کھانے پینے کی چیزیں دے کر اسے اماں کے پاس چھوڑتا ہوا سیدھا گھر آیا تھا۔ گھر میں ابھی تک کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ کیا افتاد آن پڑی ہے۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر شنو نے کھولا تھا۔ حارث کے چہرے پر لکھی پریشانی پڑھ کر وہ اور بھی زیادہ متفکر ہو گئی تھی۔

"بھائی! اماں اور احمد صبح کے گئے ہوئے ابھی تک نہیں لوٹے۔" شنو بولی...... حارث سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے وہیں صحن میں بچھے تخت پر ڈھیر ہو گیا۔

"اماں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے شنو۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

"ہائے میرے اللہ......" شنو نے دھڑکتے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"کیسے بھائی......؟ اور اب اماں کہاں ہیں؟"

"وہ ہسپتال میں ہیں اور احمد بھی وہیں ہے ان کے پاس' ابھی مجھے پھر وہاں جانا ہے' تم یا نگو میں سے جو جانا چاہے وہ تیار ہو جائے۔"

"بھائی میں جاؤں گی اماں کے پاس۔" نگو روہانسی ہو کر بولی۔

"ابا سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں؟"

"جاگ رہے ہیں وہ بھی بہت پریشان تھے۔" شنو کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ حارث اندر کمرے میں ابا کے پاس آ گیا۔

"ابا! آپ نے دوا لے لی؟" وہ ان کے قریب ہی بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں لے لی' بیٹا! تمہاری ماں کہاں ہے کچھ اس کی خیر خبر لے لو۔" ابا بے چارے بستر پر پڑے پریشان ہی ہو سکتے تھے حارث کے تفصیل بتانے پر وہ اور زیادہ متفکر ہو گئے۔ اپنی بے بسی اور کم مائیگی کا احساس پہلے سے بھی زیادہ سوا ہو گیا۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔"

"ابا چالیس ہزار روپیہ لگے گا اماں کے بازو اور ٹانگ کے آپریشن پر۔ اور آپریشن دو دن کے اندر اندر ہونا ضروری ہے۔"

"تو اتنے پیسوں کا بندوبست کیسے ہوگا؟" شنو کے استفسار پر حارث نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حارث بیٹا' میرے پاس اس مکان کے سوا اور کچھ بھی نہیں' تم یہ مکان فروخت کر کے اپنی ماں کا علاج کروا لو۔"

"ابا! ہمارے پاس سر کی چھت کے سوا اور ہے ہی کیا۔ یہ بھی بک گیا تو ہم بالکل ہی ٹھوکروں میں آجائیں گے۔" شنو نے کہا۔

"پھر جو اللہ کو منظور ہوا اگر ہمارے مقدر میں ٹھوکریں لکھی ہیں تو کھانی پڑیں گی' لیکن اس وقت سب سے زیادہ ضروری تمہاری ماں کا علاج ہے۔ اگر بروقت بندوبست نہ ہوسکا تو وہ بھی میری طرح ساری زندگی کے لیے اپاہج اور محتاج ہو کر رہ جائے گی۔"

"نہیں ابا! ایسا نہیں ہوگا' یہ مکان بھی نہیں بکے گا اور اماں بھی ٹھیک ہو کر گھر آجائیں گی انشاء اللہ! بس آپ دعا کریں۔" حارث محبت سے ابا کا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔

"کیا تمہارا سیٹھ اس معاملے میں ہماری کوئی مدد کرسکتا ہے۔"

"نہیں ابا! جو جتنا دولت والا ہوتا ہے' اتنا ہی سنگدل ہوتا ہے' وہ تو مہینہ بھر خون نچوڑنے کے بعد بھی تنخواہ دیتے ہوئے یوں ہچکچاتا ہے جیسے محنت کا معاوضہ نہیں بلکہ خیرات دے رہا ہو۔"

"پھر...... پھر کہاں سے بندوبست ہوگا؟" ابا فکر مند تھے۔

"ہو جائے گا ابا آپ پریشان نہ ہوں اور شنو یہ نگو کہاں ہے' اسے بلاؤ' تاکہ اسے اماں کے پاس چھوڑ کر احمد کو واپس لے آؤں۔ وہ صبح سے وہیں ہے اور بہت پریشان ہے۔"

"بھائی میں تیار ہوں۔" نگو نے دروازے سے اندر جھانکا۔

"اچھا ابا پھر میں چلتا ہوں' آپ پریشان نہ ہوئیے گا۔ اللہ بہتر کرے گا۔ آؤ شنو دروازہ بند کردو اور ابا کا دھیان رکھنا۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے نکلا' اور سائیکل لے کر نگو کو ہمراہ لیے گھر سے باہر چلا گیا۔ جب حارث کلینک پہنچا تو شام کے سات بج رہے تھے۔

اماں ہوش میں تھیں اور شدید تکلیف میں تھیں۔ نگو تو اماں کو اس حال میں دیکھ کر بالکل ہی دل چھوڑ بیٹھی اور ان کے قریب بیٹھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اماں بے چاری اپنی تکلیف سے بے حال تھیں اس کے رونے سے اور گھبرا گئیں۔

"یہ کیا حماقت ہے نگو۔" حارث اسے سرزنش کرتے ہوئے اماں کے دوسری جانب ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"اماں! اب کیسی طبیعت ہے؟ ڈاکٹر آیا تھا کیا؟"

"ہاں آیا تھا اور دواؤں کی پرچی دے گیا ہے۔" اماں نقاہت بھرے لہجے میں بولیں۔

"کہاں ہے پرچی؟ مجھے دیں میں احمد کو چھوڑنے جاؤں گا تو آتے ہوئے لیتا آؤں گا۔"

"احمد کے پاس ہی ہے۔"

"اماں! زیادہ تکلیف تو نہیں۔" حارث کو اپنا سوال بہت بے معنی سا لگا۔ ایک ایسے انسان سے یہ سوال پوچھنا جس کے وجود کی کئی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہوں اور جسم زخموں سے چور ہو۔ عجیب اور بے معنی سا ہی تو ہے۔

"نہیں بیٹا! اس وقت زیادہ نہیں' تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے بہت تکلیف ہو رہی تھی تو ڈاکٹر نے کوئی انجکشن لگا دیا' اس کے بعد سے اب کچھ افاقہ ہے۔"

"آپ نے کچھ کھایا پیا بھی یا خالی پیٹ ہی انجکشن اور دوائیاں لے رہی ہیں۔"

"ارے بیٹا' یہ ہسپتال والے بہت اچھے ہیں' ایک بھلی سی نرس نے میرے ساتھ ساتھ احمد کو بھی زبردستی کھانا کھلا دیا۔ پر تم یہ بتاؤ کہ نگو کو کیوں ساتھ لے آئے' گھر میں شنو اکیلی ہوگی۔"

"اماں! یہاں آدمیوں کو رکنے کی اجازت نہیں ورنہ میں خود رک جاتا۔ آپ کا خیال رکھنے کے لیے بھی تو کسی کا ہونا ضروری تھا۔ اس لیے نگو کو لے آیا اور شنو کی آپ فکر نہ کریں' اس کے پاس ابا ہیں اور اب احمد کو بھی میں جاتے ہوئے لے جاؤں گا۔ آپ ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہ ڈالیں۔ اور زیادہ سے زیادہ آرام کرنے کی کوشش کریں۔"

"حارث بیٹا! تمہارے لیے بہت پریشانی بن گئی ہے نا۔"

"ارے اماں' کوئی پریشانی نہیں' ہاں صرف ایک پریشانی ہے اور وہ آپ کی صحت کے بارے میں ہے' بس آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے آگے بڑھ کر اماں کی پیشانی پر پیار کیا اور نگو کو اماں کا خیال رکھنے کی تاکید کرتا ہوا احمد کا ہاتھ تھامے باہر نکل گیا۔

احمد کو گھر چھوڑ کر وہ ایک بار پھر باہر نکل آیا۔ شام تک بے مقصد سڑک پر گھومتے پھرتے وہ اپنے ذہن میں سوچے ہوئے فیصلے پر نظرثانی کرتا رہا۔ کیا اس نے جو فیصلہ کیا وہ ٹھیک ہے۔ وہ مخمصے کا شکار تھا لیکن یہ وقت زیادہ دیر سوچنے کا نہیں تھا

عمل کا وقت تھا۔ اس کی جیب میں دوائیوں کی پرچی تھی اور ان دواؤں کی قیمت ادا کرنے کے لیے پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ اس کے قدم خود بخود ڈیفنس کے پوش ایریا کی طرف مڑ گئے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ ایک بہت بڑے آہنی گیٹ کے سامنے کھڑا تھا۔ گیٹ کے قریب کھڑا باوردی گن مین عجیب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟" یوں لگ رہا تھا جیسے چوکیدار نے زبردستی خود کو مہذب ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی ورنہ منہ پر تو "دفع ہو جاؤ" کا سائن بورڈ آویزاں تھا۔

"چوہدری مراد خان صاحب سے۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟" اس کی بات سن کر چوکیدار نے اسے گھور کر سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"پہلے تم یہ بتاؤ کس سلسلے میں ملنا ہے ان سے۔ کیا وقت لیا ہے ملاقات کا' یا یونہی منہ اٹھا کر چلے آئے ہو۔" اس کا لہجہ ہتک آمیز تھا' حارث کے خون میں ابال سا اٹھا مگر وہ ضبط کر گیا۔

"مجھے ان سے وقت لینے کی ضرورت نہیں ہے ماموں ہیں وہ میرے۔"

"یہ بھی اچھا لطیفہ ہے او بندے خدا کے میں پچھلے پندرہ سال سے یہاں ڈیوٹی کر رہا ہوں اور صاحب کے سب رشتے داروں کو بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تم نئے نئے بھانجے کہاں سے آگئے ہو؟" چوکیدار کا تمسخرانہ لہجہ اس بار حارث کو شدید تاؤ دلا گیا۔

"تم مسلسل مجھ سے جس لہجے میں بات کر رہے ہو اس طرح بات کرنے والے کا میں وہ حال کرتا ہوں کہ وہ آئینہ دیکھ کر اپنی شکل پہچاننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اندر جاؤ اور ماموں سے کہو کہ حارث یزدانی آیا ہے۔" حارث اپنے مخصوص تھرّیلے لہجے میں گویا ہوا تو چوکیدار نے بھی عافیت اسی میں سمجھی کہ اندر جا کر خبر کر دے۔ وہ ایک تذبذب کے عالم میں اندر گیا کچھ دیر بعد جب لوٹا تو اس کے تاثرات کافی بدلے ہوئے تھے۔

"جائیں جی' صاحب آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔" حارث نے ایک سخت سی نگاہ اس پر ڈالی اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ سترہ اٹھارہ سالوں میں اس گھر میں بھی بہت تبدیلی آگئی تھی۔ کوریڈور سے گزر کر وسیع و عریض لاؤنج تک جس کے ایک صوفے پر چوہدری مراد براجمان تھے' وہ ایک پل کو ٹھٹک کر رک گیا۔ دل و دماغ کی کشمکش میں وہ یہاں تک چلا تو آیا تھا لیکن اب بھی اس کا دماغ اس فیصلے کے حق میں نہیں تھا۔

"آؤ حارث......" چوہدری مراد کی آواز اسے جیسے ہوش میں لے آئی وہ ان کے قریب چلا آیا اور مصافحہ کر کے ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ چوہدری مراد کی گہری نگاہیں اپنے کڑیل جوان بھانجے کی تیکھی شخصیت اور اس کے بظاہر رف سے حلیے پر جمی ہوئی تھیں جبکہ وہ اس وقت خود کو بہت عجیب سی کیفیات کا شکار پا رہا تھا۔

سترہ سال کا عرصہ بہت طویل ہوتا ہے' لوگ چہروں کو ناموں کو اور بعض اوقات تو رشتوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ خاص طور پر چوہدری مراد خان جیسے بزنس مین جن کا ایک ایک لمحہ صرف کاروبار اور کاروباری سرگرمیوں کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ اماں تو سال دو سال بعد دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر بہن بھائی سے مل لیتی تھیں لیکن حارث اور شنو نے جب کچھ ہوش سنبھالا تو رشتے داروں کے سرد رویوں کے باعث پیچھے ہٹ گئے۔ اماں کے بے حد اصرار پر بھی وہ ان کے ہمراہ اپنے ننھیال نہیں آتے جاتے تھے۔ اور اب سترہ سال بعد وہ اپنے ماموں کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور حیران تھا کہ سارے لفظ گونگے کیوں ہوگئے ہیں۔ اس کی زبان ہلنے سے قاصر تھی اور ادھر چوہدری مراد خان کی نگاہیں اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ پر تھیں اور ذہن میں گزری باتوں کی بازگشت تھی۔

کتنا چاہا تھا انہوں نے کہ کمال یزدانی ان سے رقم لے کر کوئی کاروبار کرلیں' کتنی بار آپا سے اصرار بھی کیا' زندگی کے مسئلے مسائل بتائے' پیسہ کتنی ناگزیر چیز ہے سمجھانے کی کوشش کی لیکن کمال بھائی پر تو انا اور خودداری کا ایسا بھوت سوار تھا کہ انہوں نے چوہدری مراد کی ایک نہ چلنے دی۔ ساری زندگی خودداری کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے اور اپنی زندگی تو جیسے تیسے گزر ہی رہی تھی بچوں کا بھی مستقبل خراب کر کے رکھ دیا۔

چوہدری مراد خان کو یاد آیا کہ جب کمال یزدانی پر فالج کا اٹیک ہوا تو انہوں نے اس وقت بھی آپا کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس بار بھی ناکام رہے تھے' انہیں شدید کوفت ہوتی تھی یہ سوچ کر کہ ان کی آپا کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں لیکن ان سب کی غیرت' انا اور خودداری ہی انہیں لے بیٹھی تھی اور

چوہدری مراد ہائی سوسائٹی میں موو کرنے والی شخصیت تھے‘ سو کمال یزدانی اور ان کا گھرانہ اس دوڑ میں بہت پیچھے رہ گیا تھا اور آج سترہ سال بعد حارث یزدانی ان کے سامنے بیٹھا تھا‘ بچپن میں کمزور اور دبو سا دکھائی دینے والا حارث اس قدر قابل رشک جوان نکلا تھا کہ ان کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔ ہاں بچپن میں اس کی آنکھوں میں جو تلخی انہوں نے محسوس کی تھی وہ اب اس کے پورے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ انہوں نے کھنکھار کر اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

”کہو حارث بیٹا! کیا حال ہے‘ آپا اور گھر والے سب ٹھیک تو ہیں نا۔“ وہ جیسے رسم دنیا نبھاتے ہوئے بولے۔

”جی باقی سب تو ٹھیک ہیں مگر اماں......“ لفظ ایک بار پھر اس کے حلق میں گھٹ گئے۔

”کیا بات ہے بیٹا! کوئی پریشانی ہے؟ کیا ہوا آپا کو؟“ انہوں نے اسے بولنے کی ڈھارس دی۔

”وہ ماموں دراصل میں یہ بتانے آیا تھا کہ اماں کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور ان کے بازو اور ٹانگ میں دو تین جگہ فریکچر آئے ہیں۔ وہ اس وقت عثمانیہ کلینک میں ہیں۔“

”اوہ اچھا! تو علاج وغیرہ کے لیے پیسوں کی ضرورت ہوگی تو بیٹا اس میں اتنا جھجکنے والی کون سی بات ہے۔ میں ابھی چیک لکھ دیتا ہوں تمہیں۔“ انہوں نے کوٹ کی جیب سے چیک بک نکالی۔

”ماموں! میں چاہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ کلینک چل کر اماں کو دیکھ لیتے‘ ایسے وقت میں آپ کے جانے سے انہیں بہت حوصلہ ہوگا‘ اور مجھے بھی سپورٹ ملے گی۔ دراصل جب سے ابا پر فالج کا اٹیک ہوا ہے اماں بہت زود رنج ہوگئی ہیں۔“ حارث کو اپنا لہجہ اور انداز بہت اجنبی سا لگ رہا تھا۔ لیکن ایسے وقت اس نے اپنی خودداری اور انا کو ایک طرف رکھ دیا‘ صرف اماں کی خاطر وہ اپنے سارے اصول توڑ بیٹھا تھا۔ بیس پچیس سال کی اپنی باپ کی کمائی ہوئی خودداری کی دولت لٹا بیٹھا تھا۔

”دیکھو بیٹا! تم تو جانتے ہی ہو کہ کتنا بڑا بزنس ہے میرا۔ دن رات میٹنگز میں بزی رہتا ہوں‘ اس وقت بھی دیکھو میں تیار بیٹھا تھا کہ تم آگئے۔ اصل میں بزنس میں ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے‘ تم ایسا کرو یہ چیک لے لو‘ آپا کا علاج اچھی طرح کرواؤ اور ضرورت پڑے تو بلا جھجک کہہ دینا میں دو چار دنوں میں جیسے ہی فرصت نکال پایا آپا کو دیکھنے آجاؤں گا۔ تمہاری ممانی بھی ایک پارٹی میں گئی ہوئی ہیں ورنہ وہی تمہارے ساتھ چلی جاتیں۔ بہرحال ڈونٹ وری آپا ٹھیک ہوجائیں گی‘ لو یہ چیک رکھ لو۔“ کوئی جذبہ نہیں تھا ان کے لہجے میں۔ افسردگی‘ پریشانی کی جھلک تک نہ تھی چہرے پر۔ حارث کو ایک پل کو یہی لگا کہ چوہدری مراد خان کے سامنے وہ نہیں کوئی بھکاری کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے مدد کی ضرورت تھی لیکن مدد بھیک کی صورت میں نہیں چاہیے تھی اسے‘ وہ جس تڑپ اور احساس کو اپنے ماموں کے وجود میں تلاشنے چلا آیا تھا‘ اس میں ناکام ہوگیا۔ اسے خود پر غصہ آگیا۔ وہ یہ کیوں بھول گیا تھا کہ چوہدری مراد خان کسی کے بھائی‘ بیٹے یا ماموں نہیں بلکہ بزنس مین ہیں دو جمع دو پانچ کے چکر میں رہنے والے۔ وہ جذبوں کو نوٹوں میں تولنے والے تھے اور حارث کے پاس مادی دولت نہیں تھی۔ اس نے ایک نظر چوہدری مراد کے چہرے پر ڈالی اور دوسری ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر۔

”سوری چوہدری صاحب! میں بھیک لینے نہیں آیا۔ میری ماں کہتی تھی کہ اس کے ماں جائے اس سے بہت پیار کرتے ہیں‘ جس طرح وہ ان کی تکلیفوں پر تڑپ اٹھتی ہیں‘ ان کی اذیت پر وہ بھی ایسے ہی تڑپ اٹھتے ہیں۔ بس وہ تڑپ دیکھنے چلا آیا تھا۔ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ پل مجھ غریب کو عنایت کیے یقیناً اس کے عوض آپ کا نقصان تو ضرور ہوا ہوگا۔ اس کے لیے معذرت قبول کیجیے۔“ حارث کے لہجے میں چبھتی چنگاریاں چوہدری مراد کو ایک پل کے لیے تو حیران کرگئیں۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگے۔

”عجیب لڑکا ہے...... ان کے ذہن نے حارث کے بارے میں یہ رائے دی تھی۔

وہ تیز تیز ڈگ بھرتا گیٹ سے باہر نکلا اور پھر رک گیا۔ آہنی گیٹ بند ہوچکا تھا اور اس گیٹ کے پیچھے آج اس نے خود اپنی انا‘ غیرت اور خودداری کا خون کیا تھا۔ وہیں کہیں مدفن تھا اس کی ذات کے ان قابل فخر گوشوں کا‘ ایک وحشت کے عالم میں اس نے جھک کر ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور پوری طاقت سے گیٹ پر دے مارا۔

کھڑکیوں کے پردے ٹھیک کرتی صبا مراد کی نگاہیں گیٹ کے باہر کھڑے اس وحشت بھرے وجود پر جم گئیں۔ جس کے

چہرے کے جنوں خیز تاثرات گیٹ پر آویزاں لیمپوں کی روشنی میں بہت واضح دکھائی دے رہے تھے۔ گن مین کے باہر نکلنے تک وہ وہاں سے جاچکا تھا اور صبا اس کی یہاں موجودگی اور اس کی حرکات پر حیران سی کھڑی تھی۔

❁❁......❁......❁❁

موبائل پر ہونے والی مسلسل بپ نے اسے جاگنے پر مجبور کردیا۔ اس نے مندی مندی آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا جو نو بجنے کا اعلان کررہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر سے موبائل اٹھا کر آن کیا اور کان سے لگایا۔

”ہیلو......“

”اب اٹھ جاؤ محترمہ! کب تک گدھے‘ گھوڑے‘ خچر‘ ہاتھی بیچ کر سوتی رہوگی۔“ فروا کی چہکتی ہوئی آواز اس کے حواس بیدار کرگئی۔

”ال مینرڈ لڑکی پہلے سلام دعا کیا جاتا ہے پھر کوئی دوسری بات۔“

”نہ بھئی! ہم نے تو صرف ایک خبر سنانے کے لیے فون کیا تھا اور وہ یہ کہ ابھی ابھی علی کی کال آئی تھی کہ آصف کو ہوش آگیا ہے۔ تارہ اور یاسر بھی وہیں موجود ہیں میں بھی وہیں جارہی ہوں اگر کہو تو راستے سے تمہیں بھی لیتی چلوں۔“

”یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ جلدی سے آجاؤ میں تمہیں تیار ملوں گی۔“ آصف کے ہوش میں آنے کی خبر نے جیسے اس کے اندر ایک نئی انرجی انجیکٹ کردی۔ پندرہ منٹ میں وہ بالکل تیار تھی اور گیٹ کے قریب موجود تھی۔ فروہ کی گاڑی کا ہارن سن کر تیزی سے باہر نکلی اور اس کی طرف بڑھی‘ فروہ نے فرنٹ ڈور کھولا اور صبا کے بیٹھتے ہی گاڑی چلادی۔

”بڑی جلدی تیار ہوگئیں ورنہ جس طرح تم نے ہیلو کہا تھا میرا خیال تھا کہ تمہیں یہاں آکر جھنجوڑ کر جگانا پڑے گا۔“

”ارے تمہیں کیا پتہ میں کس قدر کونشس ہورہی تھی آصف کے بارے میں۔ خدا کا شکر ہے کہ اسے ہوش آگیا۔“

”خیریت! اس قدر کونشس تو تم کسی کے لیے نہیں ہوئیں۔“ فروہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”آصف کسی نہیں ہے‘ بی از آور گڈ فرینڈ اور پھر وہ ہمیں بچانے کی کوشش میں اس قدر زخمی ہوا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ کونشس نہیں ہونا چاہیے۔“ صبا کو فروہ کا انداز عجیب سا لگا۔

”کیا تمہیں اس کی حالت کا سن کر کوئی فیلنگ نہیں ہوتی؟“

”میں اپنی فیلنگز شیئر نہیں کرنا چاہتی۔“ فروہ کی نظریں ونڈ اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے لہجے میں کوئی چیز ایسی ضرور تھی جس نے صبا کو چونکا دیا۔

”فروہ کیا بات ہے؟ آج میں تمہارے لہجے میں کچھ بہت الگ محسوس کررہی ہوں۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں......“ فروہ مختصر جواب دے کر خاموش ہوگئی لیکن صبا کا دماغ اس گتھی کو سلجھانے میں لگا ہوا تھا۔ اسے آصف کی ذو معنی باتیں یاد آنے لگیں جو وہ اکثر فروہ کو مخاطب کرکے کہہ جاتا تھا۔ لفظوں کی شکلیں وہی رہتی ہیں لیکن جذبوں میں اور لہجوں سے انکا تاثر بدل جاتا ہے تو کیا فروہ اور آصف......؟ صبا کے ذہن میں بجلی کی تیزی سے ہی خیال کوندا تھا اور پھر جیسے ایک سرخوشی کی کیفیت میں اس نے فروہ کے سنجیدہ چہرے پر نگاہ ڈالی۔

یہ محبت بھی کیا چیز ہے کتنے گہرے دوستوں کو بدگمان کردیتی ہے۔ یقیناً صبا کا آصف کے لیے کونشس ہونا فروہ کو ناگوار گزرا تھا۔ غالباً اس نے اسے کسی اور رنگ میں دیکھا تھا۔ باقی کا راستہ خاموشی سے کٹ گیا۔ گاڑی جب عثمانیہ کلینک کے احاطے میں داخل ہوئی تو صبا کو یاسر‘ علی رضا‘ طاہر جلیل اور تارہ باہر لان کے گھاس پر ہی بیٹھے دکھائی دے گئے۔

”یہ سارے آصف کے پاس جانے کی بجائے یہاں بیٹھے کیا جھک مار رہے ہیں۔“ اگنیشن سے چابی نکالتے ہوئے فروہ نے جیسے خود کلامی کی۔

”ہیلو ایوری باڈی۔“ صبا تارہ کے قریب بیٹھتے ہوئے خوش دلی سے بولی۔

”وعلیکم ہیلو! کیا زمانہ آگیا ہے اب تو سلامتی بھی ہل ہل کر بھیجی جاتی ہے۔“ یاسر مضحکہ خیز انداز میں بولا۔

”آپ سنائیں صبا؟ کیسی ہیں آپ؟“ طاہر جلیل کی گھمبیر آواز اور مہذب لہجہ صبا کو اس کی طرف متوجہ کرگیا۔

”یہ سوال تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے تھا۔ مجھے تو بہت معمولی سی چوٹ لگی تھی۔ جبکہ آپ تو اچھے خاصے زخمی ہوگئے تھے۔ ویسے میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کرتی ہوں اس تکلیف کے لیے جو آپ نے میری خاطر اٹھائی۔“

”مس صبا! یہ سب رسمی باتیں ہیں اور دوستوں میں ایسی

باتیں کچھ جچتی نہیں۔" طاہر مسکرایا۔

"آہم! ویسے یار طاہر! اس دن کیا ہوا تھا جب علی کو مجھے اور آصف کو شاذان گردیزی کے غنڈے پیٹ رہے تھے۔" یاسر کا معنی خیز لہجہ سبھی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا جبکہ صبا جز بز ہو کر رہ گئی۔

"رہنے دو ان باتوں کو تم لوگ یہ بتاؤ کہ آصف کا کیا حال ہے اور تم سب اس کے پاس جانے کی بجائے یہاں کیوں تشریف فرما ہو؟" فروہ نے صبا کی حالت دیکھتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"یار اندر جاتے ہوئے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ اس کے اتنے ڈھیر سارے رشتے دار مرد و خواتین آئے ہوئے ہیں کہ کمرے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ خاص طور پر اس کی بہنیں اور کزنز وغیرہ۔ ان کی وجہ سے ہم نے بہتر یہی سمجھا کہ یہاں بیٹھ جائیں جب وہ چلے جائیں گے تو ہم اس کے پاس چلے چلیں گے۔ یوں بھی خدا کا شکر ہے کہ وہ نہ صرف مکمل ہوش و حواس میں ہے بلکہ کافی بہتر ہے اس کی طبیعت۔" طاہر نے اپنے وہاں بیٹھنے کا جواز دیا۔

"ہاں یہ بات تو صحیح ہے۔ فیملی کے درمیان بہت آکورڈ سا لگتا ہے کہ ہم بھی گھس کر بیٹھ جائیں۔" تارہ نے بھی رائے زنی کی۔

"بھئی میں اور علی تو مسلسل تین چار دن سے صبح شام چکر لگا رہے ہیں یونیورسٹی تو آف ہے سو فارغ ہی ہیں۔"

"یونیورسٹی نے تو آف ہونا ہی تھا۔ تھوڑا ہنگامہ تو نہیں ہوا۔ شاذان گردیزی کے اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں نے کتنے اسٹوڈنٹس کے لیے پریشانی کھڑی کردی۔" فروہ نے کہا۔

"صرف پریشانی! پچاس سے زیادہ اسٹوڈنٹس شدید زخمی ہوئے اور جرنلزم ڈیپارٹمنٹ کا ایک بہترین اسٹوڈنٹ علی فراز اس ہنگامے میں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ کیا شاذان یا کوئی اور اس کے بوڑھے والدین کا سہارا بنے گا۔ یونیورسٹی کا ماحول ٹھیک ہو جائے گا ہر چیز اپنی جگہ پر واپس آجائے گی لیکن علی فراز نہیں آئے گا اور اس کی موت کے ذمے دار کتنے سکون سے اپنی سرگرمیوں میں مصروف رہیں گے۔ کوئی ان کا گریبان پکڑنے والا نہیں۔" یاسر افسردہ لہجے میں بولا۔

"کیا پولیس نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا۔" صبا نے پوچھا تو طاہر جلیل نے بہت عجیب انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"مس صبا! آپ کونسی دنیا میں بستی ہیں۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ شاذان گردیزی اور اس کا گروپ وہی ہے جو آپ کی نگاہوں کے سامنے ہے...... نہیں...... یہ صرف مہرے ہیں بساط پر محض پیادے' انہیں چلانے والا تو کوئی اور ہے ان کے پیچھے ایک منظم نیٹ ورک ہے۔ جس کی شہہ پر یہ اس حد تک کارروائیاں کر جاتے ہیں اور کوئی انہیں پوچھتا تک نہیں۔ اس کے خلاف رپورٹیں درج کرائی جاتی ہیں انویسٹی گیشن بھی ہوتی ہے لیکن سب کچھ محض دکھاوا۔ پولیس ان کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر اپنی پیٹیاں نہیں اتروا سکتی۔ چند دن بھاگ دوڑ کے بعد کیس داخل دفتر کر دیئے جاتے ہیں اور مجرم جیل میں سڑنے کی بجائے اپنے گھروں کے اے سی رومز میں بیٹھے آئندہ کی پلاننگ کر رہے ہوتے ہیں۔ ایسے بیسیوں کیس ہیں مس صبا! جن پر صرف خانہ پری کی کارروائی ہوئی اور آج وہ فائلیں پولیس تھانوں میں منوں گرد تلے دبی اپنی اصلیت بھی کھو چکی ہیں۔ یہ سسٹم اب اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اسے سدھارنے کا خیال بھی بہت ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ میں یا آپ اس پر صرف کڑھ ہی سکتے ہیں۔" طاہر جلیل تلخ لہجے میں بولا۔

"ویسے یار ایک بات تو ہے تم اس دن یونیورسٹی بہت وقت پر پہنچے۔ اگر تم نہ آتے تو شاید صبا اور آصف......" یاسر نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں یاسر! ایسی بات نہیں مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقت ور ہوتا ہے' یہ تو بائی چانس میں اس دن یونیورسٹی چلا گیا حالانکہ میرا آف تھا۔ میں اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ہی تھا جب ہنگامہ اور فائرنگ ہوئی۔ میں نے شہزاد اسلم اور راشد کو ساتھ لیا اور باہر آ گیا۔ اس وقت آصف' حدید اور اس کے گرگوں کے نرغے میں پھنسا ہوا تھا۔ اسی وقت میری نظر مس صبا اور مس فروہ پر پڑی۔ میں نے شہزاد وغیرہ کو وہیں چھوڑا اور خود بھی ان کی طرف آ گیا۔ میرا خیال تھا کہ انہیں کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کے بعد میں واپس آجاؤں گا لیکن جتنی دیر میں میں واپس پلٹا شہزاد' راشد کی مدد کے لیے کچھ اور اسٹوڈنٹس بھی پہنچ چکے تھے' اور اس طرح آصف کو حدید اور اس کے گرگوں سے بچالیا گیا۔ اس سارے دھاچوکڑی میں ایک عدد گولی نے میری مزاج پرسی بھی کی لیکن یہ اس کی مہربانی تھی کہ مجھ میں سمانے کی بجائے بس چھوتی ہوئی گزر گئی۔ ورنہ آج طاہر جلیل کا دسواں ہوتا اور آپ سب چاول کھا رہے ہوتے۔" آخر میں طاہر کا لہجہ خوشگوار ہو گیا۔ اس نے ایک بار بھی اپنی گفتگو کے درمیان یہ نہیں جتایا تھا کہ اسے گولی صبا کو بچاتے ہوئے لگی تھی۔ اور اس کی یہی بات صبا کو بہت الگ سی لگی۔

"پھر بھی شکریہ کے طور پر صبا کو چاہیے کہ تمہیں اچھی سی چائے پلائے اسی بہانے ہم بھی پی لیں گے۔" یاسر نے کہا۔

"نہیں بھئی اس ماحول میں مجھ سے کچھ کھایا پیا نہیں جائے گا۔ آپ لوگ منگوانا چاہیں تو اپنے لیے منگوالیں۔" طاہر نے بڑی خوشدلی سے ٹالا۔

"ادھر تو دیکھو! یمراج مہاراج تشریف لا رہے ہیں۔" یاسر کی بات سن کر پہلے علی نے اور پھر باقی سب نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ کلینک کے کوریڈور سے حارث نکل کر ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔

"ارے یہ تو ادھر ہی آ رہا ہے۔" یاسر گڑبڑائے ہوئے انداز میں بولا۔

"ہاں لگتا ہے آج اس کے پاس اچھا خاصا وقت ہوگا۔" علی کا لہجہ خیال انگیز تھا۔

"اسے وقت مل گیا یا میرا وقت پورا ہوگیا۔" یاسر کھکھیاتے ہوئے بولا۔

"مسئلہ کیا ہے آخر' کچھ ہمیں بھی بتاؤ گے یا آپس میں ہی کوڈ ورڈز میں بولتے رہو گے۔" فروہ نے کہا۔

ان سب کی نظریں آتے ہوئے حارث پر جمی تھیں لیکن وہ ان سب سے بے نیاز قریب سے گزرتا ہوا قدرے فاصلے پر موجود سنگی بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کچھ...... کچھ ایسا تھا جس نے پل بھر کو ان سب کو اس کی طرف بھرپور توجہ دینے پر مجبور کر دیا۔

"کیا تم اس کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ یہ شخص ایب نارمل ہے۔" صبا نے کہا تو سب نے حیرت بھری سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یعنی اس کا مطلب ہے کہ یہ موصوف آپ سے بھی ٹکرا چکے ہیں۔"

"جس دن میں آصف کو دیکھنے آئی تھی اس دن کلینک سے نکلتے ہوئے اس کی سائیکل سے میری گاڑی ٹکرا گئی۔ میں نے سوری کہا اور ڈریسنگ کی آفر بھی کی مگر موصوف جانے خود کو کیا سمجھتے ہیں مجھے کھری کھری سنا کر لنگڑاتے لنگڑاتے کلینک کے اندر چلے گئے۔ میں سمجھی معاملہ ٹل گیا مگر کہاں جی؟ کل شام میرے گھر پر پہنچ گئے۔"

"ہیں! تمہارے گھر......" تارہ تو حیرت سے چیخ ہی پڑی۔ باقی سب بھی حیرت سے صبا کی بات سن رہے تھے۔

"پھر...... پھر کیا ہوا؟" فروہ بے چینی سے بولی۔

"ہونا کیا تھا......!" صبا نے گہری سانس لی۔ "موصوف نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا' ٹھائیں سے بند گیٹ پر مارا اور چلے آئے۔"

صبا کی بات سن کر سب کے ہونٹوں سے قہقہہ پھوٹ پڑا۔

"واہ بھئی کیا زبردست انتقام ہے۔ بھئی مان گئے۔" علی ہنستے ہوئے بولا۔

"یار یہ اپنے طاہر جلیل تو لگتا ہے کسی لمبے مراقبے میں ہیں او اللہ کے بندے جاگ جا۔" علی نے طاہر کا کندھا ہلایا جو بہت پرسوچ نگاہوں سے حارث کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں سویا ہوا نہیں بلکہ آپ سب کی باتوں نے مجھے غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ مس صبا مراد اور یاسر الماس کے قول کے مطابق وہ سامنے سنگی بنچ پر بیٹھا شخص ایب نارمل ہے جبکہ میرا خیال الگ ہے۔"

"آپ کا خیال ہے کہ اس شخص نے اپنے اوپر سختی اور کرختگی کا خول چڑھا رکھا ہے۔ یہی بات آپ نے شاذان گردیزی کے بارے میں بھی کی تھی اور حالات نے ثابت کر دیا کہ غلط تھی۔"

"وہ الگ بات ہے' اس شخص کے بارے میں میرا یہ اندازہ ہے کہ اس نے حالات کی بہت تلخیاں اور ٹھوکریں دیکھی اور سہی ہیں۔"

"دیکھیے طاہر صاحب! آپ اس کی طرف دیکھ کر بات نہ کریں ایسا نہ ہو کہ وہ ساری تلخیاں آ کر ہم پر انڈیل جائے۔" یاسر نے طاہر کو ٹوکا جو ٹکٹکی باندھے حارث کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ حارث کی گاہے بگاہے اٹھتی آنکھیں ان پر پڑ جاتی تھیں اور وہ کچھ بے چین سا دکھائی دے رہا تھا۔

"بہر حال جو کچھ بھی ہے ایک بات تو طے ہے کہ اس شخص کا رویہ کسی طور پر مہذب انسانوں جیسا نہیں' اس کے

لہجے اور آنکھوں میں چھپی تحقیر مخاطب کو بالکل ہی گرا پڑا بنا کر رکھ دیتی ہے۔"

"نہیں صبا! اس کی آنکھوں میں تحقیر نہیں ہے شاید آپ نے غور نہ کیا ہو' اس کی آنکھوں میں وحشت ہے' کچھ کر گزرنے کا جنون ہے' اور اگر میرا اندازہ درست ہے تو یہ شخص اپنے ارادوں میں ناکام ہونے کے بعد کسی حد تک ضرر رساں اور خطرناک ثابت ہوسکتا ہے اس کا محض خیال ہی کیا جاسکتا ہے۔" طاہر جلیل کا انداز پرسوچ تھا۔

"زندگی کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے دو نظریں ہوتی ہیں' ایک نظر جو سب اچھا ہے دیکھتی ہے اور ایک نظر سب برا ہے' دونوں انتہا پسند ہوتی ہیں اور یہی انتہا پسندی زندگی کو لے ڈوبتی ہے۔ ہمیشہ کچھ اچھا اور کچھ برا ہوتا ہے' لیکن ہم جب اپنے نظریات سے ہٹ کر زندگی کو دیکھتے ہیں تو اکثر مایوسی ہوتی ہے۔ شاید اسی طرح کی مایوسی ہی اس شخص کی آنکھوں میں وحشت بن کر ابھر آئی ہے۔" صبا نے طاہر جلیل کی بات کو مزید آگے بڑھایا۔

"خواتین و حضرات اگر آپ ان صاحب کے شخصی پوسٹ مارٹم سے فراغت پاچکے ہوں تو ملک آصف کو ملاقات کا شرف بخشنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ ان کے رشتہ داروں کی فوج ظفر موج یہاں سے روانہ ہوچکی ہے۔" یاسر نے گویا اطلاع دی اور سب کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آصف ان سب کی اکٹھے آمد پر حیرت و خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مسکرایا' انہوں نے یکدم اس کے کمرے پر دھاوا بولا تھا۔ جس کو جو جگہ ملی وہیں براجمان ہوگیا۔

سب کی خوش گپیوں کے دوران دو چار بار آصف کی نظریں فروہ کے چہرے پر بھٹکی تھیں جس کے چہرے پر مسکراہٹ اور حزن کی ملی جلی کیفیت نے عجیب سی معصومیت اور ندرت پھیلادی تھی۔ اس کی جھکی ہوئی پلکیں کسی پل آصف کی طرف اٹھتیں اور پھر جیسے اپنے ہی جذبوں کی حدت سے گھبرا کر فوراً رخ بدل لیتیں۔ صبا کی آنکھوں نے یہ منظر دیکھے تھے اور مسکرادی۔ دل نے ان معصوم جذبوں کی قبولیت کی چپکے سے دعا مانگ ڈالی۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد وہ سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے فروہ نے ایک الوداعی نظر آصف پر ڈالی جو بہت محویت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں شوق کا ایک جہان آباد کیے' وہ گھبرا کر باہر نکل گئی۔

❁❁ ...... ❁ ...... ❁❁
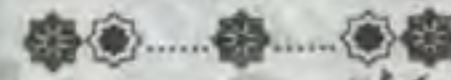
وہ رات کھانے کی ٹیبل پر بہت دیر سے آئے تھے۔ فروہ مراد حسب معمول کسی پارٹی میں انوائیٹڈ تھیں۔ ملازم نے ٹیبل پر کھانا لگادیا۔ انہوں نے باؤل میں کچھ سوپ نکالا' چمچ سے ایک دو سپ لے کر پتہ نہیں کیا ہوا' وہ ٹیبل سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ تھا جو ذہن کے کسی گوشے میں چبھ رہا تھا۔ ان کی نظریں سجے ہوئے دسترخوان پر جمی ہوئی تھیں۔ صبا اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف جارہی تھی جب اس کی نظر ڈائننگ روم کے کھلے دروازے سے اندر کے منظر پر پڑی تو ادھر ہی آگئی۔

"پاپا...... آپ کب آئے۔" وہ ساکت کھڑے چوہدری مراد کے قریب آکر بولی تو وہ جیسے نیند سے چونک گئے۔

"کھانا کیوں نہیں کھایا پاپا؟" اس نے پلیٹوں اور برتنوں کو دیکھا پھر باپ کے خاموش چہرے پر نظر ڈالی۔

"بھوک نہیں بیٹا...... کیا آپ اچھی سی کافی پلاؤ گے پاپا کو۔" وہ جیسے کسی ٹرانس کی کیفیت سے نکلے۔ پیار سے صبا کے سر کو تھپکتے ہوئے بولے۔

"مجھے بھی کافی کی طلب ہی باہر لے آئی تھی پاپا...... ابھی بناتی ہوں' مل کے پئیں گے۔" وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ مراد صاحب بھی ڈائننگ روم سے نکل کر لاؤنج میں آبیٹھے۔ کافی بنا کر صبا نے ایک کپ ان کو دیا دوسرا خود لے کر نیچے کشن پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

"جی پاپا...... اب جلدی سے مجھے وہ بات بتادیں جو اتنی دیر سے آپ کو پریشان کررہی ہے؟"

"کوئی بات نہیں بیٹا...... بس تھک گیا ہوں آج۔" انہوں نے نظر چرائی۔

"پاپا...... میں آپ کی بیٹی ہوں...... آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ ماما سے زیادہ آپ کے قریب ہوں میں...... بتائیں ناں پاپا کیا ہوا ہے؟" صبا نے آج سے پہلے کبھی انہیں اتنا خاموش اور پریشان نہیں دیکھا تھا۔

"تمہاری بڑی پھپھو کا ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ حارث آیا تھا شام کو...... اس نے بتایا...... میں نے پیسے دینے چاہے لیکن پتہ نہیں آپا نے کیسی تربیت کی ہے ان بچوں کی...... انکار کرکے چلا گیا۔" صبا کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

"پاپا...... کس وقت آیا تھا حارث......؟"

"یہی چھ بج رہے ہوں گے۔" اسے وہ خبطی یاد آگیا جس نے بند گیٹ پر پتھر پھینک کر گویا اپنی بے بسی' رنج اور غصہ نکالا تھا۔ وہ تبھی تبھی وہ اس کا پیچھا کرتے کرتے یہاں آپہنچا تھا لیکن......وہ تو...... کیا وہ حارث تھا؟"

"حارث نے کیا بتایا پھوپھو اب کیسی ہیں؟" صبا نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"آپا کی حالت تشویشناک تھی تبھی تو وہ یہاں چلا آیا تھا۔ ورنہ کمال بھائی اور ان کی اولاد کی خودداری کی تو کوئی مثال ہی نہیں۔" وہ جیسے خود کلامی کے انداز میں بول رہے تھے۔

"پاپا...... آپ پھوپھو کو دیکھنے کیوں نہیں گئے؟" صبا نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"کیا آپ کو ماما کی ناراضی کا خیال ہے...... یہی بات ہے ناں پاپا...... آپ ماما کو خفا نہیں کرسکتے' ان کی خاطر آپ نے اپنے ماں جائیوں سے خون کے رشتوں سے تعلق ختم کرلیا...... مگر معاف کیجیے گا پاپا...... کیا آپ کو نہیں لگتا کہ آپ کے اردگرد کی اس مصنوعی تعیشات سے پُر زندگی میں بہت بڑا خلا ہے۔" وہ جیسے آئینہ لے کر ان کے سامنے کھڑی تھی۔ ان کی آنکھیں اس کے صبیح چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"پاپا...... آئینے پر جتنی بھی گرد جمی ہو دل جمعی سے صاف کردی جائے تو وہ پھر سے چمک اٹھتا ہے پاپا...... آپ نے اپنے پیاروں کو نظر انداز کیے رکھا لیکن دل کے نہاں خانوں میں آج بھی وہ موجود ہیں اگر ایسا نہ ہوتا پاپا...... تو آج آپ کھانے کی بھری میز پر سے بنا لقمہ لیے کبھی نہ اٹھتے...... کیا چیز تھی جس نے آپ کو مجبور کردیا پاپا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ اداس ہیں بے چین ہیں۔" صبا نے ان کے گھٹنے سے سر ٹکاتے ہوئے کہا۔ ان کا ہاتھ اس کے سر پر آٹکا۔

صبا نے ان کے دل کے آئینے پر جمی گرد صاف کرکے انہیں سچائی کی صورت دکھادی تھی۔

"صبا...... میں ابھی اسی وقت آپا کو دیکھنے جانا چاہتا ہوں۔ کہیں دیر نہ ہوجائے۔" یکدم جیسے وہ ہواسوں میں آگئے تھے۔ صبا کو اپنے ہمراہ لے کر جب وہ ہاسپٹل پہنچے تو سامنے کوریڈور میں دوائیں لیتا حارث بے یقینی کا مجسمہ بنا انہیں دیکھے گیا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف لپکے۔

"مجھے جلدی سے آپا کے پاس لے چلو حارث......" بے تابی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ کہہ رہے تھے۔ حارث بنا کچھ کہے اماں کے وارڈ کی طرف چل پڑا۔ جنرل وارڈ میں پٹیوں سے جکڑا مختصر سا وجود انہیں تڑپا گیا تھا۔ بہتی آنکھوں کے ساتھ وہ سسکتے ہوئے آپا سے لپٹ گئے۔ اماں تو جیسے حیرت و بے یقینی اور خوشی کے مارے بت کی طرح ساکت ہوگئی تھیں۔ نگو بیڈ کے ایک طرف انگشت بدنداں کھڑی تھی۔ صبا کا ایک ہاتھ باپ کے کندھے پر تھا اور ایک اماں کے زخمی بازو پر...... اور حارث بس اتنا جانتا تھا کہ چوہدری مراد کا صرف آنا ہی اماں کے ہر زخم کا علاج تھا۔ اماں کی آنکھیں بھی برس رہی تھیں۔ چوٹیں تو ظاہری وجود پر تھیں مگر اندر کے زخموں کا درد اتنا تھا کہ ان کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"بس آپا...... درد کا موسم کٹ گیا۔ چپ ہوجائیں۔ مجھے معاف کردیجیے آپا' ان ساری کوتاہیوں کے لیے جو اس ناخلف بھائی سے سرزد ہوئیں۔ آئندہ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اماں کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے پھر صبا کا ہاتھ تھام کر ان کے سامنے کیا۔

"اپنی بھتیجی سے ملیں آپا...... صبا مراد...... وہی جس کے لیے پیارے پیارے فراک سی کر لاتی تھیں آپ۔" اماں کی آنکھوں میں ستارے سے جگمگانے لگے۔ صبا آگے بڑھ کر ان کی پُرشفقت بانہوں میں سمٹ آئی۔ یہ حادثہ تو ان کے لیے سکھ لے آیا تھا۔

"واہ ربا...... تیری مصلحت تو ہی جانے۔" ایک اطمینان بھری سانس لیتے ہوئے انہوں نے بہت محبت سے اپنے خون کے رشتوں کو دیکھا تھا ایسا لگتا تھا ہر درد کا مداوا ہوگیا۔

❁❁ ...... ❁ ...... ❁❁

"آصف صحت یاب ہوچکا تھا۔ یونیورسٹی کے معمولات بھی دوبارہ اپنی ڈگر پر آگئے تھے۔ انہی دنوں میں آصف اور فروہ کی منگنی کی خبر نے پورے گروپ کو جیسے ایک تھرل سا دے دیا۔ آصف نے باضابطہ پرپوزل بھیجا تھا فروہ کے گھر جسے بغیر رد و قدح کے قبول کرلیا گیا۔ ملک حیات جیسے ٹائیکون کے ہاں بیٹی کا رشتہ ہونا قابل قدر ہی تو تھا۔

"یار ویسے چھپے رستم نکلے تم دونوں۔" علی رضا نے آصف کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جاٹ سنجیدہ انداز میں کہا۔

"ہاں ہماری ناک کے نیچے سب کچھ ہوتا رہا' ہمیں پتہ

ہی نہ چلا میاں رانجھے......'' یاسر اپنے مخصوص انداز میں فروہ کو گھورتے ہوئے بولا۔ فروہ بے چاری الگ جھینپی جھینپی مسکرا رہی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے یار بس اچانک سب ہوگیا۔'' آصف نے جان چھڑانا چاہی۔

''جانے دے یار محبت کی ہے تو مرد کا بچہ بن کر اعتراف بھی کر...... اوئے علی رضا ادھر سے ایک پھول توڑ کر دے ملک کو...... آج اعتراف کا دن ہے...... اور اس کے ساتھ ہی وارننگ بھی ہے۔''

''وارننگ......؟'' سب چونک کر یاسر کی طرف دیکھنے لگے۔

''صرف اپنے گروپ کے لیے...... کہ اگر آئندہ گروپ کا کوئی فرد اس طرح ہم سے لکا چھپی کھیلا تو اس کا دانہ پانی بند......'' یاسر مضحکہ خیز انداز میں بولا تو سب ہی ہنس پڑے۔

پھر ایک خوبصورت سی شام میں فروہ کی انگلی میں ملک آصف حیات کے نام کی انگوٹھی سج گئی۔ وہ شام سب کے لیے ہی یادگار ٹھہری تھی۔ یاسر اور علی رضا نے محفل کو جو رنگ دیا وہ سب کے لیے ہی بہت پیارا' پرکشش اور انوکھا تھا۔ وہ دن ایک خوبصورت یاد بن گیا۔

اینول پیپرز ہوگئے تو طاہر جلیل لاہور واپس چلا گیا۔ علی رضا اور یاسر پر انگلینڈ ہائر اسٹڈیز کے لیے جانے کا بھوت سوار ہوگیا۔ آصف' ملک حیات کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے لگ گیا اور صبا ان گزرے دنوں میں اپنے سب ساتھیوں کی عدم موجودگی سے بہت بد مزہ ہوگئی تھی۔ فروہ آج کل اپنی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ کبھی کبھی وہ اسے بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیتی تھی لیکن اس کی عدم دلچسپی کے باعث بہت بور ہوجاتی تھی۔

ان گزرے دنوں میں اس کی توجہ کا مرکز وہ گھر بن گیا تھا جہاں اس کی بہت محبت کرنے والی پھپھو اور ان کا چھوٹا سا کنبہ آباد تھا۔ جو ایک تنگ سی گلی میں واقع تھا۔ مختصر سے صحن اور چھوٹے چھوٹے کمروں پر مشتمل اس گھر کے مکینوں کے دل بہت وسیع تھے۔ شروع شروع میں فرخندہ مراد نے بہت ناک بھوں چڑھائی تھی۔ بے حد ناگواری کا اظہار کیا تھا لیکن چوہدری مراد خان اور صبا مراد کے پرخلوص رویوں اور ان کے جھکاؤ کو محسوس کرکے خاموش ہوگئی تھیں۔

صبا ہر دوسرے دن کی شام اپنی پھپھو کے ہاں گزارتی تھی۔ ان کی شفیق بانہوں میں سمٹ کر ماتا کی ایسی خوشبو اس کے رگ و پے میں سرائیت کرجاتی تھی جس سے وہ آج تک ناآشنا تھی۔ نگو اور شنو شروع شروع میں اس سے بے حد مرعوب رہی تھیں لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کی اپنائیت اور محبت بھرے رویے کے سبب اس کے قریب ہوگئی تھیں۔ اور احمد تو گویا اس کا لاڈلا تھا۔ اپنے کرکٹ' اسٹڈیز دوستوں کے احوال وہ بے حد اپنائیت کے ساتھ اس سے شیئر کرتا تھا۔ بس ایک حارث تھا جس کے ساتھ وہ بات کرتے ہوئے جھجک جاتی تھی۔ ایک اجنبیت کی دیوار جو شروع سے حائل تھی نہ اسے گرانے کی کوشش کبھی حارث نے کی تھی نہ ہی صبا مراد نے ایسی ضرورت محسوس کی تھی۔

ایک کے بعد ایک سکہ وقت کے تھال میں گرتا رہا۔ حارث کی سرد مہری سے مایوس ہوکر شبنم پیا دیس سدھار چکی تھی۔

وقت کے فیصلے بھی بے حد عجیب ہوتے ہیں' صبا مراد کے پتھر دل کو بھی جونک لگ ہی گئی تھی لیکن اس کا دل جس بے مہر کی طرف مائل تھا' وہاں ایسے کوئی آثار تھے ہی نہیں۔ اسے گزرے ماہ و سال میں طاہر جلیل کی دستکیں بھی یاد تھیں کتنے عرصے تک وہ پرامید رہا تھا کہ شاید صبا مراد اس کی ہمراہی کا فیصلہ کرلے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ اس کی کسی دستک کے جواب میں دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اور جس دستک کے انتظار میں وہ تھی شاید وہ اس کے مقدر میں تھی ہی نہیں۔ شنو کا بہت اچھا رشتہ آیا ہوا تھا۔ پھپھو نے اسے بلا بھیجا۔ صبا شام سے کچھ پہلے ہی وہاں پہنچ گئی تھی۔ شنو کے ساتھ پورے گھر کی صفائی ستھرائی سے لے کر چائے کے لوازمات تک کی تیاری میں ہر کام میں وہ پیش پیش رہی۔

اماں بہت توجہ سے اس کے خلوص اور بے ریا سلوک کو دیکھ رہی تھیں۔ دل میں ایک خواہش نے چٹکی سی لی۔ مگر دامن چھوٹا تھا' اور طلب بہت بڑی۔ انہوں نے خود کو ڈانٹ دیا۔

''آج تو میڈم کی سج دھج ہی اور ہے۔'' اپنا گفٹ کیا ہوا سوٹ اسے پہنا کر تھوڑا سا تیار کیا تو صبا حیران رہ گئی شنو عام دنوں کی نسبت بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ اس کی اس تعریف پر وہ شرما گئی۔

''شنو...... سر میں بہت درد ہے گڑیا...... اسٹرونگ سی

چائے......'' وہ بولتا بولتا کچن کے دروازے تک پہنچا مگر کچن میں اسے سرگرم دیکھ کر خاموش ہوگیا۔ اس نے ایک بار نظر اٹھا کر حارث کی سمت دیکھا پھر برنر آن کرکے اس پر چائے کی کیتلی رکھ دی۔ حارث کی نظر اس کی پشت پر لہراتی آبشار پر ایک پل کو ٹکی پھر وہ پلٹ گیا۔

شام میں مہمان شنو کو انگوٹھی پہنانے آئے تو اسی وقت چوہدری مراد خان بھی آگئے۔ ان کی آمد نے ماحول کو مزید خوشگوار کردیا تھا۔ خوش گپیوں میں رات کا کھانا کھایا گیا۔ مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد چوہدری مراد اماں کے پاس ہی بیٹھے رہے۔ کمال یزدانی نے ایک طویل عرصے کے بعد اپنی نصف بہتر کو بے حد پرسکون اور خوش دیکھا تھا۔ مراد خان نے کچھ کاغذات اماں کی گود میں رکھے۔

''بھائی مراد یہ کیا ہے؟'' اماں حیران سی ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

''آپا...... کوئی احسان نہیں ہے...... خدارا میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں میری آپا' میرے کمال بھائی بہت خوددار ہیں۔ آپ کو آبائی حویلی تو یاد ہوگی آپا' کچھ دن پہلے اس کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ بہت اچھی قیمت پر فروخت ہوگئی ہے وہ اور اسی کے ساتھ ہی کچھ فاصلے پر ایک مکان تھا' سب کے متفقہ فیصلے سے بڑے ہونے کے ناطے وہ آپ کے نام کردیا گیا ہے۔ یہ اسی کے کاغذات ہیں۔''

اماں کو آج ان کے صبر کا پھل مل گیا تھا۔ شنو کا بہت اچھی جگہ رشتہ طے ہوگیا تھا' حارث کے اچھے مستقبل کے امکانات روشن ہوگئے تھے۔ کمال یزدانی کا بہت اچھی طرح علاج ہوسکتا تھا اور احمد کے بھی سب خواب پورے ہوسکتے تھے۔ بہت جلد بقول شنو کے وہ کبوتروں کا کابک چھوڑ کر اس وسیع مکان میں شفٹ ہوگئے۔ جس کے کھلے ہوادار اور روشن کمرے' کھلا صحن بے شک قدرے پرانی طرز کے تھے لیکن بالکل درست حالت میں تھے اور اچھے اور مناسب فرنیچر اور بہتر سیٹنگ سے جیسے نکھر گئے تھے۔ سب کچھ ٹھیک ہوگیا تھا۔ کھوئے ہوئے رشتے دوبارہ مل گئے تھے۔ زندگی سہل ہوگئی تھی۔ رویوں کی کڑواہٹیں کبھی کہیں جا سوئی تھیں۔ اماں کے دل میں چٹکی لیتا ارمان مسلسل ان کو بے چین کرنے لگ گیا تھا۔ صبا اب بھی معمول کی طرح ان کے پاس آتی تھی۔ خاموش آنکھوں اور مسکراتے لبوں کے ساتھ ان سے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی' احمد کے کان کھینچتی' شنو کے ساتھ گپیں لگاتی' کچھ پل ان کے ساتھ بتا کر چلی جاتی۔

پچھلے کچھ دنوں سے شنو کے سسرال والوں نے پرزور اصرار شروع کر رکھا تھا کہ جلد سے جلد وہ شنو کی رخصتی چاہتے ہیں۔ اماں بے چاری کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے تھے۔ سب کے تسلی دینے کے باوجود گھبرائی گھبرائی سی پھرتی تھیں کہ کس طرح انتظامات ہوں گے۔ چوہدری مراد نے بہت سے انتظامات اپنے سر لے لیے تھے۔ صبا بھی تقریباً روزانہ آجاتی تھی شنو کو لے کر بازار جانا شاپنگ کرنا ٹیلر شاپس کے چکر' دوپٹوں کی رنگائیاں' الیکٹرونکس اور برتنوں کی خریداری تک میں صبا ساتھ ساتھ تھی۔ بالآخر خدا خدا کرکے تمام انتظامات مکمل ہوئے اور شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔

شنو کو مایوں بٹھا دیا گیا۔ صبا پیلے سوٹ میں ڈھیر ساری سرخ و سبز چوڑیاں پہنے لمبے بال پشت پر کھلے چھوڑے پنک سے میک اپ میں عام دنوں سے ہٹ کر اپنی چھب دکھا رہی تھی۔ مہندی کے تھال سجانے کے بعد کچن کے انتظامات دیکھنے وہ بڑی تیزی سے چلتی ہوئی اپنی ہی دھن میں سامنے سے آتے حارث سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

''اوہو...... ہو دیکھ کر......'' بے چارہ حارث بھی گھبرا سا گیا۔

''سس...... سوری۔'' وہ کہتی ہوئی غڑاپ سے کچن میں گھس گئی۔ حارث سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

''کمال ہے...... ہر روز یہ لڑکی الگ ہی لگتی ہے۔'' اسے آج بھی صبا سے اپنی ہونے والی پہلی ملاقات یاد تھی۔ کتنا تلخ اور کڑوا تھا وہ ان دنوں...... غربت کی سخت دھوپ میں جلتے جلتے ساری گرمی اس کے لہجے میں سمٹ آئی تھی۔ اب...... اب سب کچھ خواہش کے مطابق تھا۔ کوئی کمی نہیں تھی لیکن اس وقت کے حالات کی تلخی کی دین آج بھی اس کے اردگرد تھی۔ آج بھی اس کی آنکھیں ویسی ہی خاموش تھیں ہاں بس وحشت کم ہوگئی تھی۔ وہ چاہنے کے باوجود سب میں گھل مل نہیں پاتا تھا۔ اس کی خاموشی اور تنہائی پسندی کی وجہ سے سب ہی باوجود کوشش کے اس سے فری نہیں ہو پاتے تھے۔ کسی کی جھکی ہوئی پلکیں اور آبشار جیسے بال اسے بھی کوئی خوبصورت سا جملہ کہنے پر اکساتے تھے مگر وہ جو سخت خول اپنے گرد چڑھا بیٹھا تھا اب خود بھی اسے توڑ نہیں پارہا تھا۔
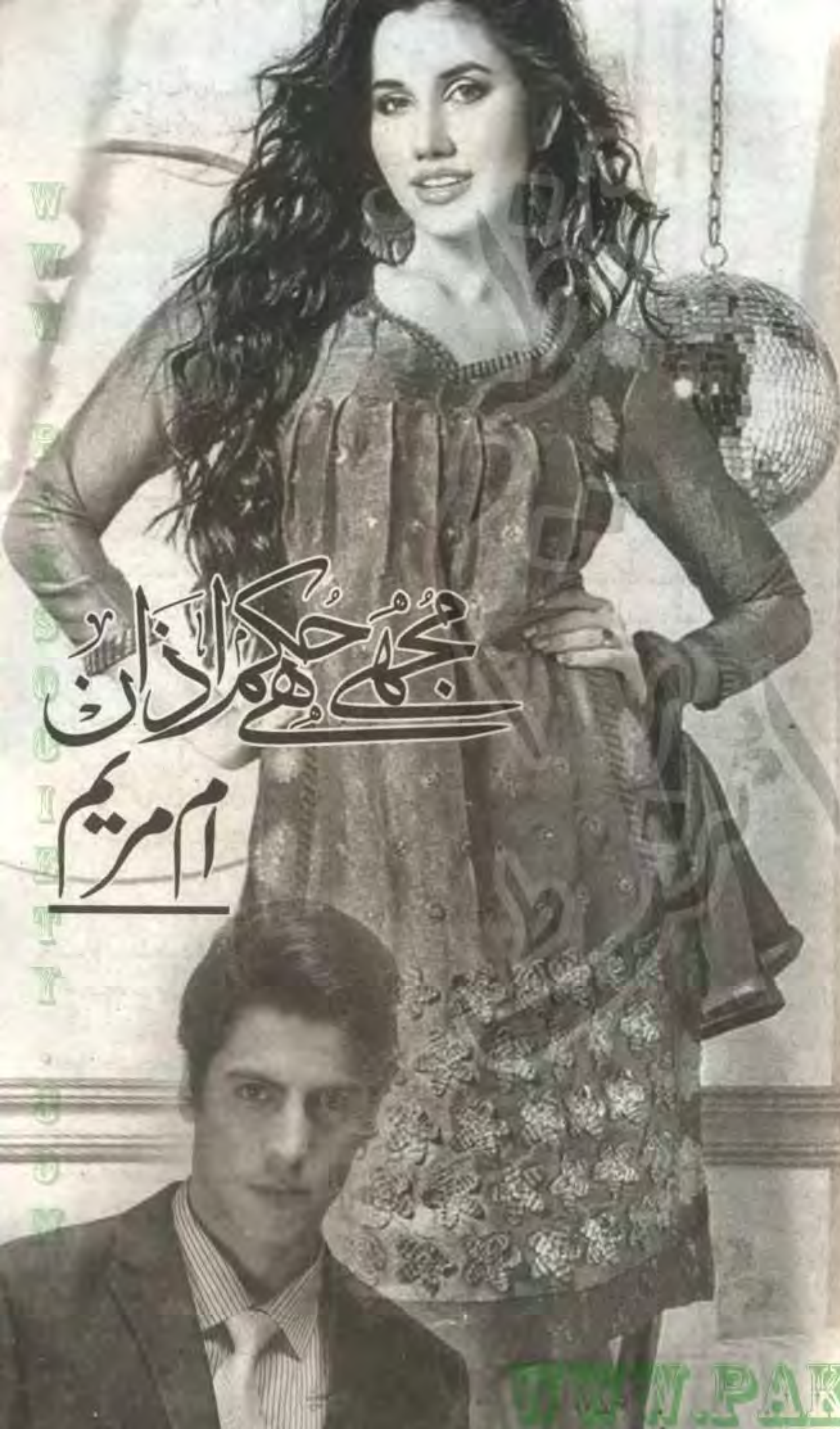
مہندی کا فنکشن ختم ہوگیا' سب مہمانوں کے جانے کے بعد جب صرف گھر والے رہ گئے تو صبا سب کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔ دسمبر کے اوائل تھے۔ رات خاصی خنک تھی۔ گرما گرم چائے نے سب کی تھکاوٹ کم کردی۔ کمبلوں میں گھسے باتیں کرتے کرتے جو جہاں تھا وہیں پسر کر سو رہا تھا۔ صبا کچھ دیر تو سونے کی کوشش کرتی رہی...... جب آنکھ نہ لگی تو کمرے سے باہر نکل آئی۔ کچن میں کھٹ پٹ کی آوازیں آرہی تھیں...... وہ ادھر ہی آگئی۔ حارث شاید چائے کی طلب میں ادھر آگیا تھا۔

"بیٹھے پلیز...... میں بنا دیتی ہوں چائے۔" وہ کچھ جھجک کر بولی تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔ شاید اس کی غیر متوقع آمد پر کچھ حیران بھی ہوا لیکن اس کی بات مان گیا۔

"اوکے......" وہ اسٹول کھینچ کر بیٹھ گیا۔ صبا کچھ جھجک کر آگے بڑھی اس کا خیال تھا کہ وہ چلا جائے گا مگر وہ بیٹھ گیا تھا۔ صبا نے کیتلی میں پانی ڈالا چینی اور پتی ڈال کر چولہا جلا کر کیتلی اس پر رکھ دی۔ کچن میں دو نفوس تھے لیکن خاموشی ایسی تھی جیسے کوئی موجود ہی نہیں تھا۔

"لیجیے......" چائے کا کپ حارث کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے ذرا سا آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کپ تھام لیا۔

"آپ نے اپنے لیے نہیں بنائی چائے۔" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" وہ جانے لگی۔

"صبا......" دروازے کی طرف بڑھتے قدم اس کی پکار پر رک گئے' اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"جی......"

"بہت عرصے پہلے ایک رائٹر ایس مراد نے رشتوں کی خوبصورتی اور اپنائیت پر ایک کہانی لکھی تھی' تو ایچ یزدانی نے اس پر بہت سخت الفاظ میں تنقید کی تھی۔ لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ ایس مراد نے سچ کہا تھا۔ ہوتا ہے نا کبھی کبھی انسان ہر چیز کو اپنی سوچ کے مطابق دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر چیز ہماری سوچ کے مطابق ہوتی ہی کب ہے۔"

صبا بہت حیران سی ایس مراد اور ایچ یزدانی کے معمے کو سلجھتا دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار حارث اس سے اس طرح بات کررہا تھا۔ اتنی اپنائیت سے ورنہ تو اسے ہمیشہ خاموش' لب بھینچے دیکھا تھا اس نے۔

"ایچ یزدانی نے بھی کچھ غلط نہیں کہا تھا...... کیونکہ اس کے سامنے رشتوں کی جو صورت تھی اس نے وہی پیش کرنی تھی ناں...... اور ایک رائٹر ہونے کی حیثیت سے بھی تنقید سے گھبرانا نہیں چاہیے' قارئین کی تعریف و تنقید تو کسی بھی فنکار کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتی ہے۔" صبا مسکرا اٹھی۔

"یعنی ایس مراد رشتوں کی خوبصورتی محسوس کرنے میں ایچ یزدانی کا ساتھ دے گی۔" حارث کی پرشوق نظریں اٹھتی جھکتی پلکوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"جو ایس مراد ہوگی وہی بتائے گی۔" سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے بمشکل کہا۔

"صبا...... میں ایک روشن صبح کا منتظر ہوں...... بہت وقت ہاتھ سے ریت کی طرح پھسل چکا ہے...... کوئی جگنو' کوئی تارا میرا ہمسفر کردو پلیز۔" اس کی بھاری آواز میں گئے دنوں کی ساری تھکن سمٹ آئی۔ مگر امید کی روشنی اس کی وحشت بھری آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ صبا نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا دل آگے بڑھ کر یہ تھکن سمیٹنے کو چاہا۔

"اس گھر کے در و دیوار میں بہت سکھ ہے...... پھپھو کی محبت...... ہار سنگھار کے درخت کی گھنی چھاؤں اور اس کے اندر بنے چڑیوں کے گھونسلے۔ احمد کی شوخیاں اور نگو کی معصومیت...... سب ہی بہت انمول ہے اور......"

"اور......" حارث بہت محویت سے اسے دیکھ اور سن رہا تھا۔

"اور...... اور عمر خیام کی رباعی کی طرح سادہ مگر نہ سمجھ میں آنے والا ایک شخص......" آواز دھیمی اور پرخواب سی ہوگئی۔

"کون......؟" حارث نے دھیرے سے کہا کہ کہیں خواب ٹوٹ نہ جائے۔

"وہی جو خاموش رہتا ہے مگر اس کی خاموشی بولتی ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تھی۔ باہر کو بھاگ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آبشار سی لہرائی تھی۔

وہ کھل کر مسکرا دیا۔ مہربان محبت نے اس کے چور چور وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

قسط نمبر 3

برف کی سل بھی تو حدت سے پگھل جاتی ہے
کیوں نہ اس شخص کو سینے سے لگایا جائے
تجھ سے بچھڑے ہیں قیامت تو نہیں ٹوٹی ہے
اک ذرا سی بات پہ کیوں حشر اُٹھایا جائے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

یہ کہانی نندنی گریوال سے شروع ہوتی ہے جس کا تعلق دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے ہے باپ کرسچن جبکہ ماں ہندو ہے۔ نندنی اپنی ماں کے ساتھ انڈیا میں جبکہ اس کا بھائی باپ کے ساتھ امریکا میں مقیم ہے۔ برسوں قبل امریکا میں نندنی کسی ایشین مرد سے ملتی ہے جس کی شخصیت کا سحر اس قدر طاری ہو جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتی رہتی ہے نندنی کی ماں سریتا دیوی کے دوسرے شوہر کا بیٹا نندنی کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے سریتا دیوی نندنی کو دیو سے شادی کرنے پر مجبور کرتی ہے جس پر نندنی دلبرداشتہ ہو کر اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے کہانی کا دوسرا اہم کردار عباس حیدر جس کی نسبت بچپن ہی سے اپنے چچا کی بیٹی لاریب سے طے ہے اپنی خاندانی روایت کی پاسداری نہ کرتے ہوئے شوبز جوائن کر لیتا ہے جس پر سارا خاندان اس سے قطع تعلقی اختیار کر لیتا ہے عباس کے جانے کا سب سے زیادہ اثر لاریب پر ہوتا ہے وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے دوسری طرف عباس اریشہ سے شادی کرتا ہے اس کی شادی کی خبر سن کر لاریب شدید صدمے سے دوچار ہوتی ہے اور حویلی کے خاص ملازم سکندر جو گھر کے ایک فرد کی طرح ہے اسے شادی کے لیے خود پرپوز کرتی ہے سکندر لاریب کو چپکے چپکے دل میں پسند کرتا ہے اور لاریب کی ذہنی حالت اور صدمے کے آگے ہار مانتے ہوئے اس سے کورٹ میرج کر لیتا ہے لاریب عباس کو اپنی اور سکندر کی شادی کی خبر فون پر سناتی ہے جس پر وہ حسد کرنے کے بجائے مبارک باد دیتا ہے جب ہی لاریب کو شدت سے اپنی غلطی اور سکندر کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے جس پر وہ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے کہانی کا تیسرا اہم کردار شرجیل جس کا تعلق جوائنٹ فیملی سے ہے خاندان میں اسے بے حد اہمیت حاصل ہے اس کی چچازاد علینہ جو دلچسپ شخصیت کی مالک ہے شرجیل کو دل ہی دل میں پسند کرنے لگتی ہے لیکن شرجیل پہلے سے ہی ایمان کو پسند کرتا ہے جس کی نسبت پہلے سے ہی وقاص سے طے ہے لاریب خوش قسمتی سے بچ جاتی ہے جب کہ سکندر اس کے انتہائی قدم پر ششدر رہ جاتا ہے لاریب کے گھر آنے کے بعد سکندر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں اور ایمان کے سامنے ہی اس پر بگڑ پڑتی ہے۔

دیو کے بارہا منع کرنے کے باوجود سریتا دیوی ایک بار پر نندنی سے دیو کے متعلق بات کرتی ہیں جس پر شدید طیش میں آ کے بالکونی کی چھت سے کود جاتی ہے مگر ایک بار پھر وہ بد قسمتی سے بچ جاتی ہے جس پہ دیو اور سریتا دیوی شکر کا سانس لیتے ہیں ڈاکٹر زینب نندنی کو پیار سے سمجھاتی ہیں نتیجتاً وہ ان کے قریب سے قریب تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ دوسری جانب عباس عریشہ کے ساتھ نئی زندگی میں مگن ہے جب کہ لاریب اپنی کی گئی حماقت پہ سکندر سے مزید نفرت کرنے لگتی ہے اس کی بیماری کا سن کے ایمان اور امامہ سکندر کے گھر ملنے جاتی ہیں وہ بھی نکاح نامہ لینے کی غرض سے ان کے ساتھ چلی جاتی ہے نکاح نامہ نہ ملنے کے باعث وہ شدید رنج میں مبتلا ہو جاتی ہے سکندر کچھ دن بعد جب لاریب کو ڈراپ کرنے جاتا ہے لاریب اس سے نکاح نامہ لے کے جلا دیتی ہے جب کہ سکندر ششدر رہ جاتا ہے۔

دوسری جانب شرجیل ایمان کے گھر رشتہ بھیجتا ہے جو توقعات کے عین مطابق رد کر دیا جاتا ہے جب کہ تایا جی حویلی کے رکھ رکھاؤ و دولت سے بے حد متاثر ہوتے ہیں شرجیل فراز کو ایمان کے بھاگنے کا لائحہ عمل بتاتا ہے جس پہ وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے

......☆☆☆......

"یعنی آپ......؟"

"ہاں میرا یہی مطلب ہے اور سنو اب تم جاؤ مجھے نیند آ رہی ہے۔" شرجیل کے اطمینان و سکون میں ذرا برابر بھی جو فرق آیا ہو جبکہ فراز صحیح معنوں میں ہل کر رہ گیا تھا۔

"یہ زیادتی ہے بھائی!"

"شٹ اپ فراز! تم جا سکتے ہو۔"

"بھائی میں آپ سے صرف ایک بات کہنا چاہوں گا۔ اگر آج آپ کسی کی عزت سے کھیلو گے تو کل خدانخواستہ کوئی آپ کی عزت کی طرف بھی میلی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔"

"بس کہہ چکے تم جو کہنا تھا۔ اب جاؤ نان سنس! پہلی بات تو یہ کہ میں اس سے نکاح کروں گا دوسری یہ اہم اطلاع ہوگی تمہارے لیے کہ وہ خود میرے ساتھ بھاگنے پر آمادہ ہے۔" شرجیل کا لہجہ طنزیہ تھا۔ فراز نے حیرت سے ساکن ہو جانے والی نگاہ سے شرجیل کے بے حد وجیہہ چہرے کو دیکھا اور دیکھتا رہا پھر افسردگی سے مسکرا دیا۔

"ہاں شاید وہ بیچاری آپ کے خوبروئی وجاہت اور اسمارٹنس پر مر گئی ہوگی۔" اس نے گہرا سانس کھینچا اور واپسی کو پلٹ گیا۔ شرجیل نے اٹھ کر دروازہ لاک کیا پھر بستر پر گر کر سوچنے لگا اب اسے ایمان سے ایسا کیا کہنا ہے کہ وہ سب کچھ فراموش کر کے اس کے ساتھ بھاگنے پر آمادہ ہو جائے۔

......❁......❁......❁

تیرا بننا سنورنا مبارک تمہیں
کم سے کم اتنا کہا تو مانا کرو
یہ ادا دیکھنے والے لٹ جائیں گے
یوں نہ ہنس ہنس کے دلبر اشارہ کرو
چاند شرمائے گا چاندنی رات میں
یوں نہ زلفوں کو ایسے سنوارا کرو

وہ تیار ہو کر جوتے کے اسٹریپ بند کر رہی تھی جب عباس نے اسے پیچھے سے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ گنگناہٹ کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری تھا۔ آج کل اس کے انگ انگ سے سرشاری چھلکتی تھی۔

"اف عباس اتنی تعریفیں نہ کیا کریں۔ رئیلی میں شرمندہ ہونے لگتی ہوں۔"

"شرمندگی کی وجہ؟ جانِ من میں شوہر ہوں تمہارا۔" عباس نے مسکرا کر اس کے ریشمی بالوں میں منہ چھپایا اور عریشہ کو لگا گویا چودھویں کے چاند پر گھنیرے بادل چھا گئے ہوں۔ وائیٹ پینٹ کوٹ میں ملبوس عباس حیدر اپنی سحر انگیز شخصیت سے اکثر و بیشتر عریشہ کو احساسِ کمتری کا شکار کرنے لگا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے جب بھی کہیں باہر نکلتے عباس پر اٹھنے والی نگاہوں میں جتنی ستائش اور توصیف کے رنگ ہوتے لوگ اسے دیکھ کر اسی قدر حیرانی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ عریشہ ان چند دنوں میں متعدد بار اپنے احساس کو افسردگی سمیت عباس تک پہنچا چکی تھی اس وقت بھی عباس نے بہت سرعت سے اس کی کیفیت کو پا لیا تھا جبھی بہت خوب صورتی سے موضوع تبدیل کر دیا۔

"یار پیکنگ تو کروائی ہے نا اپنی نگرانی میں؟ یو نو ہماری کل شام کی فلائٹ ہے۔"

"جی کروالی ہے کچھ اور تھوڑی ابھی رہتی ہے۔"

"گڈ پھر چلیں اب......؟" عباس نے کوٹ کی جیب میں سیل فون اور والٹ رکھتے ہوئے کہا۔

"جی چلیں، میں تو تیار......" معاً وہ بات ادھوری چھوڑ کر منہ پر ہاتھ رکھ کے واش روم کی سمت بھاگی۔ عباس نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ اور جب وہ اس کے پیچھے آیا عریشہ ابکائیوں کی شدت سے بے حال ہو چکی تھی۔

"عریشہ واٹ ہیپنڈ؟" عباس نے بہت نرمی و محبت سے اسے شانوں سے تھام کر از حد تشویش میں گھر کر سوال کیا۔ عریشہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ منہ پر پانی کے چند چھپاکے مارے اور عباس کے سہارے واپس روم میں چلی آئی۔

"چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ ایکدم سے کیا ہو گیا تمہیں؟" عباس کی گھبراہٹ پریشانی میں ڈھلنا شروع ہو چکی تھی۔

"ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے عباس میں ٹھیک ہوں۔" عریشہ کے رسانیت سے کہنے پر عباس نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"کیوں ضروری نہیں ہے؟ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں کل ہمیں جانا بھی ہے۔"

"عباس مجھے لگتا ہے ہم ہنی مون کے لیے نہیں جا پائیں گے۔"

"واٹ یو مین؟" عباس نے حق دق ہو کر اس کی صورت دیکھی۔

"مجھے لگتا ہے میں پریگنینٹ ہوں تو احتیاط تو ضروری ہوتی ہے نا۔" عریشہ کے چہرے پر دھنک کے رنگ بکھر گئے تھے۔ عباس کچھ لمحوں کو گنگ رہ گیا پھر اگلے ہی لمحے اس کی بڑی بڑی روشن آنکھوں میں بھرپور چمک لہرائی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو عریشہ؟ یعنی میں...... میں باپ بننے والا ہوں؟" اس نے عریشہ کا ہاتھ جوشِ مسرت میں پکڑ کر دبایا۔ اس کا چہرا دبے دبے جوش سے سرخ ہونے لگا تھا۔ عریشہ کے چہرے پر حیا آمیز سرخی بکھر گئی۔

"پتہ نہیں عباس مجھے شک ہے کنفرم تو ڈاکٹر سے کنسلٹ کرنے کے بعد ہی......"

"تو آؤ نا ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔" عباس بے تابی سے بولا۔ عریشہ کا شک درست ثابت ہوا۔ ڈاکٹر نے تصدیق کے بعد ڈھیر ساری ہدایات بھی کردی۔ عباس کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا تھا۔

"میں تو بہت خوش ہوں، جی چاہ رہا ہے پوری دنیا کو اس خوشی میں شامل کرلوں۔" عباس نے مسکرا کر کہا تو عریشہ نے منہ پھلا لیا۔

"یہ بھی تو دیکھو نا اس نے آتے ہی ہمارا سارا پروگرام چوپٹ کردیا ہے۔" اس کا اشارہ ہنی مون کی طرف تھا۔

"ڈونٹ وری آئی پرامس وہ یو میں تمہیں وہاں ضرور لے کر چلوں گا۔"

"مگر اس وقت جیسے جذبات تو نہیں رہیں گے نا عباس۔" عریشہ نے دبا دبا سا احتجاج کیا۔

"ہمارے جذبات کبھی بھی ماند نہیں پڑیں گے سویٹ ہارٹ میں ہمیشہ تم سے ایسے ہی محبت کروں گا رئیلی۔"

"مگر عباس یہ بچہ! میری توجہ تو بٹے گی نا۔" وہ پتہ نہیں اس سے کیا سننا چاہتی تھی۔

"ہم اس کے لیے گورنس کا انتظام کرلیں گے تمہیں اس کا کوئی کام نہیں کرنا پڑے گا۔ یہ بتاؤ تم نے بچے کا نام سوچا کیا رکھنا ہے؟"

"اب مجھے کیا پتہ کیا ہوگا بیٹا یا بیٹی؟" عریشہ نے کاندھے اچکائے تو عباس نے مسکرا کر اس کی بات قطع کردی۔

"بیٹا......"

"آپ یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں عباس۔"

"مجھے یقین ہے ہمارا پہلا بیٹا ہی ہوگا اور اس کا نام میں نے ابھی سے سوچ لیا ہے۔"

"کیا نام سوچا ہے، مجھے بھی بتائیں۔" عریشہ نے متجسس ہو کے اسے دیکھا۔

"اسامہ! مجھے یہ نام شاید اس لیے بھی اپنے بیٹے کا رکھنا اچھا لگے گا کہ مجھے اسامہ بن لادن کی شخصیت سے بہت محبت رہی ہے۔ یو نو ہم نے اپنی کالج لائف میں اسامہ کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا تھا اور ان کی بہت بڑی سی تصویر ہمارے روم میں سجی ہوئی تھی بلکہ ایک بار تو بات بہت بڑھ گئی تھی۔ کسی کی شکایت پر ہمیں حوالات بھی جانا پڑا تھا۔ پولیس نے ہم پر الزام لگایا تھا کہ ہم اسامہ کے ایجنٹ ہیں۔" وہ ساری بات بتا کر ہنسنے لگا۔

"تو آپ نے طے کرلیا ہے کہ آپ اپنے بیٹے کا نام اسامہ ہی رکھیں گے؟" عریشہ کے سوال پر عباس چونکا۔

"میرا بیٹا تمہارا بھی بیٹا ہوگا عریشے! اگر تمہیں کوئی اور نام پسند ہے تو رکھ لینا یار!"

"یہ بات نہیں ہے عباس، میری ایک فرینڈ ہے اس کی سسٹر کی شادی اس کے امریکہ میں مقیم کزن سے ہوئی تھی۔ جب ان کے ہاں بیٹا ہوا تو نام اسامہ تجویز ہوا مگر وہاں بہت مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اسامہ بن لادن سے نفرت کا وہاں یہ عالم ہے کہ نومولود بچوں کو بھی اگر یہ نام دیا جائے تو وہاں کی گورنمنٹ تحقیق اور شبہات ظاہر کر کے مختلف قسم کی اذیتوں اور پریشانیوں سے دوچار کرتی ہے۔"

"یہ امریکہ کی بات ہے الحمدللہ ہم پاکستان کے آزاد شہری ہیں۔" عباس نے رسانیت سے کہہ کر گویا اس کی ڈھارس بندھائی تو عریشہ کے چہرے پر ایک نامعلوم سا کرب پھیل گیا۔

"اس کے باوجود عباس جبکہ آپ اپنی نوجوانی کے دور میں اسی ملک میں اس نام نہاد آزادی کا ایک ٹریلر دیکھ چکے ہیں۔ اب اس سے چند سال بعد یا پھر آنے والے وقت میں حالات کیا ہوں گے آپ کو اندازہ تو ہونا چاہیے۔" وہ حد سے زیادہ سنجیدہ تھی۔ عباس کے چہرے پر گھمبیرتا چھا گئی وہ کچھ اتنا غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ "جو بھی ہے، میں بہرحال اپنے بیٹے کا نام اسامہ ہی رکھوں گا تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اسامہ بن لادن کو میں اپنی نوعمری میں ہی پسند نہیں کرتا تھا ان کے لیے قدردانی اور محبت کے جذبات اب بھی وہی ہیں۔" اس کے دوٹوک انداز پر

عریشہ نے چپ سادھ لی مگر اس دکھ بھری خاموشی میں بھی دونوں کے دل خدا کے حضور گویا ایک ہی دعا مانگ رہے تھے۔

"پاکستان کو دشمن کی سازشوں اپنے حکمرانوں کی مکاریوں سے ہمیشہ بچا کر محفوظ رہنے سلامت رہنے کی دعا!"

❋......❋......❋

اس نے پلکیں جھپکیں اور ساری نمی کو اندر اتار لیا۔ بہت سارا اضطراب در آیا تھا اندر جانے کیسا احساس تھا جسے وہ خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ مایوسی کے گھٹاٹوپ سیاہ غار میں خود کو بند محسوس کر کے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے ناکامی کا سامنا ہو جانے پر جو وحشت اور بے بسی نصیب بنا کرتی ہے وہی کیفیت تھی اس کی۔

کیا وہ مجھے مل پائے گا......؟ اس نے ایک بار پھر خود سے سوال کیا اور جیسے خود ہی نفی بھی کردی، پتہ نہیں آج کل وہ اتنی مایوس کیوں ہونے لگی تھی۔

ضروری ہے میری طرح وہ بھی میرا منتظر ہو اور ہر خوشی کا راستہ خود پر بند کردے۔ یقیناً نہیں...... کہ وہ تو اسے جانتا تک نہ تھا۔ آہ یہ بے بسی۔

اس نے ایک بار پھر ڈاکٹر زینب کا نمبر ٹرائی کیا۔ اس بار پھر اسے مایوسی ہوئی۔ ڈاکٹر زینب سے بات کرنے کے بعد وہ کسی حد تک ریلیکس ہو جایا کرتی تھی۔ پتہ نہیں کیسا سحر تھا اس کی باتوں میں۔ نندنی خود بھی حیران ہوا کرتی۔

"آپ میرے لیے دعا کرتی ہیں؟" لاسٹ ٹائم جب نندنی کی زینب سے بات ہوئی تھی نندنی نے اس سے سوال کیا تھا۔

"کیوں نہیں زینب میں اللہ سے تمہارے سکون اور تمہاری دلی مراد بر آنے کی دعا کرتی ہوں۔"

"آپ کو اپنی دعا کی قبولیت پر یقین ہے ڈاکٹر؟" وہ غیر یقینی سے بول پڑی تھی۔

"ناٹ ڈاؤٹ! اللہ کے لیے کچھ بھی ناممکن تو نہیں ہمارا ایمان ہے۔"

"آپ کو اپنے اللہ پر اتنا بھروسہ کیوں ہے؟" (مجھے تو نہیں ہے نہ یسوع مسیح پر نہ بھگوان پہ)

"جسے اپنے خالق کی ذات پر کامل یقین نہیں وہ گویا کامل مسلمان نہیں۔"

"آپ اپنے اللہ سے دعا کریں ڈاکٹر زینب کہ مجھے وہ مل جائے جس کے ملنے کی آس بھی میرے اندر سے ختم ہو گئی ہے۔ میں اسے پھر سے دیکھنا چاہتی ہوں پلیز! آپ سمجھ لیں میں تب ہی آپ کی بات کا یقین کر پاؤں گی۔ سمجھ لیں آپ کا یہ امتحان ہے۔ سمجھ لیں یہ آپ کے اللہ کا بھی امتحان ہے۔" وہ اتنی اپ سیٹ تھی کہ ہیجان زدہ کیفیت میں ایک کے بعد دوسرا مطالبہ زینب کے سامنے رکھتی چلی گئی۔ ڈاکٹر زینب تو اس کے آخری فقرے پر لرز گئی تھی۔

"نعوذ باللہ! نندنی انسان کی یہ اوقات کہاں کہ وہ اپنے رب کو آزمانے نکل کھڑا ہو۔ میں تم سے ایک واقعہ شیئر کرنا چاہوں گی۔ ایک مرتبہ کسی بزرگ سے کسی آدمی نے کہا تھا۔ آپ اس پہاڑ سے نیچے کود و اور اپنے اللہ سے کہو وہ آپ کو ہر کسی نقصان سے محفوظ رکھے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں آپ محفوظ رہتے ہیں۔ بزرگ نے جواب دیا تھا۔ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنے رب کو آزماؤں، بلاشبہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔ تو نندنی ہمیں اپنے رب کی طاقت اور قدرت پر شبہ ہو تو ہم ایسی بات سوچیں نا۔ بہرحال میں تمہارے لیے دعا ضرور کروں گی۔" اور نندنی کے دل میں جو امنگ و امید پیدا ہوئی تھی گویا خود بخود مر گئی۔ اس نے سوچا تھا۔

شاید ڈاکٹر زینب کا رب بھی یہ نہیں کرے گا۔ جیسے یسوع مسیح نے نہیں کیا۔ جیسے بھگوان نے نہیں کیا۔ کچھ دن پہلے تک وہ لیپ ٹاپ پر بھی مصروف رہتی تھی، اس کا جان سے کانٹیکٹ ہوا تھا۔ بچپن میں اس سے لاتعلق اور بے نیاز رہنے والے جان کے دل میں جانے کیسے اب محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ گھنٹوں کے حساب سے اس سے مسلسل چیٹ کیا کرتا۔

"میں ڈاکٹر بن گیا ہوں کھرائن! تم یہاں آجاؤ۔ میں ہارٹ اسپیشلسٹ بنوں گا پھر تمہارے دل کے سارے فالٹ صحیح کروں گا۔" اس نے نندنی کی محبت کی داستان سن کر کہا اور ساتھ میں قہقہہ لگایا۔ نندنی کا موڈ خراب ہوا تھا، تبھی اس نے دوبارہ اس سے کانٹیکٹ ہی نہیں کیا۔ وہ میرا سگا بھائی ہو کر میرا مذاق اڑاتا ہے۔

اس نے بہت دکھی ہو کر سوچا تھا اور شاید اس کی زندگی پر سب سے بڑا حق دکھوں کا ہی تھا۔ تبھی تو وہ دکھوں کے ہمراہ جی رہی تھی بالکل اکیلی......!

❋......❋......❋

قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو
کسی کو ہم نے چاہا ہو کسی کو ہم نے سوچا ہو

کسی کی آرزو کی ہو' کسی کی جستجو کی ہو
کسی کی راہ دیکھی ہو' کسی کا قرب مانگا ہو
کسی کو ساتھ رکھا ہو' کسی سے آس رکھی ہو
کوئی امید باندھی ہو' کوئی دل میں اتارا ہو
کوئی تم سے بھی پیارا ہو' کوئی دل میں بسایا ہو
کوئی روٹھا ہو تو ہم نے اسے رو رو منایا ہو
دسمبر کی حسیں رات میں کسی کا ہجر جھیلا ہو
کسی کی یاد کا موسم میرے آنگن میں کھیلا ہو
کسی سے بات کرنی ہو' کبھی یہ ہونٹ ترسے ہوں
کسی کی بے وفائی پر کبھی یہ نین برسے ہوں
کبھی راتوں کو اٹھ اٹھ کر تیرے دکھ میں نہ روئے ہوں
قسم لے لو تمہارے بعد ہم اک پل کو سوئے ہوں
قسم لے لو کبھی جگنو کبھی تارہ کبھی ماہتاب دیکھا ہو
قسم لے لو تمہارے بعد کسی کا خواب دیکھا ہو

ایمان نے یہ طویل نظم لکھی اور شرجیل کے نمبر پر سینڈ کردی۔ جو بھی ہوا تھا بہر حال اسے اس سے محبت تھی اور اس محبت کا ہی یہ ثبوت فراہم کرنے کی ادنیٰ سی کوشش کی تھی۔

"اس ساری جان کاری کی ضرورت نہیں تم بہت سہولت سے وقاص صاحب کی دلہن بن جانا۔ یاد رکھنا تمہاری بے وفائی اور کج ادائی کا مظاہرہ کرنے کو میں یہاں بیٹھا نہیں رہوں گا۔" اگلے ہی لمحے اسے شرجیل کا خفگی سے بھرپور میسج موصول ہوا تھا۔ جسے پڑھ کر ایمان کے اوسان خطا ہونے لگے۔ وہ جتنا جذباتی تھا اس سے کسی بھی حرکت کی توقع کی جاسکتی تھی۔

"شرجیل پلیز ایسی فضول باتیں کرکے مجھے ہولاؤ مت' میں آل ریڈی ڈسٹرب ہوں۔" اس نے بہت عجلت میں اسے جواب لکھا تھا۔

"میں اپنی زندگی کی صرف اس صورت میں تمہیں ضمانت دے سکتا ہوں ایمان کہ تم مجھے اپنے ساتھ کا یقین بخشو' تمہیں کیا پتہ گھر میں کس انداز میں میری ذلت ہوئی ہے۔"

"اسی گھر میں مجھے لے کر جاؤ گے شرجیل تو زندگی مجھ پر کس قدر تنگ ہوگی تمہیں اندازہ ہے؟" ایمان صحیح معنوں میں روہانسی ہونے لگی۔

"میں تمہیں الگ گھر میں رکھ لوں گا۔ تم میرا ساتھ دینے کی حامی تو بھرو۔" وہ اصل مقصد کی طرف آیا۔ محبت کے علاوہ ایک انا بھی تو تھی جو بری طرح سے مجروح ہوئی تھی۔

"شرجیل میں تمہارے ساتھ ہوں' مگر پلیز مجھے کچھ وقت دو یہ بات تو طے ہے مجھے وقاص سے شادی نہیں کرنی۔" شرجیل کے جلتے دل پر جیسے کسی نے یخ ٹھنڈا پانی ڈال دیا ہو۔ اس کے ہونٹوں کو فاتحانہ مسکان نے چھوا۔

"کتنا ٹائم! ایسا نہ ہو کہ خاک ہوجائیں ہم تجھ کو خبر ہونے تک......!"

"مجھے اپنی ساری کشتیاں جلا کر آنا ہے شرجیل! امامہ' لاریب' بابا سائیں' یہ وہ اپنے ہیں میرے جن سے میں نے زندگی میں سب سے زیادہ محبت کی ہے۔ ان رشتوں کا ہمیشہ کے لیے چھوٹ جانے کا خیال بہت جان لیوا ہے۔ مجھے ان کے ساتھ اچھا وقت گزار کر کچھ یادیں ہمراہ کرلینے دو پلیز۔"

"اوکے فائن!"

"تھینک یو شرجیل!" اس نے آخری میسج ٹائپ کرکے سیل فون رکھ دیا۔ شرجیل نے بھی سرشاری کی کیفیت میں گنگناتے ہوئے سیل فون سائیڈ پر اچھال دیا۔ وہ زندگی کے بہت اہم مقام پر جیتنے جارہا تھا۔

❁......❁......❁

احساسِ زیاں ہر پل اس کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ مگر جب سے نیا موضوع زیر بحث آیا تھا اس نے بھی ہر خیال کو جھٹک کر خود کو مگن کرنا چاہا۔ بابا سائیں اب ایمان کی شادی کے خواہش مند تھے۔ چند دن قبل بڑی حویلی سے بڑے بابا سائیں باقاعدہ تاریخ لینے آئے تھے۔ تائی...... دونوں بیاہتا بیٹیوں کے بچوں شوہروں اور تو اور وقاص حیدر بھی ساتھ تھا۔ لاریب کی روح سب سے زیادہ اسی کو ہمراہ دیکھ کے جلی تھی۔

"اف یہ باجو اتنے برے آدمی کے ساتھ کیسے رہ پائے گی بیچاری!" اسے صحیح معنوں میں ایمان پر ترس آیا تھا۔ وقاص دورانِ تقریب چھچھوری حرکتیں کرتا رہا۔ بہانے بہانے سے کبھی ایمان تو کبھی لاریب کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتا۔ ایمان کی حد تک تو پھر بھی قابل برداشت تھی مگر لاریب کو خود پر اس کی توجہ زہر لگ رہی تھی۔ جبھی وہ چہرے پر ناگوار تاثرات لیے وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

"کیا سمجھتا ہے یہ لفنگا مجھے؟ اس کے بھائی نے مجھے چھوڑ دیا تو میں مفت کا مال ہوں۔" اس سوچ نے آنکھوں میں مارے ذلت اور بکی کے آنسو بھر دیئے۔ وہ کلس کلس کر آدھی سے زیادہ جان جلا چکی تھی۔ جب سکندر بابا سائیں کے پیغام کے ساتھ آیا تھا۔

"بی بی صاحبہ! بابا سائیں کہتے ہیں ایمان بی بی کو ہال میں لے آئیں رسم شروع کرنی ہے۔" اف ایک یہ تھا چلتا پھرتا اپنے نقصان کا اشتہار۔ لاریب نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا اور کچھ حیران ہوئی۔ وہ لٹھے کے سفید کلف شدہ کھڑ کھڑاتے لباس میں تھا سلیقے سے بنے بال چمکتے جوتے' تیاری خصوصی تھی غالباً تقریب کے باعث۔

"تمہیں سفید کلر نہیں پہننا چاہیے سکندر' بندہ اپنی رنگت دیکھ کر لباس کی سلیکشن کرے تو بہتر ہوتا ہے۔" اس نے تاک کر نشانہ لگایا تو سکندر کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"کہاں جارہے ہو؟" اسے چپ چاپ پلٹتے دیکھ کر لاریب نے بے حد سختی سے ٹوکا۔

"آپ کو کچھ کام ہے کیا؟" اس نے دیکھا سکندر کی نگاہیں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔ اس دوران اس نے شاید ہی ایک مرتبہ بھی نگاہ بھر کے اسے دیکھا ہو اسے وہ ایکدم بے ضرر لگا۔

"کام ہو یا نہ ہو بہر حال میں نے تمہیں جانے کا نہیں کہا ابھی' اپنی اوقات مت بھولو سکندر۔" وہ بگڑ کر بولی' لہجے میں تلخی و تنفر کے ساتھ ساتھ تضحیک کا بہت واضح پہلو تھا۔ سکندر نے بے بسی سے اسے دیکھا اور کچھ کہے بغیر سر جھکا لیا۔ تب اس کی حالت سے لطف کشید کرتے لاریب کو کچھ اور ہری ہری سوجھی تھی۔

"ایسا کرو شو ریک سے میری پنک سینڈل نکال لاؤ۔ یہ میرے ڈریس کے ساتھ کچھ اتنے میچ نہیں کررہے۔" سکندر نے جواب میں کچھ کہے بغیر اس کے حکم کی تعمیل کی اور جس پل وہ اس کے سامنے جھک کر جوتے اس کے پیروں کے برابر رکھ رہا تھا لاریب نے کتنی کمینی سی خوشی محسوس کی تھی یہ اس کے چہرے پر رقم تھا۔

(یہی تمہاری اوقات ہے سکندر! میں نے اگر غلطی سے پیروں کی دھول کو سر پر ڈال لیا تھا تو اس دھول کو واپس اس کے مقام پر پہنچانا بھی میرے لیے مشکل نہیں ہے)

"گڈ اب تم جاؤ۔" اس کی انا کو اچھی طرح تسکین مل گئی تھی۔ جبھی وہ نخوت سے بولی تھی۔ سکندر یوں پلٹ کر بھاگا جیسے عقوبت خانے سے رہائی کا پیغام ملا ہو۔ لاریب بہت اطمینان بھرے انداز میں سینڈل پہن رہی تھی اور اسی رات جب وہ تینوں اکھٹی ہوئیں تو لاریب نے اپنے دل میں ہلچل مچاتا سوال ایمان سے پوچھ لیا۔ باجو آپ نے شرجیل بھائی کو بھلا دیا ہے یا پھر وقاص کو ذہنی طور پر قبول کرچکی ہیں؟" اس کے سوال پر ایمان کے چہرے پر تاریک سائے لرز گئے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی دروازہ پر دستک ہونے لگی تھی۔

"لیس کم ان! اس وقت کون آگیا؟" امامہ نے اجازت دیتے ہوئے کچھ حیران ہو کر خود کلامی کی۔ سکندر کو ٹرے اٹھائے اندر آتے دیکھ کر امامہ اور ایمان نے بہت عجلت بھرے انداز میں اپنے دوپٹے اٹھا کر شانوں پر پھیلائے تھے جبکہ لاریب جو خاصے بے ڈھنگے انداز میں لیٹی ہوئی تھی اس کی پوزیشن میں فرق آیا نہ اس نے دوپٹے کے تکلف میں پڑنے کی ضرورت محسوس کی تھی۔ ایمان نے لاکھ گھورا مگر وہ اس کی سمت متوجہ نہیں تھی۔

"سکندر تم گھر نہیں گئے؟ اور چائے تمہیں لانے کی کیا ضرورت تھی' سکھاں کہاں ہے؟" ایمان نے اعتراض کیا۔

"آج کچھ کام زیادہ تھا بی بی صاحبہ! بابا سائیں نے ہی مجھے روکا ہے۔" وہ جھک کر ٹرے رکھ رہا تھا دوسرے سوال کو سرے سے نظر انداز کیے۔

"میں نے پوچھا ہے سکھاں کہاں ہے؟ وہ چائے لاسکتی تھی۔ تم کب سے اس قسم کے کام کرنے لگے؟" اب کے ایمان کے لہجے کی ناگواری اور سختی واضح تھی۔

"افوہ باجو! کیا طوفان آگیا ہے' میں نے ہی کہا تھا سکندر سے کہ چائے وہ دے جائے۔ یہ ہمدردی سکھاں کے لیے بھی دکھا دیا کریں وہ بھی صبح سے کام کرکے ہلکان ہورہی ہے۔" لاریب نے ایک جھٹکے سے سیدھے ہوتے ہوئے تلخی سے کہا۔

"یہاں کام کرنے والی سکھاں اکیلی نہیں ہے۔ لاریب اور دوسری بات یہ کہ سکھاں کا کام یہی ہے مگر سکندر کا نہیں' تم نے ایسا کیوں کہا؟" وہ روئے سخن لاریب کی سمت کرچکی تھی' لہجہ بے حد کڑا تھا۔

"آپ کو لگتا ہوگا یہ فرق مجھے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا دونوں میں۔" لاریب نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا تھا۔ اس کے چہرے پر گویا آگ برس رہی تھی۔ ایمان نے بہت حیرانی کی نگاہ سے لاریب کو دیکھا پھر جیسے خود پر ضبط کرتے ہوئے اسے نظر انداز کرکے سکندر کو مخاطب کیا۔

"سکندر تم جاؤ یہاں سے اور سنو آئندہ اس قسم کا کوئی فضول حکم ماننے کی ضرورت نہیں۔ بہر حال تم یہاں ملازم نہیں ہو۔"

"یہ کہیں نہیں جائے گا۔ جب تک کہ اس پر اس کی حیثیت واضح نہیں ہوجاتی۔" ایمان کے تحکمانہ انداز نے لاریب کے

بھڑکے ہوئے دل پر جیسے تیل چھڑک کر آگ لگادی۔ اس نے تلملا کر ضدی انداز میں کہا اور بیڈ سے اتر کر سکندر کے قریب آئی اور اسے روکے رکھنے کی غرض سے اس کا بازو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر صوفے کی جانب دھکیلا۔

''بیٹھو یہاں میں دیکھتی ہوں تم میری بات ٹالنے کی ہمت رکھتے ہو۔'' سکندر بیٹھنا نہیں چاہتا تھا اور وہ اسے بٹھانے پر کمر بستہ تھی۔ اس کوشش میں وہ اس کے بے حد نزدیک آ گئی تھی اور صحیح معنوں میں سکندر آزمائش میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے پر بے بسی کا اظہار بہت واضح طور پر ابھرا تھا۔ جبکہ ایمان تو لاریب کی ایسی ضد اور اوٹ پٹانگ حرکتوں پر بھونچکی رہ گئی تھی۔ لاریب کا اتنا شدید رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ خود لاریب کو بھی سکندر کو نیچا دکھانے کے چکر میں اپنی پوزیشن اپنی حیثیت کا احساس گویا بھول چکا تھا۔

''لاریب پاگل ہوگئی ہو؟ کیا فضول حرکت ہے یہ؟'' ایمان نے بپھری ہوئی لاریب کو ڈانٹا اور ہاتھ سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے سکندر سے دور گھسیٹا۔

''ہاں کیا پاگل نہ ہوں؟ آپ نے کتنی انسلٹ کی ہے میری اس...... اس دو ٹکے کے آدمی کے سامنے۔'' وہ بھڑک کر درشتی سے چیخی۔ ایمان کا دل سر پیٹ لینے کو چاہا اس کی حماقت پہ۔ مگر اپنے غصے اور طیش پر قابو پا کر رسانیت سے بولی۔

''اوکے آئی ایم سوری آئندہ ایسا نہیں کروں گی فائن۔'' اس نے اپنے ہاتھ سے لاریب کی چھلک جانے والی آنکھوں کو پونچھا پھر سکندر سے بولی۔

''تم جاؤ پلیز!'' سکندر جو گم صم سا کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا ہڑبڑا کر چونکا اور پھر پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔ ایمان کو لاریب کا موڈ بحال کرنے کے لیے خاصی جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ اس نے لاریب کو تو پُرسکون کردیا تھا مگر خود اس کے اپنے ذہن میں اس کے کئی سوال ہلچل مچاتے رہے تھے اس نے کل سکندر سے بات کرنے کا سوچا تھا۔

❁......❁......❁

اس کی آنکھ بارش کی آواز سے کھلی تھی۔ کچھ دیر کمبل میں لپٹے رہ کر اس نے اس کن من برستی بوندوں کے مدھر شور کو سنا پھر اٹھ کر دریچے تک آ گئی۔ پردہ ہٹا کر سلائیڈ کھولی تو نم بھیگے ہوئے ہوا کے جھونکے کے ساتھ بارش کی پھوار اس کے بالوں اور چہرے کو بھگوتی چلی گئی۔ ٹھنڈک کا بھرپور احساس اس کے جسم وجاں کو لطیف احساس سے روشناس کرا گیا۔ ہتھیلی پھیلا کر اس نے ابرِ رحمت کو اپنی اوک میں جمع کرنا چاہا تبھی دروازے پر دھیرے سروں میں دستک ہوئی۔ نندنی نے پلٹ کر دیکھا تمام لائٹس آف تھیں۔ بس آتش دان میں جلتی آگ کی نارنجی روشنی کا مدھم عکس دیواروں پر لرزاں تھا۔

''دروازہ کھلا ہے۔'' نندنی نے تھکے ہوئے انداز میں کہا اور وہیں کھڑے کھڑے پشت پر بکھرے بالوں کو سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی مگر دیو کو اندر آتے دیکھ کر اس کے چہرے پر بےزاری چھانے لگی۔

''آئی ایم سوری! میں شاید مخل ہوا ہوں۔'' دیو اس کے چہرے کے تاثرات کو پا کر بے ساختہ خجل ہوگیا۔

''کیسے آئے تھے؟'' نندنی نے گہرا سانس بھر کے سوالیہ نگاہیں اس پر جمائیں اور مروتاً ہی اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ دیو کے لیے اتنی عزت افزائی ہی بہت تھی اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

''تھینکس فار دس آفر۔'' دیو نے پہلے لائٹ آن کی پھر صوفے پر بہت پُرتکلف انداز میں بیٹھ گیا۔ نندنی واپس بیڈ پر آ گئی اور کمبل اٹھا کر اپنے گرد لپیٹ لیا۔

''میں کسی خاص مقصد کے تحت تو نہیں آیا نندنی۔ بس تمہاری تنہائی کا خیال آیا تو باتیں کرنے چلا آیا۔ ہم دوست تو ہوسکتے ہیں نا نندنی!'' اس نے بہت آس بھری نظروں سے نندنی کو دیکھا۔ نندنی نے یوں نگاہ چرائی جیسے جواب نہ دینا چاہتی ہو۔

''اٹس اوکے! تم اپنے ذہن پر کسی قسم کا بھی بوجھ مت لو۔ یقین جانو میری خواہش صرف تمہیں خوش دیکھنے کی ہے۔ تم گھر سے باہر نکلا کرو دل بہل جائے گا۔ وہ تمہاری نئی دوست کیا نام ہے ان کا؟ ہاں ڈاکٹر زینب ان کے ہاں چلی جایا کرو۔''

''وہ مسلم ہیں تم جانتے ہو؟'' نندنی نے گہرے طنزیہ انداز میں اسے جتلایا۔

''سوواٹ نندنی!''

''میں نہیں چاہتی اس میل میلاپ کے نتیجے میں انہیں کل کوئی مشکل برداشت کرنی پڑے۔'' اس نے برہمی سے کہا دیو کچھ لمحوں کو چپ رہ گیا۔

''اس بات کی تم فکر مت کرو نندنی! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ پھر ضروری تو نہیں ہے تم انہی سے ملو۔ تم شملہ چلی جاؤ وہاں آج کل برف باری ہو رہی ہے تمہیں پسند ہے نا؟ کچھ وقت وہاں گزار لو۔''

''تم میرے اتنے ہمدرد کس چکر میں ہو رہے ہو؟'' نندنی نے مشکوک ہو کر سوال کیا تو دیو دل شکستگی سے ہنس پڑا۔

''تمہیں اندازہ ہے نندنی تمہارا اصل ہمدرد کون ہے؟'' نندنی نے ہونٹ بھینچ لیے تو دیو نے اپنی بات کی وضاحت ضروری سمجھی۔

''میں تم پر طنز کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا نندنی۔''

''مجھے تمہاری سنسیرٹی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ پھٹ پڑی۔ دیو نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''چلتا ہوں۔ تمہیں شاید میں کبھی یقین نہ دلا سکوں کہ میں تمہارے لیے بہت مخلص ہوں۔'' نندنی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہونٹ بھینچے خاموش سر جھکائے بیٹھی رہی۔ دیو وہاں سے نکلا تو شدتِ غم سے اس کا گلا رندھ گیا۔ اس نے بہت دلگیری سے سوچا۔ جو قسمت میں ہوتے ہیں وہ دل میں نہیں ہوتے اور جو دل میں ہوتے ہیں وہ قسمت میں نہیں ہوتے۔

❁......❁......❁

وہ کچھ دیر تک یونہی اسٹیئرنگ پر ہاتھ دھرے کالج گیٹ کی طرف دیکھتا رہا۔ کالج تقریباً سارا خالی ہو چکا تھا مگر لاریب کی اس نے جھلک ابھی تک نہیں دیکھی تھی۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگایا۔ گہرا کش لے کر ایک نگاہ اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔ سیاہ بادل آسمان پر بہت تیزی سے جمع ہو رہے تھے۔ ہواؤں کے مزاج بھی کچھ برہم لگتے تھے۔ سردیوں کی سہ پہر تھی مگر آسمان پر بادلوں کا قبضہ جم جانے کے باعث ڈھلتی ہوئی شام کا گمان ہوتا تھا۔ اماں آج پھر کالج نہیں آئی تھی۔ جبکہ لاریب کے ایگزیم اسٹارٹ ہو گئے تھے۔ وہ چھٹی کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ سکندر نے دھواں اڑاتے ہوئے ایک بار پھر گردن موڑ کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ اب کی مرتبہ وہ اسے نظر آ گئی۔ وائٹ یونیفارم پر مہرون اسٹائلش سی گرم شال لپیٹے کاندھے پر لٹکتے بیگ میں مصروف سے انداز میں کچھ ڈھونڈتی وہ خود میں مگن تھی تو سکندر اس کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر اس میں مگن ہونے لگا۔ جب تک لاریب نے سر اونچا کیا سکندر اسے جی بھر کے دیکھ چکا تھا۔

''پہلے ذرا مارکیٹ چلنا مجھے کچھ کتابیں لینی ہیں۔'' اس کا کھلا ہوا دروازہ نظر انداز کر کے وہ فرنٹ سیٹ پر جا بیٹھی سکندر کے تو صحیح معنوں میں چھکے چھوٹ گئے اس کے برابر بیٹھ کر

غزل

آنچل کے کچھ لوگ ہوتے ہیں خاص بہت
دل میں ہوتے ہیں ان کے جذبات بہت
اکثر چھوٹی سی بات پر روٹھ جاتے ہیں
یہ لوگ ہوتے ہیں نازک مزاج بہت
ان کے اندر بھی کچھ دُکھ سر اٹھاتے ہیں
یہ خود کو کرتے ہیں ظاہر خوش باش بہت
مانا کہ سیرت و صورت کے اچھے ہیں
ان کو باتوں میں بھی حاصل ہے کمال بہت
میری دعا ہے خدا آنچل والوں کے مقدر ہر نعمت کردے بادی
یہ رب پاک کا ہوگا مجھ پر احسان بہت
(خدیجہ بھٹی......)

ڈرائیو کرنے کے خیال سے۔

''موسم ٹھیک نہیں ہے بی بی صاحبہ میرا خیال ہے کہ آپ کتابوں......'' سکندر نے اپنی بات اس کے چہرے کے بگڑتے زاویوں کو دیکھ کر ادھوری چھوڑ دی مگر وہ اسے معاف کرنے پر پھر بھی آمادہ نظر نہیں آئی تھی۔

''تم اپنی اوقات مت بھولا کرو سمجھے۔'' اس نے بے دریغ جھاڑ پلائی۔ سکندر چپکا ہو رہا۔ پھر محض اسے زچ کرنے کی خاطر لاریب نے مارکیٹ میں دیر لگائی۔ صرف کتابیں نہیں خریدیں بوتیک میں گھوم پھر کے بہت تسلی اور اطمینان سے اپنے لیے ایک سوٹ بھی پسند کیا۔ اس دوران ایمان کی دو اور بابا سائیں کی ایک کال آ چکی تھی کہ وہ اب تک گھر کیوں نہیں پہنچے۔ سکندر کیا جواب دیتا لاریب نے بھی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔ اور جب لاریب سوٹ پیک کروا کے بوتیک سے باہر آئی تب آسمان سے بوندیں اترنا شروع ہو چکی تھیں۔ سکندر کی تشویش یکلخت بڑھ گئی۔ لاریب اس کے ہمراہ تیز قدموں سے گاڑی تک پہنچی تو اسے ایک دم بھوک کا احساس ہوا تھا۔

''تم ایسا کرو سامنے شاپ سے میرے لیے سینڈوچ اور کوک لے آؤ۔ ابھی ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو ہے میں تب تک بھوکی نہیں رہ سکتی۔'' اس کے لہجے کی بے نیازی اور انداز کے شاہانہ پن کو سکندر نے ٹھنڈی سانس بھر کے دیکھا اور حکم کی تعمیل کو پلٹ گیا۔ جس وقت وہ واپس آیا لاریب اپنے سیل فون پر ہیڈ سیٹ کے ذریعے میوزک انجوائے کرنے میں مصروف تھی۔

"اب ذرا فاسٹ ڈرائیو کرنا مجھے پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔" اس سے کوک اور سینڈوچ لیتے ہوئے اس نے نخوت سے کہا اور بے نیازی سے میوزک کے ساتھ ساتھ کوک اور سینڈوچ بھی انجوائے کرنے لگی۔ مگر اس وقت اس کا پارہ ہائی ہوا جب سبک انداز میں گرتیں بوندوں نے موسلا دھار بارش کا روپ دھارا۔ وہ اوپن جیپ لانے پر سکندر کو سخت سنا رہی تھی۔

"بہت شوق ہے نا تمہیں شیخیاں بھگارنے کا۔ ذرا موسم بھی دیکھ لیتے۔ سارا ستیاناس ہو رہا ہے جیپ کا بھی اور میرا بھی۔ اگر مجھے ٹھنڈ لگ گئی تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔" اسے اب بھی اپنی ہی پروا تھی۔

"لینڈ کروزر کے انجن میں فالٹ تھا سروس کو بھجوا رکھی ہے۔ دوسری گاڑی وقاص سائیں لے گئے ہیں۔" سکندر نے منمنا کر اپنی صفائی پیش کی۔

"وقاص کیوں لے گیا ہے؟ اس کے پاس اپنی گاڑیاں نہیں ہیں۔ ضرور کسی مشکوک سرگرمی کے لیے چاہیے ہوگی بابا سائیں نے منع کیوں نہیں کیا؟ تم باجو کی گاڑی لے آتے۔ اور ذرا جلدی چلاؤ اب۔" تحقیق، تشویش، غصہ، جھنجلاہٹ، خفگی، ایک پل میں اس کے کتنے رنگ عیاں ہوئے تھے سکندر پر اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر گویا اس کی سمت متوجہ تھا۔ دھیان بٹا تو اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہک گیا۔ جیپ ایک دم ڈولی تھی۔ لاریب توازن کھو کر ڈیش بورڈ سے ٹکرائی تھی۔ ایک پل کو تو آنکھوں تلے اندھیرہ چھا گیا۔

"اندھے ہو گئے ہو سکندر دھیان کہاں ہے تمہارا؟" وہ بے دریغ اس پر برس پڑی۔ سکندر نے ہونٹ بھینچے اور دانستہ اس کی سمت دیکھنے سے گریز کیا۔ موسلا دھار بارش بہت فراخ دلی سے انہیں بھگو رہی تھی۔ بلکہ کچھ سردی کچھ بارش اور کچھ کھلی جیپ سے سرسراتی ہوئی گزرتی ہواؤں کے جھکڑوں کے باعث لاریب اب کپکپانے لگی تھی۔

"جیپ روکو سکندر!" وہ غصے میں بولی۔ سکندر نے متحیر ہو کر اسے دیکھا اور بریک لگائے۔ جیپ اس پل شہر کے مضافات کو چھوڑ چکی تھی۔ یہاں سے گاؤں کا راستہ شروع ہو چکا تھا۔ درمیان میں نہر تھی، جیپ نہر کے پل پر پہنچ کر ہی رکی تھی۔ لاریب جیپ سے نکل کر بھاگتی ہوئی نہر کے ساتھ ہی سڑک پر قطار در قطار کھڑے درخت کے نیچے جا کھڑی ہوئی۔ درخت کی شاخیں گھنیری تھیں وہاں وہ بارش سے محفوظ تھی۔ سکندر الجھا ہوا سا اتر کر اس کے پاس آیا تو سیاہ پڑتے آسمان کے کناروں پر بجلی کی چمک دکھائی دی۔

"حویلی فون کر کے کسی ملازم سے باجو والی گاڑی منگوا لو۔ اب میں مزید اس میں بیٹھ کر سفر کرنے کی ہمت نہیں رکھتی۔" اس کی آواز آسمان پر گرج اٹھنے والے بادلوں کی گرج میں دب کر رہ گئی تھی۔ اس کے اپنی شال کا پلو نچوڑتے ہاتھ اسی زاویے پر ساکن ہو گئے۔ اس کام کو ترک کر کے وہ غیر محسوس انداز میں سکندر کے نزدیک ہوئی تھی۔

گہری ہوتی شام چھاجو برستا آسمان، آس پاس موجود تنہائی من پسند دل فریب لڑکی کی قربت سکندر کے دل و دماغ میں جیسے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آخر انسان تھا۔ اس کے دل کی بے ایمان ہوتی دھڑکنیں من مانی پر اکسا رہی تھیں مگر وہ خود پر ضبط کھونا نہیں چاہتا تھا جبھی ہونٹ بھینچتا فاصلے پر ہوا اور جیب سے سیل فون نکال کر نمبر پش کرنے لگا مگر اس کی کوشش مسلسل ناکامی کا شکار ہو رہی تھی۔ موسم کی خرابی کے باعث مواصلاتی نیٹ ورک صحیح کام نہیں کر رہا تھا۔ سگنلز پرابلم تھی۔ اس کی طرف سے یہ تاخیر لاریب کو سخت گراں گزری تھی۔

"تم کال کیوں نہیں کر رہے ہو؟ کیا مسئلہ ہے آخر تمہارے ساتھ؟" اس کے ہر انداز میں بے گانگی رکھائی اور جھنجلاہٹ تھی۔

"کانیکٹ نہیں ہو پا رہا ہے بی بی صاحبہ!" جواباً وہ نرمی اور تحمل سے بولا تھا۔ لاریب نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے تو یہ سب تمہاری اپنی ہی گھٹیا سازش کا شاخسانہ محسوس ہو رہا ہے۔ جب موسم خراب تھا تو تمہیں ضرورت کیا پڑی تھی یہ جیپ لانے کی؟" چبا چبا کر بولتے ہوئے اس نے تیکھی نگاہوں سے اسے گھورا۔ سکندر صبر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اب وہ اپنے سیل کو ٹرائی کر رہی تھی مگر وہی ڈھاک کے تین پات! اب صحیح معنوں میں لاریب کو تشویش نے آن گھیرا۔ صورت حال کی گھمبیرتا کو محسوس کر کے اس کا دل گھبراہٹ کا شکار ہونے لگا۔ اس نے چور نگاہ سکندر پر ڈالی۔ چھ فٹ سے نکلتے ہوئے قد کے ساتھ کسرتی مضبوط وجود وہ چاق و چوبند اور زور آور نظر آتا تھا۔ پھر اس کا وہ کاغذی تعلق۔ جسے بھلا وہ جتنا مرضی نام نہاد گردانے قائم تو ہوا تھا۔ اگر وہ اس کی سابقہ بدتمیزیوں اور تمام بے عزتیوں کا بدلہ چکانے بیٹھ گیا تو......؟ آخر تھی تو وہ کمزور ہی نا، چاہے حیثیت میں بہت اوپر سہی۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں رک کر ٹائم ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" وہ اپنی سوچوں سے اتنی خائف ہوئی کہ فی الفور چلنے کو تیار ہو گئی۔ سکندر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بظاہر پرسکون نظر آتی تھی۔ سکندر کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ اس نے شانے اچکائے اور اس کے ہمراہ محتاط قدموں سے چل دیا۔ اس کے باوجود وہ دو مرتبہ پھسلی، کچی سڑک پر کیچڑ اور پھسلن بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ کچھ اور محتاط انداز میں قدم اٹھانے لگی مگر اس احتیاط کے باوجود وہ تیسری مرتبہ پھسلی تو سنبھل نہیں سکی سکندر اگر بروقت سہارا نہ دیتا تو یقیناً وہ اب تک کیچڑ بھرے راستے پر منہ کے بل پڑی ہوتی گو کہ سکندر نے اسے سنبھال کر سیدھا کھڑا کرتے ہی اپنے ہاتھ ہٹا لیے تھے اس کے باوجود اس کی جسارت نے لاریب کو دم بخود کرنے کے بعد گویا بری طرح سے بھڑکا ڈالا تھا۔

"تم...... تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ تم مجھے ہاتھ لگاؤ...... ہاں؟" وہ طوفانی بارش کی پروا کیے بغیر لڑنے مرنے پر آمادہ تھی۔ سکندر اس بے مروتی اور نخوت کے مظاہرے پر پوری جان سے سلگ تو سکتا تھا مگر کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

"خوب جانتی ہوں میں تم جیسے حریص فطرت مردوں کو خبردار جو آئندہ تم نے مجھے اس طرح چھونے کی کوشش کی، گر رہی تھی تو گرنے دیتے۔" پھنکار پھنکار کر اس پر اپنی تلملاہٹ نکالتی رہی۔ سکندر ہونٹ بھینچے اپنا طیش دباتا رہا۔ بدتمیزی اور انسلٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ وہ ہر حد پار کیے دے رہی تھی اور گویا اس کا ضبط آزما رہی تھی۔ سکندر نے ایک سلگتی نگاہ اس کے لال بھبوکا چہرے پر ڈالی اور اسے وہیں چھوڑ کر خود لمبے ڈگ بھرتا گاڑی میں جا بیٹھا۔ لاریب کو بھلا اس سے ایسی توقع کہاں تھی ایک پل کو تو وہ غیر یقینی سے آنکھیں پھاڑ کر تکتی رہی پھر بامشکل گاڑی تک آئی۔

"تم خود کو کچھ سمجھ رہے ہو غالباً!" وہ آتے ہی اس پر الٹ پڑی۔ سکندر نے یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ گاڑی اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

❁......❁......❁

"نندنی! نندنی بیٹا!" وہ تکیوں میں منہ چھپائے گویا خود سے غافل پڑی تھی جب سریتا دیوی اسے پکارتی چلی آئیں۔ اس نے اگر سنا بھی تو نظر انداز کر دیا۔

"نندنی طبیعت ٹھیک ہے نا بیٹا!" سریتا دیوی نے اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر اپنی گود میں رکھا۔ نندنی کو نا چاہتے ہوئے بھی آنکھیں کھولنا پڑی تھیں۔ اس کی آنکھوں کی سرخیاں سریتا دیوی کے دل کو چیر کے رکھ گئیں۔

"کوئی اس طرح سے بھی خود کو تباہ کرتا ہے نندنی؟" اس کا یہ روگی انداز آج ان کے دل کو بھی پگھلا گیا تھا۔ نندنی نے اپنا سر ان کی گود سے اٹھا لیا۔

"مجھے بتاؤ کون تھا وہ؟ میں خود اسے ڈھونڈوں گی، تم دیو سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہو نہ کرو مگر خود کو یوں برباد مت کرو نندنی پلیز!" وہ جیسے ضبط کھو گئی تھیں۔ وہ ان کی اولاد تھی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے لمحہ لمحہ گھلتے کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ آج وہ اپنی کوکھ کی جنی سے ہار تسلیم کر گئی تھیں۔

"بولو نندنی بتاؤ مجھے۔" اس کی جامد چپ ان پر اذیت کے کچھ اور در وا کرنے لگی۔

"اچھی طرح سوچ لیں مام! عین ممکن ہے آپ کو اپنے الفاظ سے پھرنا پڑ جائے۔" نندنی کا لہجہ طنزیہ نہیں تھا اس کے باوجود اس میں کچھ ایسا تھا جس نے سریتا دیوی کو چونکا ڈالا۔

"میں سمجھی نہیں نندنی تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" ان کی نگاہوں کی الجھن محسوس کر کے وہ گہرا سانس کھینچ کر بولی۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے مام وہ مسلم ہو؟"

"واٹ!" وہ زور سے چیخیں۔ پھر نندنی کے تمسخرانہ تاثرات کو پا کر ایک دم اپنا غصہ ضبط کیا۔

"تمہیں اس سے محبت نہیں عشق ہے وہ بھی جنونی قسم کا اور تمہیں یہ تک نہیں پتہ کہ وہ ہے کون؟ یہ کیسی محبت ہے جس میں تم زندگی چھوڑ بیٹھی ہو اور تمہیں اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔" ان کا لہجہ ہی نہیں ان کی آنکھیں بھی آنچ دے رہی تھیں۔ نندنی بہت تحمل سے انہیں تکتی رہی۔

"اس لیے مام کہ محبت یہ سب کچھ دیکھ کر نہیں کی جاتی۔ نہ ہی یہ جاننا شرط ہوتی ہے کہ سامنے والے بندے کا نام نسب کیا ہے یہ تو دل کا معاملہ ہوا کرتا ہے مام دل کے معاملے ان تقاضوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ آپ کو اندازہ تو ہوگا۔ آپ نے ہندو دھرم سے تعلق رکھتے ہوئے ایک اہل کتاب کرسچن سے کیسے محبت کر لی۔ دو مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کی اولاد کو بھی تو ایک تیسرے مذہب کے پیروکار سے محبت ہو سکتی ہے نا؟" اب کے اس کا لہجہ صاف طنزیہ تھا کاٹ دار نظروں سے وہ گویا انہیں بہت کچھ جتا رہی تھی۔ سریتا دیوی کو نظریں چرانا

پڑی تھیں۔

"تم یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ ایک مسلم ہی ہے؟ اس سے پہلے تو تم اسے ایشین سمجھتی تھیں۔" انہوں نے جز بز ہو کر اپنا سوال کچھ ردوبدل سے دہرایا۔

"وہ ایشین ضرور ہے مام مگر وہ انڈین نہیں ہے یہ تو طے ہے۔ انڈیا کے لوگ درحقیقت مٹیالے ہوتے ہیں ان کی رنگت اتنی فیئر اور شائننگ نہیں ہوتی۔ جانے کیوں میرا دل مانتا ہی نہیں ہے کہ وہ انڈین ہوگا۔"

"یعنی وہ پاکستانی ہے؟" سریتا دیوی نے بھینچے ہوئے سرد انداز میں پوچھا۔

"آئی تھنک سو۔"

"تو پھر تم اسے پاکستان میں ڈھونڈو...... جاؤ...... جاؤ نا۔" وہ ایک دم ہسٹریک ہو کر چلانے لگیں۔ ان کا انداز جارحانہ تھا۔ ایک لمحے کو نندنی کو وہ جنونی محسوس ہوئی تھیں ایک لمحے کو نندنی کو ان پر ترس بھی آیا۔

"مام! مام پلیز کنٹرول یور سیلف۔" وہ بھرپور ہمدردی سے ان کی جانب بڑھی مگر انہوں نے اسی وحشت میں اسے خود سے دور رکھنے کو پوری قوت سے دھکا دیا۔ وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی گر گئی۔ اس کی کہنیاں سنگھار میز سے ٹکرائی اور سر اسٹول سے وہ خود کو سنبھال کر آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مام بکتی جھکتی جا چکی تھیں۔ اسے چند دن قبل پڑھا وہ اقتباس یاد آ گیا جو بالکل اس کے حسب حال تھا۔

"موت اور محبت دونوں ہی بن بلائے مہمان ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے محبت دل لے جاتی ہے اور موت دھڑکن!" کاش اس کے دل کے ساتھ دھڑکن بھی چلی جاتی، تو آج اس کے اپنے رشتے بھی اسے طنزیہ نگاہوں سے تو نہ دیکھ رہے ہوتے۔ وہ بھی کچھ غلط تو نہ تھے۔ ایسی محبت بھی تو شاید ناممکن تھی جس کو وہ نبھاتی چلی آ رہی تھی۔ کوئی سنتا تو یقین کرتا بھی کیسے؟

❁......❁......❁

وہ گھر لوٹا تو دس بجے کے بعد کا عمل تھا۔ پورا گھر اگرچہ روشنیوں سے منور تھا مگر خاموشی کا گہرا راج تھا وہ جانتا تھا یہ کھانے کا وقت ہے گھر کے سبھی افراد اس وقت ڈائننگ ہال میں جمع ہوں گے۔ اس نے بھی اسی طرف کا رخ کیا تھا۔

"لیجیے صاحبزادے آوارہ گردی سے اکتا کر بالآخر گھر تشریف لے آئے۔" تاؤ جی نے حسب عادت اپنے مخصوص طنزیہ فقرے سے اس کا استقبال کیا۔ وہ اب دل چھوٹا کرنا چھوڑ چکا تھا جان گیا تھا انہیں بولنے اور خفا ہونے کا مرض لاحق ہے۔

"یہ کباب لے پتر صالحہ نے خود بنائے ہیں ایسے مزے کے کہ جتنے مرضی کھا جاؤ جی نہ بھرے۔" تائی ماں تاؤ جی کے برعکس اس کے صدقے واری ہوتے نہ تھکتی تھیں۔ امید جو بر سے ہری ہوگئی تھی۔ وہ تو دل ہی دل میں لڑکی کے باپ کو دعائیں دیتے نہ تھکتی تھیں جن کے انکار نے انہیں پرامید کر دیا تھا۔

"شکریہ تائی ماں مگر میں تیز مسالے نہیں کھاتا سادہ کھانا پسند کرتا ہوں۔" اس نے تائی ماں کی امیدوں پر لمحہ بھر میں پانی پھیر دیا اور اپنی پلیٹ میں کدو گوشت کا سالن نکال لیا۔ سلاد کی پلیٹ اپنے نزدیک کھسکائی اور نوالے لینے لگا۔

"بزنس میں تو تم نے ہاتھ بٹانا نہیں اوئے نوکری ہی ڈھونڈ لے اب پتر۔" تاؤ جی نے نیا شوشا چھوڑا۔

"جی ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"کیا؟ نوکری کہ چھوکری؟" فراز اس کے کان میں گھسا انداز شوخ وشنگ قسم کا تھا۔

"دونوں۔" اس نے کمال اختصار سے کام لیا۔ فراز کو پانی پیتے اچھو لگ گیا۔

"نوکری ڈھونڈیں چھوکری تو پٹالی ہے آپ نے؟" اس کا لہجہ ہنوز سرگوشیانہ تھا۔

"اب شادی بھی کر ہی لے۔ وہاں سے تو چٹا انکار ہوا ہے۔ تیری ماں اور تائی سے کہتا ہوں کوئی اور لڑکی دیکھیں۔" تاؤ جی کو پتہ نہیں اس کی اتنی فکر کیوں تھی۔ (اپنا آفاق پچھلے چار سالوں سے سعودیہ میں مقیم تھا اس کی شادی کا خیال تو کبھی نہیں آیا تھا۔) وہ کلسنے لگا اور اس وقت تک کلستا رہا جب تک تاؤ جی پیٹ پوجا کے بعد ٹیبل سے نہ اٹھ گئے۔

"اک بات پوچھوں ماں جی!" اسے جب زیادہ لاڈ چڑھتا تو وہ ماما کو اسی طرح سے مخاطب کرتا تھا۔ ماما خاموشی سے کھانا کھا رہی تھیں اسے از خود مخاطب نہ کر کے گویا وہ اس سے ناراضی کا اظہار ضروری خیال کرتی تھیں۔

"تاؤ جی اور الیاس چاچو کے علاوہ بھی ہمارے کوئی اور چاچو تھے؟" اس نے کئی دنوں سے ذہن میں گردش کرتا سوال بالآخر کیا۔ ماما کے چہرے کا رنگ یکلخت بدلا۔ انہوں نے گھبرا کر

بے اختیار تائی ماں کو دیکھا جو ٹھٹک کر رہ گئی تھیں چچی جی کچھ سٹپٹا کر نظریں چرا رہی تھیں کہ یہ بات جیسے بھی سہی انہی کے ذریعے بچوں تک پہنچی تھی۔

"نہیں یہ لوگ تین ہی بھائی ہیں، تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" ماما نے کچھ جز بز ہو کر کہا۔ شرجیل بغور ان تینوں بزرگ خواتین کے چہرے دیکھ رہا تھا۔ پاپا اور چاچو تاؤ جی کے ساتھ ہی ٹیبل سے اٹھ کر جا چکے تھے۔

"میری اطلاع کے مطابق یہ بات سچ نہیں ہے ماما۔ ہمارے ایک اور چاچو تھے بھلے وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے مگر ان کا حوالہ چھپانے کا مقصد سمجھ سے باہر ہے۔ آپ بتانا پسند فرمائیں گی؟" وہ ایسا ہی تھا جس بات کے پیچھے پڑ جاتا اس سے پھر کوئی مائی کا لال اسے ہٹا نہیں سکتا تھا اور جس کام کو چھوڑ دیتا چاہے کتنا ہی نقصان ہو دوبارہ ہاتھ نہیں لگاتا۔ اب بھی چاچی بیگم کے اشارے سمعیہ کی گھبراہٹیں اور ثنا کی بوکھلاہٹ کچھ بھی اسے باز نہیں رکھ پائی تھی۔

"یہ بات تمہیں کہاں سے پتہ چلی ہے؟ مجھ سے بات کرو تم۔" تائی ماں کا لہجہ ایکدم بدل گیا۔ وہ لگاوٹ وہ شیرینی کہاں جا کھوئی تھی اس پل جو شرجیل کے لیے مخصوص تھی۔ اس وقت بھی وہ شرجیل سے ہی بات کر رہی تھیں مگر لہجہ بے حد کڑوا اور خوفناک تھا۔

"چلیں آپ کر لیں بات آپ تو ویسے بھی سب سے زیادہ معلومات رکھتی ہوں گی۔" شرجیل کا لہجہ از خود طنز سمیٹ لایا۔

"کس نے بتایا تمہیں یہ سب کچھ؟" تائی کا لہجہ پھنکار زدہ ہو گیا۔ شرجیل نے محسوس کیا سمعیہ اور چچی بیگم کے چہرے خوف سے سفید پڑ گئے ہیں۔ اتنے بڑے ڈائننگ ہال میں موت کی سی خاموشی در آئی تھی۔ جو کھانا کھا رہے تھے وہ بھی چھوڑ بیٹھے تھے۔ اس نے گہرا سانس کھینچا اور رسانیت سے گویا ہوا۔

"اصل بات یہ نہیں ہے زیر بحث بات یہ ہے کہ اگر ایسا تھا تو اس بات کو کیوں چھپایا گیا؟ کیا ان کا حوالہ اتنا ہی شرمناک تھا؟" وہ لمحہ بھر میں گویا انہیں کٹہرے میں کھڑا کر چکا تھا۔ تائی ماں کی آنکھوں سے چنگاریاں برس رہی تھیں۔

"ہاں وہ حوالہ شرمناک تھا، جبھی اسے آشکار کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا، مجرم تھا وہ قاتل تھا، پھانسی چڑھ گیا۔ ہم نے تو خدا خدا کر کے اس کے ذکر کو دفنایا تھا۔ اب ہرگز برداشت نہیں کریں گے کہ اس بدبخت کا نام بھی دوبارہ لیا جائے۔" تاؤ جی جانے

لوری

ماں! مجھے نیند نہیں آتی
رت جگے مقدر ہیں اب تو میری پلکوں کے
نیند آئے تو لے آتی ہے بغداد کی یاد
آنکھ لگتے ہی کوئی بیوہ اٹھا دیتی ہے
پیٹ کتنا ہی بھروں بھوک نہیں مٹتی ہے
جلتے بصرہ کی مجھے پیاس جگا دیتی ہے
کوئی قندھار کی وادی سے بلاتا ہے مجھے
ذکر قندوز کا آئے تو مجھے لگتا ہے
کاٹ کر سر کوئی ہنستا ہے جلاتا ہے مجھے
بم کی آوازیں مجھے کچھ نہیں کہتی ہیں مگر
زخم ان بچوں کے سونے نہیں دیتے ہیں مجھے
ماں! میری آنکھیں تو پتھر کی ہوئی جاتی ہیں
نوجوان لاشے پہ رونے نہیں دیتے ہیں مجھے
میرے سینے پہ رکھو ہاتھ
رلا دو ناں مجھے
ماں! مجھے لوری سناؤ ناں
سلا دو ناں مجھے
ماں مجھے نیند نہیں آتی ہے
اک مدت سے مجھے نیند نہیں آتی ہے

شاعر...... سید وصی شاہ

انتخاب: ثمینہ طاہر بٹ...... لاہور

کب آئے تھے اور کیا کچھ سن چکے تھے۔ بھڑک کر بولتے چلے گئے۔ شرجیل ان کی آواز پر خفیف سا چونکا پھر دانت بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گیا۔ جبکہ فراز کی نگاہوں سے تائی ماں، ماما اور چچی کے چہروں کی حیرت اور پھر اطمینان مخفی نہیں رہا تھا۔ اسے یہ سمجھنے میں لمحہ بھر بھی نہیں لگا کہ تاؤ جی نے ابھی جو بات کہی ہے اس کا حقیقت سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

پھر حقیقت کیا ہے؟ اس بات کو سوچتا اس کا ذہن الجھتا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

ایمان کی شادی کے سلسلے میں حویلی کو نئے سرے سے رنگ وروغن کروایا جا رہا تھا۔ اور ظاہر ہے یہ ساری ذمہ داری

سکندر کے ہی کاندھوں پر تھی۔ ٹھیکیدار اور مزدوروں کے سر پر کھڑے ہوکر کام کرانا' ان کے لیے کھانے چائے وغیرہ کا انتظام دیکھنا اور بیچ کے اور ہزاروں کام' اسے سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں تھی مگر دھیان کے کبھی پنچھی تھے کہ اس کی سمت محو پرواز رہتے تھے۔ کل شام بھی وہ مزدوروں کو رخصت کرکے اندر آیا تو لاریب جیسے اس کی منتظر تھی مگر وہ اس کے نزدیک سے دانستہ انجان بن کر گزر گیا۔ تب لاریب نے اسے آواز دے ڈالی۔

"سکندر بات سنو۔" سکندر نے گہرا سانس کھینچا اور آہستگی سے مڑا۔

"جی فرمایئے۔"

"تم......" معاً ایک دم تھم سی گئی کہ وہاں سے کچھ فاصلے پر چائے کے خالی مگوں کی ٹرے اٹھائے سکھاں کھڑی تھی۔

"تم میرے کمرے میں آؤ کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" احتیاط کا دامن تھامے وہ بے نیازی سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سکندر کے پاس اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ اس کی تقلید کرتا۔

"تم سے بابا سائیں یا باجو جتنا بھی سختی سے کبھی یہ بات پوچھنا چاہیں خبردار اگلنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے لگتا ہے باجو کو شک ہوگیا ہے۔"

"کونسی بات؟" سکندر نے ناسمجھ نگاہوں سے اسے دیکھا تو لاریب نے ٹھٹک کر تپتی نظروں سے اسے گھورا۔

"اس کا مطلب تم بھول بھی گئے؟" وہ ناک چڑھا کر تنفر سے بولی تو سکندر جیسے سمجھ کر آہستگی سے بولا۔

"آپ کو اس بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔" اس کے لہجے کے اعتماد اور مضبوطی نے لاریب کو عجیب سی شکست سے دوچار کردیا۔

"تم جتنے قابل اعتماد ہونا میں جانتی ہوں۔ یہ شادی ہو لینے دو پھر میں نپٹوں گی تم سے۔ بہر حال اب تم جاؤ مجھے اور کچھ نہیں کہنا تم سے۔" رخ پھیر کر وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔ سکندر نے سرد آہ بھری اور جس دم پلٹا چوکھٹ پر ایمان کو ایستادہ دیکھ کر ایک پل کو وہ سٹپٹا گیا۔ ایمان نے ایک لفظ منہ سے نکالے بغیر اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ سکندر تیر کی طرح سے نکلتا چلا گیا۔ اسے نہیں خبر تھی ایمان نے کس حد تک کچھ سنا تھا یا کیا بات بعد میں لاریب سے کی تھی۔ البتہ وہ متفکر ضرور ہوگیا تھا۔ بلکہ غیر شعوری طور پر ایمان کی طرف سے باز پرس کا بھی منتظر تھا مگر کل کی رات اور آج کا سارا دن گزر گیا' ایمان سے اس کا متعدد بار سامنا بھی ہوا ایمان نے کوئی بات نہیں کی اور اب جبکہ وہ کسی حد تک مطمئن تھا تب ہی ایمان نے اسے بلوا لیا۔ سکھاں اس کا پیغام لائی تو سکندر کے دماغ میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔

"جاؤ تم آتا ہوں میں۔" سکھاں کو ٹال کر وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ جانے رات ایمان نے لاریب سے کس انداز میں بات کی تھی اور کیا کچھ اگلوایا تھا۔ وہ یکسر لاعلم تھا۔ ایک پل جی چاہا ایمان کے پاس جانے سے قبل لاریب سے صورت حال معلوم کرے مگر لاریب اس جسارت کو گستاخی سے تعبیر کرتی اور جانے کیا سلوک کرتی سو وہ اس خیال کو جھٹک کر دل ہی دل میں اللہ کو یاد کرتا ایمان کے کمرے کی جانب آ گیا۔

"آجاؤ سکندر!" ایمان گویا اسی کی منتظر تھی۔ دستک کے جواب میں فوری جواب آیا۔ سکندر نے جھجکتے ہوئے انداز میں اندر قدم رکھا تھا۔ ایمان آتش دان کے پاس پڑی راکنگ چیئر پر جھول رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ سکندر۔" ایمان نے جھولنا بند کیا اور ہاتھ سے اپنے سامنے موجود صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ سکندر سست قدموں سے آگے بڑھا اور صوفے پر پرتکلف انداز میں ٹک گیا۔

"تم جانتے ہو سکندر لاریب کچھ اپ سیٹ ہے عباس والے معاملے کو لے کر۔ آج کل کچھ روڈ زیادہ ہو رہی ہے۔ آئی ڈونٹ نو کہ اس کا بی ہیویئر تمہارے ساتھ اتنا ہائپر کیوں ہوتا ہے مجھے تم سے یہ کہنا تھا' پلیز اس کی باتوں کا برا مت مانا کرو۔" ایمان کی بات پر سکندر کا جانے کب کا رکا ہوا سانس بحال ہوا تھا۔ وہ آہستگی سے سر کو جنبش دینے لگا۔

"آپ فکر نہ کریں ایمان بی بی! مجھے ان کی کوئی بات بری نہیں لگتی۔"

"صرف اس کی بات؟" ایمان نے کسی قدر گہری نظروں سے اسے دیکھا اور سکندر کو خود کو کمپوز رکھنا دوبھر ہوگیا۔

"نہیں آپ' امامہ بی بی اور بابا سائیں کی بھی میرے لیے آپ سب قابلِ احترام قابل قدر ہیں۔" اس نے فی الفور معاملہ سنبھالا' بہر حال ابھی خطرہ ٹلا نہیں تھا۔

"لیکن میں چاہتی ہوں سکندر تم ہم سب سے زیادہ لاریب کا خیال رکھو۔ میں نے بچپن سے ایک بات نوٹ کی ہے وہ شعوری یا لاشعوری طور پر تم سے اٹیچ رہی ہے۔ اٹیچ منٹ ضروری نہیں ہے اپنائیت محبت اور احترام کی کیٹیگری میں ہی محدود رہے اس کی ایک اور کیٹیگری ہے وہ ہے مقناطیسی کشش' سکندر ہر انسان ایک ایسے دوست کا لاشعوری طور پر ضرورت مند ہوتا ہے جو اتنا کول ہو کہ انسان اپنی ہر فیلنگ اس پر آشکار کردے چاہے غصے میں ہی کہی' وہ اس پر گرجے برسے اپنا طیش نکالے اور پرسکون ہوجائے۔ سکندر میں نے محسوس کیا ہے تم لاریب کے لیے ایسے ہی دوست ثابت ہوئے ہو۔ وہ جو باتیں ہم سے نہیں کرسکتی ہے نا وہ بھی اس نے تم پر آشکار کی ہوں گی یہ میرا یقین نہیں میرا شک ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے انسان جوش غصے اور طیش میں مصلحت سے دامن چھڑا لیتا ہے۔ تم سمجھ رہے ہو سکندر میں کیا کہہ رہی ہوں؟" دھیمے سروں میں بولتی ایمان ایک دم اس سے سوال کرگئی اور ایک ٹرانس کی کیفیت میں اسے سنتا اس کے قیافوں کی درستی پر دل ہی دل میں سر دھنتا ہوا سکندر ہڑبڑا سا گیا اسے فوری طور پر سمجھ نہیں آئی اب یہاں اسے کیا کہنا چاہیے کہ ایمان مطمئن ہوسکے۔

"سکندر تم مجھے بتاؤ پلیز کیا میں تم سے یہ توقع رکھ سکتی ہوں؟"

"آپ بالکل بے فکر ہوجایئے ایمان بی بی! میں ان کا ہمیشہ بہت خیال رکھوں گا۔" سکندر نے یہ بات بہر حال دل کی پوری سچائی سے کہی تھی جبھی ایمان کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس نے ممنونیت سے سکندر کو دیکھا۔

"تھینک یو سو مچ سکندر تم نے میرے دل کا بہت بڑا بوجھ ہلکا کردیا۔ میں ہمیشہ تمہاری ممنون رہوں گی۔ بابا سائیں کے لیے ہمیشہ یونہی ہمقدم اور امامہ کے لیے بھائی کا کردار نبھاتے رہنا۔"

"ایمان بی بی آپ دل چھوٹا کیوں کرتی ہیں؟ آپ کہیں دور تو نہیں جائیں گی جب جی چاہے ملنے جایا کیجیے گا۔" سکندر اس کی آنکھوں میں مچلتی نمی دیکھ کر گویا اس کی ڈھارس بندھانے کو بولا۔ ایمان نے ہونٹ بھینچ کر امڈتی سسکیوں پر قابو پانے کی کوشش میں سرخ چہرا جھکا لیا۔ سکندر دل گرفتہ سا اٹھ کر کمرے سے جا رہا تھا۔ جبکہ ایمان کے آنسو گالوں پر اتر آئے تھے۔

❁......❁......❁

اسے بیٹھے بٹھائے جانے کیا سوجھی کہ ڈاکٹر زینب سے ملنے کا پروگرام بنا لیا۔ ابھی کچھ دیر قبل نہائی تھی۔ بال ڈرائیر سے خشک کرنے کے بعد یونہی سمیٹ کر کیچر لگا دیا۔ ایک تنقیدی نگاہ اپنے لباس پر ڈالی۔ دھنک کے رنگوں جیسا یہ لباس اسے اس کی برتھ ڈے پر مام نے گفٹ کیا تھا۔ جسے آج پہلی مرتبہ اس نے زیب تن کیا تھا تو گویا یہ لباس اس کے وجود پر آ کر خود پر نازاں ہوگیا تھا۔ اتنا ہی جچا تھا اسے یہ لانگ شرٹ ٹراؤزر اور بڑا سا دوپٹہ۔ کسی قسم کی آرائش کی اسے کبھی بھی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اسے قدرت نے بہت فیاضی سے حسن کی دولت سے مالا مال کیا تھا پھر یہ تو اس کا نوجوانی کا دور تھا۔ نوخیزیت اور رعنائی اس پر ٹوٹ کے برسی تھی۔ سیل فون اپنے بیگ میں ڈال کر اس نے بیگ کاندھے پر ڈالا اور کمرے سے نکل آئی۔

"نمستے جی!" سب سے پہلے اسے گھر کی ملازمہ نے دیکھا اور فوری طور پر ہاتھ جوڑ کر نمسکار کیا۔ نندنی اسے نظر انداز کرتی راہداری عبور کرتی لان کی جانب آ گئی۔ وہیں سریتا دیوی' دیو اور دھرمیندر کے ہمراہ شام کی چائے پینے میں مصروف تھیں۔ دونوں پتی پتنی نے حیرت جبکہ دیو نے خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔ ورنہ وہ لوگ تو اسے گھر میں اس کے کمرے کے علاوہ کہیں دیکھنے کو ہی ترس گئے تھے۔ دھرمیندر بابو نے اسے دیکھ کر مسکراہٹ اچھالی' جس میں شفقت ومحبت نہیں عجیب سی چاپلوسانہ سی ریاکاری تھی۔ نندنی نے یہاں بھی نظر اندازی کا حربہ اپنایا اور سریتا دیوی سے بولی۔

"مام! میری گاڑی کی چابی آپ کے پاس ہے؟"

"ہاں! تم کبھی گاڑی استعمال نہیں کرتی تھیں تو......"

"مجھے چابی چاہیے۔" نندنی نے اس کی بات کاٹی۔

"مگر بیٹا وہ تو......"

"آپ میری گاڑی لے جایئے۔" دیو نے فی الفور اپنی گاڑی کی چابی پینٹ کی جیب سے نکال کر اس کی سمت بڑھائی۔

"نو تھینکس میں کسی کا احسان لینے کی عادی نہیں ہوں۔ مام مجھے گاڑی کی چابی دیں۔" اس نے رکھائی سے کہہ کر پھر سے سریتا دیوی کو مخاطب کیا۔

"مگر تم جا کہاں رہی ہو اکیلی؟" انہوں نے پہلے ملازمہ کو کمرے سے چابی لانے کا کہا پھر نندنی سے پوچھا۔

"کیا میں اکیلی نہیں جاسکتی یا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا؟"

"نندنی فضول باتیں مت کرو۔ جو میں نے پوچھا ہے اس کا جواب دو۔" سریتا دیوی نے اسے ڈانٹا۔

"آپ کی اس بات کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔" ان کے تنک اور بپھرے ہوئے انداز نے نندنی کے خوابیدہ سرکش جذبوں کو جگا دیا۔

"ٹھیک ہے تمہیں جہاں کہیں بھی جانا ہے دیو تمہارے ساتھ جائے گا۔" انہوں نے ہنوز اسی لہجے میں کہا۔

"سوری میں آپ کی یہ شرط نہیں مان سکتی۔" نندنی نے دوبدو جواب دیا اس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تم گھر سے باہر نہیں جاسکتیں۔" ان کے لہجے کی تلخی نے نندنی کے اندر آگ بھڑکا دی۔ اس سے قبل کہ وہ جواب میں کچھ کہتی اور جھگڑا طول پکڑتا تب ہی مصلحتاً خاموشی اختیار کیے ہوئے دیو نے چپ کو توڑا۔

"پلیز مام نندنی کو جانے دیں۔"

"دیو تم......"

"مام میں نے کہا نا نندنی کو جانے دیں۔ آپ کو بہرحال اس کا حق نہیں ہے کہ آپ اسے گھر میں قید کریں۔ نندنی جائیے آپ اور یہ یقین رکھیے گا پلیز کہ یہاں آپ کے ساتھ نہ تو کسی قسم کی زبردستی ہوگی نہ آپ کے رائٹس کو پامال کیا جائے گا۔" دیو کا لہجہ مام سے بات کرتے ہوئے خاصا سخت اور دو ٹوک تھا نندنی کو مخاطب کرتے ہی اس کی تلخی جاتی رہی۔ نندنی نے جواب میں کچھ کہے بغیر سرد نظروں سے اسے دیکھا اور گاڑی کی چابی مام کے ہاتھ سے اچک کر پورٹیکو کی جانب بڑھ گئی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا دیو!" مام کا لہجہ احتجاجی تھا۔

"مام نندنی زرخرید غلام نہیں بیٹی ہے آپ کی۔ اپنی محبتیں تو اس سے چھین ہی چکی ہیں اب اس کے جائز حقوق مت چھینیں ورنہ شاید آپ ہمیشہ کے لیے اسے کھو دیں۔" دیو نرمی و رسان سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا رہا جسے پتہ نہیں وہ سمجھی بھی تھی یا نہیں۔

❁......❁......❁

نندنی نے گاڑی ڈاکٹر زینب کے گھر کے سامنے پارک کی۔ گھر کے باہر موٹر سائیکلیں اور کچھ گاڑیاں پہلے سے کھڑی تھیں وہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ یہ رش کس سلسلے کی کڑی ہے۔ اپنی گاڑی دیگر گاڑیوں کے ساتھ کھڑی کرکے وہ اپنا بیگ اور دوپٹہ سنبھالتی باہر نکلی اور ڈاکٹر زینب کے گھر کے دروازے پر آن رکی۔ گیٹ سے ملحق ڈرائنگ روم کا ڈبل دروازہ تھا۔ جالی دار دروازہ بند جبکہ دوسرا کھلا تھا۔ اسی کھلے ہوئے دروازے کے باعث اسے یہ جاننے میں دیر نہ لگی کہ اندر بہت سے لوگ ہیں مگر اتنے نفوس کی موجودگی کے باوجود وہاں خاموشی تھی صرف ایک بھاری بارعب مردانہ آواز گونج رہی تھی۔ نندنی الجھن کا شکار ہوئی جبھی صورت حال سمجھنے کی کوشش میں رک گئی۔

عزیزانِ من! ایک مرتبہ حضرت عیسیٰؑ ایک باغ سے گزرے وہاں ایک نوجوان باغ کو پانی دے رہا تھا۔ اس نے آپؑ سے کہا۔ آپ اللہ سے عشق کا ایک ذرہ مجھے عطا کرادیجیے۔ عیسیٰؑ نے فرمایا۔

"وہ بہت زیادہ ہے تم اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ تو اس نے کہا اچھا آدھا ہی سہی۔ حضرت عیسیٰؑ نے دعا فرمائی اور اللہ نے عطا فرما دیا۔ آپؑ وہاں سے روانہ ہوگئے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد پھر وہاں آئے تو دیکھا کہ نوجوان غائب ہے۔ آپؑ نے دعا کی "اے اللہ! اس نوجوان سے میری ملاقات کرادیجیے۔ وہ نوجوان آیا اور آسمان کی طرف تکتا رہا۔ آپؑ کے سلام کا جواب دیا نہ گفتگو کی اور خاموش رہا۔

تب وحی الٰہی آئی۔

"اے عیسیٰ جس کے دل میں محبت کا آدھا ذرہ موجود ہو وہ لوگوں کو کیسے دیکھے گا۔ اگر اسے آری سے دو ٹکڑے بھی کردیا جائے تو اسے کوئی تکلیف میرے عشق کے سبب محسوس نہ ہوگی۔" گھمبیر پرتاثیر آواز چند لمحوں کے توقف کے بعد پھر گونجی۔

"آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بھی سن رکھا ہوگا۔ یہ عشقِ حقیقی ہی ہے جو انسان کو محفوظ کرلیتا ہے۔

نندنی کو لگا تھا اس کے وجود کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہوں۔ یہ کیسی داستان سنی تھی ابھی اس نے۔ عشقِ حقیقی؟ یہ کونسا عشق ہے؟ ایک عشق ایک محبت تو اس نے بھی کی تھی۔ اس کی کیفیت بھی کچھ اس سے مختلف تو نہیں تھی۔ وہ بھی تو ہر احساس ہر خوشی سے بے نیاز ہوگئی تھی۔ اسے اپنا دل پانی بن کر بہتا محسوس ہوا۔

بعض اوقات عشقِ مجازی بھی عشقِ حقیقی کا باعث بن جایا کرتا ہے۔ اللہ کریم جب کسی دل میں قیام فرمانا چاہتا ہے تو پہلے وہاں کسی اور کو ٹھہرا کے دیکھتا ہے آیا یہ زمین میری محبت کے لیے کتنی زرخیز ہے۔

"بی بی صاحبا آپ؟ اندر تشریف لے چلیے۔ بیگم صاحبہ

اندر ہیں۔" وہ یونہی اطراف سے بیگانہ گم صم کھڑی تھی جب اپنی دھیان میں زینب کی ملازمہ باہر آئی تھی اسے دیکھا تو گویا اس کی راہنمائی کی۔ نندنی چونکی پھر خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کرتی آگے بڑھ گئی۔ وہ ابھی دالان کے آغاز پر تھی جب زینب ٹرے اٹھائے کچن سے اپنے دھیان میں باہر آئی۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی خوشگوار قسم کی حیرت میں مبتلا ہوکر رہ گئی۔

"نندنی تم؟ آؤ نا!" زینب نے ٹرے وہیں ٹیبل پر رکھی اور بڑھ کر بہت تپاک سے اسے گلے لگایا۔

"ریئلی نندنی تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے کتنا اچھا لگ رہا ہے بتا نہیں سکتی۔" نندنی نے دیکھا اس کی آنکھیں اس کے ہونٹوں کی طرح سے مسکرا اٹھی تھیں۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ نندنی نے سر جھکالیا۔ اس کی آنکھیں بھیگتی جارہی تھیں۔

"میرا آپ سے ملنے کو جی چاہا بس چلی آئی۔"

"بہت اچھا کیا آؤ اندر چلتے ہیں۔" زینب نے پہلے ملازمہ کو پکار کر ٹرے ڈرائنگ روم میں پہنچانے کی تاکید کی پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

"آئی تھنک میں کچھ غلط وقت پر آئی ہوں۔ آپ کے ہاں گیسٹ آئے ہیں نا؟" نندنی قدم بڑھاتے کچھ ہچکچائی تھی۔ زینب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ایسا ہے تو نندنی مگر یہ گیسٹ عثمان کے لائے ہیں میرا کام تو ختم ہوچکا۔ ایکچولی ان کے تمام کولیگز جو مسلم بھی ہیں ویکلی وعظ سننے آتے ہیں۔ عثمان کو خود بہت شوق ہے دعوتِ اسلام کا تو......"

"کیا یہ آپ کے اسلام سے ریلیٹڈ گفتگو تھی جو میں نے ابھی سنی؟" نندنی کے سوال پر زینب کی مسکان کچھ اور گہری ہوگئی اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی پھر اس کا متغیر چہرہ دیکھ کر بولی۔

"مجھے تمہاری طبیعت اچھی نہیں لگ رہی ہے خیریت؟" وہ اسے کمرے میں لے آئی۔ نندنی تھکے تھکے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں جب یہاں آئی تو میرا موڈ بہت بہتر تھا گو کہ گھر سے نکلتے ایک بار پھر مام سے تکرار ہوگئی تھی مگر میں نے ان کی بات کو سر پر سوار نہیں کیا تھا مگر......"

"مگر کیا؟" ڈاکٹر زینب نے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو نندنی کے چہرے پر کچھ اور اضطراب بکھر گیا۔

"آپ کے ہزبینڈ عثمان صاحب کی باتیں سن کر مجھے عجیب لگا میں کچھ سمجھنے سے قاصر رہی ہوں۔"

"کیا بات سمجھ نہیں آئی نندنی؟"

"آپ نے اپنے اللہ کو دیکھا نہیں ہے پھر اس سے محبت کیسے کرلیتے ہیں؟ اتنی شدید محبت کہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟"

"نندنی اس کا بہت سادہ اور آسان فہم جواب ہے۔ دکھائی تو خوشبو بھی نہیں دیتی مگر احساس میں کس درجہ اثر پذیر ہے۔ درد اور تکلیف بھی نظر نہیں آسکتی مگر اس کا احساس اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ صحیح معنوں میں زمان و مکان کو فراموش کرادینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مالک کائنات اور ایک عام انسان میں یہی فرق تو ہے۔ وہ نظر نہ آ کر بھی ہر جگہ اپنا احساس دلاتا ہے دکھائی نہ دے کر بھی کائنات کے ذرے ذرے سے عیاں ہے انسان جب بھی خود کو تنہا پاتا ہے اللہ کو اپنے نزدیک محسوس کرلیتا ہے لیکن بات ساری ایمان کامل اور بھروسے کی ہے۔ اگر بھروسہ نہیں تو کوئی احساس نہیں۔" ڈاکٹر زینب نے اپنی بات مکمل کی اور نندنی کو دیکھا وہ جیسے الجھے ہوئے ریشم کا سرا ڈھونڈنے میں ہنوز ناکام تھی۔

"تم بیٹھو میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔ نندنی کا دل پھر ڈوبنے لگا۔ یہاں بھی تو وہی تھا جس نے اسے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا تھا۔ ڈاکٹر زینب کی تمام باتیں گویا اس کی سمجھ سے بہت اوپر سے پرواز کرگئی تھیں۔

❁......❁......❁

اس نے سخت جھنجلا کر دریچے کا پردہ چھوڑا اور کمرے کے وسط میں ٹہلتے ہوئے بے دردی سے ہونٹ کچلے۔ کسی پل چین نہیں تھا۔ سکندر کب کا بابا سائیں کے کمرے میں گھسا ہوا تھا وہ اس کی منتظر تھی اس سے پوچھنا چاہتی تھی ایمان نے کیا بات کی اس سے مگر وہ ہتھے ہی نہ چڑھ رہا تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی عباس حیدر کہ محض تمہاری وجہ سے میں ایک معمولی انسان سے خائف رہنے لگی ہوں۔" اس نے ایک بار پھر عباس کے تصور سے شکوہ کیا اور آنکھوں کی نمی صاف کرکے دریچے کی جانب آگئی۔ پردہ ہٹایا تو سکندر بابا سائیں کے کمرے سے نکل کر اپنے دھیان میں راہداری عبور کررہا تھا۔

"سکندر!" وہ کاندھوں پر پھیلی براؤن مردانہ گرم چادر کی

بگل مارتے ہوئے اس آواز پر ٹھٹک گیا۔ خائف سی نظروں سے پلٹ کر دیکھا وہ اپنے کمرے کے دریچے میں کھڑی اشارے سے بلا رہی تھی۔ سکندر نے بے بسی سے لبریز طویل سانس کھینچا اور احتیاطاً اس کے کمرے کی جانب بڑھنے سے قبل اطراف میں نگاہ کی۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔

"آؤ۔" اس کی دستک سے بھی پہلے لاریب نے دروازہ کھول دیا تھا۔ سکندر نے بھاری دل سے اندر قدم رکھا اب یہ پیشی جانے کس سلسلے کی کڑی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں اس سے خائف رہنے لگا تھا۔ یہ تنہائی یہ قربت اور سب سے بڑھ کر اس پر موجود استحقاق اسے اس کے دل کو بے قابو کرنے لگتا تھا۔ وہ خود پر جبر کرتے خود پر پہرے بٹھاتے ہار جاتا مگر وہ ایسی بے نیاز تھی کہ پرواہی نہ کرتی تھی۔ عجیب لڑکی تھی نہ اس کی خلوت سے گھبراتی' نہ تنہائی سے شاید وہ اسے کسی قابل سمجھتی ہی نہ تھی یا پھر اس پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ کبھی اس کے سامنے آنکھ نہیں اٹھا سکے گا۔ سکندر یہی اعتماد قائم رکھنا چاہتا تھا۔

"باجو نے بلوایا تھا تمہیں؟ کیا پوچھ رہی تھیں؟"

"ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے آپ حوصلہ رکھیں۔" سکندر اسے دیکھنے سے دانستہ گریز کر رہا تھا کہ خود کو آزمائش میں ڈالنا اور پھر اس آزمائش سے نبرد آزما ہونا آسان نہیں تھا مگر لاریب نے اس کا کچھ اور ہی مطلب لیا جبھی ڈانٹ کر بولی۔

"مجرموں کی طرح سے نظریں چرا کر بات کیوں کر رہے ہو؟ میری طرف دیکھ کر کہو یہی بات تاکہ میں تمہارے سچ اور جھوٹ کو سمجھ سکوں۔"

"میں آپ سے جھوٹ کیوں بولوں گا بی بی صاحبہ؟" وہ جیسے زچ ہوا۔ لاریب نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی' کچھ اداس تھیں' مجھے آپ سب کا بہت خیال رکھنے کی تاکید کرتی رہیں دیٹس سیک!"

"اوکے فائن' تم جا سکتے ہو۔" اسے کچھ دیر تک تیز نظروں سے گھورتے رہنے کے بعد لاریب نے کہا تو سکندر گویا سر پر پیر رکھ کے بھاگا۔ سکندر کے کمرے سے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد امامہ اور ایمان وہاں آگئی۔ امامہ چہک رہی تھی جبکہ ایمان معمول سے کہیں زیادہ خاموش گم صم اور اداس نظر آئی تھی۔ کل سے مہمانوں کی آمد کے ساتھ گھر میں شادی کی تقریبات بھی شروع ہو جاتیں۔ لاریب کو اس کی اداسی اسی جدائی کے باعث لگی تھی۔

"یہ اکھٹے سونے والا آئیڈیا باجو کا تھا بہت زبردست' مجھے کتنا اچھا لگتا ہے نا رات کو اکھٹے سونا' ایسا وقت تو ہم نے اتنے سالوں میں کبھی نہیں گزارا۔ باجو جب شادی کے بعد آپ یہاں رہنے کو آیا کریں گی تب پھر ہم اکھٹے ہو کر سویا کریں گے' ٹھیک ہے نا۔" امامہ نے ایمان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے تھے۔

"اور وہ جو جن صاحب ساتھ آیا کریں گے بھلا وہ انہیں ہمارے ساتھ سونے کی اجازت کیوں دینے لگے۔"

"وقاص بھائی کی بات کر رہی ہیں؟" امامہ نے ٹھٹک کر پوچھا تو لاریب کچھ اور سلگ گئی۔

"تو اور کس کی کروں گی؟"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو اب سو جاؤ۔" ایمان نے ٹوکا مگر امامہ مچل گئی۔

"ہرگز نہیں باجو آج ہم بہت ساری باتیں کریں گے رات بھر جاگ کر۔" امامہ اس سے لپٹ گئی ایمان نے جھک کر اس کی پیشانی چومی تو ہزار ضبط کے باوجود آنکھ کی نمی اس کے چہرے کو بھگو گئی۔ امامہ چونک اٹھی۔

"باجو آپ رو رہی ہیں؟ بٹ وائے؟"

لاریب میری جان ادھر آؤ' میرے پاس۔" ایمان نے امامہ کی بات کو نظر انداز کیا اور لاریب کو دیکھ کر بازو پھیلائے۔ لاریب کچھ کہے بغیر سرک کر اس کے نزدیک ہو گئی۔ ایمان کے آنسو دیکھ کر خود اس کا اپنا دل بھی پگھل گیا تھا۔ رات گئے تک وہ تینوں باتیں کرتی رہیں۔ اپنے بچپن کی' اپنی ماں کی پھر امامہ اور لاریب نیند کی آغوش میں اتر گئیں تھیں جبکہ ایمان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ اس کے سیل پر شرجیل کا میسج آیا۔

"میں حویلی کے باہر تمہارا منتظر ہوں۔ ابھی جلدی باہر آؤ پلیز۔" ایمان کسی معمول کی طرح اٹھی۔ باری باری لاریب اور امامہ کو ڈھیر سارا پیار کیا اور در و دیوار پر حسرت زدہ نگاہ ڈال کر آنسو پونچھتی باہر نکل گئی۔ اس کا سیل فون وہیں ٹیبل پر پڑا رہ گیا تھا۔

(جاری ہے)

نئی کونپلیں

قارئین! نو آموز مصنفین کے فن کو نکھار اور جلا بخشنے کے لیے ہم اس ماہ سے "نئی کونپلیں" کے عنوان سے اک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں جس میں نئے مصنفین کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کی تحاریر مناسب تراش خراش کے بعد گاہے بہ گاہے شامل کی جائیں گی۔ صفحات کی تعداد محدود ہے اس لیے اس سلسلے میں شرکت کے لیے تحریر کا معیاری و مختصر ہونا لازمی ہے۔

ماں کہتی ہیں' کس غم میں گھلا کرتی ہے
کس آگ میں' دن رات تپا کرتی ہے
یہ دن تو ہیں' کھیل کود کے نام خدا
اور تو ہے کہ گم صم سی رہا کرتی ہے

کچی کلیاں

عمارہ حامد

لائبہ...... لائبہ' کہاں ہو؟" سائرہ لائبہ کو آوازیں دیتے ہوئے جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں تو انہیں لگا کہ جیسے لائبہ نے جلدی سے اپنے سامنے بکھری کتابوں میں کچھ چھپایا ہو۔

شام کی چائے روز لائبہ ہی بناتی تھی لیکن آج اتنی دیر گزرنے کے باوجود وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی' اسی لیے سائرہ اسے چائے کا کہنے آئی تھیں لیکن اب اس کا انداز دیکھ کر وہ ٹھٹک سی گئیں اور غصیلی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ج ج...... جی ماما آ...... آپ بلا رہی تھیں؟" لائبہ جو اچانک ماں کے اندر آ جانے پر پہلے ہی خوف زدہ تھی اس پر مستزاد ان کی نظروں سے چھلکتے غصے سے اور بوکھلا گئی اور اسی بوکھلاہٹ کی وجہ سے بے ربط بول رہی تھی۔

"ابھی تم نے کتابوں میں کیا چھپایا ہے؟" سائرہ نے درشتی سے کہا تو اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔

"ک ک...... کچھ نہیں' میں...... میں تو پڑھ رہی تھی۔" اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

"میں کوئی بچی نہیں ہوں؟ مجھے بے وقوف مت بناؤ' کئی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں کہ تم مجھ سے کچھ چھپاتی ہو' آج میں نہیں چھوڑوں گی' سیدھی طرح دکھاؤ کیا ہے تمہارے پاس؟" سائرہ نے اس کے پاس آ کر اس کی کتابوں کو الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیا۔

"کیا بات ہے سائرہ! اتنا کیوں چلا رہی ہو؟" ابھی وہ اس سے باز پرس کر ہی رہی تھیں کہ رابعہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے گویا ہوئیں' انہیں دیکھ کر جیسے لائبہ کی اٹکی سانس بحال ہوئی تھی۔ رابعہ سائرہ کی نہ صرف بڑی بہن بلکہ جٹھانی بھی تھیں لیکن

سگی بہنیں ہونے کے باوجود ان کے مزاج ایک دوسرے کے برعکس تھے۔ سائرہ جتنی تند مزاج تھیں رابعہ اتنی ہی نرم اور حلیم طبیعت کی تھیں۔

ایسا نہیں تھا کہ سائرہ میں کوئی خوبی نہ تھی بلکہ وہ دوسروں کا خیال رکھنے والی ہمدرد فطرت کی مالک تھیں لیکن ان کا لہجہ بہت کرخت سا تھا۔ ذرا سی بات پر بھڑک جانا ان کا معمول تھا اور یہی خامی ان کی تمام خوبیوں پر حاوی ہوجاتی۔ ان کے اسی لب و لہجے کی وجہ سے مقابل ان سے زیادہ کھل مل نہ پاتا حتیٰ کہ ان کی بیٹی لائبہ بھی ماں سے جھجکتی تھی۔ ایک نادیدہ دیوار دونوں کے بیچ حائل تھی بعض دفعہ لائبہ کا دل چاہتا کہ وہ اپنی ماما سے ڈھیر ساری باتیں کرے اسکول سے آئے تو آ کر ساری روداد انہیں سنائے اور وہ مسکرا کر اس کی باتیں سنیں لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا اکثر اوقات وہ ایک دم اسے جھاڑ کر رکھ دیتیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ماں سے دور ہوتی گئی۔

رابعہ چونکہ ٹھہرے مزاج کی حامل تھیں اور لائبہ کی ہم مزاج تھیں اس لیے وہ ماں سے زیادہ ان کے قریب تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کی آمد سے قدرے پُرسکون ہوگئی تھی کہ وہ اس کی ماں کے غصے کو ٹھنڈا کردیں گی۔

"مجھے چلانے کا کوئی شوق نہیں ہے باجی! اب آپ سے کیا چھپانا اس لڑکی کی حرکتوں نے پریشان کیا ہوا ہے۔ کئی دفعہ محسوس کیا ہے میں نے آج تو صاف دیکھا ہے کہ اس نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے لیکن اب صحیح بات نہیں بتارہی صاف مکر رہی ہے جانے کن خیالوں میں کھوئی رہتی ہے۔ اب دیکھیں شام کے چھ بجنے والے ہیں اور اسے آج چائے بنانی بھی یاد نہیں رہی۔" چائے کے ذکر پر لائبہ نے سٹپٹا کر ماں کو دیکھا وہ واقعی آج بھول گئی تھی اور اس بھول کی پاداش میں اب سر جھکائے ماں کی عدالت میں ان کے روبرو تھی۔

"باجی! مجھے تو یہ کوئی اور ہی چکر لگ رہا ہے جانے کیا گل کھلاتی پھر رہی ہے یہ؟ آپ ہی پوچھ کریں نا!" سائرہ نے آواز کو دھیمی رکھتے ہوئے راز دارانہ انداز میں رابعہ سے کہا تو لائبہ نے تڑپ کر ماں کو دیکھا جب کہ رابعہ نے چونک کر لائبہ کی طرف دیکھا جو اس لمحے شکایتی نظریں ماں پر مرتکز کیے ہوئے تھی جب کہ اس کے چہرے پر وہی ازلی معصومیت تھی جو کہ اس کا خاصہ تھی لیکن ماں سے ڈر کا عکس بھی چہرے پر جھلملا رہا تھا جو اس کی گلابی رنگت کو زرد کر رہا تھا۔ رابعہ نے ملامت بھری نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"سائرہ! تم یہ بات آرام سے بھی کرسکتی تھیں بچیوں سے اس طرح بات نہیں کرتے۔ لائبہ اب بڑی ہورہی ہے میٹرک کی طالبہ ہے جوان بچیوں سے اتنا سخت رویہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔" رابعہ نے رسان سے انہیں سمجھانا چاہا تھا لیکن حسب توقع وہ بھڑک اٹھی تھیں۔

"لو جی آپ اسے کیا سمجھائیں گی؟ آپ تو اس کی طرف داری کرنے لگیں۔"

"اچھا تم ایسا کرو تم باہر جاؤ میں خود اس سے پوچھتی ہوں یہ تمہارے سامنے مجھے صحیح بات نہیں بتائے گی۔" رابعہ کی بات سائرہ کے دل کو لگی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ لائبہ رابعہ کو ضرور صحیح بات بتادے گی۔ اس لیے وہ بغیر چوں چرا کیے باہر چلی گئیں لیکن متجسس ہوکر دروازے کے پاس ہی رک گئی تھیں تاکہ وہ سن سکیں کہ لائبہ کیا کہتی ہے۔

"اب بتاؤ بیٹا! کیا بات ہے؟ ماما سے کیا چھپا رہی تھیں؟" رابعہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنے مخصوص شہد آگیں لہجے میں پوچھا تو اسے ڈھارس سی ہوئی۔

"وہ...... آپ ماما کو تو نہیں بتائیں گی نا؟" اس نے یقین دہانی کروانے والے انداز میں پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔" انہوں نے پیار سے اس کے چہرے پر جھولتی بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے کہا۔ ان کے حوصلہ افزاء لہجے کو محسوس کرتے ہوئے اس نے کتابوں کے نیچے دبی ہوئی ڈائری نکال کر رابعہ کو دی۔

انہوں نے دائیں طرف سے ڈائری کھول کر دیکھی تو اس میں لائبہ کی لکھائی میں علامہ اقبال غالب میر تقی میر اور مختلف شعراء کے اشعار درج تھے جن میں سے کئی تو یقیناً اس کے نصاب میں شامل تھے پھر کچھ صفحات چھوڑ کر اقوالِ زریں اور چند احادیث لکھی ہوئی تھیں پھر انہوں نے بائیں طرف سے ڈائری دیکھی تو انہیں ایک شعر لکھا نظر آیا جس کے نیچے لکھا تھا "میری پہلی کاوش" اس کے علاوہ بھی چند اشعار اور غزلیات لکھی ہوئی تھیں جن کے نیچے تاریخ بھی درج تھی۔ یقینی طور پر یہ بھی اس کی اپنی شاعری تھی۔ رابعہ دیکھتی جارہی تھیں اور حیران ہوتی جارہی تھیں۔

"یہ...... یہ شاعری تم نے خود کی ہے؟"

"جی۔" لائبہ نے یوں اثبات میں سر ہلایا جیسے اس سے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو۔

"مجھے تو یقین نہیں آرہا اتنی چھوٹی عمر میں تم اتنی اچھی شاعری کرسکتی ہو۔" رابعہ کا لہجہ حیرانی کے ساتھ ساتھ ستائش سے پُر تھا۔

"آپ کو مجھ پر غصہ نہیں آیا؟"

"ارے اس میں غصہ کرنے والی کون سی بات ہے اور مجھے یہ بتاؤ کہ آخر اس ڈائری میں تم نے کیا غلط لکھا ہے جسے تم چھپا رہی تھی؟"

"مجھے ماما سے ڈر لگتا تھا کہ شاید انہیں یہ سب پسند نہ آئے میری ساری دوستوں کے پاس ڈائریاں ہیں جن پر وہ اپنی پسند کے اشعار لکھتی ہیں تو میرا بھی دل چاہنے لگا کہ میرے پاس بھی ڈائری ہو اور میں بھی اپنی پسند کی چیزیں اس پر لکھ کر محفوظ کروں میں نے اپنے جیب خرچ سے پیسے بچا کر یہ ڈائری خریدی۔ مختلف شعراء کے اشعار نوٹ کرتے کرتے مجھے لگا کہ میں خود بھی شاعری کرسکتی ہوں اس لیے میں نے بھی اشعار لکھنے شروع کردیئے۔" وہ وضاحتی انداز میں بول رہی تھی اور رابعہ سوچ رہی تھیں کہ کیا یہ بہت غلط اور غیر صحت مندانہ بات نہیں کہ ایک بچی اپنی جائز خواہش کے لیے اتنی وضاحتیں دے رہی ہے۔

"خالہ! ماما بھی آپ کی طرح غصہ تو نہیں کریں گی نا کاش وہ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔"

"نہیں! میں غصہ کیوں کروں گی بیٹا؟" سائرہ کی آواز اور لہجے میں ملائمت پر دونوں نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا جہاں سائرہ چہرے پر خجالت اور شرمندگی کے تاثرات لیے کھڑی تھیں۔

"دیکھا تمہاری ماما نے تو کچھ بھی نہیں کہا تم ایسے ہی پریشان ہورہی تھیں۔ چلو جاؤ اسی خوشی میں چائے بنا کر لاؤ۔" رابعہ نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا۔

لائبہ کچھ دیر ماں کے چہرے کے تاثرات دیکھتی رہی۔ حیرت انگیز طور پر اسے ان کے چہرے پر غصے کی بجائے نرماہٹ محسوس ہورہی تھی وہ قدرے مطمئن ہوکر کچن کی طرف چل دی۔

"سائرہ۔"

"ہوں۔" لائبہ کے جانے کے بعد رابعہ نے انہیں پکارا تو وہ نگاہوں میں شرمندگی لیے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"تمہیں نہیں لگتا کہ تم کچھ غلط کررہی ہو میں جانتی ہوں تمہارے مزاج میں شروع سے ہی سختی ہے۔ لیکن

اب تم جوان بیٹی کی ماں ہو کچھ تو سمجھ داری کا ثبوت دو اب تم پر لازم ہے کہ اپنی بیٹی کے لیے اپنی زبان میں مٹھاس پیدا کرو ورنہ وہ زبان کی شیرینی اور محبت جو ماں سے حاصل کرنا چاہتی ہے چور راستوں سے حاصل کرنا شروع کردے گی اور جس طرح کا شک تم آج اس پر کررہی تھیں وہ حقیقت کا روپ دھار کر ایک دن تمہارے سامنے آ کھڑا ہوسکتا ہے' بعض دفعہ ہم بلاوجہ اپنے بچوں پر شک کرکے انہیں خود اس چیز کا ادراک کروادیتے ہیں جوان کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔ یہ بالکل فطری سی بات ہے اس عمر میں لڑکیاں اس طرح کے شوق رکھتی ہیں' کیا میں اور تم جب لائبہ کی عمر میں تھیں تو ہمارے بھی ایسے ہی شوق اور مشاغل نہ تھے؟ اگر ہم اپنی عمر گزار چکے ہیں تو اس میں ہمارے بچوں کا کیا قصور؟ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم انہیں ان کے حصے کی خوشیاں کشید کرنے سے روکیں۔"

"لیکن میں نے اسے ڈائری لکھنے پر تو کچھ نہیں کہا اگر وہ مجھے بتادیتی تو کیا میں اسے روکتی' اب اتنی بھی جاہل نہیں ہوں میں۔"

"اس میں بھی تمہارا قصور ہے' تمہاری بلاوجہ کی روک ٹوک' تنقید اور ترش رویے کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ وہ جائز خواہشات کے لیے بھی تم سے ڈرنے لگی ہے اور تم سے چھپانے لگی ہے۔ اس عمر میں بیٹیوں کو ماؤں کے تعاون اور پیار کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ ماں اور بیٹی کے درمیان اتنی وسیع خلیج خطرے کی نشاندہی ہوا کرتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ اس خلیج کے وسعت اختیار کرنے سے پہلے اسے پار کرلو۔" سائرہ پہلی بار تسلی سے ان کی بات سن رہی تھیں اور رابعہ کے لیے یہ غنیمت تھا وہ تو پہلے بھی اکثر انہیں ٹوکتی رہتی تھیں لیکن وہ کچھ خاص کان نہ دھرتی تھیں لیکن اب رابعہ کو ان کے چہرے پر سنجیدگی نظر آرہی تھی جو کہ خوش آئند بات تھی چنانچہ لوہا گرم دیکھ کر انہوں نے چوٹ کی۔

"ایک ماں کا اپنی بیٹی سے بالکل ایسا ہی رشتہ ہوتا ہے جیسا ایک باغبان کا اپنے باغ میں کھلی کچی کلیوں سے' جس طرح وہ ان کچی کلیوں کی آبیاری کرتا ہے اور پروان چڑھاتا ہے بالکل اسی طرح بیٹیاں بھی کچی کلیوں کی مانند ہوتی ہیں اور ان کلیوں کی حفاظت کرنا اور انہیں خوشنما پھولوں کی صورت پروان چڑھانا ایک ماں کی ذمہ داری ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کہ باغبان کی ذرا سی غفلت اور بے توجہی سے کلیاں کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جاتی ہیں اور اس کے برعکس اس کی ذرا سی توجہ انہیں ایسا نکھار بخشتی ہے کہ دیکھنے والے رشک کرتے رہ جائیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کرو لیکن بے جا سختی بھی ٹھیک نہیں تو کیوں نہ اعتدال سے کام لیا جائے؟ اس لیے اب میں اس طرح کی صورتِ حال دوبارہ نہ دیکھوں۔" رابعہ نے دوستانہ مسکراہٹ سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تو جواباً وہ بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر جانے لگیں۔

"اب کہاں جارہی ہو؟ لائبہ چائے لا ہی رہی ہوگی' اکٹھے پیتے ہیں۔" رابعہ نے انہیں روکا۔

"ضرور اکٹھے ہی پئیں گے لیکن پہلے میں اپنی بیٹی سے دوستی تو کرآؤں۔" سائرہ نے پیچھے مڑ کر مسکراتے ہوئے کہا تو جواباً رابعہ بھی طمانیت سے مسکرادیں۔

عاشق آنچل

شمع مسکان

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

کسی شے پہ دسترس کی خواہش رکھنا یا کسی کو ٹوٹ کر چاہنا کوئی مضائقہ والی بات نہیں اور نہ ہی یہ خود ساختہ عمل ہے۔ یہ تو ایک خوب صورت احساس ہے' جو آپ کے دل کو اسیر کرلیتا ہے۔ محبت اگر تپتے صحرا میں بھٹکتے مسافر پہ برس جائے تو لمحوں میں اسے سیراب کردیتی ہے پھر ریت کے گرم ذرّے بھی شبنم کی بوندوں کی مانند محسوس ہوتے ہیں۔ دل کی ویران بستی کو ایک لمحہ میں گلزار بنادیتی ہے' مجھے بھی محبت ہوئی' دھواں دھار قسم کی محبت بلکہ اب تو میری شدید محبت جنون کا روپ دھار چکی ہے' اگر کل کسی نے پوچھ لیا تو میں اسے عشق کا نام دوں گا...... ارے دوں گا کیا بلکہ مجھے لگتا ہے کہ میں عاشق کا مقام پاچکا ہوں۔ محبوب کے لیے خود کو فنا کردینا' اپنی تمام خواہشات' آرزو' امنگیں' تمنائیں' سب محبوب کی رضا پہ قربان کردینا' سماج کے طعنے تشنے اور طنزیہ وار سہنا' یہ سب علامات عشق کی ہیں جو کہ مجھ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

پیاری دوستو! (ارے نہیں یہ میں نے کیا کہہ دیا' یہ تو لڑکیاں پڑھتی ہیں' انہیں دوست...... میری خیر نہیں) سوری! ارے یار میں بھی نا بس (اف پھر کیا کہہ دیا' جلدی سے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا) سوری...... سوری...... پیاری بہنوں! پلیز پلیز میری دکھ بھری داستان ضرور پڑھیں۔ آگے نہیں جائیں' اچھا جی تو جس ہستی سے مجھ ناچیز کو عشق ہوا' وہ ہے میرا پیارا آنچل' جس کے سنگ میں اپنے فرصت کے تمام لمحات گزارتا ہوں' ہوش سنبھالتے ہی آنچل کو گھر میں موجود پایا۔ امی' سسٹرز سب آنچل کی دیوانی' مجھے پتا ہی نہ چلا کہ کب میں بھی دیوانوں کی لسٹ میں شامل ہوگیا۔ صنف مخالف میں صرف مجھے ہی آنچل کا چسکا لگا۔ آنچل میں رائٹرز کی لسٹ میں اپنا نام جگمگاتا دیکھنا میرا خواب' تبصرہ نگار کی لسٹ میں اپنا نام دیکھنا شدید خواہش اور حتیٰ کہ ڈش مقابلہ میں بھی شرکت کرنے کا میں آرزومند تھا۔ مجھے اپنی یہ تمام خواہشات خواب اور آرزو اپنے محبوب پر قربان کرنی پڑیں' جب ان تمام سلسلوں میں مرد حضرات کی انٹری کو ممنوع پایا۔ یہ (ہمارے محبوب) ادب کی پالیسی تھی' جہاں تمام خواہشیں بھربھری ریت کی دیوار کی طرح گرنے لگیں' وہیں شاعری کے سلسلے نے آگے بڑھ کر میرے گرتے حوصلوں کو سہارا دیا۔ کیوں کہ شاعری میں کامران خان' راشد ترین' آصف باجوہ' برکت راہی' وغیرہ بھائیوں کو موجود پایا' تب میں بھی اپنے درد کو الفاظ کا پیراہن دیے آنچل کی زینت بنانے لگا۔

درد آنچل کا دیا ہوا تھا چلو شاعری شائع کرکے اس نے کچھ تو مداوا کیا۔

ویسے مجھے مدیرہ صاحبہ سے اک شکایت یہی ہے کہ جب مردوں کے جریدوں (نئے افق' سسپنس' جاسوسی وغیرہ) میں صنف نازک چھائی ہوتی ہیں تو پھر آنچل میں "ہم" کیوں نہیں؟ اب مجھے آنچل پسند ہے اور اس کا ذکر کروں میں سسپنس میں اور حسد میں مبتلا ہوں گا ہی نا' یہ تو ایسے ہوگا جیسے سرِ محفل اپنی وائف کے پہلو میں بیٹھے کسی دوسری دوشیزہ کی تعریف کرنے لگیں۔ آج میں بہت اداس ہوں' دل مضطرب کو اک لمحہ سکون میسر نہیں۔ آج محفل یاراں میں یاروں نے میرا خوب مذاق اڑایا' جب میں نے انہیں اپریل میں آنچل کی سالگرہ کا بتایا۔

"ارے...... ہمارا شہزادہ تو آنچل کا پکا عاشق ہے کوئی عاشق بھی کیا ہی اپنی محبوبہ کو یاد کرتا ہوگا' جو یہ آنچل کی سالگرہ تک کو یاد رکھتا ہے۔ یار تو شادی کبھی نہ کرنا ورنہ بھابی تو......" سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور میں دل گرفتگی سے اٹھ آیا۔ اب میں ہوں اور میری تنہائی۔

......☆☆☆......

میں پیشے کے لحاظ سے ایک لیکچرار ہوں' ایک بجے کالج سے چھٹی کے بعد شام پانچ بجے سے رات نو بجے تک اکیڈمی میں ہوتا ہوں' باقی تمام وقت فارغ۔

تاحدِ نگاہ تارکول کی سیاہ سڑک پر وہ اپنی سوچوں میں غلطاں چلا جارہا تھا' اطراف میں رش نہ ہونے کے برابر تھا۔ سڑک کا موڑ مڑتے ہی اسے ایک محل نما عمارت نظر آئی۔ جس پر نصب پلیٹ پر "آنچل ولا" لکھا دکھائی دیا۔ یک دم اس کے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش بیدار ہوئی۔ اس نے گیٹ کے اردگرد نگاہ دوڑائی' جہاں کوئی گارڈ دکھائی نہ دیا' گیٹ پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ محتاط نظروں سے اندر جھانکا' کوئی ذی روح نظر نہ آیا' موقع غنیمت جان کر چور انداز میں اندر داخل ہوگیا۔ باؤنڈری وال پر مختلف خوب صورت بیلیں چڑھی ہوئی تھیں' وہ خوب صورت لان کی سیڑھیاں عبور کرتا ایک ہال میں داخل ہوا' ہال بالکل خالی تھا مگر اندر سے باتوں کی آوازیں اور قہقہے سنائی دے رہے تھے' اچانک دائیں جانب کا دروازہ کھلا اور وہ جلدی سے پردے کے پیچھے ہوگیا۔ نووارد کے ساتھ خوشبو کا ایک جھونکا بھی پورے ہال کو معطر کرگیا۔ وہ جو کوئی بھی تھی وائٹ ٹائیٹس' بلیو لانگ شرٹ اور بلیو وائٹ بارڈر والے لانگ دوپٹے میں ملبوس اپنے دراز گیسو پشت پر پھیلائے عجلت بھرے انداز میں ہال کے بیک ڈور سے نکلتی چلی گئی۔ وہ پردے کے پیچھے سے نکل کر واپس ہال میں آیا پھر تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر ادھ کھلے دروازے سے اندر جھانکا جسے وہ دوشیزہ جلدی میں ٹھیک سے بند کرنا بھول گئی تھیں۔

اندر تو رنگ و بو کا ایک سیلاب تھا' تمام پریاں اپنے جھلملاتے آنچل اور خوب صورت ڈریسز میں ادھر اُدھر ہار سنگھار میں مصروف تھیں۔

"دعا کتنی دیر ہے...... جلدی کرو یار!" ایک پیاری سی لڑکی اپنا دوپٹہ پن اپ کرتی مسکارا لگاتی گڑیا سے مخاطب ہوئی اور گڑیا میں جنبش ہوئی۔

"ہیں یہ گڑیا بولتی بھی ہے۔" یہ سوچ دماغ میں تب آئی جب وہ گویا ہوئیں۔

"نورین شفیع صاحبہ خود تو دو گھنٹے سے لگی ہوئی ہو اور مجھے دس منٹ بھی نہیں دیتیں۔"

(اوہ اب سمجھا یہ پنک فراک میں ملبوس گڑیا دعا ہاشمی ہے)

مجھے حیرت ان کراچی والیوں پر ہے جو اسی شہر کی باسی ہیں اور تب بھی تیار ہوکر نہیں آئیں۔ یہ شمائلہ اکرام تھیں جو اپنی ہیل کا اسٹرپ باندھتی گویا ہوئیں۔ اس بات سے چند چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی' یہ یقیناً کراچی کی سمیرا غزل' عائشہ پرویز' حمیرا عروش' مہر گل اور ملائکہ تھیں۔

"یار جو تیاری یہاں کرنے میں مزا آرہا ہے' وہ تو پارلر میں بھی نہیں۔" یہ کرن وفا تھیں جو اپنے شہر کی باسیوں کو سپورٹ کرنے آگے بڑھیں۔ بیا' ایمن وفا' فاطمہ عاشی' صدف سلیمان' فوزیہ سلطانہ' صبا پرویز کافی ناموں کی بازگشت تھی۔ ابھی تک کسی کی بھی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ اس نے جلدی سے سر باہر نکالا' پھر دوسرے کمرے کے دروازے کو ہلکا سا دھکیلا تو اس نے بھی اندر دیکھنے جتنا راستہ فراہم کر ہی دیا۔ یہاں بھی پہلے کمرے جیسا ماحول تھا' یہاں پروین افضل شاہین' امبر گل' طیبہ نذیر' ایس عطاریہ' صباحت مرزا' صبا پرویز' سمیرا انور کے نام سنائی دیئے۔

"ارے میں نے آپ سب کو تو تیار کردیا' ٹائم کم ہے خود کیسے تیار ہوں' بیوٹیشن بننا بھی مصیبت ٹھہری۔"

"او صنم...... او صنم......! ایسے ہی تیار کرتی رہنا......"

"جاناں تم تو مجھ سے دور ہی رہو' سب سے زیادہ دیر تم نے ہی کرائی ہے۔"

"اوہ تو یہ صنم ناز اور جاناں چکوال ہیں' واقعی صنم نے ڈریس تو چینج کیا ہوا تھا' مگر چہرہ میک اپ سے مبرا تھا۔ اس نے تیسرے کمرے میں جھانکا' وہ اپنے احساسات خود سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ یہ سب کیوں کررہا ہے' بس اک سرشاری سی پورے وجود پہ طاری تھی جو اسے غیر اخلاقی حرکت پر اکسا رہی تھی۔ تیسرے روم میں دو آنٹی نما شخصیت بھی نظر آئیں' اس کمرے کا منظر دوسرے کمروں سے مختلف تھا۔ دو سادہ مگر پرکشش چہرے سہیلیوں کے جھرمٹ میں دکھائی دیئے' جن کی آنکھوں میں کچھ کھو دینے کا ملال موتیوں کی صورت نظر آرہا تھا۔ خاتون نے پیار سے سمجھایا۔

"دیکھو جیا! ایسے نہیں کرتے' جانے والے کے ساتھ جایا تو نہیں جاتا نا۔ جیا پیاری! خوشی اور غم کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے' آج تم پر غم کے بادل چھائے ہیں تو دیکھنا جلد اللہ تعالیٰ تم پر خوشیوں کی برسات کرے گا' پلیز اٹھو......"

"نہیں نگہت آنٹی! میں ایسے ہی ٹھیک ہوں' میں سب دوستوں کے اصرار پر آتو گئی ہوں۔"

"اٹھو ام ثمامہ!" اس کے قطعیت بھرے انداز کے بعد وہ ام ثمامہ سے مخاطب ہوئیں۔

"چلو ام ثمامہ! بیٹا میرا کہنا مانو' شاباش......" یہ نگہت غفار تھیں اور شاید ام ثمامہ مزید دوستوں کی دل آزاری نہیں کرسکتی تھیں۔

"انا احب! جلدی سے اسے تیار کردو۔" یہ نینا ں شاہ تھی۔

"ظل ہما پلیز میرا وہ والا ہیئر اسٹائل بنادو' جو سدرہ خان (اٹک) نے بنایا ہوا ہے۔" یہ سامعہ ملک تھیں۔

"اس نے تو اپنی فرینڈ شمع مسکان سے بنوایا ہے' تم بھی وہیں چلی جاؤ۔"

"شہناز شانز' پری وش گوندل' زیڈ این پاکیزہ سحر جلدی کرو' دیر ہورہی ہے۔" یہ آواز عائشہ صدیقہ کی تھی۔ وہ واپس ہال میں آگیا' اب وہ کھڑا الجھن کا شکار تھا کہ یہ سب تیاریاں ہو کس خوشی میں رہی ہیں' نظر اوپر اٹھی تو دوسری منزل پر ایک کمرے کے دروازے پر "سویٹ دل والے" لکھا نظر آیا۔ اس نے اپنے قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھائے جونہی دروازے پر ہاتھ رکھا' یک دم آواز گونجی۔

"ویلکم کرتے ہیں سویٹ دل والے میں۔" نئے چہروں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا' ان آنکھوں میں پہلے حیرت پھر گھبراہٹ اور پھر غصے کی جھلک نظر آئی۔ اس نے جلدی سے اندر جاکر دروازہ بند کیا اور التجائیہ انداز میں گویا ہوا۔

"پلیز پیاری بہنوں! مجھے نکالنے سے پہلے صرف اتنا بتادو کہ آج ہمارے آنچل میں ایسا کیا ہے' جو اتنی تیاریاں ہورہی ہیں؟" ان میں بلیک کلر کی وائٹ اسٹون کے کام والی ساڑھی میں ملبوس ایک لڑکی آگے بڑھی یہ یقیناً شاہ زندگی تھی' ساڑھی کی شوقین......

"آپ کون ہیں؟" سوال کیا۔

"میں آنچل کا خاموش قاری ہوں۔" نام بتانے سے اجتناب برتا کہ مجھے پہچان نہ لیں۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" نورین شاہد کڑے تیور لیے آگے بڑھیں پھر میں نے اپنی تمام حسرتیں' خواہشیں ان کے گوش گزار کردیں۔ ایک لڑکی میرون اینڈ وائٹ کلیوں والے لانگ فراک اور میرون چوڑی دار پاجامے میں ملبوس اور میرون ہی دوپٹہ گلے میں ڈالے ہاتھ میں ٹی مگ تھامے سامنے آئی اس کی تیاری باقی سب کی نسبت کم تھی۔ چائے کی رسیا یہ شمع مسکان تھی' جو پنسل ہیل میں قدم سنبھل سنبھل کر رکھ رہی تھی۔

"پیارے بھیا جی......" بھیا ایسے کہا جیسے مذاق اڑا رہی ہو۔

"دراصل بات یہ ہے کہ یہ خواتین کا رسالہ ہے' مرد تو شاعری تک محدود ہیں اور ویسے بھی مجھے تو لڑکیوں کے میٹرز میں انٹرفیئر کرنے والے لڑکے بہت بُرے لگتے ہیں۔" شاید میرے کپ والے تجسس کو وہ بھانپ گئیں تب وہ دوبارہ گویا ہوئیں لیکن ہلکی سی مسکان نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔

"دراصل میری شدید خواہش تھی کہ اپنے ہاتھوں کا جادو اپنی آنچل فرینڈز پر جگاؤں' آخر بیوٹیشن کورس کیا ہوا ہے' آج یہ موقع ملا تو تمام کسر نکال دی۔ اب تھک گئی

ہوں! اگر چائے نہیں پیوں گی تو فنکشن کیسے فریش انداز میں اٹینڈ کرسکوں گی۔

”فنکشن..... لیکن کس بات کا؟“

”خود کو آنچل کا قاری بھی کہتے ہو اور اتنا بھی نہیں پتا کہ آج آنچل کی سالگرہ کی تقریب ہے۔“ اور میرے ذہن میں کوندا سا لپکا۔

”ارے ہاں آنچل کی سالگرہ ہے۔ میں تو بھول ہی گیا مگر تقریب ارینج کہاں کی گئی ہے؟“

”پچھلے لان میں۔“

”میں بھی چلوں آپ لوگوں کے ساتھ؟“ اس نے ہچکچاتے ہوئے اجازت طلب کی۔

”نہیں قطعی نہیں..... یہاں مرد حضرات کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے۔“ شمع تیز لہجے میں بولی۔ ”یہ خواتین کی تقریب ہے‘ آپ صنفِ کرخت میں یہی تو بیماری ہے جہاں صنفِ نازک کا جھرمٹ دیکھا وہیں گھسنے کی کوشش کی۔“

”ارے ارے، کیسی باتیں کرتی ہیں بہن جی!“ وہ شرمندہ ہوگیا‘ اس نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا کہ یہ دھان پان سی لڑکی اتنی سچائی کا مظاہرہ کرے گی۔

”چھوڑو شمع! اس بے چارے کو یہیں سے ایک جھلک دکھادیں۔“ شاہ زندگی کو اس پر ترس آیا۔ ”جاؤ صبا! اسے اک نظر دکھادو۔“ اس نے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو مخاطب کیا‘ اس نے کمرے میں موجود پچھلے لان میں کھلنے والی کھڑکی کو کھولا وہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سامنے بنا خوب صورت بہت بڑا اسٹیج‘ اسپیشل گیسٹ کے لیے شاہی کرسیاں صوفے اور سامنے قطار میں بچھی کرسیاں ان پر بیٹھے آنچل قارئین‘ اسٹیج کے دائیں طرف بڑی سی ٹیبل پر رکھا ہارٹ شیپ اسٹابری اینڈ چاکلیٹ کیک۔ برقی قمقموں سے سجا لان ایک الگ ہی سحر پھونک رہا تھا۔

”ارے سب آ بھی گئے۔“ اس کے دائیں طرف کھڑی ماہ رخ سیال نے چیخ کر کہا اور میں نے جلدی سے گھبرا کر پوچھ لیا۔

”یہ ہیں کون کون؟ جو اسٹیج پر ہیں؟ کہیں وہ سب غائب نہ ہوجائیں۔“ صبا نے عجلت بھرے انداز میں کہا ”یہ جو بلیک ٹوپیس میں ملبوس ڈھنگ پر سیلٹی والے ہیں نا یہ ہیں ہمارے طاہر بھائی اور ان کے ساتھ یہ باوقار خاتون ہماری ”پیاری قیصر آنٹی“ ہیں اور ان کے دائیں طرف والی لائن میں لائٹ پرپل کلر کی ساڑی میں نازیہ آپی ہیں۔ ساتھ عشناء آپی یہ جو فیروزی سوٹ والی ہیں یہ ہیں سمیرا شریف طور۔“ وہ نان اسٹاپ بولے جارہی تھی‘ جب میں نے اسے ٹوکا۔

”یہ کون ہے؟“ میں نے اسی لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو مجھے سب سے پہلے ہال میں نظر آئی تھی۔ اس نے مجھے مشکوک نظروں سے گھورا اور مختصر بتایا۔

”یہ مسکان ہیں۔“ پھر جھٹ سے سب کے ساتھ باہر نکل گئیں۔ اسی پل اچانک اپنے موبائل کی بپ سنائی دی اور یہ آواز مجھے خوابوں کے محل سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لے آئی تھی۔ وہ پسینے سے شرابور تھا جیسے کتنی مسافت طے کی ہو موبائل دوبارہ گنگنا اٹھا۔

”ہیلو.....“ اتنا سہانا خواب ٹوٹنے پر بے زاری اس کے لہجے میں واضح تھی۔

”تم کتنے بے حس بے مروت ہو میری ذرا پروا نہیں۔“ یہ مہک تھی میری فیانسی۔ ”آج میرا برتھ ڈے ہے اور تمہیں یاد تک نہیں۔“ میں فوراً ہی تازہ دم ہوگیا اور اس کے آرڈرز کے مطابق کے ایف سی پہنچ گیا۔

اسے بھرپور انداز میں وش کیا‘ وہ اپنی برتھ ڈے پر خوش اور میں آنچل کی برتھ ڈے پر خوش تھا۔ اب مستقبل میں آنچل کی برتھ ڈے بھرپور انداز میں گزرے گی۔ کیوں سمجھ گئے؟ ویسے اب سمجھ میں آیا کہ مرد حضرات کی انٹری کیوں ممنوع تھی وہاں‘ خود پر کنٹرول جوئے شیر لانے کے مترادف لگا (پرسنل)۔

روحانی مسائل کا حل

حافظ شبیر احمد

پونم ناز..... سر گودھا

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان‘ آیت نمبر 74‘ 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ نیت یہ کریں کہ اگر یہ رشتہ میرے لیے بہتر ہے تو یہاں ہوجائے ورنہ جو بہتر ہو وہاں سے پیغام آجائے۔

بعد نماز عشاء سورہ فلق‘ سورۃ الناس ایک ایک تسبیح روزانہ۔ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف پڑھ کر دم کریں اور نیت بھی رکھیں کہ گھر والے مخالفت کرنا چھوڑ دیں۔

مصباح اشرف..... پاکپتن

جواب:۔ صحت کے لیے:۔ سورۃ الفاتحہ‘ سورۃ اخلاص‘ سورۃ فلق‘ سورۃ الناس چاروں آیات کو 7 مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد۔

رشتہ کے لیے:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74‘ 70 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

س۔م۔ک..... فیصل آباد

جواب:۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس یقین کے ساتھ مریض سر درد کی گولی کھاتا ہے اس ہی یقین کے ساتھ آپ پڑھیں۔ اللہ آپ کے حال پر رحم فرمائے آمین۔

حافظہ سمیرا..... 157 این بی

جواب:۔ سر پر کنگا کرتے وقت ”یاشافی“ پڑھتی رہا کریں۔

س،ج..... چکوال

جواب:۔ یا اللہ‘ یا رحمن‘ یا رحیم‘ 111 مرتبہ پانی پر دم کر کے پلایا کریں روزانہ۔ رشتے کے لیے استخارہ کریں۔

سمعیہ اعجاز..... فیصل آباد

جواب:۔ مسئلہ نمبر 1:۔ سورۃ حشر کی آخری آیات صبح و شام 7،7 مرتبہ پڑھ کر دم کیا کریں۔ تیل پر 7 مرتبہ پڑھ کر دم کردیں۔ رات کو روزانہ سر کی مالش کیا کریں۔

مسئلہ نمبر 2:۔ بھائی کو پانی پر 11 مرتبہ سورۃ العصر دم کر کے پلایا کریں۔

ثمینہ ارشاد..... رحیم یار خان

جواب:۔ شبانہ اثرات زدہ ہے۔ سورۃ الفلق‘ سورۃ الناس 21،21 مرتبہ مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد پڑھ کر دم کیا کریں۔

اولاد کے لیے آپ دونوں بہنیں فجر کی نماز کے بعد سورۃ آل عمران آیت نمبر 38‘ 111 مرتبہ پڑھا کریں۔ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ دعا بھی کریں۔

عفت..... جہلم

جواب:۔ ہربل دوائیاں استعمال کریں۔

بعد نماز فجر سورۃ آل عمران آیت نمبر 38‘ 121 مرتبہ پڑھیں۔ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف روزانہ۔ دعا بھی کریں۔

زہرہ ناصر..... گجرات

جواب:۔ مسئلہ 1،2‘ سورۃ العصر 41 مرتبہ روزانہ پانی پر دم کر کے پلایا کریں۔ اول و آخر 3،3 مرتبہ درود شریف۔

مسئلہ نمبر 3:۔ سورۃ القریش 111 مرتبہ اول و آخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ بعد نماز عشاء۔ بھائی خود پڑھے اپنے کام کے لیے۔

شہناز کنول..... شیخوپورہ

جواب:۔ جادو ہے۔ سورۃ الفلق اور سورۃ الناس 1,1 تسبیح بعد نماز عشاء۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ نیت جو عمل ہے وہ ختم ہوجائے۔ (مدت 3 ماہ تک) صدقہ بھی دیں ہر ماہ۔

سورۃ العصر 21 مرتبہ پانی پردم کرکے بچوں اور شوہر کو پلایا کریں روزانہ۔

این۔ ایف۔ این...... فیصل آباد

جواب:۔ ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ آیتہ الکرسی، 3,3 مرتبہ سورۃ الفلق، سورۃ الناس اول و آخر ایک ایک مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا کریں۔

تیل پر 3 مرتبہ سورۃ عبس دم کرلیں روزانہ رات کو سر پر لگالیا کریں۔

فائزہ اکبر...... فیصل آباد

جواب:۔ والد صدقہ دیں۔ سورۃ قریش صبح و شام ایک ایک تسبیح کیا کریں۔

رشتوں کے لیے بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتہ کے لیے دعا کریں۔

خیر النساء...... چکوال

جواب:۔ روزانہ ایک مرتبہ سورۃ مزمل پانی پر دم کرکے پلایا کریں۔

ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ سورۃ قریش پڑھا کریں۔ کام ٹھیک ہوجائے گا۔

سیما پروین...... کراچی

جواب:۔ وظیفہ جاری رکھیں۔

مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد سورۃ اخلاص، سورۃ فلق، سورۃ الناس 11,11 مرتبہ۔

رکاوٹ/ بندش کا تصور رکھ کر پڑھیں کہ ختم ہوجائے۔ صدقہ بھی دیں۔

عائشہ مقدس...... شور کوٹ

جواب:۔ نوکری کے لیے سورۃ قریش 11 مرتبہ۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف بعد نماز عشاء۔

بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔

آپ کی بہن جلد اور اچھا رشتہ آنے کے لیے پڑھیں۔ آپ دونوں اس نیت سے پڑھیں کہ جہاں بہتر ہو ہوجائے۔

فرزانہ جبیں...... سیالکوٹ

جواب:۔ والدہ بھائی کے لیے دعا کیا کریں۔ فجر کی نماز کے بعد 21 مرتبہ سورۃ والضحیٰ پڑھ کر دعا کیا کریں کہ اللہ اسے پہلے جیسا بنا کر لوٹا دے۔

رشتہ کے لیے: سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ، اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ معاشی حالات اور روزگار کے اسباب کے لیے۔

س۔ ا۔ ق...... لودھراں

جواب:۔ رشتہ کے لیے: بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

بعد نماز عشاء سورۃ عبس 3 مرتبہ۔ جو عمل ہے اس کو ختم کرنے کے لیے۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ سورۃ بقرۃ پانی پردم کرکے گھر اور جانوروں پر چھڑک دیا کریں۔ (حمام کے علاوہ)

روزگار کے لیے بھائی پڑھیں۔ سورۃ قریش 111 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔ بعد نماز عشاء۔

منزہ شاہین...... آرٹلری کینٹ، نوشیرہ

جواب:۔ سورۃ العصر 21 مرتبہ پانی پردم کرکے روزانہ پلایا کریں کہ فرمانبردار بن جائیں۔

صباحت رانی...... کوٹلہ ادب علیخان، گجرات

جواب:۔ بعد نماز عشاء سورۃ النصر 125 مرتبہ۔ 25,25 مرتبہ۔ درود شریف اول و آخر۔

وظیفہ پاکی کی حالت میں کرنا ہے ایک ہی فرد کرے۔ پڑھتے وقت مقصد ذہن میں ہو۔

گل...... بٹ خیلہ

جواب:۔ رشتہ کے لیے سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ جلد اور اچھے رشتہ کے لیے دعا کریں۔

"یا عزیز" فجر کی سنت اور فرض کے درمیان 101 مرتبہ اول و آخر 3,3 مرتبہ درود شریف۔ لوگوں کی نظروں میں عزت حاصل ہوگی۔ جب کوئی مشکل پیش آئے اس کے لیے پڑھا بھی کریں۔

ص۔ رانی...... کھاریاں، گجرات

جواب:۔ صبح نہار منہ "یا علیم" 11 مرتبہ پانی پردم کرکے پئیں ذہن تیز ہوگا اور بھٹکے گا بھی نہیں۔

مون...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

جواب:۔ 1:۔ فجر اور مغرب کی نماز کے بعد سورۃ الفاتحہ، سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس 7,7 مرتبہ اول و آخر 3,3 مرتبہ درود شریف دم کریں۔

2:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان، آیت نمبر 74، 70 مرتبہ۔ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔

3:۔ پہلے استخارہ کرلیا کریں۔

4:۔ سورۃ قریش ہر نماز کے بعد 21 مرتبہ۔

شگفتہ کوثر...... ضلع بہاول پور

جواب:۔ وظیفہ کریں اور دوا کا استعمال بھی جاری رکھیں۔ مدت (3 ماہ)

احمد فاروق...... فیصل آباد

جواب:۔ "یا علیم" صبح نہار منہ 11 مرتبہ پانی پردم کرکے پلایا کریں۔

"یا سلام" کنگا کرتے وقت اور ورزش کرتے وقت پڑھتی رہا کریں۔

اسماء آفتاب...... نگہبان پور

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول و آخر 11,11 مرتبہ درود شریف۔

بعد نماز عشاء سورۃ اخلاص، سورۃ الفلق، سورۃ الناس 9,9 مرتبہ دم کریں۔

وظائف اسما خود کرے۔

ماریہ شیخ...... کورنگی

جواب:۔ مسئلہ نمبر 1:۔ بہتر ہے استخارہ کرلیں۔ پھر فیصلہ کریں۔

مسئلہ نمبر 2:۔ جب گھر میں چینی آئے اس پر 3

مرتبہ سورۃ مزمل (اول وآخر 3،3 مرتبہ درود شریف) پڑھ کردم کریں چینی گھر کے تمام افراد کے استعمال میں آئے۔

رشیدہ النساء...... شیر شاہ

جواب:۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ سورۃ البقرۃ پانی پر دم کر کے سب کو پلایا کریں اور گھر میں چھڑکا بھی کریں۔ (حمام کے علاوہ)

بیٹے کا کام سیٹ کرنے کے لیے۔ بعد نماز عشاء سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف روزانہ۔ صدقہ بھی دیں۔

سنبل ناز...... دہلی کالونی، کراچی

جواب:۔ سورۃ فرقان والا وظیفہ پڑھ سکتی ہیں۔ دونوں بہنوں کا صدقہ دیں (مرغی/بکرا) اس کے بعد وظیفہ کریں۔ جلد اور اچھا رشتہ آ جائے۔

رضوانہ منظور...... جھگی والہ

جواب:۔ فجر کی نماز کے بعد ایک مرتبہ سورۃ یٰسین پڑھیں۔ اس کے بعد سورۃ الفرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف جلد اور اچھے رشتے کے لیے دعا کریں۔

آپ کے رشتے میں رکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔

شہناز منیر...... شور کوٹ سٹی

جواب:۔ بعد نماز فجر سورۃ ال عمران، آیت نمبر 38، 111 مرتبہ پڑھا کریں۔ (اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف) دعا بھی کریں۔

بی آئی...... جوہر ٹاؤن، لاہور

جواب:۔ بظاہر آپ کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر اور آپ کے گھر والوں پر سخت جادو ہے۔

رشتہ کے لیے لڑکیاں خود پڑھیں۔ بعد نماز فجر سورۃ فرقان آیت نمبر 74، 70 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔ دعا کریں جلد اور اچھے رشتے کے لیے۔

بعد نماز مغرب اور عشاء سورۃ الفلق، سورۃ الناس 21،21 مرتبہ پڑھ کردم کریں۔ اثرات ختم ہوں۔

معاشی حالات اور روزگار کے لیے۔ بعد نماز عشاء سورۃ قریش 111 مرتبہ اول وآخر 11،11 مرتبہ درود شریف۔
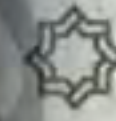
نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔ عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔ عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔

اس ماہ جن لوگوں کے جواب شائع نہیں ہوئے وہ اگلے ماہ شائع ہوں گے۔

روحانی مسائل کا حل کوپن برائے شمارہ جون ۲۰۱۳ء

نام............ والدہ کا نام............ گھر کا مکمل پتا............

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پزیر ہیں............

بیاضِ دل

میمونہ تاج

صباحت صباح...... چناری ہٹیاں بالا

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ
اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ
چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اتنا برا سلوک میری سادگی کے ساتھ

گلشن مریم...... چنیوٹ

ہجر کی تلخی زہر ہے جاناں
کچھ میٹھی باتیں بھیجوں ناں؟

نازیہ کنول نازی...... تونسہ

یہ ادائے بے نیازی کہ وہ میرے دل کو لے کر
بڑی بے رخی سے بولے کسی کام کا نہیں ہے

فصیحہ آصف خان...... ملتان

وہ میرا نام لکھ کے پھر مٹا کے رویا
تڑپ کے اشکوں کے خزانے لٹا کے رویا
اک لمحے کو مسکرایا دیکھ کر مجھے
پھر بڑی دیر تک سر جھکا کے رویا

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

میں نے عکس اس کا شعر میں ایسا اتارا تھا
سب نے میرے کلام کا صدقہ اتارا تھا
پھر اس کے بعد گر گیا سونے کا بھاؤ بھی
اک شام اس نے کان سے بُندا اتارا تھا

نوشین اقبال نوشی...... گاؤں بدر مرجان

نہ کوئی خواب، نہ آنسو نہ خیال
کیا عجب قحط پڑا ہے مجھ میں
منکشف آج تلک نہ ہو سکا
میں خلا ہوں کہ خلا ہے مجھ میں

آنسہ شبیر عطاریہ...... نامعلوم

وہ اکثر دیتا ہے پرندوں کی مثال
صاف نہیں کہتا کہ میرا شہر چھوڑ جاؤ

حنا فاطمہ...... کراچی

میں نظر سے پی رہا تھا کہ یہ دل نے بددعا دی
تیرا ہاتھ زندگی بھر کبھی جام تک نہ پہنچے
یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رخی کیا کہ سلام تک نہ پہنچے

رضیہ خان...... ستیانہ

ہوگئے خواب کرچیاں کتنے
آگئے درد درمیاں کتنے
ہم تو لگتا ہے گننے آئے ہیں
زندگی کے ہیں امتحاں کتنے

سامعہ ملک پرویز...... ٹیکسلا کینٹ

تیری روح تلک آشنائی کی شدید چاہ
میری چاہت کا رس تیری سانسوں میں گھولے گی
اے ناصح اسے کہنا غرور نہ دکھا مجھ کو
یہ وعدہ رہا میری محبت اس کے حرف حرف میں بولے گی

مسکان...... قصور

خواب جب آئینہ دکھاتے ہیں
ان گنت لوگ یاد آتے ہیں
تشنگی دل میں محبت کی
لوگ دریا سے لوٹ جاتے ہیں

لاڈو ملک...... دیپالپور

یہ جو پرشکستہ ہے فاختہ یہ جو زخم زخم گلاب ہے
یہ ہے داستاں مرے عید کی جہاں ظلمتوں کا نصاب ہے
جہاں ترجمانی ہو جھوٹ کی جہاں حکمرانی ہو بوٹ کی
جہاں بات کرنا محال ہو وہاں آگہی بھی عذاب ہے

ماریہ وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی

ٹھکرا کے اس نے مجھ کو کہا اب مسکرا بھی دو
میں ہنس دی آخر سوال اس کی خوشی کا تھا
میں نے کھویا وہ جو میرا تھا ہی نہیں
اس نے کھویا وہ جو صرف اس کا تھا

شمع مسکان...... جام پور

اجڑی بستی کا حال دیکھ کر
یادیں بھی اڑان بھرنے لگیں

ہما ایوب...... عارف والا

وہ تن کا تماشائی رہا، من نہیں دیکھا
دہلیز تک آیا بھی تو آنگن نہیں دیکھا
چہرے پر کھلی دھوپ میں اس درجہ مگن تھا
آنکھوں سے برستا ہوا ساون نہیں دیکھا
اقراء وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی

تقدیر کے لکھے پہ کبھی سوال نہ کیا کرو اذان
پھول بھی تو خوش رہتا ہے کانٹوں کی بھیڑ میں
کشش زہرہ...... تلہ گنگ

باغ جنت سے کھڑی دیکھ رہی ہے زاہرہؓ
کون آتا ہے میرے لال کا پرسہ دینے
امبر گل...... جھڈو، سندھ

اک اپنی بات پر ہر شخص ہے نالاں مجھ سے
سب میں رہتی ہوں پر سب سے جدا ہوں لوگو
سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا
دلچسپ واقعہ ہے کہ کل اک عزیز دوست
اپنے مفاد پر مجھے قربان کر گیا
کرن شاہ...... بہاولپور

راہ تکتے جب تھک گئی آنکھیں میری
پھر تجھے ڈھونڈنے میری آنکھ سے آنسو نکلے
فائزہ بھٹی...... پتوکی

پیار بھی عجب شے ہے اضطرار میں مضمر
انتشار سے آگے اختیار سے باہر
ارم حبیبہ نذیر...... یوسال مصور

اس کے چھوڑ جانے پر اب تک یقین نہیں آیا
سنا تھا پھول مرجھا تو جاتے ہیں مگر ٹہنی نہیں بدلتے
رضوان سعید اعوان......

میں کچھ نہ کہوں اور چاہوں کہ میری بات
خوشبو کی طرح اڑ کے تیرے دل میں اتر جائے
زیڈ این پاکیزہ سحر...... تلہ گنگ

اتنی شدید بارشیں اب کے برس پڑیں
ٹوٹے ہوئے گاؤں کے چھپر بھی رو پڑے
آب رواں کے سامنے پیاسوں کو دیکھ کر
پیاسوں کی بے بسی پر سمندر بھی رو پڑے
ثوبیہ کوثر...... ملتان

اپنے ہاتھوں سے تمہیں میرا نام لکھ دینا
تم دعا مت مانگنا بس دعا لکھ دینا
سمیرا انور...... جھنگ

قدم رک سے گئے ہیں پھول بکتے دیکھ کر فراز
وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا محبت پھول ہوتی ہے
شگفتہ ریاض...... میرپور آزاد کشمیر

ہم نے اسے اتنا چاہا کہ اپنا آپ ہی بھلا دیا فیض
اس بے وفا کو تو دیکھو ہمارا نام تک یاد نہیں
ناہید اختر...... خادم آباد

برسات میں بھیگی ہوئی ہر شام کو طارق
پھر دل نے کئی بار پکارا اسے کہنا
فوزیہ سلطانہ...... تونسہ شریف

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی
عظمٰی کنڈی...... گل امام

کون کہتا ہے کہ سفید رنگ میں وفا ہوتی ہے
اگر ہوتی وفا تو پھر نمک زخموں کی دوا ہوتا
مدیحہ بٹ...... فیصل آباد

میرے راہنما تیرا شکریہ کروں کس زبان سے ادا
میری زندگی کی اندھیری شب میں چراغ فکر جلا دیا
صائم خان...... عبدالحکیم کینٹ

بڑی عجیب ہے اس نادان دل کی خواہش غالب
اک شخص اس کا ہونا نہیں چاہتا اور یہ اسے کھونا نہیں چاہتا
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

کس طرح جدا کردیں تیری یاد کو دل سے
ہم پر تو تیری یاد کے احسان بہت ہیں
اقراء راشد...... شاہ نکڈر

کچھ ایسے حادثے بھی زندگی میں ہوتے ہیں فراز
کہ انسان بچ تو جاتا ہے مگر زندہ نہیں رہتا

ڈش مقابلہ

طلعت آغاز

رائس فلور کھیر

ضروری اجزاء:

رائس فلور	ایک پیالی
چینی	حسب ذائقہ
الائچی	چھ عدد
بادام	آٹھ نو پسے ہوئے
کشمش	آٹھ سے نو
ناریل خشک	باریک کٹا ہوا
دودھ	آدھا کلو

ترکیب:

سب سے پہلے دیگچی میں دودھ ڈال کر چولہے پر رکھ دیں اور تھوڑے سے گرم دودھ میں رائس فلور اچھی طرح مکس کرلیں یہاں تک کے رائس فلور مکمل حل ہوجائے۔ دودھ میں چینی ڈال کر ہلاتے رہیں جب چینی مکس ہوجائے تو گھلا ہوا رائس فلور کشمش، الائچی، بادام، ناریل سب ڈال دیں اور چمچ برابر ہلاتے رہیں، دھیان رہے کہ گٹھلیاں نہ بننے پائیں، جب دودھ خشک ہوجائے اور خوشبو آنے لگے تو نیچے اتار لیں اور ڈش میں نکال کر فریز کردیں۔ رائس فلور کھیر بالکل تیار ہے۔

مدیحہ نورین...... برنالی

ہانڈی کباب

اجزاء:

گوشت کے پارچے	1/2 کلو
پیاز	2 عدد
کچا پپیتا	1/2 چائے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ	1 چائے کا چمچ
گرم مسالحہ	پاؤڈر
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

گوشت کے پارچے خوب صاف کرلیں اب انہیں ملکے ملکے ہاتھ سے مل کر پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں، پیاز کو کتر کر کوکنگ آئل میں گلابی کرلیں پھر گرم مسالحہ اور ادرک لہسن کا آمیزہ ڈال کر بھونیں، ساتھ ہی سرخ مرچ اور نمک بھی ڈال دیں۔ پانچ منٹ بعد پارچے مسالحے میں ڈال کر چمچ سے اچھی طرح چلائیں پھر اس میں ڈیڑھ پیالی پانی ڈال کر ڈھانپ دیں، پانی خشک ہوجائے اور مسالحہ تیل چھوڑ دے تو ہانڈی کباب تیار ہیں، سلاد اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد

املی کا شربت

اشیاء:

املی	225 گرام
چینی	675 گرام
پانی	ڈھائی لیٹر
نمک	ایک چائے کا چمچ
زیرہ بھنا پسا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
نمک سیاہ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:

املی کو صاف کرکے رات بھر پانی میں بھگوئے رکھیں، ہاتھوں سے مسل کر اس کے بیج پھوک اور ریشے نکال دیں، اب باقی پانی کو چھان لیں اور بیس منٹ تک پکائیں پھر چینی ڈالیں اور پندرہ منٹ تک دوبارہ پکائیں۔ دونوں طرح کے نمک اور زیرہ ڈالیں، اسے بوتلوں میں بند کرکے رکھیں، املی کا شربت تیار ہے۔

نزہت جبیں...... کراچی

مکس فروٹ اسکوائش

اشیاء:۔

سنگترے کا رس ایک کپ
لیموں کا رس ایک کپ
انناس کا رس ایک کپ
انگور کا رس ایک کپ
پانی تین کپ
چینی آٹھ کپ
نمک آدھا چائے کا چمچہ
پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ چوتھائی چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

لیموں، سنگترے، انناس اور انگور کے رس کو ایک ساتھ ملا کر باریک کپڑے سے چھان لیں۔ چینی کو پانی میں حل کریں، پانی کو بھی باریک کپڑے سے چھان لیں، چینی والے پانی سے ایک تار کی چاشنی بنائیں، چاشنی ٹھنڈی کریں۔ رس، چاشنی اور نمک کو اچھی طرح سے ملائیں، ٹھنڈے مرکب میں آدھا کپ پانی میں پوٹاشیم میٹابائی سلفائیٹ گھول کر ملائیں، تیار اسکوائش کو بوتلوں میں بھریں، برف ڈالیں اور پانی ڈال کر پئیں۔

سائرہ بٹ...... بورے والہ

بیکڈ پائن ایپل ٹرائفل

ضروری اشیاء:۔

اسفنج کیک (چوکور ٹکڑے کرلیں) ایک عدد
انڈے تین عدد
کیسٹر شوگر ایک چوتھائی کپ
دودھ ڈیڑھ کپ
انناس 500 گرام
کیلے دو سے تین عدد (بڑے)
انڈے کی سفیدی دو عدد
کیسٹر شوگر ایک تہائی کپ

ترکیب:۔

ایک بیکنگ ڈش میں کیک کے چھوٹے چوکور ٹکڑے کر کے پھیلا دیں، اس کے بعد انڈے، چوتھائی کپ چینی، دودھ میں ڈال کر ہلکا سا پھینٹ کر کیک پر ڈال دیں۔ ایک بیکنگ ٹرے میں پانی ڈالیں اس پر کیک والی ڈش رکھیں۔ اوون کو پہلے سے گرم کرلیں تقریباً تیس منٹ بیک کریں کہ کسٹرڈ سیٹ ہو جائے، اس کے بعد انناس کا جوس الگ کرلیں اور کیلے کے سلائس کرلیں۔ کسٹرڈ پر انناس اور کیلا پھیلا دیں۔ انڈے کی سفیدی اور ایک تہائی کپ چینی اچھی طرح پھینٹ لیں۔ وہ بالکل سفید ہو جائے اور پھول جائے اس کے بعد سفیدی کو فروٹ پر پھیلا دیں اور گرم اوون میں تین سے چار منٹ بیک

کریں کہ سفیدی لائٹ براؤن ہو جائے تو اسٹرابری اور انناس لیف سے سجا کر سرو کریں۔

ندا مہرین...... کراچی

چاکلیٹ کرنچیز

ضروری اشیاء:۔

چاکلیٹ پاؤڈر دو کھانے کے چمچے
چینی (باریک) 135 گرام
انڈے کی سفیدی دو عدد
بادام ایک چھٹانک (پسے ہوئے)
ایسنس آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

انڈوں کی سفیدی کو ہلکا سا پھینٹ لیں، چینی، بادام، ایسنس اور چاکلیٹ پاؤڈر، انڈے کی سفیدی میں ملائیں۔ ان کو پیسٹری فوائل کور میں رکھ کر گریسڈ بیکنگ ٹرے میں رکھ دیں، پہلے سے گرم اوون میں 200.c پر بیس منٹ کے لیے بیک کریں۔ تیار ہو جائے تو اوون سے نکال کر ٹھنڈا کرلیں اور شام کی چائے کے ساتھ سرو کریں۔

صوفیہ خان...... کراچی

گرین چکن کری ود کوکونٹ رائس

ضروری اشیاء:۔

چکن بریسٹ (بون لیس) چار عدد (کیوبز کاٹ لیں)
ہری پیاز چار عدد
ہری مرچیں دو عدد
ادرک ایک انچ کا ٹکڑا
لہسن کے جوئے دو عدد
تھائی فش سوس ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا ایک گٹھی
پودینہ آدھا کپ
پانی تین کھانے کے چمچے
تیل دو کھانے کے چمچے
شملہ مرچ ایک عدد (بیج نکال کر سلائس کاٹ لیں)
تازہ ناریل 75 گرام (کیوبز کاٹ کر ڈیڑھ کپ گرم پانی کے ساتھ گرائنڈ کر کے رس نچوڑ لیں)
نمک حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر حسب ذائقہ

کوکونٹ رائس کے لیے:۔

چاول (صاف کر کے بھگو دیں) ایک کپ
تازہ ناریل 75 گرام (کیوبز کاٹ کر ڈیڑھ کپ گرم پانی کے ساتھ گرائنڈ کر کے رس نچوڑ لیں)
لیمن گراس ایک ڈنٹھل

ترکیب:۔

فوڈ پروسیسر میں ہری پیاز، ہری مرچیں، ادرک، لہسن، تھائی فش سوس، ہرا دھنیا اور پودینہ ڈال کر بلینڈ کرلیں (پیسٹ کو ہموار کرنے کے لیے تھوڑا پانی بھی شامل کیا جاسکتا ہے)۔ نان اسٹک سوس پین میں تیل کی آدھی

مقدار ڈال کر گرم کریں اس میں مرغی کے گوشت کے کٹے ہوئے کیوبز ڈال کر سنہری ہونے تک فرائی کریں اس کے بعد نکال کر الگ پلیٹ میں رکھ لیں، اس کے بعد سوس پین میں تیل کی بقیہ مقدار گرم کر کے اس میں شملہ مرچ ڈال کر تین سے چار منٹ تک فرائی کریں۔ اس کے بعد اس میں گرائنڈ کیا ہوا پیسٹ ڈال کر تین سے چار منٹ تک فرائی کریں، مسالا جب بھننے لگے تو اس میں فرائی کیا ہوا گوشت، ناریل کا رس، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر ایک مرتبہ ابال لیں اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر آٹھ سے دس منٹ تک پکائیں۔ گوشت گل جائے

(جبکہ سوس پین میں جانے والی گریوں کو سوس پین میں ہی رہنے دیں) آمیزے کو گرم کریں جب آمیزے کی مقدار گھٹ کر آدھی رہ جائے تو چولہا بند کردیں۔

کوکونٹ رائس بنانے کے لیے:۔

ایک سوس پین میں چاول ڈالیں اس کے بعد اس میں ناریل کا رس، لیمن گراس اور نمک شامل کرکے ایک مرتبہ ابالیں، اس کے بعد آنچ دھیمی کردیں اور ڈھکن ڈھک کر چاولوں کے گلنے تک پکائیں۔ اس کے بعد الگ پکے ہوئے گوشت اور شملہ مرچوں کے مکسچر کو گریوی والے سوس پین میں ڈال کر تھوڑی دیر تک پکائیں۔ چاولوں میں سے لیمن گراس نکال کر پھینک دیں اور اسے ایک سرونگ ڈش میں نکال کر اس کے اوپر چکن اور مرچوں کا آمیزہ رکھیں۔ مزے دار چکن کری ود کوکونٹ رائس تیار ہے گرم گرم سرو کریں۔

انعم خان...... لاہور

کوکونٹ میٹ فرائیڈ کوفتے

ضروری اشیاء:۔

قیمہ (دھو کر پانی خشک کرلیں)	350 گرام
ناریل	115 گرام (تازہ کش کیا ہوا)
ثابت زیرہ (بھون لیں)	آدھا چائے کا چمچہ
ثابت دھنیا (بھون لیں)	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن کا جوا (کوٹ لیں)	ایک عدد
انڈا (پھینٹ لیں)	ایک عدد
میدہ	دو کھانے کے چمچے
تیل	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
لیموں کے سلائس	گارنشنگ کے لیے

ترکیب:۔

کش کیے ہوئے ناریل اور قیمے کو ایک ساتھ ملا کر اچھی طرح مکس کرلیں، اب بھنے ہوئے زیرے اور ثابت دھنیے کو باریک پیس لیں۔ اس پسے ہوئے مسالے کو قیمے اور ناریل کے آمیزے میں ملا دیں۔ ساتھ ہی لہسن، نمک اور انڈا ملا کر مکس کریں اب قیمے کو یکساں مساوی حصوں میں تقسیم کرکے کوفتوں کی شکل دیں۔ میدے سے کوٹ کرکے اضافی میدہ جھاڑ لیں، ایک فرائنگ پین میں تیل گرم کرکے کوفتوں کو دونوں طرف سے اچھی طرح براؤن ہونے تک تلیں۔ اس کے بعد تیل نتھار کر سرونگ پلیٹ میں نکالیں، لیموں کے سلائس کے ساتھ سرو کریں۔

سمیرا صدیقی...... کراچی

کھیرے کے لوگس

اشیاء:۔

کھیرا	دو عدد
گاجر (پسی ہوئی)	آدھا کپ
مونگ کی دال پسی ہوئی	ایک کپ
دہی	آدھا کپ
سرسوں کا پاؤڈر	چٹکی بھر
مرچ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
لیٹوس	چند پتے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

کھیرے کو چھیل کر اسے تین میٹر لمبائی میں گول گول کاٹیں، گولائی میں سے بیج نکال دیں اور کھیرا باقی رہنے دیں یہ چھلا بن جائے گا۔ دہی کا پانی نتھارنے کے لیے اسے ململ کے کپڑے میں باندھ کر لٹکا دیں ایک گھنٹے کے بعد دہی اتار لیں۔ دہی میں پسی ہوئی مونگ، مسالا اور گاجر ملا دیں اب اس مکسچر کو کھیرے کی گولائی میں بھریں اور اسے مہمانوں کے سامنے پیش کریں۔

طیبہ عبید...... کراچی

بیوٹی گائیڈ

روبینہ احمد

موسم کے اثرات انسانی جلد پر پڑتے ہیں۔ آج کل موسم گرما کی آمد آمد ہے، موسم گرما ہمارے ملک میں رہنے والا سب سے طویل موسم ہے اس موسم کی سب سے اہم ضرورت ہے کہ دھوپ سے بچا جائے، لوگ اس موسم سے پریشان نظر آتے ہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اس موسم میں باہر نکلنے والی خواتین کو بڑی مشکل پیش آتی ہے لیکن اگر مناسب تدابیر اختیار کی جائیں تو موسم گرما کو بھی پُر لطف موسم بنا کر لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے یہاں اسی سلسلے میں آپ کے لیے کچھ احتیاطی تدابیر پیش کی جارہی ہیں تاکہ آپ بھرپور انداز میں موسم گرما کو خوش آمدید کہہ سکیں۔

دیگر باتیں

دھوپ میں اکثر و بیشتر لوگ آنکھوں کی حفاظت نہیں کرتے اور بے پروائی برتتے ہیں جو کہ بہت مضر ثابت ہوتا ہے۔ آنکھوں کو دھول، دھوپ اور گرد و غبار سے بچانا بہت ضروری ہے۔ دھوپ میں جانے سے سورج کی کرنیں سیدھی آنکھوں پر پڑتی ہیں جو آنکھوں کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں اس لیے سن گلاسز کا استعمال آنکھوں کو سورج کی شعاعوں کے مضر اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ باہر سے آنے کے بعد آنکھوں کو صاف اور ٹھنڈے پانی سے بار بار دھوئیں اور خالص عرق گلاب آنکھوں میں ڈالیں۔

گرمیوں میں بالوں کی حفاظت بھی بڑا مسئلہ ہے، بالوں کو گرمیوں میں پیچھے کی طرف کرکے بینڈ لگالیں، باہر نکلتے وقت سر کو کور کرلیں، دوپٹہ یا اسکارف ضرور سر پر رکھیں تاکہ بال تیز دھوپ سے محفوظ رہیں۔

بالوں پر موئسچرائزنگ آئل یا ہیئر کریم لگانا مفید ہے۔ وٹامن "ای" والی غذاؤں کا استعمال کریں کیونکہ یہ وٹامن بالوں کی چمک کے لیے بہت مفید ہے۔ نہانے کے بعد کوشش کریں کہ بال ہوا میں سکھائیں ہیئر ڈرائر کا استعمال بالوں کو مزید خشک کردیتا ہے۔

گرمیوں میں بالوں کو تین سے چار ہفتوں کے وقفے سے ترشوائیں، اس موسم میں چونکہ بال زیادہ توجہ مانگتے ہیں اس لیے بال باقاعدگی سے دھوئیں۔ مہندی بالوں کے لیے قدرت کی طرف سے بہترین کنڈیشنر ہے اسے لگانے سے گرمیوں میں ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے اور بال نرم و ملائم ہوجاتے ہیں۔

یاد رکھیں گرمیوں میں ہمیشہ پانی زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اور باہر جانے سے پہلے ضرور پی لیں، ہمیشہ بالوں کو ڈھک کر باہر جائیں، آنکھوں پر گلاسز لگالیں اگر مجبوری نہ ہو تو تیز گرمی میں باہر نہ نکلیں، سبزیوں اور پھلوں کا استعمال زیادہ کریں۔

چکنی جلد پر خصوصی توجہ ضروری

تھوڑی دیر پہلے آپ نے اپنا چہرہ دھویا تھا مگر دس منٹ کے بعد ہی آپ کو اپنا چہرہ چکنا چکنا لگنے لگے گا اگر آپ کے ساتھ ایسا ہے تو آپ کو خود اعتمادی سے اس سے نمٹنا ہوگا پرسکون ہو کر غور کریں اور کچھ ضروری اقدامات کریں، جلد ہی آپ کو اپنا چہرہ خشک لگنے لگے گا اور چکنائی کا خاتمہ ہوجائے گا اور آپ کی جلد صاف، چمک دار ہوجائے گی۔

آپ اپنی جلد کی حفاظت کے لیے اچھے موئسچرائزر کا استعمال کریں اور کلینزنگ کے لیے اچھے برانڈ کی پروڈکٹس کا بھی خاص طور پر دھیان رکھیں اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کا پورا چہرہ لیکوئڈ میک اپ سے زیادہ نہ ڈھکے تو آپ کمپیکٹ پاؤڈر کے ذریعے اپنی چکنی جلد کی چمک کو دھیما کرسکتی ہیں۔ آپ صبح اٹھتے ہی سب سے پہلے اپنا چہرہ کلینزنگ ملک سے صاف کریں اور رات کو سونے سے قبل بھی یہی عمل دہرائیں اگر دن میں ضرورت سمجھیں تو ایک دو بار منہ دھونے میں کوئی حرج نہیں تاہم اس بات کا خیال ضرور رکھیں کہ ضرورت سے زیادہ منہ نہ دھوئیں اس سے آپ کی ساری چکنائی نکل جائے گی اور جلد زیادہ خشک ہوکر پھٹنے لگے گی۔ ماہر بیوٹیشن سارہ کا کہنا ہے کہ چکنی جلد والی خواتین کو جلد کی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ان کے چہرے کی جلد بہت حساس ہوتی ہے اور ایسی جلد پر داغ دھبے بھی زیادہ نکلتے ہیں اگر چہرے پر سرخ نشان پڑ جائیں تو اس سے چہرے کی ساری خوب صورتی

ختم ہوکر رہ جاتی ہے اس لیے چکنی جلد والی خواتین کو چاہیے کہ اپنے چہرے کی حفاظت اچھے برانڈ کے پروڈکٹس سے کریں تاکہ چہرے کی جلد نرم رہنے کے ساتھ اس کی قدرتی چمک بھی برقرار رہے۔ رات کو سوتے وقت بھی ایسی جلد کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

چکنی جلد کی حفاظت

چکنی جلد کی حامل خواتین نارمل یا ملی جلی جلد والیوں کے مقابلے میں زیادہ مسائل کا شکار ہوتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مسائل کا ان کی جلد کی قسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کا سبب ان کی حد سے بڑھی ہوئی حساسیت ہے۔ چکنی جلد پر ذرا سی بے پروائی سے دانے اور کیل مہاسے نمودار ہونے لگتے ہیں اس لیے وہ احتیاطاً اپنی جلد کو ہمہ وقت خشک رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جس کے نتیجے میں یہ چکنائی ختم ہونے کی بجائے مزید بڑھ جاتی ہے۔ جب جلد کی اوپری سطح کو کسی سخت قسم کے صابن کی مدد سے اچھی طرح رگڑ رگڑ کر خشک کر دیا جاتا ہے تو یہ غدود کمی کی کمی پوری کرنے کے لیے زیادہ تیزی سے تیل خارج کرنے لگتے ہیں اس طرح مسئلہ اور بھی گمبھیر ہو جاتا ہے۔

داغ دھبوں کا علاج

خواتین اپنے چہرے کو خوب صورت بنانے کے حوالے سے بڑی حساس ہوتی ہیں اور وہ چاہتی ہیں کہ ان کا چہرہ داغ دھبوں اور مہاسوں سے پاک ہو تو اس کے لیے خون صاف ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کو چاہیے کہ چٹ پٹی اور مرچ مصالحے والی چیزوں سے پرہیز کریں اور اس کی بجائے پھل اور سبزیوں کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ورزش کریں اور میک اپ کرنا کم کر دیں۔ چہرے کی خوب صورتی اور قدرتی چمک کو قائم رکھنے کے لیے رات کو سونے سے قبل چہرہ دھونے کے بعد گلیسرین اور لیموں کا رس ہم مقدار ملا کر چہرے پر لگائیں یہ لوشن ہر قسم کی جلد کے لیے مفید ہے۔ چہرے کو داغ دھبوں سے پاک رکھنے کے لیے تازہ دودھ سے منہ بھی دھوئیں۔ ایک برتن میں دودھ لے کر اس میں اسفنج کے ٹکڑے کو بھگوئیں پھر دودھ سے تر کیا ہوا یہ ٹکڑا چہرے پر پھیریں اور پندرہ منٹ کے بعد چہرے کو تازہ پانی سے دھو ڈالیں، چہرا تر و تازہ رہے گا اور چہرے کی خوب صورتی بھی برقرار رہے گی۔ خواتین چہرے کے داغ دھبوں کو دور کرنے کے لیے نیم گرم پانی میں بیسن ملا کر چہرہ دھوئیں۔

چکنی جلد کی روزانہ دیکھ بھال ضروری

چکنی جلد کی حفاظت اس کی روزانہ کی دیکھ بھال اور احتیاطی تدابیر ہیں جو چکنی جلد کو بلیک ہیڈز، دھبوں اور چھائیوں سے محفوظ رکھتے ہیں، چکنی جلد میں روغنی مادے پیدا کرنے والے غدود ضرورت سے زیادہ فعال ہوتے ہیں۔ جس سے جلد کے مسام کھل جاتے ہیں اور جلد موٹی اور بھدی دکھائی دینے لگتی ہے اس سے خواتین کی خوب صورتی متاثر ہوتی ہے اس لیے اس کی روزانہ صفائی کرنا بہت ضروری ہے تاکہ جلد کی حفاظت ہو سکے چکنی جلد نہ صرف گرد و غبار کھینچتی ہے بلکہ اس میں مردہ خلیے بھی جمع ہوتے رہتے ہیں جو جلد کے مساموں کو بند کر دیتے ہیں اس لیے ان غذاؤں کا استعمال نہ کیا جائے جو چکنائی پیدا کرنے والے غدودوں کو فعال دیتی ہیں جلد کو صاف کرتے وقت پہلے گرد و غبار اور چکنائی کی تہہ کو اچھی طرح صاف کریں تاکہ جلد کے اندر جمع شدہ چکنائی کا اخراج ہوتا کہ بلیک ہیڈز بننے سے پہلے ہی ختم ہو جائیں جلد کی کلینزنگ کرتے وقت گاڑھی کریموں اور جیل سے گریز کریں کیونکہ اس طرح کے کاسمیٹکس جلد کے مسام بند کر دیتے ہیں اور اس سے جلد میں بلیک ہیڈز بہت آسانی سے بن جاتے ہیں اس لیے یہ مصنوعات استعمال کرتے وقت بہتر پروڈکٹس کا انتخاب کرنا چاہیے۔

نوٹ

تمام قارئین بہنوں کی پرزور فرمائش پر اگلے ماہ سے بیوٹی گائیڈ میں آپ کی بیوٹی کے مسائل کے حل کے لیے سوالات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جس کے جوابات مشہور ماہر بیوٹیشنز دیا کریں گی۔ تمام بہنیں نوٹ فرمالیں۔

پروین شاکر مرحومہ کے نام

ہوا کی خنکی میں اپنے آنسو پرونے والی
پرندوں کے پروں پر اداس نوحے لکھنے والی
"اے مغموم شاعرہ"
کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے
میں تمہیں پکاروں
تمہارا نرم ہاتھ تھام کر
رب کائنات کے حضور حاضری دوں
اور پھر...... ہم دونوں اس خالق کائنات سے پوچھیں
اے رب رحیم
ہمیں کس مٹی سے بنایا تھا؟
کیوں ہماری زندگی آنسوؤں سے شروع ہو کر
آہوں پر ختم ہو گئی
کتنا عجیب ہے ناں......؟
میری طرح تم بھی تاعمر
اپنی غزلوں اور نظموں کی ہر سطر میں
اس "ماورائی ہیرو" کی بے وفائی کا دکھ روتی رہیں
جس کا ہماری اصل زندگی میں کوئی کردار ہی نہیں تھا
اپنے اپنے خلوص اور وفا کا بوجھ اٹھائے
ہم دونوں ہی سراب کی تلاش میں
کیسے کیسے دکھوں کی بھینٹ نہیں چڑھے
وہ جو "مجسم" ملا ہی نہیں
اس کو ہر خوشنما چہرے میں تلاشتی ہماری آنکھوں نے
کیسے کیسے فریب نہیں کھائے
سکھ کے شہر میں دکھ کا تماشا بن کر
نہ تم جی سکیں، نہ میرا ہی دل زندگی میں لگا
چاہتوں کے حصار میں رہ کر بھی
نہ تمہیں کوئی ہمدم ملا نہ میں ہی کسی منزل کا راستہ پا سکی
اب سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے
"یہ شاعرہ ہونا بھی کسی قیامت سے کم نہیں"

نازیہ کنول نازی...... بہاولنگر

غزل

بہت دن سے مرے ہمدم کہاں تھے تم
کٹھن تھا ہجر کا موسم کہاں تھے تم
لہو آشام تھیں ساری تمنائیں
مرے دل میں تمہارا غم کہاں تھے تم
تمہارے تذکرے ہر سُو ہر اک محفل
ادھر تو مرمٹے تھے ہم کہاں تھے تم
گلی کوچوں سے بازاروں سے گزرا تھا
عزاداروں کا جب ماتم کہاں تھے تم
ادھر نظریں تمہاری دید کو ترسیں
نظر آتے رہے ہو کم کہاں تھے تم
محبت ہار دی کس کے لیے پوچھو
ستم سہتے رہے ہیں ہم کہاں تھے تم
گزرتا جا رہا تھا کس طرح آخر
جدائی کا عجب عالم کہاں تھے تم
سپرد خاک بھی جب کر دیا راشد
کہ سب کی آنکھ تھی پُرنم کہاں تھے تم

راشد ترین...... راولپنڈی

ماں

خدا کا خاص تحفہ ہے، ہمیں جو اس نے بخشا ہے
جو "ماں" کی صورت میں رب نے زمیں پر اتارا ہے
محبت کے شہد میں گوندھا ہوا
کومل سا وہ رشتہ
نرم نرم چھاؤں جیسا پیارا سا رشتہ
کہ جن کے لب پر بس دعائیں ہی دعائیں ہیں
کہ جن کے سائے میں ملتی محبت کی پناہیں ہیں
"ماں" کی نرم ملائم گود میں چھپ کر
ہم غموں کو بھول جاتے ہیں
کہ جس کی آغوش میں سکونِ قلب ملتا ہے
کہ جس کے پاؤں چھونے سے وفا کا درس ملتا ہے
وہ ہستی کائنات کا انمول تحفہ ہے
وہ جس کے رُوم رُوم میں پیار بستا ہے
وہ جس کی دعاؤں سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
وہ جس کے پاؤں کے نیچے خدا نے جنتیں رکھ دیں
کہ جس کے دل میں رب نے پیار کی شدتیں بھر دیں
وہ خوب صورت رشتہ "ماں" کا رشتہ ہے
محبت، پیار، جذبوں کی صداقت جس میں نمایاں ہے
وہ پیاری سی ہستی "ماں" ہی ہے اور صرف "ماں" ہے

نزہت جبین ضیاء...... کراچی

غزل

جو گرتے گرتے سنبھل گئے ہیں
وہ مشکلوں سے نکل گئے ہیں
دکھوں کا باعث جو بن رہے تھے
چلو وہ سائے بھی ٹل گئے ہیں
جو قسمیں کھاتے تھے روز آ کر
وہ راستہ ہی بدل گئے ہیں
دبا کے پیروں میں سنگدلی سے
وہ میرے ارماں کچل گئے ہیں
جو تیر دشمن کی واسطے تھے
وہ دیکھو ہم پر ہی چل گئے ہیں
خوشی کے آنسو بھی دیکھ رانا
دکھوں کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں

قدیر رانا...... راولپنڈی

ماں

مجھے راستہ دکھایا
میرا حوصلہ بڑھایا
مجھے اندھیروں سے نکالا
روشنیوں تک پہنچایا
وہ......
جس نے بن کہے میرے
ہر دکھ کا مداوا کرا
میری وحشتوں
تنہائیوں کو بانٹا
اک مکمل زندگی سے نوازا
ہاں
امی......
پیکرِ وفا
کے جھریوں زدہ چہرے کو جب میں دیکھتی ہوں
اک عمر کی تھکن سی نظر آتی ہے
وہ جس نے میرے وجود کو چاشنی بخشنے کے لیے
اپنا آپ چھلنی کرا
اپنی خواہشوں کو زخمی کرا
جس کے لب ہر اک پل
میری زندگی کے لیے دعا گو ہیں
ہاں امی
"ماں"
کو جب میں دیکھتی ہوں
تو دل شکرِ الٰہی بجالاتا ہے
لبوں سے ہر اک پل
اس کی سلامتی کے لیے دعا نکلتی ہے
کہ جس کے دم سے میری زندگی چہکتی ہے
کہ جس نے اپنی زیست مجھے سونپ دی
خدا اس کا سایہ تا قیامت مجھ پہ سلامت رکھے......!
آمین

سمیرا غزل صدیقی...... کراچی

غزل

جو پھولوں سے زیادہ حسیں لگ رہے ہیں
وہ دل کے بہت ہی قریں لگ رہے ہیں
جو ذرّے تیرے پاؤں میں آچکے ہیں
وہ سب مجھ کو ماہ جبیں لگ رہے ہیں
گزر جس جگہ سے تمہارا ہوا تھا
مرے پاؤں بھی اب وہیں لگ رہے ہیں
کیا پھر کوئی طوفان ہے آنے والا
کیوں سہمے ہوئے سے مکین لگ رہے ہیں
محبت کا پرچم ہے ہاتھوں میں اپنے
مخالف کیوں اہل زمیں لگ رہے ہیں
یہ کیانی اسی کی وفا کے سبب ہیں
جو منظر ہمیں دل نشیں لگ رہے ہیں

(راغب عثمان کیانی......)

سایہ رحمت

ہمیشہ جھلملاتا رہے یوں ہی
خدا کرے مہکتا رہے یوں ہی
آنچل سے جتنی بھی ہستیاں منسلک ہیں
خدا کرے ان پر یہ سایۂ رحمت برستا رہے یوں ہی
یہ اک دعا ہے میری خدا کرے
یوں ہی محبت وفا خلوص وچاہت کے پیغام پہنچاتا رہے
آمین
اے آنچل! تمھیں یہ سالگرہ کا دن مبارک ہو

عاصمہ اقبال...... عارف والا

آبگینہ

لڑکیاں تو مانند ہیں ایک موم پتلے کے
لچک اتنی کہ جس سانچے میں چاہو ڈھل جائیں
ذرا جذبوں کی تپش ہو تو فوراً ہی پگھل جائیں
تھوڑی نادان ہیں بے شک مگر سنبھال کر رکھیے
یہ نازک آبگینے ہیں کہیں یہ ٹوٹ نہ جائیں

ہما ایمان...... کراچی

اس سے پہلے کہ......

وفا کی خوشبو بکھر جائے
غمِ محبت بڑھ جائے
محبتوں کا زوال ہو
یا تم سے کوئی سوال ہو
اور جینا مجھ سے محال ہو
تم لوٹ آؤ مسافرِ من
کہ زندگی کا سوال ہے

ندا فاطمہ...... کراچی

نظم

میرے دل کا ہر موسم
تمہاری یاد سے رہتا ہے پُرنم
جلتی آنکھیں بکھرتے خواب
میری جاں پر اترتے عذاب
مگر......
تمہیں اس سے بھلا کیا......؟
وہ ڈائری وہ کارڈ
میری سالگرہ کا تحفہ
جو تم نے بھیجا تھا
اور تمہارے سارے خط......!
جذبے لٹاتے مہکتے خواب
اور وہ سرخ سوکھے گلاب
سب تیری یاد دلاتے ہیں
مگر......
تمہیں اس سے بھلا کیا؟

یاسمین عندلیب...... شورکوٹ کینٹ

ہار

اک محبت ہم نے کی
ایک محبت تم نے کی
اور ہم تم
سب کچھ ہار گئے
اک جنجوگ تھا جس کا
روگ تھا قسمت میں
اُس کو پورا ہونا تھا
ملن کی خاطر جو تم نے کیے
خالی سب وہ وار گئے
پھر
تم بھی ہمت ہار گئے ہم بھی ہمت ہار گئے
ایک محبت کے سپنے میں
پوری عمر گزار گئے

سباس گل...... رحیم یار خان

میری ماں کے نام

اے میری پیاری ماں!
تجھ سے ہی میرا سارا جہاں
تُو ہی میرے سر کا سائباں
اے میری پیاری ماں!
تیرے لیے تو حاضر ہے میری جاں
میرے گھر میں ہر سو تیرے وجود کا بسیرا ہے
تیرے دم سے میرا ہر نیا سویرا ہے
اے میری پیار ماں!
تجھ سے ہی ہے میرا جہاں

اُم صبا الیاس...... گجرات

نظم

مجھے اکثر وہ کہتی تھی
کہ اتنی بار کہتے ہو
مجھے تم سے محبت ہے
کہ اب دل پر یہ سننے سے
اثر کچھ بھی نہیں ہوتا
مگر جب آج دانستہ
نہیں بولا اسے میں نے
مجھے تم سے محبت ہے
تو اس کی آنکھ بھر آئی

حفصہ بتول...... بہاولپور

تنہا چاند

تنہائی کا مارا چاند
ڈھونڈے سنگت یارا چاند
شاید خوابوں سے ڈرتا ہے
سندر سا بے چارہ چاند
گھوم رہا ہے گلیوں گلیوں
صدیوں سے آوارہ چاند
تنہائی کا کرب بھی جھیلا
پر ہمت نہ ہارا چاند
روشن ہوں سب دل کی گلیاں
رکھ لوں گھر میں سارا چاند
جس کے سنگ سنگ شامیں گزریں
مل جائے دوبارہ چاند
جینے کا احساس دلائیں
نیر پھول، ستارا، چاند

نیر رضوی...... کراچی

تم کیا جانو

تم کیا جانو......!
کہ جب بھی میں ڈائری کھولتی ہوں
کبھی کے لکھے گئے الفاظ
کتنا درد دیتے ہیں
تم تو چل پڑے
میری دنیا کو مٹا کر
میرے دل کو اجاڑ کر
کہ دل کو دوبارہ آباد ہونے میں
کچھ وقت تو لگتا ہے
اور تم کیا جانو
وہ وقت
سوہانِ روح ہوا کرتا ہے
گمانِ موت ہوا کرتا ہے
بھلانے کی کوشش میں
بھلانا خود کو پڑتا ہے
تم کیا جانو......!
وقت گزرتا جاتا ہے
درد گہرا ہوتا جاتا ہے
کسی کی آس دل میں لیے
کسی کے ساتھ رہنا
کتنا مشکل ہوتا ہے
تم کیا جانو
جب محبت سانس لیتی ہے
دلوں کا رس دیتی ہے
تو دل دھڑکنے لگتا ہے
کسی کے سنگ چلنے لگتا ہے
اور پھر جب یہ ٹوٹ جاتا ہے
تو کتنا درد ہوتا ہے
اور جب تم راستہ بدل گئے دوسری سمت چل دیے
تو تم کیا جانو......!
میری زندگی خلاؤں میں بھٹک کر رہ گئی
مگر پھر میں سوچتی ہوں
تم جو اتنا پیار جتاتے تھے
ساتھ جینے اور مرنے کی قسمیں کھاتے تھے
میری محبت کو ٹھکرا گئے تم
محبت سے مکر گئے تم
میرے نہ بن پائے تم
تو کس کے بن پاؤ گے تم
بے وفائی روایت ہے زمانے کی
کہ ہم وفا پر مرنے والے لوگ
دنیا کو پاگل لگتے ہیں

حمیرا عروش...... کراچی

غزل

دل ناداں تیرے لیے بے قرار ہونے والا تھا
شاید ہمیں بھی تم سے پیار ہونے والا تھا
تیرے اپنوں نے ہی ظاہر کیے سبھی جھوٹ ترے
وگرنہ تیری باتوں پہ اعتبار ہونے والا تھا
یوں ہی بیٹھی رہتی تیرے وعدے پر اگر
نہیں معلوم مجھ سے کتنا انتظار ہونے والا تھا
صد شکر اختیار تھا دل پر اپنے مجھے ورنہ
جانے کب تلک تری یاد میں بے قرار ہونے والا تھا
دلکش چہرہ شناسی کا نہ کوئی دعویٰ کرکے بھی
نقاب رخ سے نہ اترتا تو اظہار ہونے والا تھا

دلکش مریم...... چنیوٹ

دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

صدف، علی آنچل فرینڈ کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے تو صدف (رانی) آپ کو 5 مئی اور علی 18 مئی کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ آپ کو بہت خوشیاں دے، کیک تو بنتا ہے نا؟ صدف بہت انجوائے کرلیا اب کالج میں داخلہ لے لو۔ علی کے لیے ڈھیروں دعائیں، باقی پوری فیملی کو بہت بہت سلام اور خضر کو ڈھیر سارا پیار۔ کیسا لگا میری یعنی مہوش عرف چیلے کی طرف سے یہ سرپرائز؟ مہوش آپ کو نادی اور اینجلز گروپ کی جانب سے 8 مئی کو بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ مہوش کی بچی جلدی سے اب ٹریٹ کھلا دے ہمیں۔ جی تو آنچل فرینڈز، جیا جی آپ کا بہنا کہنا اچھا لگا۔ ساریہ چوہدری، طیبہ نذیر اور جاناں سب کیسی ہو؟ ماما، بابا اور میرے پیارے بھائی آئی لو یو سو مچ۔ بابا مجھے آپ سے بہت پیار ہے، اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ سلامت رکھے۔ ماما اور میرے پیارے بھائیوں (بشر، مدثر، عبداللہ) اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیروں کامیابیاں اور خوشیاں دے کیونکہ آپ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میری چھوٹی سے چھوٹی خوشی بھی نظر انداز نہیں کی۔ خوش رہو سب، نورین شاہد کیسی ہو؟ شالو (شکیلہ) یار اتنا پوزیسو نہ ہوا کرو جو آپ ہو وہ کوئی اور کیسے ہو سکتی ہے اب اجازت پھر ملیں گے اگر زندگی رہی، دعا کی طالب۔

نادیہ یٰسین...... ساہیوال

کھٹی میٹھی لاڈلی دشمہ کے نام

امید ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہوگی اور لائف کو بھرپور انجوائے کررہی ہوگی۔ مجھے تمہاری ہر ادا بڑی پسند ہے۔ میری جاپانی ڈول! تم سیریس ڈول جیسی ہو یار! تمہاری شخصیت اچھی ہے صرف تھوڑا سا اور قد بڑھا لو اور ہاں پیٹو چاکلیٹ کیک کی دیوانی! اب ذرا سلم ہو جاؤ (برا نہ ماننا مذاق ہے) میری کیوٹ سسٹر میں تمہارے مزاج سے پل پل واقف ہوں۔ 28 مئی کو تمہاری برتھ ڈے ہے، بہت بہت مبارک ہو بقول تمہارے جی جو کے (ایٹمی دھماکے) ہر وقت کوئی نہ کوئی دھماکہ کرتی رہتی ہے ہاہاہا۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں ہزاروں خوشیاں عطا فرمائے اور زندگی کے ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے آمین۔ اپنا خیال رکھنا اور اپنے چاہنے والوں کا بھی، فی امان اللہ۔

عائشہ پرویز...... کراچی

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! آنچل فرینڈز کیسے ہیں سب؟ امید کرتی ہوں سب ٹھیک ہوں گے۔ عظمیٰ کنڈی (گل امام) مجھے آپ کی دوستی قبول ہے، فوزیہ سلطانہ جوجی، عظمیٰ شاہین رفیق، نادیہ یٰسین، مدیحہ نورین، شمیم ناز صدیقی، ساریہ چوہدری، کشور بلوچ (ننکانہ صاحب) پروین افضل شاہین، نزہت جبین ضیاء، سباس گل، عفت سحر طاہر، نگہت غفار، سیدہ جیا عباس، طلعت نظامی، نازیہ کنول نازی، عشناء کوثر، نادیہ فاطمہ رضوی، راحت وفا، اقراء صغیر، فصیحہ آصف، ام ثمامہ، صنم ناز رانی، اسلام، سمیرا مشتاق ملک، مسکان، شمع مسکان جن کے نام رہ گئے سوری آپ سب کے لیے اور سب آنچل سے وابستہ لوگوں کے لیے ڈھیروں دعائیں، ہمیشہ مسکراتے رہیے۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

پیارے بھیا کے نام

السلام علیکم! بھیا آپ کو ہماری طرف سے بہت بہت سالگرہ مبارک ہو ایڈوانس میں کیونکہ بھیا جی! آپ کی سالگرہ تو پانچ مئی کو ہے، ہماری اللہ سے دعا ہے کہ اس بار آپ کو سالگرہ پر بخار نہ آئے۔ خدا آپ کو ہمیشہ اپنی رحمت کے سائے میں رکھے اور آپ کو ڈھیروں ڈھیر خوشیاں عطا فرمائے آمین۔ خدیجہ کی طرف سے خاص طور پر دل کی گہرائیوں سے سالگرہ مبارک ہو۔ خدیجہ آپ کو بہت مس کرتی ہے کیونکہ آپ جیسے بھائی بہت کم ملتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے آمین آنچل کی تمام ٹیم کو میری طرف سے سلام۔ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

ام کلثوم...... ترنڈہ محمد پناہ

پیارے بابا جانی کے نام

میں آپ کی بہت شکر گزار ہوں کہ آپ مجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں میں اس قابل تو نہیں تھی لیکن آپ نے میرے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ کر میرے باپ کی کمی کو پورا کردیا ہے۔ امی، بھائی خالد، بھائی ظفر، باجی صباحت، باجی تنزیلہ، نزہت اور عباس ہم سب کے سروں پر اللہ آپ کا سایہ سلامت رکھے اور آپ سب سے میری گزارش ہے کہ اگر زندگی میں کبھی بھی مجھ سے کوئی غلطی ہوجائے تو اپنا سمجھ کر معاف کردینا۔ میری دعا ہے کہ ہم سب کی خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔

نادیہ عباس...... شاہ نکڈر

پھولوں جیسی بہن کے نام

ہیلو مائی ڈیئر سسٹر مریم! کیسی ہو؟ پلیز مریم منہ بند کرلو تمہارے نام ہی لیٹر ہے۔ 1 مئی کو تمہارا برتھ ڈے ہے پیپی برتھ ڈے ٹو یو مائی لولی مریم۔ تم سوچ رہی ہوگی کہ تمہاری بہن کو تمہارا کیسے خیال آ گیا آنچل کے ذریعے وش کرنے کا۔ یار میں باقی سب کو آنچل کے ذریعے وش کرسکتی ہوں تو اپنی پھولوں جیسی بہن کو کیوں نہیں کرسکتی۔ تم میری بہت کیوٹ لاڈلی بہن ہو ہر مشکل وقت میں تم نے میرا ساتھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب اچھے کرے اور تمہیں ہر قدم پر کامیابی ملے زندگی میں کبھی کوئی دکھ تمہارے قریب نہ آئے آمین۔ مریم! جب تم انگلینڈ چلی جاؤ گی تو میں تمہیں بہت بہت یاد کروں گی اسپیشلی جب ہم بہنوں میں کوئی جھگڑا ہوجاتا تھا تو ہم تم سے انصاف مانگنے آتی تھیں تو تم میسنی بولتی ہی نہیں تھی کہتی تھی میں نے کچھ سنا نہیں اور دیکھا بھی نہیں۔ مریم تم نے کہا تھا جو تمہارے ساتھ دوستی رکھے گا تم اسے انگلینڈ لے کر جاؤ گی۔ میں نے تمہیں اپنے پیارے آنچل کے ذریعے وش کیا ہے اب تو تمہارا حق بنتا ہے مجھے انگلینڈ لے جانے کا لے کر جاؤ گی ناں؟ اب اجازت چاہتی ہوں لو یو سو مچ مریم جانی! آپ کی بہن

عظمیٰ بٹ...... سمندری۔

نعمان بھائی کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ! امید واثق ہے کہ یقیناً آپ بھی اللہ کے فضل وکرم سے بخیر وعافیت ہوں گے۔ یقیناً سب گھر والے اچھے ہی ہوں گے سب کو خلوص اور پیار بھرا اسلام۔ بھائی جان کیسا لگا آپ کو میرا آنچل کے توسط سے پیغام اور سرپرائز! یقیناً میرا یہ خط آپ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا کہ اس نے کہا اور فوراً بھیج بھی دیا۔ بھائی جان عالیہ فردوس اور علیزہ طارق (میری سویٹ بہنیں) کیسی ہیں؟ اور ...... اور میری پیاری سی بھابی سویٹ سی ذکیہ نعمان کیسی ہیں؟ ہوگئیں ناحیران کیوں بھئی پورا آنچل ہمارا ہے تو ہمیں تھوڑی سی جگہ بھی نہیں ملے گی۔ بھیا جانی جلدی سے شادی کروالیں مجھے زبردست سا گفٹ چاہیے شادی پر اپنی پسند کا۔ اوکے نو بہانہ نو آنا کانی اوکے۔ میں لے کے ہی چھوڑوں گی۔ بھیا اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی کی ہر خوشی اور کامیابی وکامرانی سے نوازے آمین۔ میں آنچل میں حاضری دیتی رہوں گی اب اجازت چاہتی ہوں اوکے ٹیک کیئر خدا حافظ۔

عنایہ تحریم...... سیالکوٹ

اسپیشلی سمیرا شریف طور کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! سمیرا آپی کیسی ہیں؟ اللہ عزوجل آپ کو سلامت رکھے اصل میں سمیرا آپی میں نے آپ کو بتانا ہے کہ آپ کی کہانی میں ٹوٹا ہوا تارا کون ہے؟ ان چند قسطوں میں مجھے پتا چل گیا ہے ولید، روشانے، شہوار، تابندہ ضیاء احمد یہ ایک ہی فیملی ہے۔ جس طرح ولید اور روشانے کو سب دیکھ کر چونکتے ہیں اسی طرح شہوار ان کی چھوٹی بہن ہے اب تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

لائبہ حفصہ عطاریہ...... راولپنڈی

لبنیٰ شاہین کے نام

السلام علیکم! آپی لبنیٰ اس ماہ کی 10 تاریخ کو آپ بابل کا گھر سونا کر کے اپنے پیا دیس سدھار رہی ہیں۔ میری اور گھر والوں کی طرف سے ڈھیروں مبارک باد اور نئی زندگی کی شروعات کے لیے ڈھیروں دعاؤں کے پھول صرف آپ کے لیے۔ میں آپ کو کیا بھیجوں؟

بارش کی پہلی بوند...... آسمان کا روشن تارا
شاخ پر کھلا سرخ گلاب...... مٹھی میں قید جگنو
ہونٹوں پر سجی ایک خواہش...... آنکھوں کا خواب

بادل کی ایک معصوم سی دعا کہ اللہ آپ کو کائنات کی وہ تمام خوشیاں اور نعمتیں دے جو پچھلے سارے غموں اور دکھوں کا ازالہ کرسکیں اور آئندہ بھی کوئی دکھ کوئی غم آپ کے نزدیک بھی نہ آئے آمین۔ میرا اللہ اپنے حفظ وامان میں چین وسکھ کے ساتھ اس نئی زندگی جس میں آپ قدم رکھنے لگی ہیں کو خوشیوں سے بھر دے اور شاد وآباد رکھے آمین۔

مدیحہ شبیر...... شاہ عکدر

آنچل فرینڈز کے نام

السلام علیکم! کیسی ہیں سب؟ امید ہے ٹھیک ہوں گی شاہ زندگی ہیپی برتھ ڈے۔ انا احب، طیبہ نذیر کیسی ہیں آپ؟ ظل ہما کدھر غائب ہیں؟ نازی آپی، سباس آپی، نادیہ آپی کیسے اتنا زبردست لکھ لیتی ہیں۔ فریدہ یوسف زئی ناول کی مبارک باد قبول کریں، خدا آپ کو ہزاروں کامیابیاں دے آمین۔ ام ثمامہ، رشک حبیبہ کیا بات ہے آپ کی۔ جویریہ احمد آپ کو شادی کی بہت مبارک اور خدا آپ کو نئی زندگی کے ہر سفر میں کامیاب کرے آمین۔ تمام آنچل فرینڈز کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں اور سالگرہ نمبر بہت ہی اعلیٰ تھا، ہر سمت خوشیوں کے رنگ بکھرے ہوئے تھے فریدہ یوسف زئی کیا آپ مجھے اپنی شاعری کی بک بھیج سکتی ہیں۔ آپ کے جواب کی منتظر رہوں گی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

مدیحہ نورین...... برنالی

سویٹ دلوں والوں کے نام

سب دوستیں کیسی ہیں؟ امید کرتی ہوں خیریت سے ہوں گی۔ سب سے پہلے تو دوستوں معاف کیجیے گا میرا تعارف یعنی اس میں میں نے لکھا کہ میری کوئی دوست نہیں یار! تعارف میں نے پہلے لکھا اور آپ سب فرینڈز مجھے بعد میں ملیں جو مجھے بہت عزیز ہو کبھی نہ ہوجانا۔ شمع مسکان جنوری کے خطوط میں تمہارے غصے پر بہت پیار آیا لیکن غلطی ہماری نہیں ہما احمد اور شہلا عامر کی ہے جنہوں نے خط شامل ہی نہیں کیے۔ نورین شاہد، صبا نواز، فاخرہ، ایمان، کومل رباب، شمع مسکان (سویٹی) ماہ رخ جاتو، انیس انجم، مسکان، جیا، نبیلہ نازش کیسے ہو سب؟ حمیرا عروش ویلکم سویٹ دلوں میں۔ نورین شاہد، سیدہ شاہ کاظمی میں ہی ہوں یاد رکھنا اب، خدا حافظ۔

شاہ زندگی...... راولپنڈی

سویٹ دل والوں کے نام

السلام علیکم! تمام دوستوں کو۔ سنائیں کیسی ہیں آپ سب؟ یقیناً اللہ کے فضل وکرم سے ٹھیک ٹھاک یہ تو بتائیں ہماری چند دوستیں کہاں غائب ہوگئیں ہیں؟ ایمن وفا پلیز اپنے ہاتھوں کو تھوڑی سی جنبش دو اور نبیلہ نازش آپ بھی جلدی سے حاضری لگوائیں۔ فاخرہ، کومل رباب، سازیہ چوہدری، نادیہ یٰسین، انیس انجم، صبا نواز آپ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں شاہ زندگی آپ کو گزری سالگرہ کی مبارک باد۔ اللہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا فرمائے۔ شمع مسکان آپ کی غزل تو میری ڈائری کی زینت بن گئی۔ بہت زبردست تھی۔ مسکان (قصور) اور سیدہ شاہ کاظمی آپ اتنی خاموش کیوں ہیں؟ کسی دوست کا نام رہ گیا تو معذرت یادداشت کمزور ہوتی جارہی ہے اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ۔

نورین شاہد...... رحیم یار خان

پیاری دوستوں کے نام

السلام علیکم! پیاری عافیہ کیسی ہو تم؟ میں آنچل کے ذریعے تم سے کہنا چاہتی ہوں کہ مجھے تم بہت یاد آتی ہو۔ کہیں تم مجھے بھول تو نہیں گئی، جب سے شہر چھوڑ کر گئی ہو یار! تم نے تو رابطہ ہی نہیں کیا، تمہیں بھی میری یاد آتی ہوگی یقیناً، مجھ سے رابطہ لازمی کرنا۔ زریاب، کلثوم، عمارہ، شہزادی، خالدہ، حنا، تم لوگ مجھے بہت یاد آتے ہو۔ کالج میں گزرا ہوا وقت جو کہ ہم نے ایک ساتھ گزارا مجھے بہت یاد آتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تم سب کو اتنی خوشیاں ملیں کہ سارے غم بھول جاؤ، آمین۔ میری طرف سے تمام آنچل فرینڈز کو سلام قبول ہو میری خدا سے دعا ہے کہ تم سب ہمیشہ خوش رہو آمین۔

خدیجہ انور...... ترنڈہ محمد پناہ

سویٹ فرینڈز کے نام

السلام علیکم! سب سے پہلے میری سسٹر ضمیع بتول کے گھر 25 جنوری 12 ربیع الاول کو بیٹی ہوئی، بہت مبارک ہو اور سیکنڈ میری بیسٹ فرینڈ ثومیہ زمان کی منگنی ہوئی، تمہیں بھی بہت مبارک ہو ثومی! اب تو پلیز خوش رہا کرو، 3rd جن کو میرا تعارف اچھا لگا، بہت بہت شکریہ۔ شمع مسکان آپ نے لکھا کہ میں حساس لگی ہوں، نادیہ آپ نے کہا تفصیل سے لکھنا تھا۔ یار مجھے خود اپنے آپ کا نہیں پتا، بتایا تھا نا تعارف میں کہ بولنے پر آؤں تو بولتی چلی جاتی ہوں اور کبھی الفاظ ہی نہیں ملتے، الفاظ ہی ختم ہوجاتے ہیں۔ میں اک ایسا سوال ایسا مسئلہ ہوں جسے جتنا سلجھاؤ اتنا الجھے گا۔ بہت بہت شکریہ، صباحت آپ کو میری دوستی قبول ہے۔ نائلہ تم تو میری آل ریڈی دوست ہو یار! سب سے اینڈ پہ اک پیغام بہت خاص ام مریم کے نام۔ ام مریم آپ جادو کی گڑیا لگتی ہو، میں تمہیں الفاظ میں بیان کرسکتی، کیا مجھ سے دوستی کرو گی؟ کرو یا نہ کرو مگر آج سے میری پکی دوست ہو۔ مریم! مجھے بڑی شدت سے تمہارے جواب کا انتظار رہے گا۔ صباحت، نائلہ اور نادیہ (اور علمہ آپ نے دوستی کی آفر کی) پیاری سی گڑیا آپ کی دوستی مجھے قبول ہے اگر آپ چاروں مجھ سے رابطہ کرلو تو بہت مہربانی ہوگی۔ صباحت آپ سے تو دوستی ہم نے کی، کیا رابطہ ہمیں کرنا پڑے گا یا آپ کرلو گی؟ آپ چاروں اب لازمی جواب دینا اور مریم پھر کہہ رہی ہوں، رابطہ لازمی کرنا ورنہ میں تمہارا زبردستی کا ہیرو بن جاؤں گی، جواب کی منتظر۔

سازیہ چوہدری...... ڈوگہ گجرات

میرے بہن بھائی، فرینڈز، آنچل کی بہنوں کے نام

السلام علیکم! خیریت کی طالبہ بخیریت ہے۔ اللہ آپ سب کو ہمیشہ ہر امتحان میں کامیاب کرے، ہمیشہ خوش اور شاد وآباد رہیں، آمین پلیز سب مجھ سے دوستی کرلیں، میں پوری کوشش کروں گی کہ ان شاء اللہ میری طرف سے آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہو، مجھے غلط مت سمجھو۔ میں آپ سب کو بن دیکھے بہت پسند کرتی ہوں۔ سمیرا شریف طور آپی پلیز آپ میری دوست بن جائیں، سباس آپی، نازیہ باجی، عشنا، لاڈو، شمع مسکان، جاناں باجی وغیرہ آپ سب مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ ریکوئسٹ یہ ہے کہ مجھے آپ اپنے گروپ میں شامل کرلیں آخر میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے یارو! اپنی دعاؤں میں یاد

رکھنا' کوئی غلطی ہوتو معاف کرنا' اللہ آپ سب کا حامی وناصر ہو' آمین۔ آپ سب کی دعاؤں کی اور دوستی کی طلب گار۔

شہناز اقبال......کروڑ پکا

کسی اپنے کے نام

نصیب دشمناں کے مزاج کیسے ہیں؟ ہمیں پہچانا نہیں؟ آپ کو منگنی کے خوب صورت بندھن کی بہت بہت مبارک ہو۔ ویسے ایک راز کی بات تو بتائیں آپ اس رشتے سے خوش ہیں کہ نہیں' ویسے منگنی والے دن تو آپ بہت چہک رہے تھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آپ کی لاٹری نکل آئی ہے' آپ سے اپنی خوشی سنبھالی نہیں جارہی تھی (آپ کی خوشی سے جلنے والے کا منہ کالا) میری دعا ہے کہ عباس! آپ اپنی ہونے والی لائف پارٹنر کے ساتھ زندگی کی ہر خوشی انجوائے کریں آمین۔

نادیہ......سرگودھا

شہناز شازے سیال کے نام

آپ نے مارچ کے شمارے میں جو کچھ لکھا اسے پڑھ کر افسوس ہوا' آپ کے بھائی کی طرح میرے بڑے بھیا کا نام شاہد فاروق احمد اور وہ بھی آخری بار ہمیں ہمارے گھر کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ دروازے پر پہنچ کر کافی دیر کھڑے گھر والوں کو دیکھتے رہے اور پھر پانچ منٹ میں ان کا ایکسیڈنٹ ہوا' رحیم یار خان لے جایا گیا اور چند گھنٹوں میں وہ دم توڑ گئے۔ آج بھی میں ان کے غور سے دیکھنے پر سوچتی ہوں تو بہت روتی ہوں' اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کے بھیا کو بھی جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

شازیہ فاروق احمد......خان بیلہ

سائرہ لنگڑیال کے نام

السلام علیکم! سائرہ کیسی ہیں آپ؟ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں جب میں نے آپ کا تعارف پڑھا تھا تو میں نے سوچا آپ سے دوستی ضرور کروں گی' اس کے بعد میں نے دو تین بار خط بھیجے ہیں لیکن وہ شائع نہیں ہوئے۔ اب اپنے بارے میں بتادوں تاکہ آپ کو مجھ سے دوستی کرنے میں آسانی رہے' میرا نام ام سلمٰی بخاری ہے میں سید فیملی سے تعلق رکھتی ہوں' ہم لوگ زمیندار ہیں۔ جھنگ صدر کے گاؤں پیر والا کے رہائشی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اگلے ماہ ضرور جواب دیں گی۔

ام سلمٰی بخاری......جھنگ صدر

سبھی کے اپنوں کے نام

آداب عرض ہے ہے سب سے پہلے عشرت سید محمد رمضان ہماری دوستی پکی۔ یار! میں نسیم نگر میں رہتی ہوں کسی بھی دن آجاؤ۔ عبدل ڈیئر سوسوری تمہاری برتھ ڈے پر وش نہ کرسکی' اسماء طاہر ہائے ڈیئر سسٹر آپ کو بھی وش نہ کرسکی اس لیے سوری۔ عبدل تم ہر 27 اپریل کو وش کرکے مجھے یاددلاتے ہو کہ میرا ایک سال کم ہوگیا ہے نا۔ بہت ہی پیاری ماہ نور (مانو) بہت سویٹ ہو' آپ زبیدہ کالج کی رونق ہو' بچی میں یار خوش رہو۔ سعدیہ اہل کاشف پلیز لوٹ آؤ' آنچل اور ہم آپ کے بغیر اداس ہیں' واپس آجاؤ نا۔ ڈیئر ماہ رخ سیال کیسی ہو یار! رابطہ کی کوئی سبیل نکالو' ریحانہ راجپوت آپ بھی کوئی اتا پتا' فون نمبر وغیرہ کچھ کردو یار! لاڈو ملک میں آج بھی منتظر ہوں آپ کے جواب کی۔ آنچل میں تمہاری وجہ سے مجھے بہت محبت ملی ہے۔ سدرہ شاہین یاد رکھنے کا شکریہ آپ کو بھی ڈھیروں دعائیں اور پیار۔ خوشبو کیف اور عظمیٰ شاہین آپ سے مل کر بہت اچھا لگا' سب آنچل فرینڈز کو سلام ودعا' صبا نواز بھٹی آپ کو بھی سلام ودعا۔ جو بھی مجھ سے دوستی کرنا چاہے ان کو موسٹ ویلکم۔

صائمہ طاہر سومرو......حیدرآباد' سندھ

زاہدہ افضل کے نام

ہیلو زیدی! کیسی ہو؟ ہائے اللہ زیدی تم کتنی اسمارٹ ہو' کاش سحرش بھی تمہاری طرح ہوجائے مگر مجھے تو لگتا ہے میں سحرش کے اسمارٹ ہونے کی حسرت دل میں ہی لیے مرجاؤں گی۔ زیدی تمہارا شاعری سنانے کا انداز واہ! کیا بات ہے۔ زیدی میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں' خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے' تم یونہی ہنستی مسکراتی رہو' تمہاری زندگی میں کبھی غم کا جھونکا نہ آئے۔ خدا تمہیں زندگی کے ہر قدم پر کامیابی دے' پلیز پڑھائی پر بھی توجہ دیا کرو' اوکے بائے اینڈ ٹیک کیئر۔

نبیلہ ملک......چونالہ

پیاری دوست صوبیہ قاسم کے نام

السلام علیکم! امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی' میں نے سوچا کیوں نا آنچل کے ذریعے آپ کو سرپرائز دوں تو پھر کیسا لگا یہ سرپرائز؟ یقیناً حیران ہورہی ہوگی۔ زندگی میں بعض لوگ بظاہر ایک دوسرے کو نہیں جانتے ہوتے لیکن ان سے وابستہ رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ایک انسان کی دوسرے انسان سے شناسائی خود بخود ہوجاتی ہے جان پہچان کی تو بات ہوگئی پیغام کی اصل وجہ آپ کی ایف اے میں کامیابی ہے' میری دعا ہے کہ خدا آپ کو ہر امتحان میں کامیاب کرے اور خوشیاں آپ کے قدم چومیں' آمین اور باقی تمام لوگوں کی طرف سے اسپیشل مبارک' مطلب سمجھ گئی ہوگی آخر میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ خدا آپ کو اپنی منزل تک پہنچادے' میں نے آپ کو دیکھا تو نہیں لیکن ملنے کی آرزو ضرور ہے اور جو غلط فہمی پیدا ہوئی تھی یقیناً ختم ہوگئی ہوگی۔ فقط آپ کی دعاؤں کی طلب گار۔

رملہ بسمل......جہلم

بچھڑنے والی دوست کے نام

بچھڑنے سے تعلق تو نہیں ٹوٹ جاتا مگر جس انداز سے تم نے آخری بات کی یقین کرو میرا دل ضرور ٹوٹا مگر دوستی کبھی نہ ٹوٹنے والا تعلق ہوتا ہے' انسان جہاں بھی ہو' جس حال میں بھی ہو دوست کے لیے دعا کرتا ہے کسی نہ کسی بات سے اس کا خیال دل میں آ ہی جاتا ہے۔ اتنی انتہا کی تم نے محبت کی اور پھر اسی انتہا سے تم نفرت کرنے لگ گئی ہو؟ شکایات یا صفائی میری عادت نہیں تم جانتی ہو مگر میں آج بھی ویسی ہی ہوں جیسی پہلے دن تھی۔ دیکھو پیاری دوست! ہمارے بس میں اگر کچھ نہ ہو تو بات اور ہوتی ہے مگر خود کو کسی کے لیے مکمل وقف کردینا قربانی ہے۔ قربانی اور بے بسی میں فرق ہے ناں؟ ڈیئر آج تو تم کو مجھ میں بے حد قصور نظر آئیں گے مگر کل کو اپنا دل صاف کرکے مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کرنا' یہ دنیا ایک ایسا میلہ ہے جہاں جو ایک بار ہاتھ سے نکل جائے وہ ہاتھ نہیں آتا۔ فرحت عباس کے اس شعر کے ساتھ اجازت ہوسکے تو معاف کردینا' کچھ لوگ زندہ ہوکے بھی مرے لگتے ہیں اور کچھ مر کے بھی زندہ۔

کھوگئے ہو یہ تم کہاں جاناں
چار سو ہیں اداسیاں جاناں

رضیہ خان......ستیانہ

میری کالج کی دوستوں کے نام

میری پیاری پیاری اور شرارتی سی دوستوں السلام علیکم! مدیحہ' صوبیہ' مہرین' ثانیہ' طیبہ' عائشہ' راحیلہ اینڈ شکیلہ کیسے ہو؟ آپ کو اور کلثوم تمہیں برتھ ڈے بہت بہت مبارک ہو اور میں تمام آنچل فرینڈز سے دوستی کرنا چاہتی ہوں' جواب ضرور دیجیے گا۔

کنول شاہین اینڈ راحیلہ بشیر......نامعلوم

مدیحہ بتول گوندل کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو مدیحہ! سب سے پہلے تو بہت شکریہ یاد کرنے کا کیونکہ میں تو سمجھی تھی کہ کوئی بھی مجھے یاد نہیں کرتا۔ اتنے عرصے سے غائب اس لیے ہوں میری امی بہت بیمار تھیں' اب تو کافی بہتر ہیں اور کچھ اور مصروفیات تھیں۔ اب آپ کی اور میری پکی والی دوستی' ٹھیک ہے ناں۔ ایک بار پھر بہت شکریہ اپنا خیال رکھنا' خوش رہو اور پلیز دعا کرنا کہ میری پیپرز کی تیاری ہوجائے' اوکے اللہ حافظ۔

پری وش گوندل......منڈی بہاؤالدین

جاناں اینڈ شمع کے نام

تمام آنچل پریوں کو سلام۔ کیا حال چال ہیں؟ جاناں اینڈ شمع! اس ماہ کا آنچل جب ہاتھ لگا تو پڑھتے پڑھتے جب دوست کا پیغام آیا پر پہنچے تو اپنا نام نہ دیکھ کر دل بہت پریشان ہوا پھر سوچا کیا پتا میرا خط آنچل والوں کو نہ ملا ہو۔ اس دفعہ دوبارہ لکھ رہی ہوں۔ شمع اینڈ جاناں جواب ضرور دینا کہ میری دوستی کا ہاتھ کیسا لگا۔ سب پڑھنے والوں کو پیار بھرا سلام۔

طیبہ افضل......چکوال

سویٹ کزنز اور فرینڈز کے نام

ہیلو فرینڈز اینڈ کزنز! کیا حال ہے؟ کیسے ہو سب! اقصیٰ تمہارے پیپر کیسے ہوئے ہیں اور سعدیہ تمہارا آگے پڑھنے کا کیا ارادہ ہے؟ باجی کوثر آپ کی جنت چہکنے مہکنے لگ گئی ہے اور رسالے بھیجنے کا بہت بہت شکریہ اور ہاں آپ کے بھائی صاحب (وہی والے) آج کل کہاں مصروف ہوتے ہیں' کبھی چکر ہی نہیں لگایا۔ باجی آسیہ آپ کی اور بھائی کی بڑی شدت سے یاد آتی ہے۔ باجی رضیہ آپ اپنے بیٹے موٹو (سوری نام نہیں آتا ناں آپ کے جیسا ہی ہوگا) پلیز اس کے ساتھ بھی ہماری طرف چکر لگائیں ناں۔ منشاء میرا سویٹ سا فرینڈ اینڈ بھتیجا آپ کا بہت بہت شکریہ (سمجھ گئے ناں) سمیع تم مجھ سے بات مت کرنا' میرا کہنا نہیں نہ مانتے۔ اقراء پلیز یار ذرا کم (تھوڑی سی کم) باتیں کیا کرو اور زیادہ سا پڑھنے دیا کرو۔ سعدیہ تم ہی یار اسے سمجھایا کرو (شاید اسے تمہاری بات سمجھ میں آجائے)۔

حافظہ ثمیرہ......سرگودھا

سویٹ اور معصوم سی دوست بنارس کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو چڑیل! سب سے پہلے تو میرا محبتوں بھرا اسلام قبول کرو پھر سناؤ پڑھائی کیسی جارہی ہے؟ پیپرز کی اچھی سی تیاری کرنا' ہم نے بہت اچھے سے مارکس لینے ہیں اس لیے خوب محنت کرو اور دل لگا کے پڑھائی کرو اگلے ماہ ہمارے پیپرز ہیں تو دعا کرو اکٹھا ہی رول نمبر آئے ہمارا۔ گھر میں رہ کر کچھ چینج ہوئی ہو کہ ویسی ہی ہو' معصوم سی (ہاہاہا)۔ معصومیت تو تم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے' سمجھ تو گئی ہوناکہ

کیوں معصوم کہہ رہی ہوں تمہیں (ہاہاہاہا)۔ اب اگر گھر میں کسی نے پوچھا نا کہ بنارس تم اور معصوم؟ تو سچی بتانا خاص کر کالج میں لاسٹ ڈے کو جو بالٹی الٹا کر دے دی تھی میرا ابھی تم نے "ڑ" والا سچ ہی بتایا تھا (ہاہاہاہا)۔ ویسے میں ہی سب کو بتا دیتی ہوں کہ آپ سب یقین کرلیں بنارس بڑی معصوم ہے یعنی سادہ لوگ نہیں ہوتے جوان میں سے ہے یہ بھی۔ چل بائے اگلی دفعہ پھر آدھی ملاقات ہوگی آنچل ہی میں سب کو میرا اسلام اور تمہاری دوست فری کو بھی آخراس نے پہلے ڈائجسٹ پڑھنا ہے بعد میں تجھے دے گی۔ بائے جی اور آخر میں مس فوزیہ سدرہ فروا شفق مہوش میمونہ رمشاء مشی طوبیٰ مریم نوشابہ افرنیش سب کو بہت بہت سلام اور دعائیں اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آمین۔

منیبہ نواز...... صبور شریف

تمام آنچل اور میری پیاری فرینڈز کے نام

سب سے پہلے تمام بہنوں اور آنچل کو آنچل کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ تو کیسی ہو سب دوستو اور کیسی گزر رہی ہے زندگی کی گاڑی؟ تم سب سوچ رہی ہوگی کہ یار پتا نہیں یہ کہاں غائب ہوگئی تھی تو میں بتاتی چلوں کہ میں غائب ہوئی نہیں تھی بلکہ مجھے دو تین مہینوں کے لیے آنچل سے غائب کردیا گیا تھا وجہ پتا نہیں ہے۔ خیر چھوڑو گلے شکوے اب تو آ گئی ہوں تو اے ایس خان (مری) کیسی ہو یار تم؟ میں نے تمہارے نام اسپیشلی پیغام بھیجا تھا مگر اشاعت نہ ہوسکا تو ڈیئر تمہارا ہاتھ ہم نے بہت پہلے سے تھام لیا ہے مگر تمہارا پیغام بہت مختصر تھا۔ یار ذرا تفصیل سے آیا کرو اور ایس انجم تم کیسی ہو؟ امید کرتی ہوں خیریت سے ہوگی۔ تمہارا انٹرویو پڑھ کر بہت اچھا لگا بہت الگ لگتی ہو سب سے پر اچھی لگتی ہو۔ کیا اپنے دل کے کسی گوشے میں مجھے شامل کرنا چاہو گی ضرور بتانا اور شاہ زندگی آٹھ سال کا ساتھ تھوڑا تو نہیں ہوتا ہم آٹھ سال ساتھ پڑھے ہیں کبھی میرے نام بھی پیغام بھیجو۔ مائنڈ مت کرنا یار! دعوے کے ساتھ کہہ رہی ہوں اور نوشابہ (چوٹالہ) تمہاری دوستی مجھے جی جان سے قبول ہے۔ فریحہ شبیر (شاہ نکڈر) تمہارے لیے بہت سی دعائیں ہمیشہ خوش رہو اور آباد رہو آمین۔ نادیہ یسین (ساہیوال) کیسی ہو تم؟ تمہارا اور میرا نام ایک ہے اور مجھے اپنا نام بہت پسند ہے۔ طیبہ شیریں (کوری خدابخش) تم نے خواہش کا اظہار کیا اور لو تمہارا پیغام آ گیا تو کیا تم ہماری دوستی کے وسیع خانے میں شامل ہونا پسند کروگی۔ ضرور بتانا ذرا لیٹ موقع ملا ہے اس لیے تفصیل سے لکھا ہے۔ دوستوں کو سلام آپ سب کی دوست۔

نادیہ کامران...... کہوڑ

آنچل فرینڈز اور پیاری عائشہ ملک ارم گل مہرو کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ! ڈیئر فرینڈز کیسی ہو آپ سب؟ طویل غیر حاضری کے بعد عائشہ ملک کے بے حد اصرار پر آخر خط لکھنے کا سوچ ہی لیا۔ بہت سی فرینڈز ناراض ہوئی ہیں کہ میں آنچل میں نہیں لکھتی یا انہیں برتھ ڈے وش نہیں کرتی تو مجھے کسی کو برتھ ڈے وش کرنا پسند نہیں اور سیکنڈ مجھے کسی کی برتھ ڈے یاد ہی نہیں رہتی۔ اس لیے ڈیئر فرینڈز آپ مائنڈ مت کیا کرو لائف اتنی بزی ہوگئی ہے کہ اپنے کاموں کے لیے بہت مشکل سے ٹائم نکالنا پڑتا ہے کیونکہ مجھے اسٹڈی کا شوق ہے اور بس اسی چکر میں کسی کو ٹائم نہیں دے پاتی لیکن پیاری عاشی کا بے حد اصرار تھا تو قلم اٹھانا ہی پڑا اور اب سمجھ نہیں آ رہی کیا لکھوں۔ عاشی تم بہت نائس ہو تم جیسی لڑکی اس دنیا میں میں نے کہیں نہیں دیکھی عورت ذات کا جذباتی نہ ہونا میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا۔ تمہاری مجھ سے بے حد محبت لفظوں میں بیان نہیں کرسکتی لیکن تمہاری بے لوث محبت کا حق تو شاید میں کبھی بھی ادا نہ کرسکوں اور ویری سوری یار! میں تم سب کو ٹائم نہیں دے پاتی۔ ابھی ایگزیمز سے فری ہونے کے بعد آنچل میں اسٹوری لکھنے کا سوچ رہی ہوں نازی آپی کے اصرار پر......؟ لیکن دو چار لائنیں لکھنے کے بعد میں اکتا جاتی ہوں دعا کرو میں اسٹوری مکمل کرلوں۔ چاندنی میڈم تم کہاں ہو؟ پڑھائی میں اتنی مصروف ہوگئی ہو کہ اپنی روشنی کو بالکل بھول چکی ہو۔ میں تم سے ناراض ہوں گندی بچی! اور میری پیاری سی فرینڈز سلمیٰ ملک ایمن شاہ اریبہ شاہ آپی سباس گل سندرہ اسلم کرن وفا آپی دعا نور شازمہ ثمینہ نوشی آپی آپ سب کو میری طرف سے ڈھیروں سلام اور محبت۔ دعا میں تمہاری صحت کے لیے بہت دعا کرتی ہوں اور لو یار! آنچل میں خط لکھ دیا اب تو شکوہ نہیں ہوگا تمہیں۔ میری پیاری سی نازیہ آپی کا سلسلے وار ناول "جھیل کنارا کنکر" بہت اچھا جا رہا ہے۔ اللہ آپی کو بہت عروج اور صحت والی زندگی دے آمین۔ سب فرینڈز سے میری مما آپی نازی اور میری صحت کے لیے دعاؤں کی درخواست ہے۔ آپی ام مریم بہت اچھا لکھ رہی ہیں بہت مصروفیت میں بھی وقت نکال کر آپ کا ناول ضرور پڑھتی ہوں اور آپ کی محبت کی بے حد مشکور ہوں اللہ آپ کو ترقی دے آمین۔ لاسٹ میں سب دوستوں سے درخواست ہے کہ میرے ایگزیمز کے لیے خصوصی دعا کریں کہ اللہ مجھے کامیابی

عطا فرمائے آمین اگر کسی دوست کا نام لکھنا بھول گئی تو ویری سوری۔ اللہ آنچل کو مزید کامیابی عطا فرمائے آمین۔

صوفیہ ملک...... ہارون آباد

نائس فرینڈز کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! پیاری پیاری فرینڈز آپ سب کیسی ہیں؟ یقیناً فٹ فاٹ ہوں گی مائی جانو سلمیٰ ملک بے حد اچھا لگا آپ کو جنوری کے آنچل میں دیکھ کر جانو جی پریشان مت ہوا کرو میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ پیاری صوفیہ ملک (مائی سویٹ ڈول) اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی کامیابی دے آمین اور بے حد شکریہ صوفیہ جی! زندگی اک عجب موڑ پر آ کھڑی تھی اور تم آئے۔ صوفیہ ملک رابعہ اکرم کرن وفا میں آپ کو ہمارا آنچل میں دیکھنا چاہتی ہوں آؤ گی نا میری درخواست ہے۔ ظل ہما آپ کے افسانے بہت اچھے لگے بہت بہت مبارک ہو۔ خوشی (لوٹ آؤ) آپی (شکریہ) جانان چند امثال فروا فرزانہ ملک حبہ حسین حمنہ نیناں شاہ نوشین اقبال رانی سحر شگفتہ خان شہزادی سعادت سدرہ صدیقی ام مریم ام کلثوم ظل ہما زنیرہ انصاری زوبی رانا دھڑکن بلوچ مریم عرفان رابعہ اکرم آپ سب کے ایس ایم ایس بہت اچھے ہوتے ہیں اور آپ سے باتیں کرکے بہت خوشی ہوتی ہے صائمہ قریشی سیمی نازیہ کنول نازی سمیرا شریف طاہرہ ملک مہوش ملک (واپس آجاؤ) انا جب آر جے اہل نمیناں اینڈ منزہ فاطمہ کے لیے ڈھیروں دعائیں اور سلام۔ میرے اچھے اور خوب صورت بھائی اکرم سالگرہ کی بہت بہت مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے اور آپ کو سلامت رکھے آمین۔ آپ ہمیشہ اسی طرح خوب صورت رہیں اور اچھی اچھی باتیں کرتے رہیں گفٹ آپ کو تب ملے گا جب آپ مجھے کیک کھلائیں گے۔ موموجی تھینکس آلاٹ ریڈ سوٹ بہت اچھا لگا دعا گو۔

عائشہ ملک عاشو...... وہاڑی

پھوپو امبر گل اور دیگر عزیز رشتہ داروں کے نام

ڈیئر پھوپو جانی! میری طرف سے آپ کو بہت بہت پپی ٹولی مبارک ہو۔ میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ساری زندگی خوش وخرم رہو اور اس سال آپ کے رینک اور میرے رشتے داروں میں اضافہ ہوجائے کیسا لگا سرپرائز ارے فکر مت کریں گفٹ بھی دوں گا۔ اگر میرے منی بکس میں کتاب جتنے پیسے جمع ہوگئے۔ پیارے دادا جان آپ بہت اچھے ہو کیونکہ آپ میرے لیے بہت سارے کھلونے لاتے ہو پھوپو اور مما کے کہنے کے باوجود مجھے ڈانٹتے نہیں ہو اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے اور آپ کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ قائم ودائم رکھے آمین۔ اچھے بابا! آپ کے اس پیار کا جو مجھے سارا دن چیزوں کی صورت میں ملتا ہے جس کے لیے آپ سارا دن محنت کرتے ہو تھینک یو سوچ۔ بس آپ مجھ سے پنگے مت لیا کرو اور میری پھوپو کو مت ستایا کرو آئی لو یو۔ نانو جب آپ اداس ہو یا سب کی یاد آئے تو ہمارے پاس آجایا کرو میں دو دن آپ کو دیکھ کر بہت خوش رہوں گا اور پھر خوب لڑائیاں کروں گا۔ دادی جان اور آفتاب لودھی ماموں آپکا گنڈا اور کالو آپ کو بہت یاد کرتا ہے اور روز رات کو کلمے پڑھ کر آپ کو گفٹ بھیجتا ہے اور بابا کے ساتھ قبرستان جا کر پھول ڈال کر دعا مانگ کر بھی آتا ہے (آپ لوگ مجھے چھوڑ کر اتنی جلدی کیوں چلے گئے ایک ہی تو دادی اور ماموں تھے میرے)۔ پیاری مامی صائمہ آفتاب! آپ مجھے یاد آتی ہو آپ کا میرا جانی کون کھیلنا گھٹنوں پر جھولے دینا دوپٹے سے بکری بنانا مجھے سب یاد ہے اللہ تعالیٰ آپ کو صحت زندگی اور صبر دے اور میرے بھائیوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے جانے آپ بھی اپنے شیر دل کو یاد کرتی ہیں کہ نہیں؟ ارسلان! مما نے بتایا تھا کہ تم نے اپنے اسکول میں ٹاپ کیا ہے بہت بہت مبارک ہو۔ میں نے آپ کی طرح بہت سارے مارکس لے کر 99.3% لی ہے۔ ایان بھائی کل آپ کے بلی نے آپ کی پسند کی نیکر شرٹ پہنی تھی آپ دونوں مجھے بہت یاد آتے ہو میرے آپ ہی تو بھائی ہو اور کون ہے۔ میری طرف سے آپ کو بہت سارا پیار اور مما اور چاچو کی طرف سے دعائیں...... ڈیئر مس ثوبیہ ریاض! میں نے ساری چھٹیاں بہت دعا کی کہ میری اگلی ٹیچر بھی آپ ہی بنو مگر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے آخر ہمارے جدائی اٹل ٹھہری سارا سال آپ نے میرا بہت خیال کیا اور میں نے بھی (تنگ کرکے) آپ مجھے پہلی ٹیچر کے طور پر ہمیشہ یاد رہو گی۔ میں نے ایک پیغام ہی سب کے نام لکھ دیا ہے اس لیے پھوپو برا مت ماننا کیونکہ اب میں بہت مصروف ہوگیا ہوں آفٹر آل کے جی ٹو میں جو آ گیا ہوں اسکول ٹیوشن قاری صاحب مما ٹیوشن...... اب بندے پر اتنا لوڈ ہو تو ایک ہی پیغام سب کے نام چلتا ہے ناں......

محمد ثمامہ جھنڈو...... سندھ

یادگار لمحے

جویریہ طاہر

حدیث پاک

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ "جوکوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت وبندگی کے لائق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں تو اللہ نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کردی ہے۔" (مسلم)

حمد

اس کی چاہت ہے میری چاہتوں سے زیادہ
مجھے محبوب ہے وہ میرے ماں باپ سے زیادہ
قصد کروں میں اپنی بات جب اس کو بتانے کا
وہ واقف ہے میری رگ رگ میری روح سے زیادہ
بتاتی ہوں ہر بات میں اک اک لمحہ اپنا
میرا ہم راز ہے میری قوتِ سوچ سے زیادہ
پڑتی ہے جو مصیبت لیتی ہوں نام اس کا
کرتا ہے وہ آسانی میری مشکلوں سے زیادہ
کرتا ہے تلقین صبر کی مجھے ہر اس گھڑی وہ
غمگین ہوتی ہوں جب میں اپنے آپ سے زیادہ
کہتی ہوں تیرا ساتھ مجھے چاہیے سدا
کہتا ہے ہوں قریب تیری رگِ جان سے زیادہ
پہنچے تکلیف مجھ کو کرتا ہے گناہ کم وہ
مہرباں ہے مجھ پر میرے گناہ سے زیادہ
ہوجا تو مطیع اس کی اے علمہ دل و جاں سے
کرتا ہے محبت وہ ستر ماؤں سے زیادہ

علمہ شمشاد حسین......کورنگی کراچی

خدا کا فرمان (فرشتوں سے)

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگادو
کاخِ اُمرا کے درو دیوار ہلا دو
سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹادو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو
کیوں خالق ومخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے ہٹادو
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنادو
تہذیب نویں کارگہ شیشہ گراں ہے
آداب جنوں شاعرِ مشرق کو سکھادو

شاعر: محمد اقبال

انوشہ طارق......کراچی

مجھے بس اس دفعہ پھر ووٹ دے دو

مرا منشور ہے بس خدمتِ قوم
مرا مقصود ہے بس عظمتِ قوم
مجھے پیاری ہے بے حد عزتِ قوم
رلاتی ہے مجھے یہ غربتِ قوم
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!
اگر میں اس دفعہ پھر جیت جاؤں
کروں گا کیا تمہیں کیا کیا بتاؤں
خوشی سے تم کہیں پاگل نہ ہوجاؤ
میں اپنے خواب کیا تم کو سناؤں
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!
نہ ہوگا ملک میں پھر کوئی کنگلا
ہر اک کنگلے کو دوں گا ایک بنگلا
کہ جس بنگلے میں ہوگا ایسا جنگلا
نظر آئے گا جس جنگلے سے منگلا
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!
نہ کوئی بعد ازاں فاقے کرے گا
چکن کھا کر مرے گا جو مرے گا
جو گھنٹہ بھر کوئی محنت کرے گا
تو سیم و زر سے اس کا گھر بھرے گا
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!
یہ سچ ہے قوم کو لوٹا ہے میں نے
معیشت کا کیا کونڈا ہے میں نے
تمہیں کچھ اس طرح مونڈا ہے میں نے
کوئی حربہ نہیں چھوڑا میں نے
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!
خدا جانے کہاں میں کھوگیا تھا
ضمیر آخر میرا کیوں سوگیا تھا
حکومت کا نشہ ایسا نشہ تھا
میں اک چلو میں الو ہوگیا تھا
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!
میرے کرتوت پچھلے بھول جاؤ
میں اک اک زخم کا بھردوں گا گھاؤ
چلو گھر چل کے تم کھاؤ پلاؤ
مگر للہ مجھے پر رحم کھاؤ
مجھے بس اس دفعہ اور ووٹ دے دو!

شاعر: عنایت علی خان

سمیرا غزل صدیقی......کراچی

بچے دورِ حاضر کے

میرے ساتھ کے گھر میں ایک مرزا صاحب رہتے ہیں' خدا کے فضل سے چھ بچوں کے والد ہیں۔ ان کے بچے بھی بے چارے بے زبان ہیں جب ان میں سے ایک روتا ہے تو باقی کے سب چپکے بیٹھے سنتے رہتے ہیں' جب وہ روتے روتے تھک جاتا ہے تو ان کا دوسرا برخوردار شروع ہوجاتا ہے' وہ ہار جاتا ہے تو تیسرے کی باری آتی ہے۔ رات کی ڈیوٹی والے بچے الگ ہیں' ان کا سُر ذرا باریک ہے' آپ انگلیاں چٹخوا کر' سر کی کھال میں تیل ٹھسوا کر' کانوں میں روئی دے کر لحاف میں منہ لپیٹ کر سوئیے ایک لمحے کے اندر آپ کو جگا کے اٹھا کے بٹھا نہ دیں تو میرا ذمہ...... خدا جانے آج کل کے بچے کس قسم کے ہیں' ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ ہم بقر عید کو تھوڑا سا رو دیا کرتے تھے اور کبھی کبھار کوئی مہمان آ نکلا تو نمونے کے طور پر تھوڑی سی ضد کرلی کیونکہ ایسے مواقع پر ضد کارآمد ہوا کرتی تھی لیکن یہ ہیں کہ چوبیس گھنٹے متواتر روتے ہیں' ایسی مشق ہم نے کبھی بہم نہ پہنچائی تھی۔

ماخوذ از...... مضامین پطرس

ہنی ایمان......کراچی

افسانچہ

تمہی بتاؤ کہ آخر میں کب تک تمہارا انتظار کروں' تمہارے ہجر وفراق کے یہ جاں گسل لحات میں کس طرح گزراوں؟ اس آہ و بکا وگریہ وزاری کا شاید تم پر کچھ اثر نہ ہو کیونکہ تمہیں میرے ان جذبات واحساسات کی کوئی پرواہی نہیں ہے۔ تمہاری حیثیت اس محبوب کی مانند ہے جو ایک جھلک دکھا کر طویل عرصے کی جدائی ان میں ڈال دیتا ہے' میں نے اکثر محسوس کیا ہے وقتِ رخصت تم اتنی شاداں وخوش وخرم ہوتی ہو کہ ایک منٹ کی تاخیر بھی تم پہ گراں گزرتی ہے میں تمہیں روکنے کے ہزار جتن کروں سب ہی بے سود رہتے ہیں اور تمہارا واپسی کا سفر ہمیشہ ہی طویل سے طویل تر ہوجاتا ہے' میں تمہارا انتظار کرتے کرتے ظلمت کی اتاہ گہرائیوں میں اتر جاتا ہوں اور بے ساختہ میرے منہ سے نکلتا ہے۔ یا اللہ آخر یہ لائٹ کب آئے گی؟

رنجش ہی سہی دل ہی دُکھانے کے لیے آ
آ پھر سے مجھے چھوڑ کے جانے کے لیے آ

ندا فاطمہ......کراچی

اچھی بات

ربّ کہتا ہے "کسی کو تکلیف دے کر مجھ سے اپنی خوشی کی دعا مت کرنا لیکن اگر کسی کو ایک پل کی خوشی دیتے ہو تو اپنی تکلیف کی فکر مت کرنا۔"

عائشہ پرویز......کراچی

کچھ باتیں پھولوں جیسی

❖ مصیبت کو پوشیدہ رکھنا جواں مردی ہے (شیخ سعدی)
❖ دولت کا بہترین مصرف یہ ہے کہ اس سے عزت وآبرو برقرار رکھو (حضرت امام حسینؓ)
❖ جانور کھانے پینے سے موٹا ہوتا ہے اور انسان اپنی خوشامد سن کر موٹا ہوتا ہے (جلال الدین رومی)
❖ اگر کسی کو کچھ دینا چاہتے ہو تو اسے اچھا وقت اور دعا دو کیوں کہ آپ ہر چیز واپس لے سکتے ہو مگر کسی کو دیا ہوا اچھا وقت اور دعا واپس نہیں لے سکتے۔
❖ اس دن پہ آنسو بہاؤ جو تم نے نیکی کے بغیر گزار دیا (حضرت ابوبکرؓ)
❖ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن پاک پڑھے اور پڑھائے (حضرت محمد صلی اللہ علیہ علیہ)

صائمہ طاہر سومرو......حیدرآباد سندھ

بینا اور نابینا

ایک دن اکبر بادشاہ نے ملا دو پیازہ سے کہا "بتاؤ دنیا میں اندھے زیادہ رہتے ہیں یا آنکھوں والے؟" ملا دو پیازہ نے بتایا کہ "حضور اندھے زیادہ رہتے ہیں۔" اکبر نے تعجب سے کہا "اس کا ثبوت؟" ملا دو پیازہ نے جواب دیا۔ "عالی جاں! دس روز کی مہلت دیں تو ثبوت دے سکتا ہوں۔" اکبر بادشاہ نے مہلت

دی۔ ملا دو پیازہ نے دوسرے ہی روز ایک چوراہے پر بیٹھ کر چرخے کے ذریعے بان بٹنے شروع کردیئے اور اپنے ہمراہ ایک منشی کو بٹھالیا جس کے پاس قلم دوات اور رجسٹر تھا۔ اب جو بھی راہ گیر ادھر سے گزرتا ملا دو پیازہ کو بان بٹتے دیکھ کر کہتا۔ ”ہیں...... ملا دو پیازہ آپ کیا کررہے ہیں؟“

ملا دو پیازہ منشی کو حکم دیتے ”لکھو اندھوں میں“ اور منشی اس کا نام معلوم کرکے اندھوں کی فہرست میں لکھ دیتا۔ اس طرح شام تک راہ گیر آتے رہے اور ملا دو پیازہ کو دیکھ کر تعجب سے پوچھتے کہ ”یہ کیا کررہے ہیں“ اور ملا دو پیازہ کے حکم سے منشی اس راہ گیر کا نام اندھوں کی فہرست میں شامل کردیتا۔ دن بھر میں صرف دو آدمی ایسے آئے کہ انہوں نے بان بٹتے دیکھ کر کہا ”ملا دو پیازہ بان کیوں بٹ رہے ہیں؟“ ان کو آنکھوں والوں کی فہرست میں شامل کرلیا گیا۔

دوسرے روز اتفاق سے اکبر بادشاہ ادھر سے گزرے اور حیرت سے سوال کیا ”ملا دو پیازہ یہ کیا کررہے ہیں؟“ ملا نے منشی کو حکم دیتے ہوئے کہا ”لکھو اندھوں میں۔“

اگلے ہی روز ملا دو پیازہ نے دونوں فہرستیں اکبر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیں۔ جب اپنا نام اور اپنے تین رتنوں کا نام بھی اندھوں کی فہرست میں دیکھا تو تیوریاں چڑھا کر کہا ”میرا نام اندھوں کی فہرست میں کیوں ہے؟“ ملا دو پیازہ نے دست بستہ بڑے ادب سے کھڑے ہوکر عرض کیا کہ ”حضور جب آپ دیکھ رہے تھے کہ ملا دو پیازہ بان بن رہا ہے، پھر بھی اس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا کررہا ہے تو کیوں نہ اندھوں کی فہرست بڑھادی جاتی۔“

یہ سن کر اکبر بادشاہ شرمندہ ہوکر ہنس پڑے۔

ملا دو پیازہ کا اصلی نام ابوالحسن تھا۔ اکبر بادشاہ کا انمول رتن ہونے کے ساتھ ساتھ ظرافت اور علمیت میں اپنی مثال آپ تھا۔

حنا فاطمہ...... کراچی

زندگی

مرجھائے ہوئے پھولوں نے کہا
”زندگی چند ساعتوں کی کہانی ہے“
علم نے کہا ”زندگی ایک بوجھ ہے“
دل نادان نے کہا ”زندگی مسکراہٹ ہے“
غریب نے کہا ”زندگی دکھوں کا گھر ہے“
دولت مند نے کہا ”زندگی عیش و عشرت کا نام ہے“
نجومی نے کہا ”زندگی قسمت کی فال ہے“

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

گناہ اور تلافی گناہ

❖ اگر گناہ فطرت کے چہرے پر ایک بدنما دھبہ ہے تو ندامت اور توبہ دوبارہ فطرت کی طرف پلٹ جانے کا نام ہے۔
❖ موت کے بارے میں نہ سوچنا دل کو زنگ لگ جانے کا نتیجہ ہوتا ہے اور موت کا ڈر ایمان کی کمی کی وجہ سے ہے۔
❖ تجھ پر اگر اللہ کا قہر نازل نہیں ہوا تو آپے سے باہر نہ ہو یہ سوچ کر کانپ جا کہ اللہ مہلت بھی دیتا ہے۔
❖ ماخوذ از: المیزان یا چراغ راہ

ثنا رحیم...... لاہور

اقوال حکمت

❖ اکثر لوگ زندگی کی کتاب پڑھنا شروع کردیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے زندگی کی زبان سیکھی ہو۔
❖ ہر دین کی پہچان الگ ہوتی ہے دین اسلام کی پہچان حیا ہے۔
❖ دل پر مصیبتیں آنکھوں کی وجہ سے آتی ہیں۔

نادیہ یٰسین...... ساہیوال

اچھی باتیں

❖ زندگی ایک بار ملی ہے اسے نیک اعمال کرکے آخرت کے لیے سنواریں ایسا نہ ہو وقت چلا جائے اور اعمال میں کچھ بھی نہ ہو۔
❖ آپ کی زندگی میں چند لوگ آپ کو تکلیف دینے کا کام کرتے ہیں ان کے اس کام پر افسوس مت کریں بلکہ خوش اخلاقی سے ان سے ملیں ہوسکتا ہے آپ کے اس فعل سے وہ شرمندہ ہوجائیں۔
❖ اپنے والدین کو ہر ممکن خوشی دو انہوں نے بچپن میں آپ کے ہر لاڈ کو پورا کیا ان کی ذمہ داری کو بوجھ مت مانو۔
❖ خوش رہیں مگر رب کو مت بھولیں۔
❖ آپ کبھی غور کریں اگر آپ کو پروردگار ایک دن روزی نہ دے تو کس کے پاس جائیں گے اس لیے اس دینے والی ذات کو بھی شکر ادا کرکے راضی کریں۔
❖ دوستی کو ہمیشہ نبھائیں کیونکہ یہ مخلص رشتہ بہت کم لوگوں کے نصیب کا حصہ بنتا ہے۔

شازیہ فاروق احمد...... خان بیلہ

ماں

✦ ماں ایک ایسی ہستی ہے جس سے سارا جہاں مہک جاتا ہے۔
✦ ماں کے بغیر گھر قبرستان کی طرح ہے۔
✦ ماں باپ کی خوشنودی دنیا میں باعث دولت اور آخرت میں باعث نجات ہے۔
✦ ماں کی قدر وہی جانتا ہے جس کی ماں نہیں ہے۔
✦ اگر دنیا آنکھ ہے تو اس کی بینائی ماں ہے۔
✦ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
✦ ماں نہ ہو تو گھر میں خوشی کے پھول نہیں کھلتے۔
✦ ماں دنیا کا مقدس رشتہ ہے۔

نامعلوم...... نامعلوم

ٹوٹا ہوا دل کیا ہے

✦ اس چڑیا سے پوچھو جس کا ایک ایک تنکے سے بنا ہوا گھونسلا کسی سنگ دل نے اس کی آنکھوں کے سامنے توڑ دیا ہو۔
✦ اس طوطے سے پوچھو جس کی آزاد پروازوں کو کسی شکاری نے پنجرے میں ڈال دیا ہو۔
✦ اس ماں سے پوچھو جس کا جوان بیٹا کسی حادثے میں چل بسا ہو۔

ناہید اختر...... کوٹ ادو

جواہرات سے قیمتی

♥ انسان اپنی توہین معاف کرسکتا ہے مگر بھول نہیں سکتا۔
♥ جس سے محبت کی جائے اس سے مقابلہ نہیں کیا جاتا۔
♥ کسی سے روز مل کر باتیں کرنا پیار نہیں بلکہ کسی سے بچھڑ کر یاد رکھنا پیار ہے۔

شاہدہ سیال، ببلی شہزادی...... دربار بری سلطان

اولاد کے لیے والدین کا پیغام

جس دن تم ہمیں بوڑھا دیکھو تو صبر کرنا اور ہمیں سمجھنے کی کوشش کرنا۔ جب ہم کوئی بات بھول جائیں تو ہم پر غصہ نہ کرنا اور اپنا بچپن یاد کرنا۔ جب ہم بوڑھے ہوکر چل نہ پائیں تو ہمارا سہارا بننا اور اپنا پہلا قدم یاد کرنا۔

جب ہم بیمار ہوجائیں تو وہ دن یاد کرنا اور یہ سوچ کر ہم پر خرچ کرنا جب ہم تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے اپنی خواہش قربان کرتے تھے۔

کائنات اشرف، کرن سحر...... بوسال سکھا

اٹل حقیقت

دنیا میں کوئی چیز اپنے آپ کے لیے نہیں بنی۔
دریا خود اپنا پانی نہیں پیتے۔
درخت خود اپنا پھل نہیں کھاتے۔
سورج اپنے لیے حرارت نہیں دیتا۔
پھول اپنے لیے خود خوشبو نہیں بکھیرتا۔
پتا ہے کیوں...... کیوں کہ دوسروں کے لیے جینا ہی اصل زندگی ہے۔

آنسہ شبیر عطاریہ...... ڈوگہ گجرات

مشرق و مغرب

مشرق تقدس اور معصومیت میں ڈوبے ہوئے شاہکار کا تصور ہے۔ مشرق کی بیٹی بھی اسی طرح معصوم ہے۔ اس کی آنکھوں میں حیا کی جھلک اور سانسوں میں پاکیزگی ہوتی ہے اسی لیے سورج نے بھی مشرق سے طلوع ہونا پسند کیا لیکن سورج ہر صبح مشرق سے طلوع ہوکر اجالا پھیلاتا ہے اور دن کا سفر طے کرنے کے بعد مغرب میں ڈوب کر ہر طرف گھور اندھیرا پھیلا دیتا ہے گویا درس دیتا ہے کہ مغرب کی طرف اندھا دھند مت بھاگو ورنہ تم بھی اندھیروں میں ڈوب جاؤ گے۔

فضہ یونس...... گنگا پور

اقوال زریں

☆ جس نے دنیا کی حقیقت کو جس قدر پہچانا اسی قدر اس سے بے رغبت ہوا۔
☆ صوفی وہ ہے جس کا دل خدا کے ساتھ صاف ہوا۔
☆ وہ رزق کی فراخی جس پر شکر نہ ہو اور معاش کی تنگی جس پر صبر نہ ہو فتنہ ہے۔
☆ اس تصور کے ساتھ قرآن مجید کا مطالعہ کرو کہ میرا رب مجھ سے مخاطب ہے۔
☆ اسلام نے عورت کو پردے کے ذریعے عزت دی، وہ چاہے تو اس عزت کو قبول کرے۔

سعدیہ کنول سعدی...... تونسہ

ماں کی محبت

ماں کے وجود سے جتنا پیار کیا جائے کم ہے۔ اس کی محبت چٹان سے زیادہ مضبوط اور پھول سے زیادہ خوب صورت ہے۔ جس نے اس کے وجود کو اہمیت نہ دی وہ دنیا میں کبھی بھی عزت کی زندگی نہیں گزار سکتا۔

گلاب جیسی خوشبو...... چودھویں کے چاند جیسی لازوال محبت اور تڑپ جب یہ تمام چیزیں ایک ہوجائیں تو ایک مقدس لفظ ماں بن جاتا ہے۔

عاصمہ اقبال...... عارف والا

آئینہ

شہلا عامر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! ابتداء ہے اس پروردگار کے پاک نام سے جو خالق کائنات ہے۔ مئی کا شمارہ آنچل کا سالگرہ نمبر دو آپ کے ہاتھوں میں ہے ایک طرف جہاں مدرز ڈے اور لیبرز ڈے کے حوالے سے یہ مہینہ اہم ہے وہیں دوسری طرف الیکشن کی صورت میں فیصلہ کی گھڑی بھی قریب ہے۔ اس موقع پر عوام کا فرض ہے کہ وہ پوری ایمان داری اور خلوص سے اپنے ووٹ کا درست استعمال کریں تاکہ ملک کی باگ ڈور وہ لوگ سنبھال سکیں جو اس ذمہ داری کے اہل اور مستحق ہیں۔ رب تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے وطن عزیز کو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عادل اور دیانت دار حکمران عطا فرمائے آمین۔

عائشہ پرویز...... کراچی۔ السلام علیکم! آنچل کی کیا تعریف کی جائے ہمیں تو اس میں ایک جہاں آباد نظر آتا ہے۔ آنچل میں بعض لوگوں سے ملاقات کرنا اس قدر پُرلطف ہوتا ہے جیسے سردیوں کی بارش جو دھیمے دھیمے برستی ہے (مجھے بارش سردی ہی کی پسند ہے ناں) یا مارچ اپریل کی چمکتی دھوپ یا نومبر کی گلابی شامیں یا پھر دسمبر کی آخری اداس (لطیف سی اداسی) بھری راتیں یا پھر...... ارے یہ کیا خط لکھنا تھا آنچل ڈائجسٹ کو اور میں نے موسموں کا احوال شروع کردیا ہے۔ کیا کروں آئینہ میں بعض خطوط اس قدر خوب صورت پیرائے میں لکھے ہوتے ہیں کہ پڑھ کے حسین رُتوں کا سا لطف آجاتا ہے اکثر خطوط میں تو اس قدر روانی، شوخی اور برجستگی ہوتی ہے کہ حیرانی ہونے لگتی ہے ویسے یہ کمال آپ کی ایڈیٹنگ کا ہے یا یہ لوگ خود ہی صاحب ہنر ہیں آنچل ڈائجسٹ سے میری تحریر میں نکھار آیا ہے اور میری شخصیت میں اعتماد بھی۔ میرا آنچل ڈائجسٹ کے علاوہ کوئی دوسرا ڈائجسٹ دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے اتنا ہی کافی ہے اس ماہ بشرط زندگی اگلے ماہ پھر شرکت کروں گی اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر عائشہ! آئندہ تبصرہ بھی کیجیے گا ہم منتظر رہیں گے۔

زنیرہ طاہر...... بھاولنگر۔ السلام علیکم! کیسی ہیں شہلا آپی اور پیاری پیاری لکھاری وقاری بہنیں اور زیست زونی کی بہاریں؟ اس ماہ کا آنچل امی جان نے اپنے مبارک ہاتھوں سے خرید کر دیا ورنہ ہمیشہ زنبیل زونی یعنی پاکٹ منی سے خریدنا پڑتا ہے۔ دن سیاہ رات کا عبایا پہنے کہیں چھپ گیا ہے اور چاند سرمئی و سفید بدلیوں کا لحاف اوڑھے دبک گیا ہے۔ ستارے چاند کی اس ادا پر واری صدقے دمک رہے ہیں، ٹھنڈی میٹھی ہوا اور پھر آنچل کا ساتھ۔ یہ کیا پانچ گھنٹوں بعد آنچل ختم اور گھڑی نے بھی رات کے تین بجنے کا اعلان کردیا۔ نازی آپ کو پڑھا ویل ڈن نازی آپی! کمال ہیں آپ۔ عشنا کے ساتھ محبتوں کے جزیروں کا سفر کیا اور "ٹوٹا ہوا تارا" میں شہوار کے ساتھ دو قدم چلے ہی ہیں کہ آگے نہ پوچھیں پیٹرول ہی ختم یعنی آئندہ اگلے ماہ۔ اقرا آپی بہت زبردست لکھتی ہیں آپ خواہشوں کے رنگین گلشن میں بھٹکتا ہوا انسان خود کو خزاں کے لیے تیار ہی نہیں کر پاتا اور حسرتوں کی گہری دلدل میں دھنس جاتا ہے ماہ رخ کے ساتھ بھی بالکل یہی ہوا ہے۔ ام مریم آپی اس دفعہ آپ نے ایک منفرد موضوع چنا ہے فاخرہ گل آپ نے واقعی گل کا حق ادا کردیا ماشاء اللہ! طلعت آپی "نئی کونپلیں" کی کلیاں بھی پھول بن جائیں گی اک دن اچھا لکھا مہر اور شمع نے۔ "چمن تم سے عبارت ہے" میں بہت اچھے نٹ کھٹ اور چٹ پٹے سے جوابات پڑھنے کو ملے۔ ہمارا آنچل میں خوشبو عظمیٰ، رضوانہ اور رابعہ مفتی سے ملاقات ہوئی۔ خوشبو آپ کا شعر بہت زبردست تھا۔ رابعہ مفتی کے جی کے بچوں کو پڑھانا اُف یار! میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے پڑھا پڑھا کر آخر میں جب پوچھو تو ایسا ہیجان انگیز جواب ملتا ہے کہ دل چاہتا ہے (اس سے آگے تم ہی پوچھنا)۔ اچھا دوستو یار و اللہ نگہبان۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ شہلا آپی آنچل اسٹاف اور قارئین السلام علیکم! آنچل سالگرہ نمبر بہت ہی زبردست تھا۔ سروے میں بہنوں کے جوابات بہت دلچسپ تھے۔ اقراء صغیر اور سمیرا شریف نے اس بار بھی اتنی اچھی قسطیں لکھ کر دل خوش کردیا لیکن نازیہ سے شکایت ہے نازیہ بہت کم لکھ رہی ہیں۔ "مجھے ہے حکم اذاں" بہت ہی زبردست ناولٹ ہے ام مریم کا۔ مکمل ناول عشناء کوثر اور فاخرہ گل نے تو سالگرہ نمبر کو چار چاند لگادیے۔ "بھائی لوگ" نادیہ فاطمہ رضوی کا ہلکا پھلکا ناولٹ پسند آیا۔ افسانے بھی خوب تھے اور "نئی کونپلیں" سلسلہ بھی پسند آیا اور بہنوں نے لکھا بھی بہت اچھا ہے، بہت اچھی طرح سے اپریل فول سے ہونے والے نقصان کو واضح کیا گیا اللہ تعالیٰ سب کو غیر مسلموں کی چالوں سے محفوظ رکھے آمین۔ سالگرہ اسپیشل میں نزہت جبیں نے بہت اچھے لفظوں میں آنچل کی تعریف کی بہت خوب۔ تعارف سب کے پسند آئے آنچل کے متعلق سمیرا غزل صدیقی کی نظم پسند آئی۔ بیاض دل میں حافظہ سمیرا، اقراء وسیم کے اشعار پسند آئے۔

یادگار لمحے میں عائشہ پرویز کا شعر بھی پسند آیا باقی کے تمام سلسلے بھی خوب تھے سب کو دعا والسلام۔

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر۔ ڈیئر آپی شہلا اسٹاف فرینڈز ریڈرز السلام علیکم! امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے آپ سب کو آنچل کی 35 ویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ ہمارے آنچل کو ہمارے سروں پر اور ہمارے دلوں میں ہمیشہ آباد رکھے آمین۔ رابعہ اکرم اور انا احب کہاں غائب ہو آنچل کی محفل آپ کے بغیر بہت اداس ہے۔ سندریا فرام ستیانہ، شکریہ ڈیئر! دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے لیے آنچل کے توسط سے آپ پہلی دوست ہیں (بھئی آپ کو بھی اپنی فرینڈز لسٹ میں شامل کرلیا ہے) ڈیئر نازی آپی آپ نے مارچ کے شمارے میں میرے نام پیغام لکھ کر مجھے میری برتھ ڈے کا گفٹ ایڈوانس میں دے دیا (تھینک یو سوچ آپی اینڈ لو یو سو مچ)۔ اب آتے ہیں پیارے آنچل کی طرف اب کے آنچل خلاف توقع 25 کو ہی مل گیا تھا۔ ٹائٹل پر بس ایک سرسری سی نظر ڈالی سب سے پہلے سرگوشیاں پڑھیں پھر یہ جان کر خوشی ہوئی آپی جویریہ پیا گھر سدھار گئی ہیں اللہ انہیں ڈھیروں خوشیاں، امان و تحفظ فراہم کرے آمین۔ "حمد و نعت" سے مستفید ہونے کے بعد در جواب آں کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے نازی آپی کو دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ دانش کدہ سے دماغ کی گرہیں کھولنے کے بعد بڑھے "ہمارا آنچل" کی طرف۔ چاروں فرینڈز کے انٹرویو اچھے لگے۔ خوشبو کیف اپریل میں آپ کی برتھ ڈے ہے دیکھو آنچل نے کتنا پیارا گفٹ دیا ہے۔ عظمیٰ جی آپ کا تعارف پسند آیا ویسے ایک بات تو بتائیں مارچ میں جو اسٹوری تھی "جنون راہ عشق کا" اس کی رائٹر آپ ہی ہیں نا۔ یہ جنون مجھے اچھا لگا ہے اور خوشبو کیف مجھے آپ کی کتاب کا انتظار رہے گا، ویسے نام تو اچھا ہے اب شاعری دیکھو کیسی ہوگی۔ "چمن تم سے عبارت ہے" میں سب کے خیالات جان کر اچھا لگا۔ اسپیشلی شمع مسکان، کنزہ مریم (ہم دونوں کا شوق ایک ہی ہے نا، چوڑیاں اور ڈائری) اور طلعت آپی کا بھی۔ "جھیل کنارا کنکر" مائے سوسٹ فیورٹ نازی آپی کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ نادیہ آپی کا "بھائی لوگ" مزا دے گیا خصوصاً شہزیم اور نیائش کی جھڑپ اور ایک دوسرے پر گولا باری۔ اقراء آپی کا "بھیگی پلکوں پر" بہت اچھا جارہا ہے۔ ایک نیا موڑ آیا ہے۔ "میرے پروں پر" عشنا آپی نے محبت کے بارے میں خوب لکھا، خاموش اور پُراسرار دل کے اندر چھپی ہوئی عالیان اور منال کی جوڑی اچھی لگی۔ افسانہ "خواب جو کونپل ہے" طلعت آپی کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا خصوصاً ان کی اپنی شخصیت کے بارے میں رائے۔ افسانہ بھی اچھا تھا شاید اسی کے لیے کہا جاتا ہے محبت کا اندازہ تب ہوتا ہے جب دونوں فریقین میں سے ایک دور ہوجائے۔ "ٹوٹا ہوا تارا" سمیرا شریف آپی یہ قسط بھی بہت اچھی رہی، مصطفیٰ کے بارے میں تو محبت ہوگئی بجا کہنا ٹھیک رہے گا۔ عائشہ لائبہ پارٹی نے بہت انجوائے کروایا، گانوں اور شاعری سے۔ انا اور ولید کی جوڑی تو ہے ہی پیاری اور شہوار جیسا تو کوئی بھی نہیں۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ "عمل محبت جزا محبت" فاخرہ گل کا ناول اچھا لگا پڑھ کر۔ آبگینہ حد سے زیادہ معصوم تھی جس کا فائدہ اٹھایا گیا اور آخر میں اس کے باپ کو کیا ملا خود تو جان سے گئے اور اپنے بچوں کو پاگل بنا گئے۔ آبگینہ کو صبر کا پھل ملا نشوان کی صورت میں۔ ویل ڈن آپی گل! سمیرا علی کا آنچل ہلکی پھلکی سی تحریر اچھی لگی (کیپ اٹ اپ)۔ ام مریم "مجھے ہے حکم اذاں" آپی کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ یہ قسط بھی اچھی رہی لاریب پر حد سے زیادہ غصہ آیا، یہ کہاں کا انصاف ہے خود ہی نکاح کیا اور پھر نکاح نامہ بھی جلادیا اور سکندر اتنا سیدھا ہے کہہ دیتا کہ میں نہیں دیتا اور شرجیل صاحب پتا نہیں کیا کرنے والے ہیں اور کیا نہیں۔ بس دعا ہے ایمان کے ساتھ برا نہ ہو۔ "نئی کونپلیں" نیا سلسلہ اچھا ہے اور پہلی بار میں ہی مہر گل اور شمع مسکان سیٹ پر براجمان نظر آئیں۔ مہر گل کی "اپریل فول" ایک سبق آموز کہانی تھی، میری طرف سے ڈھیروں مبارک باد۔ مہر آخر آپ بھی رائٹرز کی لسٹ میں شامل ہو ہی گئیں اور شمع مسکان کی "خوش فہمی" بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ نزہت آپی نے سالگرہ نمبر کو سالگرہ اسپیشل بنادیا، نازیہ آپی کی نظم ہمیشہ کی طرح اچھی لگی۔ فاطمہ عاشی کی "وقت کی بساط پر" اچھی تھی۔ شمع مسکان کی اسپیشل غزل اچھی تھی مزا دوبالا ہوجاتا اگر کہیں میرا نام بھی شامل ہوتا، اس کے علاوہ فصیحہ، نزہت، کومل اور سمیرا کی غزلیں بہت پسند آئیں۔ بیاض دل میں سب کے اشعار اچھے تھے۔ "یادگار لمحے" ماریہ انصاری کی لوڈشیڈنگ، عظمیٰ وجود زن، محبت زندگی ہے آپی نگہت اور چھوٹی بات جیا عباس کی پسند آئی۔ باقی سب نے بھی اچھا انتخاب کیا۔ آئینہ میں اپنی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ "دوست کا پیغام آئے" میں سب اپنے چاہنے والوں کو وش کرتے نظر آئے خصوصاً شاہ زندگی اور بشریٰ کو (دیکھ لو ہم سب کتنا پیار کرتے ہیں تم لوگوں سے)۔ اللہ تم سب کو ہمیشہ اپنی رحمت میں رکھے آمین۔ "ہم سے پوچھیے" میں کامران بھائی کو جواب اچھے ملے اسے کہتے ہیں سیر پہ سوا سیر۔ باقی سوال و جواب بھی مزے کے تھے کھٹے میٹھے سے۔ "کام کی باتیں" واقعی کام کی تھیں سو پلو سے باندھ لیں اور لو جی دو گھنٹوں میں آنچل ختم۔ اب پھر سارا مہینہ بلکہ پورے 25 دن انتظار۔ چلو آنچل نے ایک اور خوبی میں اضافہ کردیا آخر میں مئی میں جن ساتھیوں کی سالگرہ ہے انہیں ایڈوانس میں نیک تمنائیں اور ڈھیروں دعائیں۔ ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کا خیال رکھیں اور میرے لیے دعا بھی اللہ حافظ۔

☆ ڈیئر فریحہ! سالگرہ نمبر کے حوالے سے آپ کا تفصیلی تبصرہ اچھا لگا۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ٹائٹل بھی آپ کو پسند آئے دعاؤں کے

لیے جزاک اللہ۔

نورین شفیع...... ملتان۔ السلام علیکم! تمام پڑھنے اور آنچل کو جوڑنے والوں کیسے ہو؟ میں بالکل ٹھیک ہوں پہلے یہ بتایئے آپ لوگوں نے مجھے مس کیا؟ نہیں کیا چلو کوئی بات نہیں اس دفعہ آنچل 25 کو مل گیا ٹائٹل بس ٹھیک لگا' جلدی جلدی کھولا اور شروع ہو گئے۔ سب سے پہلے ''ٹوٹا ہوا تارا'' پڑھی' سمیرا جی پلیز پلیز انا کو ولید کے ساتھ ہی کیجیے گا اور یہ ولید بھی کتنا پاگل ہے ابھی تک انا کی محبت کو سمجھ نہیں سکا اور وہ عنذہ ایاز لگتا ہے شہوار اسی کو ملے گی۔ پلیز پلیز سمیرا آپی ایسا ظلم مت کیجیے گا شہوار اور ہمارے دلوں کے ساتھ اور نازی آپی! ان کی کیا تعریف کروں وہ تو ہیں ہی زبردست اور بھیگی پلکوں میں شیری کی دیوانی سے ڈر لگنے لگا ہے۔ ماہ رخ کا حال دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے اور شکر راحیل کی حقیقت سامنے آ گئی اب تو عائزہ کو سبق سیکھنا چاہیے اور پلیز پلیز ان سب کا رویہ پری کے ساتھ اچھا کردیں' باقی سب کہانیاں بھی اچھی تھیں اور مجھے سیجھ پر بے حد غصہ آیا کیسی بہن ہے جو اپنی بہن کے بارے میں کیسی گندی سوچ رکھتی تھی اور اس کا باپ دولت کی خاطر اپنی جان بھی گنوا بیٹھا اور شمع بہنا پہلا افسانہ لکھنے پر بے حد مبارک باد' خدا تمہیں بے حد ترقی دے اور مہر گل آپ کا افسانہ بھی اچھا لگا۔ صرف ایک چھوٹے سے مذاق نے کتنی زندگیاں برباد کیں' پلیز میری قارئین سے درخواست ہے مذاق کرنے سے پہلے سوچ لیا کیجیے آپ کے مذاق سے کسی کی دل آزاری یا نقصان نہ ہو اور ''مجھے ہے حکم اذاں'' میں لاریب پر بے حد غصہ آتا ہے' سمجھتی کیا ہے نجانے اپنے آپ کو اگر تمہاری محبت تمہیں نہیں ملی تو بے چارے سکندر کا کیا قصور' خود ہی اسے مجبور کرتی ہے نکاح کرنے پر اور خود ہی اس بے چارے کی بے عزتی کرتی ہے۔ سکندر کو نکاح نامے کی ایک کاپی اپنے پاس ضرور رکھنی چاہیے تاکہ بعد میں اگر کسی کو پتا چلے تو ثبوت تو ہو اور تنزنی مسلمان ہو جائے گا۔ ابھی سوائے کہانیوں کے کچھ نہیں پڑھا اور ایمن وفا کہاں ہو کیسی ہو؟ انتری دو جہاں بھی رہو خوش رہو۔ اچھا جی تبصرہ خاصا لمبا ہو گیا ہے' اللہ حافظ۔

مہرین آصف بٹ...... سہنسہ آزاد کشمیر۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف ریڈرز اینڈ رائٹرز کو پُر خلوص سلام۔ امید واثق ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے' اپریل کا آنچل زبردست تھا سالگرہ نمبر میں تبدیلیاں کی گئی ہیں' بہت اچھی لگیں' خاص کر رائٹرز کے بارے میں جان کر اچھا لگا اگر رائٹرز کی ایک عدد تصویر ہوتی تو کیا ہی اچھا ہوتا نیا سلسلہ ''نئی کونپلیں'' جو شروع کیا گیا ہے' بہت اچھا ہے اس سے بہت سی نئی لکھاری بہنیں سامنے آئیں گی۔ مہر گل اور شمع مسکان کو بہت مبارک باد اور جویریہ احمد کی شادی کی مبارک باد' اللہ تعالیٰ انہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین۔ ہمارا آنچل میں سب کے تعارف اچھے تھے آنچل کا سروے بھی اچھا تھا' سلسلہ وار ناولز اچھے جا رہے ہیں' فاخرہ گل کا ناول اچھا تھا۔ اچھے موضوع پر قلم اٹھایا' آنیکہ کے والد کا انجام بہت برا ہوا' ایسے لالچی لوگوں کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس نے اپنے ساتھ برا کیا بلکہ دونوں بچوں کو بھی تباہ کردیا' کاش کہ ایسے لوگوں کو وقت پر سمجھ آ جائے۔ حمیرا علی کا افسانہ آنچل سالگرہ نمبر کی مناسبت سے اچھا تھا' طلعت نظامی نے بھی بہتر لکھا۔ ام مریم کا ناولٹ اچھا جا رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنزنی عباس کو ہی تلاش کرتی ہے خیر یہ ہماری رائے ہے غلط بھی ہو سکتی ہے اور لاریب نے ایک غلطی تو کردی ہے' سکندر سے شادی کر کے اب وہ نکاح نامہ جلا کر دوسری غلطی کرتی ہے سیدھی طرح طلاق ہی لے لے۔ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے' دیگر سلسلے اچھے تھے اور شہلا آپی سالگرہ نمبر میں آنچل اسٹاف کے بارے میں بھی شائع کرتے اچھا لگتا تا آپ کے بارے میں جان کر۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنچل کو مزید ترقی دے آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیں اللہ تعالیٰ سب کو اپنے امان میں رکھے اللہ حافظ۔

صدیقہ' انیقہ ملک...... سمندری۔ السلام علیکم! آپی شہلا کیسی ہیں آپ؟ بزم آنچل کے تمام اسٹاف کو ہمارا چاہتوں بھرا سلام۔ اب ہم آتے ہیں شمارے کی طرف ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا آپی کا ناول بہت زبردست جا رہا ہے پلیز مصطفیٰ اور شہوار کو علیحدہ مت کیجیے گا۔ ''بھیگی پلکوں پر'' اقراء ڈیئر آپ کے ناول کی کیا بات ہے' طغرل اور پری کو ایک کر دیجیے گا' پلیز۔ تمام مکمل ناول بہت زبردست تھے ''جمیل کنارا کنکر'' کی کیا بات ہے نازیہ جی' نائس۔ پلیز زائر اور ثانیہ کے ساتھ کوئی زیادتی مت کیجیے گا' باقی افسانے بھی بہت اچھے تھے۔ ''بھائی لوگ'' بہت (مزاحیہ) اسٹوری تھی' پڑھ کے بہت مزا آیا۔ ''اپریل فول'' اور ''خوش فہمی'' بہت سبق آموز اسٹوریز تھیں آخر پہ ام مریم کا ناول بھی بہت زبردست جا رہا ہے' ویل ڈن۔ مگر لاریب کو یہ انتہائی قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا لیکن جیسے ہماری ام مریم کو بہتر لگے' ہمارے آنچل میں رابعہ مفتی کا تعارف بہت اچھا لگا پلیز ٹائٹل پر نیچرل سین دیا کریں۔ آخر میں آنچل کو اور اس کی ٹیم کو اللہ تعالیٰ کامیابیاں اور آسانیاں دے آمین۔ آپی ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا' والسلام۔

ام حبیبہ نذیر...... بوسال مصور۔ السلام علیکم! شہلا آپی کیسی ہو اور آنچل کا اسٹاف کیسا ہے یقیناً ٹھیک ٹھاک ہوگا اور پوری دنیا میں پہلے نمبر پر ہوگا۔ مختصر لفظوں میں یہ کہوں گی آنچل از دی بیسٹ' تمام افسانے' ناولز بہت ہی اچھے تھے۔ ماڈل بہت خوب صورت تھی بلکہ پورا آنچل ہی اچھا تھا' میرا خیال ہے تبصرہ بہت زیادہ ہو گیا ہے اب اجازت چاہوں گی مگر جانے سے پہلے سلام جہاں رہیں خوش

رہیں اللہ حافظ۔

نجمہ خان...... چکوال۔ السلام علیکم شہلا آپی! امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی آپی میں دو سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں لیکن آنچل میں خط پہلی بار لکھ رہی ہوں کیونکہ میں ڈرتی تھی کہ اگر آپ نے پہلی بار ہی میرا خط شامل نہ کیا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ آپی میری امی مجھے آنچل نہیں پڑھنے دیتیں لیکن پھر بھی کبھی دوستوں سے لے کر کبھی اپنی چھوٹی بہن یا بھائی سے کہہ کر آنچل منگوا ہی لیتی ہوں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ السلام علیکم! اس بار آنچل اپریل کا شمارہ رخسار کے سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے' دونوں سلسلے وار ناولز کے ساتھ ہی ''جمیل کنارا کنکر' بھائی لوگ' مجھے ہے حکم اذاں' یہ خواب جو کوئل ہے' اپریل فول' خوش فہمی'' بھی پسند آئے۔ نازیہ کنول نازی' فریدہ جاوید فری کی غزلیں' منیبہ نواز' مسز نگہت غفار' شگفتہ خان کے اشعار پسند آئے۔ ''ہمارا آنچل'' کے انٹرویو اور ہاف صفحہ کے انٹرویو میں کیا فرق ہے؟ کیا ہمارا آنچل کے انٹرویو آپ کا ادارہ لیتا ہے یا وہ خود بھیجتی ہیں؟ ہماری دعا ہے آنچل ہمیشہ لہراتا رہے' آمین۔ اجازت دیں خدا حافظ والسلام۔

☆ ڈیئر پروین! دونوں طرح کے تعارف قارئین خود ہی لکھتے ہیں اپنی مرضی سے۔ جس کا تعارف مختصر ہوتا ہے وہ ہاف صفحہ پر لگا دیتے ہیں ورنہ تو ہمارا آنچل کی ہی زینت بنتا ہے۔

نگہت بشیر...... ڈنگہ۔ السلام علیکم! پیاری شہلا آپی! اسدا خوش رہیں' سب سے پہلے تو آپ کا اور ادارے کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے بھی اپنے آنچل کے اوراق میں جگہ دی۔ اس دفعہ آنچل یکم کو ہی مل گیا تھا' تمام کہانیاں بہت ہی اچھی تھیں۔ ''چمن تم سے عبارت ہے'' میں تمام لوگوں کے خیالات اچھے تھے۔ میں بھی سمیرا شریف طور' ام مریم' نازیہ کنول نازی تمام اچھی رائٹرز کی کہانیاں پڑھنے کے بعد اپنی بھی کہانی پڑھنا چاہتی ہوں۔ اس دفعہ ایک کہانی بھیج رہی ہوں اس امید پر کہ وہ آپ کے معیار پر پوری اترے گی' ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اللہ حافظ۔

نبیلہ چوہدری...... لاہور۔ السلام علیکم آنچل اسٹاف اور ریڈرز کو۔ شہلا آپی کیسی ہیں؟ امید ہے خیریت سے ہوں گی۔ آنچل سے وابستہ ہوئے ہمیں تین چار سال ہو گئے ہیں پڑھ پڑھ کر اب ہمارا دل بھی کر رہا تھا کہ کیوں نہ خط لکھا جائے مگر میں تبصرہ نہیں کروں گی' میں نے تعریف کے لیے خط لکھا ہے آنچل زبردست ہے' لکھاری بہنوں کی کہانیوں سے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور سمجھنے کو ملتا ہے۔ سلسلے وار ناول بھی اچھے ہیں' افسانے' ناول' ناولٹ بقیہ سارے حصے اور سلسلے بھی زبردست ہیں۔ میں تو لکھتے ہوئے بھی کنفیوز ہو گئی ہوں کہ کیسے؟ اور کیا لکھوں مجھے رائٹرز کے انٹرویو پڑھ کر زیادہ مزا آتا ہے ان کے بارے میں جان کر آنچل سے وابستہ سارے لوگ خوش رہیں آباد رہیں' جو ہم بہنوں کے لیے اتنا کام کر کے ماہنامہ آنچل ہم تک پہنچاتے ہیں (گھروں تک نہیں وہ تو ہم خود خریدتے ہیں) میں اس کے لیے صرف دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔

☆ اچھی گڑیا! تعریف کا تہہ دل سے شکریہ آئندہ باقاعدگی سے تبصرہ کرتی رہیے گا۔

فوزیہ سلطان...... تونسہ شریف۔ السلام علیکم! ہمارے پیارے آنچل کے پیارے پیارے قارئین! آنچل کا ٹائٹل درست تھا (مطلب زیادہ اچھا نہیں تھا) تعارف پر پہنچے عظمیٰ شاہین صاحبہ آپ کو آپ کی دیوانگی قبول ہو مگر افغانستان پر آپ کو غصہ آتا ہے آپ کی یہ بات میرا دل چھلنی کر گئی۔ انڈیا' امریکہ کا تو سمجھ میں آتا ہے مگر افغانستان کیوں؟ پاک سرزمین ہے' افغانستان پر تو وہ ظلم ہو رہے ہیں جو سن کر دل پھٹتا ہے آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں' خیر بات بری لگی تو سوری مگر میں برداشت نہیں کر سکی۔ باقی تمام آنچل بیسٹ تھا ''بھیگی پلکوں پر'' اُف یہ کہانی تو سمجھو اسٹاپ پر ہے۔ کچھ کہانی میں ٹوئسٹ لائیں۔ ''مجھے ہے حکم اذاں'' ام مریم یو آر گریٹ' ویری ویل کہانی زبردست ہے۔ عباس کے بارے میں زیادہ لکھا کیجیے ہی از مائی فیورٹ کریکٹر۔ نازیہ آپی ''جمیل کنارا کنکر'' عجیب کہانی ہو گئی ہے اب تو پلیز آپی! مائنڈ نہ کرنا مگر یہ سچ ہے کہ اب کہانی ویسی نہیں رہی۔ ''ٹوٹا ہوا تارا'' سمیرا آپی! آپ کی کہانی بیسٹ ہے پلیز اب شہوار کی شادی مصطفیٰ سے کردیں اور انا اور ولید کو بھی الگ نہ کرنا' عشناء کوثر کی کہانیاں مجھے اسٹار پلس کے ڈراموں کی طرح لگتی ہیں۔ اس بار بھی ایسی ہی تھی۔ ''بیاض دل'' میں رخسانہ اقبال کا انتخاب اچھا تھا۔ یادگار لمحے میں نورین شاہد کی بات پسند آئی' عائشہ پرویز نے غور طلب بات لکھی۔ ''دوست کا پیغام آئے'' سدرہ شاہین شکریہ سلام بھیجنے کا اور وہ بھی محبت بھرا' تمہیں بھی ڈھیر سارا پیار میری طرف سے۔ ''ہم سے پوچھیے'' کامران خان کو دیئے گئے جوابوں پر مت پوچھیے کتنا ہنسی میں' اچھا اب اجازت دیجیے زندگی نے دی مہلت تو پھر ہوں گے حاضر۔ ہمارے ساتھ رہیے' اللہ حافظ۔

نادیہ یسین...... ساہیوال۔ السلام علیکم! امید ہے آپ سب فٹ فاٹ ہوں گے 26 کو آنچل کا پتا کروایا نہ ملنے پر دل تھام کر رہ گئے مگر سانس تو تب اٹکی جب اگلے دن لڑکی نے کہا کہ میں نے تو کل منگوالیا۔ ہمارے چہرے کے زاویئے دیکھ کر بولی کہ پہلے آپ

پڑھ لو..... اندھا کیا چاہے دو آنکھیں اور نیکی اور پوچھ پوچھ کے عین مطابق جھٹ راضی ہوگئے۔ منگوایا اور تقریباً تین چار گھنٹے میں ہضم۔ آنی جانی سے سرگوشیاں کرتے اور حمد و نعت سے دل کو منور کرتے آگے بڑھے۔ چاروں فرینڈز سے مل کر اچھا لگا خوشبو کیف یار! آپ تو حفظ کر چکی ہو میرے لیے بھی دعا کرو۔ زیادہ بولنا دوسروں کو ہنسانا' گوشت میں صرف چکن پسند ہونا اور تو اور گردے کی پین اور چشمہ کافی کچھ ملتا ہے۔ عظمیٰ جی اتنی مہنگائی میں پرستان کی سیر والی آفر پر ذرا نظر ثانی کریں اور زوبی کی طرح میرے دل میں بھی سید ذات کے لیے بہت عقیدت و احترام ہے۔ رابعہ مفتی اللہ آپ کو ہر موڑ پر کامیابی دے۔ جہاں سروے میں اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی وہیں طیبہ نذیر کا ایک ٹاپک پر اظہار خیالات والا آئیڈیا کافی دل کو بھایا۔ نازی جی خوب لکھا پلیز زائر اور ثانیہ کا پرابلم حل کر کے پھر ایک کر دیجیے گا۔ نادیہ فاطمہ رضوی نے شبنم یم ہو یا جراثیم اور نیائش ہو یا فرمائش جیسے فقروں پر ہنساتے ہوئے آخر کوں سے منوا ہی لیا کہ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ۔ اقراء جی ویل ڈن پلیز عائزہ اور فاخر کا تعلق برقرار رہے اور جناب شیری نے جس بھی نیت سے عادلہ کی طرف قدم بڑھائے ہیں وہ سب ایک طرف میرے خیال میں تو دونوں کا کپل ہے ٹھیک رہے گا کیونکہ ہماری پری کے لیے طغرل بھائی کافی ہیں اور رخ کی سزا ابھی ختم کریں اور عشناء جی کے ناول میں عالیان ملک نے منال جعفری سے اپنا آپ منوا ہی لیا۔ طلعت نظامی' حمیرا' شمع مسکان' مہر گل نے کافی اچھا لکھا۔ سمیرا جی ویل ڈن بہت اچھا لکھا۔ جہاں عائشہ اور صبا کے ہاتھوں شہوار اور مصطفیٰ کی بننے والی درگت مزا دے گئی وہیں انا کا دکھی ہونا پریشان ہونا ہمیں دکھی کر دیتا ہے۔ بے شک یک طرفہ محبت بہت اذیت دیتی ہے پر پلیز آپی جی آپ انا کی محبت کو یک طرفہ نہ بننے دینا۔ پلیز جلدی جلدی وہ ٹائم لائیں جب ولی کا دل انا کی طرف دیکھ کر دھڑکے گا۔ ولی روشی اور شہوار کا میرے خیال میں کوئی نہ کوئی تعلق تو ہے ہی۔ فاخرہ جی یہاں تو خون سفید ہوتے دیکھے ہیں وہ تو پھر سوتیلے رشتے تھے۔ ام مریم اب ہندی کو ڈاکٹر زینب کے ذریعے نہ صرف کلمہ پڑھوانا بلکہ اچھی مسلمان بنانا بھی آپ کی ذمہ داری ہے اور لاریب کی اس بے وقوفانہ حرکت سے کیا تعلق ختم ہوگیا ہے؟ بیاض دل میں سارہ شاہ' زندگی' حافظ سمیرا اور شاہ نور کے اشعار اچھے لگے۔ آئینہ میں ثوبیہ کوثر کو اپنے اوپر قہقہہ لگاتے دیکھ کر ہم بھی ہنس دیے۔ باقی آنچل بھی اچھا تھا' اب اجازت پھر ملیں گے بشرط زندگی بفضل خدا۔

یاسمین کنول پسرور...... سیالکوٹ۔ السلام علیکم! دیگر احوال یہ ہے کہ اپریل کا آنچل اچھا لگا' مہندی لگے ہاتھوں والی ماڈل کا انداز پیارا لگا۔ سالگرہ کی اتنی پیاری تیاری پر مبارک باد قبول فرمائیں۔ الحمد للہ آنچل 35 سال کا کڑیل جوان ہوگیا ہے۔ جویریہ احمد کی شادی خانہ آبادی 28 مارچ کو ہوئی' اللہ تعالیٰ انہیں اپنے گھر کی حقیقی خوشیاں عطا فرمائے اور ان کے والدین کو ان کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے' ہمیشہ شاد و آباد رہیں آمین ثم آمین۔ سالگرہ کا بہترین تحفہ رائٹرز کے بارے میں معلومات مہیا کرتا ہے۔ مہر گل کی تحریر "اپریل فول" متاثر کن رہی' یکم اپریل کو پڑھی اس لیے زیادہ اہم لگی۔ ایک مذاق نے ہنستا بستا گھر تباہ کر ڈالا۔ "خوش فہمی" بھی اچھی لگی' نئے لکھنے والوں میں صلاحیت ہے آپ نے درست رائٹر کا انتخاب کیا۔ نازیہ کنول کا ناول اور غزل دونوں قابل تعریف ہیں' اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ "چمن تم سے عبارت ہے" سروے پسند آیا۔ مختصر یہ کہ اپریل کا آنچل بہترین اور دلکش رہا' والسلام۔

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ۔ سلام دوستو! امید ہے سب پُرامن ہوں گے جی آئینے سے طویل غیر حاضری کے بعد ہم حاضر ہیں۔ آنچل کے تمام رائٹر اور قارئین کو آنچل کی سالگرہ مبارک۔ اپریل کا آنچل ہمارے سامنے پڑا ہے ٹائٹل گرل کے صرف بال پسند آئے۔ "حمد و نعت" اور "دانش کدہ" کے بعد تمام مستقل سلسلے پڑھے' بہت اچھے رہے۔ عشرت جی آپ کا پیغام مل گیا' دوستی دل و جان سے قبول ہے اب خوش۔ "یادگار لمحے" میں حنا علی اور سعدیہ یوسف نے خوب لکھا۔ "بیاض دل" میں آنسہ یاسمین کنول' نبیلہ خان اور اقصیٰ زرگر کے اشعار' نازی جی زبردست نظم ویل ڈن۔ سامعہ ملک' حکیم خان حکیم' فوزیہ اکبر' فریدہ جاوید فری' چندا اسٹال' برکت راہی اور سباس گل سب کی غزلیں اچھی لگیں۔ باقی ابھی پڑھا نہیں۔ بجلی بھی چلی گئی سو دوستو! اب ہم چلے جون میں میری شادی کی سالگرہ (پہلی) اور شوہر کی پہلی برسی ہے' التماس دعا۔

☆ ڈیئر سید جیا عباس! آئینہ میں کافی عرصے بعد شریک محفل ہونے پر خوش آمدید۔ آپ کی شادی کی پہلی سالگرہ پر جہاں خوشی ہوئی وہاں آپ کے شوہر کی برسی کا سن کر دل شدید غم سے بھر آیا' اس موقع پر اللہ تعالیٰ آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کے شوہر کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔

رملہ ایمل...... جہلم۔ السلام علیکم! امید کرتی ہوں آنچل اور آنچل کا تمام اسٹاف خیریت کے ساتھ ہوگا' میری دعا ہے کہ آنچل بہت زیادہ ترقی کرے اور ایسی سالگرہ منائے جو خوشیوں کا پیغام لے کر آئے آمین۔ اب ذرا تبصرہ ہو جائے ناول پر' سب سے پہلے "ٹوٹا ہوا تارا" پڑھا جس کا بے صبری سے انتظار تھا' کہانی بہت زبردست ہے لیکن سمیرا جی سے ایک شکایت کہ پلیز تھوڑا زیادہ لکھا کریں جب مزا

آنے لگتا ہے کہانی دلچسپ ہوتی ہے تو جاری کا نوٹس نظر آتا ہے جیسے "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کی ناول ٹاپ آف دی لسٹ ہے پھر "بھیگی پلکوں پر" گئے ناول کافی سست روی سے آگے جا رہا ہے۔ بہرحال اسٹوری کافی گھریلو ہے مجھے پری کا کریکٹر کافی پسند ہے اور میری گزارش ہے کہ پلیز طغرل اور پری کا ساتھ رہے اور پلیز ماہ رخ کا خواب اب ختم کر دیں' بس تبصرہ یہیں تک۔ آخر میں آنچل کے لیے ہزاروں دعائیں۔

عمارہ انمول...... جہلم۔ السلام علیکم تمام آنچل قارئین! امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے اب آتے ہیں تبصرے کی طرف' سب سے پہلے ناول "جھیل کنارا کنکر" کافی اچھا جا رہا ہے آپی آپ کا ناول ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھا۔ "ٹوٹا ہوا تارا" اور "بھیگی پلکوں پر" کافی زبردست تھا' آنچل اس دفعہ لیٹ ملا اس لیے اتنا ہی تبصرہ کر پائے۔ آخر میں سب فرینڈز سے گزارش ہے کہ مئی میں میرے ڈیڈی کی برسی ہے تو ان کی بخشش کے لیے دعائے مغفرت کر دیجیے گا کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کرے آمین۔

☆ اچھی عمارہ! آپ کے والد کی برسی کا سن کر دل غم سے بھر آیا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

نورین شاہد...... رحیم یار خان۔ السلام علیکم! کیسے ہیں تمام قارئین اور آنچل اسٹاف! پہلے تو آنچل کو اور تمام اسٹاف کو بہت بہت مبارک باد سالگرہ نمبر تو ہماری امیدوں سے بڑھ کر شاندار نکلا' کچھ تبدیلیاں اچھی لگیں۔ نازیہ آپی کے بارے میں تھوڑا سا جان کر بھی بے حد خوشی ہوئی آپ کے ناول کی تو کیا بات ہے۔ سمیرا آپی سے بھی ملاقات زبردست رہی آپی پلیز شہوار اور مصطفیٰ اور انا اور ولید کو ہی کپل بنانا باقی پرفیکٹ ہے۔ اقراء آپی! طغرل کو واپس بلانے کا شکریہ پلیز شیری کی منزل پری نہیں ہونی چاہیے۔ "چمن تم سے عبارت ہے" بڑا زبردست سلسلہ ہے' اتنے اچھے جوابات تھے کہ جیسے میں نے خود ہی دیئے ہیں۔ "سالگرہ مبارک" بھی مزا آ گیا اور میرے منہ میں بھی پانی آ گیا' اتنا مزے دار کیک اور چٹ پٹے کھانے اور ہو سکتا تھا میں بھی ایک دو سوٹ بنوا ہی لیتی' بہت زبردست تحریر تھی۔ ام مریم آپ کے ناولٹ کا تبصرہ آخر میں کریں گے۔ "غزلیں نظمیں" نئے شاعروں کی آمد متاثر کن ہے لفظ لفظ موتی کے مصداق باقی رسالہ زیر مطالعہ ہے' دو مہینے کے بعد تبصرہ کیا ہے دل تو چاہتا ہے کہ لکھتی جاؤں مگر یہ بجلی اور قلم کی سیاہی رکاوٹ بن گئی ہے' اجازت دیں اللہ حافظ۔

کشور غفار...... عبد الحکیم۔ السلام علیکم! میری طرف سے پیاری شہلا آپی اور تمام قارئین اور رائٹرز کو پُرخلوص سلام! آنچل اس دفعہ 25 کو ملا ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ سب سے پہلے سمیرا آپی کا ناول پڑھا' سمیرا آپی! آپ کا ناول بہت اچھا جا رہا ہے اور نازی آپی! آپ کا ناول بھی بہت اچھا جا رہا ہے' جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ امید ہے اس ناول کا اینڈ بھی ایسا ہی کریں گی جیسا "پتھروں کی پلکوں پر" کا کیا تھا' ویسا ہوتا تو وہی ہے جو ہم چاہتے ہیں اس کے علاوہ آنچل کے تمام سلسلے بھی بہت اچھے ہیں۔ باقی تبصرہ اگلے ماہ کروں گی کیونکہ آنچل ابھی پورا نہیں پڑھا' آخر میں آنچل کی کامیابی کے لیے دعا ہے اللہ تعالیٰ آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔

کشش زہرہ...... تلہ گنگ۔ السلام علیکم! آپی کیا حال ہیں؟ امید ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ہوں گی۔ میں آنچل برسوں سے پڑھ رہی ہوں اس کی تمام رائٹرز بیسٹ ہیں بالخصوص عشناء کوثر اور نازیہ کنول نازی کی میں فین ہوں۔ "غزلیں نظمیں" میں شکیلہ انجم کی نظم پسند آئی۔ "بیاض دل" میں اقراء وسیم کا شعر بہت پسند آیا۔ اس کے ساتھ ہی اجازت' اللہ حافظ۔ اللہ آپ سب کو لمبی زندگی دے آمین۔

☆ اچھی کشش! پہلی بار شرکت پر خوش آمدید دعاؤں کے لیے شکریہ۔

منیبہ نواز...... صبور شریف۔ اپریل کا آنچل 27 مارچ کو ہی مل گیا اور دل باغ باغ ہوگیا جب آنچل دیکھا تو نہیں تو 30 یا 2,1 کو جا کر ملتا ہے اتنا انتظار کرواتا ہے نا۔ اس ماہ ماڈل بھی کافی پیاری لگ رہی تھی سب سے پہلے "حمد و نعت مصطفیٰ ﷺ" کو پڑھ کر دلوں کا سرور حاصل کیا پھر سلسلے وار ناول پڑھے سارے سلسلے وار ناول اچھے تھے۔ افسانے بھی اچھے تھے بور نہیں ہوئے پڑھ کر۔ ماشاء اللہ سے آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے' ان شاء اللہ مزید اور بھی ترقی کرے گا آمین اور آنچل کے تمام اسٹاف کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں کہ اللہ آپ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے' مختصر سا لکھ رہی ہوں اس امید کے ساتھ کہ اب کی بار ردی کی ٹوکری میں میرے لیے جگہ نہیں ہوگی۔

شازیہ فاروق احمد...... خان بیلہ۔ شہلا عامر اور آنچل کی ٹیم' پڑھنے والوں کو السلام علیکم! میں پچھلے تین سال سے آنچل پڑھ رہی ہوں آج پہلی بار آئینہ میں لکھ رہی ہوں امید کرتی ہوں خوش آمدید کہا جائے گا۔ آنچل کا ہر سلسلہ زبردست ہے اور معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ بھی اگر جگہ مل گئی تو آئندہ تفصیل سے لکھوں گی اب اجازت' اللہ نگہبان۔

☆ اچھی گڑیا! آپ نے خاموشی کا قفل توڑ کے آئینہ کی محفل میں شرکت کی' بہت اچھا لگا۔ آئندہ باقاعدگی سے حاضری لگواتی رہیے گا' آنچل کی پسندیدگی و تعریف کا تہہ دل سے شکریہ۔

اب اگلے ماہ تک کے لیے رخصت اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے وطن عزیز کو اور ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

ہم سے پوچھئے

شمائلہ کاشف

مدیحہ نورین...... برنالی

س: اتنی ناانصافی اچھی نہیں جو پچھلے دو ماہ سے آپ میرے ساتھ کررہی ہیں؟

ج: اور اس ماہ اپنی شرکت پر کیا رائے ہے آپ کی؟

س: لوٹ کے بدھو گھر کو آئے بھلا کیوں؟

ج: لوٹ کے بدھو گھر بھی نہ جائے تو کہاں جائے۔

س: اسمبلیوں کے ٹوٹنے سے کیا لائٹ کا کنکشن بھی ٹوٹ گیا ہے؟

ج: آثار تو کچھ ایسے ہی لگ رہے ہیں۔

تانی نایاب شازی...... گوجرہ

س: پہلی دفعہ آپ کی محفل میں شرکت کررہی ہوں کیسا لگا آپ کو؟

ج: خوش آمدید۔

س: اپیا! کیا واقعی "شوق دا کوئی مول نئی؟"

ج: ہوں...... بس شوق معقول ہو۔

س: ایگزامز سر پر ہیں پلیز دعا کیجیے گا؟

ج: اتنا سر پر مت چڑھاؤ' اللہ تعالیٰ ہر امتحان میں کامیاب کرے۔

س: مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے کیا کروں؟

ج: کاغذ اور قلم سے محبت کروں بس۔

شازیہ فاروق احمد...... رحیم یار خان

س: السلام علیکم شمائلہ جی! میں دو بار آپ کی محفل میں سوالات بھیج چکی ہوں' شاید آپ کو یا آنچل ٹیم کو میری آمد اچھی نہیں لگی؟

ج: بہارو پھول برساؤ...... خوش آمدید۔

س: چلیں ناراضگی کو دور کرکے آپ سے معافی مانگ لی اب تو مسکرا کر جواب دیں؟

ج: ہم تو ناراض ہی نہیں تھے کبھی۔

س: غریبوں کو دنیا نظر انداز کیوں کرتی ہے' کیا جانتی نہیں حشر کے روز کسی کو کسی پر برتری نہیں ہوگی سوائے اعمال کے' تو کیوں ایسا ہوتا ہے؟

ج: یہی دستورِ دنیا ہے۔

س: آپ کی محفل میں روشنی کے اضافے کا سبب ہے جیسے آنچل بنا پھولوں کے پھیکا ہے ویسے ہی ہمارا آنچل آپ کی گفتگو کے بنا ادھورا ہے؟

ج: مکھن نا لگاؤں ویسے ہی مہنگا ہوگیا ہے۔

س: آپ سے گزارش کروں اچھا کرہی دیتی ہوں' آپ کہیے ناں...... پروین افضل شاہین صاحبہ سے بھی ہمیں آنچل میں مخاطب کریں' کہیں گی نا؟

ج: چلو کردی تمہاری سفارش اب تو خوش ہوجاؤ۔

فاخرہ ایمان...... لاہور

س: ہم سے ایسی کون سی خطا ہوئی ہے جو آپ ہمارا خط کئی ماہ سے آنچل میں شائع نہیں کررہیں؟

ج: خطا آپ کی نہیں بلکہ محکمہ ڈاک کی عنایت خاص ہے آپ پر بس۔

س: تم چین ہو' قرار ہو' میرا عشق ہو' میرا پیار۔ بھلا کون جلدی بتائیں؟

ج: وہی جن کے نام پر آپ کا چہرہ گل وگلنار ہوجاتا ہے۔

س: اجازت چاہوں گی' آپ کو خاصا تنگ کیا' صدا مسکراتی رہیں اور ہمارے جوابات دیتی رہیں؟

ج: آمین۔

ثانیہ عبدالغفور مغل...... للیانی' سرگودھا

س: شمائلہ آپی! السلام علیکم! میں نے اپنے بیٹھنے کی خود ہی جگہ ڈھونڈ لی بُرا تو نہیں لگا؟

ج: بُرا کیوں لگے گا۔

س: پہلی بار آنے کی جسارت کی ہے امید ہے مہنگی نہیں پڑے گی؟

ج: آپ ہی بتائیں مہنگی پڑی کہ سستی۔

س: اگر کوئی آپ کو دادی یا نانی کہہ دے تو آپ کو کیسا لگے گا؟

ج: یہ تو اس پوتے یا نواسے کو ہی بتائیں گے۔

دیا خان خٹک...... میانوالی

س: وفا کے بدلے وفا کیوں نہیں ملتی؟

ج: جب آٹے کے بدلے آٹا اور چینی کے بدلے چینی نہیں مل سکتی تو وفا کے وفا کیسے ملے گی۔

س: زندگی سے تھکن کب محسوس ہوتی ہے؟

ج: جب انسان اپنے آپ سے تھک جاتا ہے۔

س: اپیا وہ...... کدھر ہے؟

ج: گیارہ مئی کو آئیں گے وہ۔

س: اپیا میرے جلدی حافظہ بننے کے لیے دعا دیں؟

ج: ان شاء اللہ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

یاسمین کنول...... پسرور

س: سنا ہے الیکشن ہونے والے ہیں کیا واقعی؟

ج: امید پر تو دنیا قائم ہے ہی۔

س: اس انداز سے پھر بہار آئی...... ہوئے ہیں مہرو ماہ تماشائی...... کس نے کہا تھا؟

ج: غالب نے کہا ہے۔

شاہ زندگی...... راولپنڈی

س: ہم ہمیشہ اس شخص کو دل میں جگہ کیوں دیتے ہیں جو کبھی ہمارا نہ ہوگا؟

ج: تو جگہ دینے سے پہلے کیوں نہ سوچا۔

س: محبت دل کا درد ہے یا سر کا درد؟

ج: دل کا بھی اور سر کا بھی۔

س: تُو ہی میرا...... تُو ہی میرا سب کچھ ہے کیا چیز؟

ج: مرغے کا انڈا......

س: آنکھ سے آنسو بہتے ہیں تو دل سے؟

ج: خون کے آنسو۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

س: دل اداس ہو تو سارے موسم اداس سے کیوں لگتے ہیں؟

ج: گرمیوں کا موسم ہے شاید اسی لیے۔

س: روتی ہوئی آنکھوں سے جو ہونٹ مسکرا دیتے ہیں مجھے وہ بہت اچھے لگتے ہیں اور آپ کو؟

ج: ہمیں مسکراتی آنکھیں اور مسکراتے ہونٹ دونوں ہی اچھے لگتے ہیں' جیسے آپ کے۔

س: آپی جی کیا واقعی دعا تقدیر بدل دیتی ہے؟

ج: جی بالکل ہمیں تو پورا یقین ہے۔

نادیہ یاسین...... ساہیوال

س: پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں پلیز ویلکم کریں۔

ج: خوش آمدید۔

س: آپی اگر عورت کی عقل اس کی چوٹی میں یا چوٹی کے پیچھے ہوتی ہے تو مرد کی کہاں ہوتی ہے؟

ج: مرد کی عقل تو مرد کے پاس ہے البتہ آپ کی عقل گھاس چرنے گئی ہے۔

س: آپی اگر لمبے قد والوں کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے تو چھوٹے قد والوں کی کہاں؟

ج: ان کے پاس عقل ہی نہیں ہوتی۔

س: آپی اگر آپ لڑکی کی بجائے لڑکا ہوتیں تو؟

ج: ربّ کی رضا میں راضی۔

س: آپی اگر یونیورسٹیوں میں موبائل فون پر پابندی ہوتی تو؟

ج: نئے لیلیٰ مجنوں قبر میں آرام سے ہوتے۔

ثناء اینڈ صبا چوہدری...... پیر محل

س: ہم آپ کی محفل میں پہلی بار شریک ہوئے ہیں کیسا لگا؟

ج: یہ تو سوچنا پڑے گا انتظار کرو۔

س: سمی آپا! ایک طرف وہ ہے جسے ہم بہت زیادہ چاہتے ہیں اور دوسری طرف وہ جو ہمیں چاہتا ہو تو کس کو چُننا چاہیے (اسپیشل بتائیں)

ج: جو آپ کو چاہتا ہے۔

حمنہ سحر...... قصور

س: اپنے آپ کو گناہوں سے کیسے بچائیں' طریقہ بتایئے گا کوئی؟

ج: اپنے آپ پر کنٹرول استغفر کی کسرت سے۔

س: آپی دعا کریں کہ پاکستان کے حالات ٹھیک ہوجائیں' روز روز نئی نئی خبریں سن کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

ج: آمین ثم آمین۔

س: آخر میں اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت کریں' اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے' اللہ حافظ۔

ج: سدا شاد وآباد رہو۔

نازیہ صادق...... سکھ چیناں

س: آپی پاکستان بہت خوب صورت ملک ہے لوگ اس کو چھوڑ کر کیوں جاتے ہیں؟

ج: اور پھر لوٹ کر بدھو گھر کو ہی آتے ہیں۔

س: آپی کیا خواب حقیقت بن سکتے ہیں؟
ج: جی بالکل بن سکتے ہیں۔

مدیحہ بتول گوندل...... مانگٹ، شیخوپورہ

س: آپی شعر کا جواب شعر سے دیں
تیری وفا کے تقاضے بدل گئے ورنہ
مجھے تو آج بھی تجھ سے عزیز نہیں کوئی
ج: تیرے وعدے اگر وفا ہوتے
تم مجازی سہی خدا ہوتے
س: اپیا ماں کے قدموں میں جنت ہے تو باپ بھی تو جنت کا دروازہ ہے اس لیے باپ سے بھی تو ماں جتنا پیار کرنا چاہیے؟
ج: جی بالکل ضرور کرنا چاہیے۔
س: آپی خوشی جن لوگوں سے ملتی ہے ہم انہیں بہت جلدی بھول جاتے ہیں، کیوں؟
ج: دستورِ دنیا ہے جو غم دے وہی یاد رہے۔

نازیہ کامران...... کہوٹہ

س: سلام قبول کیجیے حال احوال بتایئے اور محفل میں انٹر کیجیے؟
ج: وعلیکم السلام! انٹر کیا ہونا ہے اب آ ہی گئی ہو تو بیٹھ ہی جاؤ۔
س: آپی پکوڑے کھانے کا سردی میں دل کیوں کرتا ہے اور گرمیوں میں نہیں؟
ج: پکوڑوں کا تعلق برسات سے ہے نہ کہ سردی گرمی سے لگتا ہے عقل زیادہ ہی دور چرنے چلی گئی ہے شاید۔

فائقہ سکندر حیات...... لنگڑیال، گجرات

س: السلام علیکم! پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں جگہ ملے گی؟
ج: وعلیکم السلام! جی بالکل، خوش آمدید۔
س: آپی انسان محبت کیوں کرتا ہے؟
ج: خودکشی جو حرام ٹھہری اس لیے۔

صائمہ طاہر سومرو...... حیدرآباد، سندھ

س: ڈیئر آپی! میری کزنز نصیباں، صائمہ، جنت، عبدل اور میری سسٹر اسماء طاہر اور میری طرف سے آنچل کو 35 ویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔
ج: تہہ دل سے شکریہ۔
س: شمائل میری بھی سالگرہ 27 اپریل کو ہوتی ہے اور آنچل کی بھی میرے لیے یہ بہت خوشی کی بات ہے آپ کے لیے؟
ج: ہماری طرف سے سالگرہ مبارک۔
س: سچ سچ بتائیں آپ کی عمر کیا ہے؟
ج: لڑکیوں سے عمر اور لڑکوں سے تنخواہ نہیں پوچھتے۔

عظمیٰ کنڈی...... گل امام

س: السلام علیکم! شمائلہ آپی آج کل کی حوریں لنگوروں کو کیوں پسند کرتی ہیں؟
ج: کیوں تمہیں بھی کوئی لنگور پسند آ گیا ہے کیا؟
س: آپی شریک سفر سیدھا ہونا چاہیے یا کہ سادہ؟
ج: سیدھا + سادہ + خوش مزاج ہو (تمہارے لیے)
س: آپی اگر آپ کو خواب میں قارون کا خزانہ مل جائیں تو آپ اس پر کیا کریں گی؟
ج: مارے خوشی کے آنکھ کھل جائے گی اور کیا کرنا ہے۔
س: آپی کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ دوسری شادی کیا وجہ ہے۔
ج: تمہیں کب سے یہ غلط فہمی ہوگئی کہ شادی شدہ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں؟ کہیں تمہارے وہ تو نہیں......
س: آپی جان عشق کا بھوت کس سے اترتا ہے؟
ج: اماں کی چپل سے۔
س: اوکے اللہ حافظ۔
ج: اللہ حافظ۔

سیدہ جیا عباس کاظمی...... تلہ گنگ

س: السلام علیکم! کیسی ہیں اپیا! تھوڑی سی جگہ چاہیے۔
ج: وعلیکم السلام۔
س: اپیا عورت کا مطلب......؟
ج: محبت کا پیکر۔
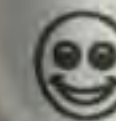
آپ کی صحت

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

مریم عبدالرحمٰن سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے بال بہت پتلے کمزور بے رونق ہیں گرتے بھی ہیں ہیئر گرو ور منگانے کا طریقہ بتائیں۔
محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا کا نام ضرور لکھیں آپ کو ہیئر گرو ور گھر پہنچ جائے گا۔
الف کے ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے بھائی کو لکنت بہت ہے اور اس کے پیروں پر سردی میں خارش ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ کزن کو لیکوریا کی شکایت ہے آپ دوائیں تجویز کردیں۔
محترمہ آپ بھائی کو NAT CARB 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور STRAMONIUM 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار دیں کزن کو BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔
عائشہ امان سمندری سے لکھتی ہیں کہ مجھے بہت زیادہ پیشاب آتا ہے ٹیسٹ میں کوئی مرض نہیں آتا دوسری کھانسی خشک ہے میرا بیٹا 3 سال کا ہے اسے جلد کی الرجی ہے۔
محترمہ آپ RHUSAROMA 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔
الف عین الف ملکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر دانے داغ چھوڑ جاتے ہیں اور چھائیاں بہت ہیں۔
محترمہ آپ BERBARIS AOUIF-3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن ایک بار لیں۔
کاشف فاروق سکھر سے لکھتے ہیں کہ مجھے نزلہ بلغم کی شکایت ہے پیٹ خراب رہتا ہے، بہت پریشان ہوں۔
محترم آپ HYDRASTIS 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ انشاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔
آمنہ نورین ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میں بالکل دبلی پتلی ہوں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں طاقت کی کوئی دوا کام نہیں کرتی ہے۔ اس کے علاوہ دائمی قبض کا مسئلہ درپیش ہے۔ لیکوریا بھی بہت ہے۔
محترمہ آپ FIVE PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور OPIUM 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن ایک بار لیں۔
خالدہ نورین سیال خانیوال سے لکھتی ہیں کہ میرا رنگ سانولہ ہے ایسی دوا بتائیں کہ میری رنگت سرخ سفید ہوجائے اور سر کے بال تیزی سے گر رہے ہیں۔
محترمہ آپ JODIUM-IM کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر پندرہ دن میں ایک بار پیا کریں۔ 6 ماہ مکمل کرلیں 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کردیں۔ آپ کو HAIR GROWER گھر پہنچ جائے گا بالوں کا تمام مسئلہ حل ہوجائے گا۔
لبنیٰ شاہین جہلم سے لکھتی ہیں کہ 8-10 سال سے میری تھوڑی پر بال ہیں اور بیٹا دائمی زکام کا مریض ہے۔
محترمہ آپ بیٹے کو MERCSOL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیا کریں اور فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کے لیے مبلغ 900 روپے کا منی آرڈر ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک کے نام پر ارسال کردیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔
این این اسلم سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا معدہ کا مسئلہ ہے سردیوں میں معدہ خراب رہتا ہے دوسرا مسئلہ میرے چہرے پر چھائیاں بہت ہیں۔ نہانے کے بعد لیکوریا ہوتا ہے۔
محترمہ آپ BERBARIS AQUI 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر صبح شام لیں اور CARBOVEG 6 کے پانچ قطرے تینوں وقت

کھانے سے پہلے لیں۔
مومنہ کلاسکے سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پردانے نکلتے ہیں جو خشک ہیں ایفروڈائٹ کے لیے رقم بھیجی ہے ایفروڈائٹ بھیج دیں۔
محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں ایفروڈائٹ ارسال کردی گئی ہے امید ہے پہنچ گئی ہوگی۔
صفیہ عباس خان لیہ سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 25 سال ہے میرے بال تیزی سے سفید ہورہے ہیں چھوٹے بھی ہیں۔
محترمہ آپ 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پرارسال کردیں HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے بال لمبے گھنے ہوجائیں گے اور سفید ہونا بھی رک جائیں گے۔
ثناء ظہیر ہری پور سے لکھتی ہیں کہ میری بھنوؤں کے اوپر سفید نشان ہوگیا تھا اور اب بازو پر بھی نشان آگیا ہے ہے نسوانی حسن کم ہوگیا ہے۔
محترمہ آپ HYDROCOTYL 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیا کریں اور مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے پتے پرارسال کردیں۔ BREAST BEAUTY آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔
عائلہ بیگم حسن ابدال سے لکھتی ہیں مجھے گاڑھا اور بدبودار سیلان الرحم کی شکایت ہے اور بچے کو ذہنی کمزوری ہے حافظہ کمزور ہے جسمانی کمزوری بھی ہے۔
محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پیا کریں۔ ذہنی کمزوری کے لیے KALIPHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ دیں۔
دانیہ زینت حسن ابدال سے لکھتی ہیں کہ ہرنیا کے آپریشن کے بعد پیٹ بڑھ گیا ہے بریسٹ بھی بڑے ہوکر لٹک گئے ہیں کوئی مناسب دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ CALC FLUOR 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور CHIMAPHILA 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بارلیں۔
ع م چکوال سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پردانے نکلتے ہیں اور چھائیاں ہیں۔
محترمہ آپ BERBARIS AQUIF 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور GRAPHITES 200 کے پانچ قطرے آٹھویں دن ایک بارلیں۔
عائشہ ضلع لیہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری رانیں اور کولہے بہت بڑھے ہوئے ہیں اور بہن کو بھی مٹاپا ہے۔
محترمہ آپ دونوں PHYTOLACCA Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔
حمیرہ عطاء اللہ گجرات سے لکھتی ہیں کہ میری چھوٹی بہن کے چہرے پردانے ہوتے ہیں نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ بڑی بہن تین بچوں کی ماں ہیں نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں کمزور سے کمزور ہوتی جارہی ہوں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوں۔
محترمہ چھوٹی بہن کو GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔ بڑی بہن کو اس عمر میں نسوانی حسن میں اضافہ ممکن نہیں ہے۔ آپ FIVE PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔
اقراء بٹ وزیر آباد سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں۔
محترمہ آپ میرے کلینک سے APHRODITE منگانے کے لیے 900 روپے کا منی آرڈر کردیں دوا آپ کو گھر پہنچ جائے گی۔ ان شاء اللہ فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔
کلثوم کے ایس خانیوال سے لکھتی ہیں کہ آپ کی صحت ضرور پڑھتی ہوں اپنا مسئلہ لکھ رہی ہوں اس کا حل بتائیں اور نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے چھوٹی بہن کے سر کے بال گررہے ہیں۔
محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ میرے

میرٹ ہوٹل کراچی میں فیڈرل فنانس منسٹر مسٹر عبدالحفیظ شیخ اینا ایف ایم کے مسٹر شہزاد قریشی کو برانڈ آف ایئر کا ایوارڈ پیش کررہے ہیں

کلینک سے BREAST BEAUTY اور HAIR GROWER منگالیں۔
جویریہ جاوید ملتان سے لکھتی ہیں کہ مجھے نسوانی حسن کی کمی ہے اور بہن کا وزن بڑھا ہوا ہے سر کے بال خشک ہیں بال گرتے ہیں۔
محترمہ آپ SABALSERULAT-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور 1150 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پرارسال کردیں۔
مہوش شاہ سرور لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بال ہیں دانے نکلتے ہیں نشان چھوڑ جاتے ہیں۔
محترمہ آپ GRAPHITES 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت پیا کریں اور 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ بال ختم کرنے کی دوا APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔
پارس چوہدری گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرا پیٹ بڑھا ہوا ہے مجھے اس کا حل بتادیں۔
محترمہ آپ CALCFLUOR 6X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن لیں۔
رامین فاطمہ ڈاہرہ والہ سے لکھتی ہیں کہ میرا کانوں کا مسئلہ ہے قوت سماعت کم ہوگئی ہے۔
محترمہ آپ کان کے ماہر ڈاکٹر کو دکھائیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔
دربیہ فیصل آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ لیکوریا ہے جو پرانا ہے پانچ ماہ بعد شادی ہے چہرے اور جسم پر بال ہیں سر میں خشکی ہے۔
محترمہ آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ 1500 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پرارسال کردیں آپ کو ایفروڈائٹ اور ہیئر گروور گھر پہنچ جائے گا۔
شائلہ رفیق سمندری سے لکھتی ہیں کہ میرے بال پتلے روکھے ہیں بڑھتے نہیں ہیں پیسے بھیج رہی ہوں۔
آپ کو HAIR GROWER ارسال کیا جاچکا ہے امید ہے پہنچ گیا ہوگا۔
فلک علی منڈی بہاؤالدین سے لکھتی ہیں کہ بریسٹ میں گھٹلیاں ہیں پیٹ بڑھ گیا ہے معدہ درست نہیں ہے۔ دوست کی آنکھوں کا مسئلہ ہے اس کا بھی علاج بتائیں۔
محترمہ آپ CALCFLUOR 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔
زبیر شاہ کوہاٹ سے لکھتی ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔
محترم آپ CONIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔
مصباح اشرف عارف والہ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔
محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین دن روزانہ لیں۔

حمیرا احمید چکوال سے لکھتی ہیں کہ میں ہر ماہ آنچل میں آپ کی صحت پڑھتی ہوں۔
محترمہ آپ CALCPHOS 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں۔
بنت محمد اقبال سمڑیال سے لکھتی ہیں کہ میں بہت سی بیماریوں کا شکار ہوں۔ دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ KALPHOS 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور 600 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کریں۔ HAIR GROWER آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ بالوں کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔
جمیلہ بیگم ساہیوال سے لکھتی ہیں کہ میری بچی بیمار ہے بہت پریشانی ہے مکمل حالات لکھ رہی ہوں کوئی دوا تجویز کردیں بہت مہربانی ہوگی۔
محترمہ آپ بچی کو اپنے شہر کے کسی اچھے ہومیو ڈاکٹر کو دکھادیں اس کا علاج معائنہ کے بغیر ناممکن ہے۔
نور شیخ وہاڑی سے لکھتے ہیں کہ بچپن کی غلطیوں سے صحت برباد کرچکا ہوں بہت زیادہ پریشان ہوں ماں باپ شادی کی تیاری کررہے ہیں۔
محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔
کلثوم فاطمہ کراچی سے لکھتی ہیں کہ بچی کی مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں شائع کیے بغیر دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ بچی کو SIPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔
وحیدہ ظفر سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرا کان بہتا ہے تکلیف کوئی نہیں ہے بہت علاج کیا مگر فائدہ نہیں ہوتا بہت پریشان ہوں۔
محترمہ آپ TELLORIUM 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔
نظام الدین ملتان سے لکھتے ہیں کہ سارے جسم میں خارش ہے دانے وغیرہ کچھ نہیں نکلتے سوکھی خارش بہت ہوتی ہے بہت علاج کیا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔
محترم آپ DOLOCHUS 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ ان شاء اللہ خارش مکمل طور پر ختم ہوجائے گی۔
مہوش نگار ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میں ایک عرصہ سے بیمار ہوں مکمل کیفیت لکھ رہی ہوں برائے مہربانی دوا تجویز کردیں۔
محترمہ آپ KALMIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔
اقبال احمد کربانی گجرات سے لکھتے ہیں کہ مکمل کیفیت لکھ رہا ہوں مجھے کوئی مناسب دوا بتائیں۔
محترم آپ BELLDONA 6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔
نعمت اللہ خان لکھتے ہیں کہ میرے سر کے بال تیزی سے گررہے ہیں گنجا ہوگیا ہوں خاندانی مسئلہ ہے۔
محترم آپ HIAR GROWER استعمال کریں ان شاء اللہ گنجے سر پر گھنے بال آجائیں گے۔
نسرین حیدر علی لاہور سے لکھتی ہیں کہ میری تھوڑی اور کلائیوں پر فالتو بال ہیں اس کا علاج بتائیں۔
محترمہ آپ 900 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ APHRODITE آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ اس کے استعمال سے بال مستقبل طور پر ختم ہوجائیں گے۔
نعیمہ سراج وہاڑی سے لکھتی ہیں کہ بچوں کو دودھ پلانے سے فگر خراب ہوگئی ہے۔ مناسب علاج بتائیں۔
محترمہ آپ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں بریسٹ بیوٹی آپ کے گھر پہنچ جائے گا انشاء اللہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔
ملاقات اور منی آرڈر کرنے کا پتا۔ صبح 10 تا 1 بجے، شام 6 تا 9 بجے فون 021-36997059
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک، دکان C-5، کے ڈی اے فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 سیکٹر 14-B نارتھ کراچی 75850۔
خط لکھنے کا پتا: آپ کی صحت ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75، کراچی۔

کام کی باتیں
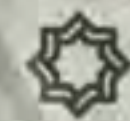
حنا احمد

کھجور کے فوائد

❖ اللہ عزوجل کے حبیب ﷺ کا فرمانِ صحت نشان ہے عالی رتبہ "عجوہ" (مدینہ منورہ کی سب سے عظیم کھجور کا نام) میں ہر بیماری سے شفا ہے، سات روز تک روزانہ سات عدد عجوہ کھجور کھانا جذام (یعنی کوڑھ) کو روکتا ہے۔
❖ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ جنت نشان ہے، عجوہ کھجور جنت سے ہے اس میں زہر سے شفا ہے۔ "بخاری شریف" کی روایت کے مطابق جس نے نہار منہ عجوہ کھجور کے سات دانے کھالیے اس دن اسے جادو اور زہر بھی نقصان نہ دے سکیں گے۔
❖ کھجور کھانے سے پرانی قبض دور ہوتی ہے۔
❖ دمہ، دل، گردہ، مثانہ، پتا اور آنتوں کے امراض میں کھجور مفید ہے۔
❖ دل کی بیماری اور کالا موتیا کے لیے کھجور کو گٹھلی سمیت کوٹ کر کھانا مفید ہے۔
❖ کھجور کھانے سے زخم جلدی بھر جاتا ہے۔
❖ یرقان (یعنی پیلیا) کے لیے کھجور بہترین دوا ہے۔
❖ کھجور کو بھگو کر اس کا پانی پی لینے سے جگر کی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔
❖ دست کی بیماری میں بھی یہ پانی مفید ہے (رات کو بھگو کر صبح نہار منہ اس کا پانی پئیں مگر بھگونے کے لیے فریزر میں نہ رکھیں)
❖ کھجور کی گٹھلیوں کو آگ میں جلا کر اس کا منجن بنالیں یہ دانتوں کو چمک دار اور منہ کی بدبو کو دور کرتا ہے۔

اسماء عطاریہ...... کراچی

پانی کب پیا جائے

اگر ضرورت ہو تو پانی کھانا کھانے کے درمیان بھی پیا جاسکتا ہے اور کھانا کھانے کے فوراً بعد بھی لیکن ہر صورت میں پانی کی مقدار کم ہونی چاہیے زیادہ مقدار میں کھانے کے دوران پانی پینے سے معدہ پھیل جاتا ہے اور ہاضمہ خراب ہوجاتا ہے لہٰذا کھانے کے درمیان اور بعد میں پینے کے نقصانات سے محفوظ رہنے کے لیے پانی کھانے کے تقریباً دو تین گھنٹے کے بعد پینا چاہیے۔ اس وقت تک غذا ہضم ہوچکی ہوگی لہٰذا یہ پانی ہضم شدہ غذا کے ساتھ مل کر اس کو باریک باریک رگوں کے ذریعے جذب ہونے میں مدد دے گا۔ چائے پینے سے پہلے یا چائے پینے کے بعد فوراً پانی پینا مناسب نہیں ہے اگر پیاس لگی ہوئی ہو تو چائے پینے سے تسکین ہوجاتی ہے، چائے پینے کے تقریباً آدھ گھنٹے بعد پانی پینا چاہیے۔

چیچک کے داغ دور کیجیے

خالص پستہ لیجیے اور اسے پیس کر سفوف سا بنالیں اور پھر رات کو سوتے وقت چیچک کے داغوں پر مسلسل ملیں، چھ ماہ ایسا کرتے رہیں پہلے داغ مدہم پڑجائیں گے اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہوجائیں گے۔

امراضِ جگر کے لیے

جگر کا کوئی بھی عارضہ ہو رات کو ایک مولی لے کر شبنم میں رکھ دیں، نہار منہ کھائیے تین ہفتے میں آرام آجائے گا۔

دانتوں کے سیاہ نشان ختم کیجیے

چنبیلی کے پتے ابال لیجیے اور ہر صبح اس کے پانی سے کلیاں کیجیے، بہت جلد دانتوں پر پڑے سیاہ نشان ختم ہوجائیں گے۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

اسٹیل کے برتنوں پر داغ

اسٹیل کے برتنوں پر داغ یا نشان پڑجائیں تو اسے صاف کرنے کے لیے کوئی برادر کپڑا جراب یا بنیان کا ٹکڑا لیں اور نمک ملا کر نیم گرم پانی سے کپڑے کو بھگو کر اس پر ڈٹرجنٹ پاؤڈر لگا کر برتن دھوئیں اور پھر سوتی کپڑے سے برتن خشک کرلیں، سارے داغ دور ہوجائیں گے۔

بالوں کی حفاظت

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بال دھونے کے بعد الگ الگ

نظر آئیں تو بالوں کی جڑوں میں دودھ کا ہلکا سا مساج کریں اور اس کے بعد نیم گرم پانی میں لیموں کا رس نچوڑ کر بالوں میں لگائیں اس سے نہ صرف آپ کے بال الگ الگ ہوجائیں گے بلکہ ان کا گرنا بھی رک جائے گا۔

فالتو چربی دور کرنے کے لیے

روزانہ تقریباً پانچ دفعہ نیم گرم پانی میں تھوڑا تھوڑا شہد ملا کر پینے سے چند دنوں میں جسم کی فالتو چربی زائل ہوجائے گی۔

زکام سے محفوظ رہنے کے لیے

روزانہ رات کو سوتے وقت سات کالی مرچیں پانی کے ساتھ نگل لیجیے اس طرح آپ زکام سے محفوظ رہیں گی۔

گرتے بالوں کے لیے

ایک چمچ لیموں کا رس اور ناریل کا پانی دونوں ہم وزن لے کر سر کی جلد میں اچھی طرح ملیں' ایک گھنٹے بعد سر دھوئیں۔

بھورے تلوں کے لیے

بادام چھیل کر پیس لیں' ایک انڈے کی سفیدی کے ساتھ آدھا چمچ لیموں کا رس ملالیں' 15 منٹ چہرے پر لگائیں' پہلے گرم اور پھر ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں۔

عظمیٰ کنڈی......گل امام

گھریلو ٹوٹکے

☆ سالن میں غلطی سے زیادہ نمک ڈل جائے تو پریشان نہ ہوں اس میں صرف ایک چھلا ہوا آلو ڈال دیں وہ تمام اضافی نمک جذب کرلے گا۔

☆ اگر آپ یہ تسلی کرنا چاہتی ہیں کہ انڈا خراب تو نہیں تو انڈے کو ٹھنڈے نمک ملے پانی میں ڈال دیں اگر وہ تیرنے لگے تو سمجھ جائیں کہ انڈا خراب ہے اور اگر ڈوب جائے تو سمجھ لیں کہ انڈا ٹھیک ہے۔

☆ سر درد کا بہتر علاج ایک لیموں لیں اور اسے کاٹیں پھر اس کو اپنی پیشانی پر ملیں سر درد ٹھیک ہوجائے گا۔

☆ اگر آپ مچھر کے کاٹنے کی وجہ سے تکلیف دہ خارش کا شکار ہیں تو اس جگہ پر تھوڑا سا صابن لگائیں' خارش فوراً غائب ہوجائے گی۔

☆ اگر آپ کے گھر میں چیونٹیاں اور کاکروچ بہت زیادہ ہیں تو ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ فرش پر چاک سے لکیر لگادیں' پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

☆ انڈے کو ابالنے سے پہلے اگر پانی میں تھوڑا سا نمک ملالیں تو انڈے کا چھلکا پھٹتا نہیں۔

☆ کھانے سے پہلے ہمیشہ تھوڑا سا نمک چکھنے کی عادت ڈالیں اس سے انسان بہت سے امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

☆ اگر آپ کا لوہے کا فرنیچر زنگ آلود ہوگیا ہے تو تارپین کے تیل کو کپڑے پر لگا کر اسے صاف کرلیں۔

☆ لیدر کے فرنیچر پر سیاہی کے سخت دھبے لگ جائیں تو نیل پالش ریموور سے صاف کیے جاسکتے ہیں۔

☆ اگر آپ کا چاندی کا زیور کالا ہوگیا ہے تو اس پر ٹوتھ پیسٹ لگا کر اچھی طرح ملیں۔

☆ اگر لیموں کا زیادہ رس حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اسے اوون میں ہلکا سا گرم کرلیں یا پھر گرم پانی میں کچھ دیر کے لیے رکھ دیں۔

☆ گھر میں بچی ہوئی کافی کو ضائع کرنے کی بجائے لان میں پودوں میں ڈال دیں' یہ بہت اچھی کھاد کا کام کرتی ہے۔

☆ فریج سے اگر سبزیوں اور پھلوں کی بو ختم کرنا ہو تو اس میں ایک لیموں کاٹ کر رکھ دیں یا پھر ایک عدد بجھا ہوا کوئلہ رکھ دیں۔

☆ برسات کے موسم میں بستر اور گدوں وغیرہ کو نمی اور سیلن سے بچانے کے لیے ٹالکم پاؤڈر استعمال کریں اگر گدے پر تھوڑا سا ٹالکم پاؤڈر چھڑک کر اوپر بیڈشیٹ بچھائی جائے تو نمی سے محفوظ رہیں گے۔

طیبہ اقبال......شاہدرہ